سیرت
رسولِ عربی

قولِ صادق

شاہنشہِ ارض و سما بلغ العلیٰ بکمالہ

وصفِ رخِ او والضحیٰ کشف الدجیٰ بجمالہ

قرآن باخلاقش گواہ حسنت جمیع خصالہ

صدقاً یقیناً ازآنکہ صلّوا علیہ و آلہ

تاج الدین زرّیں رقم

گلِ خوش رنگ رسولِ مدنی العربی
زیبِ دامانِ ابد، طُرّۂ دستارِ ازل

مہرِ توحید کی ضو، اوجِ شرف کا مہِ نو
شمعِ ایجاد کی لَو، بزمِ رسالت کا کنول

محسن کاکوروی

سیرت

رسولِ عربی

صلی اللہ علیہ وسلم

علامہ نور بخش توکلی علیہ الرحمۃ

الکتاب لاہور

الکتاب، گنج بخش روڈ لاہور

۱۹۷۹ء

بختیار پرنٹرز دربار مارکیٹ لاہور

فہرست

پہلا مقدمہ

ملک عرب کا جغرافیہ

ملک عرب براعظم ایشیا کے جنوب مغرب میں واقع ہے۔ چونکہ اس کو تین طرف سمندر نے اور چوتھی طرف دریائے فرات نے جزیرے کی طرح گھیرا ہوا ہے۔ اِسے جزیرہ عرب کہتے ہیں؛

اس کے شمال میں بلاد شام وعراق ہیں۔ مغرب میں بحر احمر یعنی بحیرہ قلزم۔ جنوب میں بحر ہند اور مشرق میں خلیج عمان اور خلیج فارس ہیں؛

اس کا طول شمالاً جنوباً پندرہ سو میل کے قریب اور اوسط عرض شرقاً غرباً آٹھ سو میل ہے۔ اس کا رقبہ ایک لاکھ بیس ہزار مربع میل یعنی براعظم یورپ کی ایک تہائی کے قریب ہے؛

علمائے جغرافیہ نے حسب طبیعت اراضی اس ملک کو آٹھ حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ جن کا بیان بطریق اختصار نیچے لکھا جاتا ہے؛

۱۔ اقلیم حجاز جو مغرب میں بحر احمر کے ساحل کے قریب واقع ہے۔ حجاز سے ملحق ساحل بحر کو جو نشیب ہے تہامہ یا غور کہتے ہیں۔ اور حجاز سے مشرق کو جو حصہ ملک ہے وہ نجد (زمین مرتفع) کہلاتا ہے۔ حجاز چونکہ نجد و تہامہ کے درمیان حاجز و حائل ہے۔ اِس لئے اس نام سے موسوم ہے؛

حجاز کے مشہور شہروں میں سے مکہ مشرفہ ہے جو مشرق میں جبل ابو قبیس اور مغرب میں جبل قعیقعان کے درمیان واقع ہے۔ اس شہر مبارک میں نوشیرواں کی تخت نشینی کے بیالیسویں سال سالِ فیل میں ربیع الاول کی بارہویں تاریخ کو سیدنا و مولانا محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے۔ خانہ کعبہ (بیت اللہ شریف) اسی شہر میں ہے۔ مناسک حج کے مشہور مقامات میں سے صفا اور مروہ تو بیت اللہ شریف کے عین قریب ہی ہیں۔ منیٰ تین میل مشرق کو ہے۔ منیٰ سے اسی قدر فاصلے پر مشرق کی طرف مزدلفہ اور مزدلفہ سے مشرق کو اتنے ہی مسافت پر عرفات ہے؛

مکہ مشرفہ سے شمال کی طرف قریبًا دو سو بیس میل کے فاصلے پر مدینہ منورہ ہے۔ جہاں حضور سرور کائنات علیہ الوف التحیۃ والصلوٰۃ کا مزار مقدس واقع ہے۔ مدینہ منورہ سے قریبًا تین میل شمال کو جبل اُحد ہے جہاں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار مبارک ہے۔

مکہ مشرفہ کا بندرگاہ جدہ ہے جو ۴۳ میل کے فاصلے پر بحر احمر کے ساحل پر واقع ہے۔ مدینہ منورہ کا بندرگاہ ینبع ہے جو مدینہ سے ۷۳ میل کے فاصلے پر بحیرہ قلزم کے ساحل پر ہے۔ حجاز ریلوے لائن ۱۹۰۸ء میں دمشق سے مدینہ منورہ تک تیار ہو گئی تھی۔ مدینہ منورہ سے مکہ مشرفہ تک اِس وقت تک تیار نہیں ہوئی۔

اس اقلیم میں حرمین شریفین کے علاوہ بدر۔ اُحد۔ خیبر۔ فدک۔ حنین۔ طائف۔ تبوک اور غدیر خم اسلامی تاریخ میں بہت مشہور ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کا شہر مدین تبوک کے محاذ میں ساحل بحر احمر پر واقع ہے۔ حجر میں جو وادی القریٰ میں ہے آثار ثمود اب تک پائے جاتے ہیں۔ طائف اہل مکہ مشرفہ کا مصیف ہے۔ یہاں کے میوے مشہور ہیں۔

۲۔ اقلیم یمن جو حجاز کے جنوب میں بحر احمر اور بحر ہند کے ساحل سے متصل واقع ہے اس کی یمن و برکت یا کعبۃ اللہ سے جانب یمین واقع ہونے کے سبب سے اس نام سے موسوم ہے۔

اس اقلیم میں نجران۔ صنعاء اور سبا و مارب مشہور تاریخی مقامات ہیں۔ مخہ۔ خدیدہ اور زبید تجارتی حیثیت رکھتے ہیں۔

صنعاء دار السلطنت ہے جو عدن سے ۱۶۸ میل ہے۔ کنیسہ قلیس اسی شہر میں تھا۔ اس کا بندرگاہ حدیدہ ہے۔ جہاں سے بن اور چمڑے بیرونی ممالک کو جاتے ہیں۔ صنعاء سے چار دن کی مسافت پر سبا و مارب کے آثار پائے جاتے ہیں جس کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔

نجران ایک بڑا شہر تھا جس کے متعلق ستر گاؤں تھے۔ یہ شہر ملک عرب میں عیسائیت کا مرکز تھا۔ یہاں ایک بڑا گرجا تھا۔ جسے بنو عبد المدان بن الدیان حارثی نے کعبۃ اللہ کے مقابلہ میں بنایا تھا۔ وہ کعبۃ اللہ کی طرح اس کی تعظیم کرتے تھے اور اُسے کعبۂ نجران کہا کرتے تھے۔ اسی گرجا کے بڑے بڑے پادری ہجرت کے بارھویں سال حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تھے۔ اور حضور نے ان کو مباہلہ کی دعوت دی تھی۔ نجران ہی کے ایک گاؤں میں

قصۂ اصحاب اخدود وقوع میں آیا تھا جس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ کے کلام پاک میں پایا جاتا ہے؛

۳۔ اقلیم **حضرموت** جو یمن کے مشرق میں بحر ہند کے ساحل سے متصل واقع ہے اس کے مشہور شہر تریم اور شبام ہیں۔ شبام دار السلطنت ہے۔ ان کے علاوہ مرباط۔ ظفار۔ شحر اور مکلّہ ساحل پر واقع ہیں۔ مکلہ سے لبان بیرونی ممالک کو جاتا ہے؛

۴۔ اقلیم **مَہرَہ** جو حضرموت کے مشرق میں واقع ہے۔ یہاں کے اونٹ مشہور ہیں۔ جنہیں قبیلہ مہرہ کی طرف نسبت کرکے ابل مہریہ بولتے ہیں۔ یہاں کے باشندوں کی غذا عموماً مچھلی ہے؛

۵۔ اقلیم **عمان** جو مہرہ سے متصل بحر ہند و بحر عمان کے ساحل سے ملحق ہے۔ اس کے مشہور شہروں میں سے مسقط اور صحار ہیں۔ یہاں کے باشندے عموماً خوارج اباضیہ ہیں؛

۶۔ اقلیم **الاحساء** جسے بحرین بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ بحر فارس و بحر عمان کے ساحل پر واقع ہے۔ اس طرف کے جزائر میں موتیوں کے مغاص ہیں۔ اس کے مشہور شہروں میں سے قطیف ہفوف اور ہجر ہیں۔ یہاں کے باشندے عموماً رافضی تبرّائی ہیں؛

۷۔ اقلیم **نجد** جو حجاز کے مشرق اور صحرائے شام کے جنوب میں ہے۔ اسی اقلیم کی نسبت حدیث شریف میں آیا ہے کہ یہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔ یہ پیشگوئی محمد بن عبد الوہاب اور فرقہ وہابیہ کے ظہور سے پوری ہوگئی۔ اسی اقلیم کے شمالی حصے میں حرب داحس اور حرب بسوس وقوع میں آئیں جن میں سے ہر ایک چالیس سال تک جاری رہی۔ وہابیہ کا دار السلطنت ریاض ہے؛

۸۔ اقلیم **الاحقاف** جو عمان و احساء و نجد و حضرموت و مہرہ کے درمیان میں ایک وسیع بے آباد صحرا ہے۔ اس کا حال معلوم نہیں۔ حضرت ہود علیہ السلام کی قبر مبارک حضرموت کے متصل احقاف ہی میں ہے؛

پیداوار یمن وغیرہ میں بُن کے پیڑ اور صمغ عربی کے درخت (اقاقیا) ہوتے ہیں۔ حضرموت میں نباتات عطریہ اور مشمومات اور عود قاقلی ہوتا ہے۔ کھجور۔ کپاس۔ مکی اور چاول یمن میں خصوصیت سے ہوتے ہیں۔ سنا جنوبی حجاز اور تہامہ میں ہوتی ہے۔ بلسان مکہ مشرفہ کے قریب اور حنا مغربی ساحل پر پائی جاتی ہے۔ نجد کے گھوڑے اور مہرہ کے اونٹ مشہور ہیں۔ گدھے۔ دُنبے بکریاں اور مویشی کثرت سے ہیں۔ عرب میں وحوش میں سے شتر مرغ۔ چیتا۔ پلنگ۔ سیاہ گوش اور کفتار ہیں؛

دوسرا مقدمہ

عرب کی تاریخ قدیم پر طائرانہ نظر

زمانہ قدیم میں طوفان نوحؑ کے بعد جزیرہ عرب میں سام بن نوحؑ کی نسل کے لوگ آباد تھے۔ چنانچہ بنو یعرب بن قحطان بن عامر بن شالخ بن ارفخشد بن سام یمن میں بستے تھے۔ بنو جرہم بن قحطان اور بنو عملیق بن لوذ بن سام حجاز میں رہتے تھے۔ بنو طسم بن لوذ اور بنو جدیس بن عامر بن آرم بن سام یمامہ میں بحرین تک پھیلے ہوئے تھے۔ قوم عاد بن عوض بن آرم شحر و عمان و حضرموت کے مابین احقاف میں آباد تھی۔ اس قوم کی طرف اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا تھا۔ قوم ثمود بن جاثر بن آرم حجاز و شام کے درمیان حجر میں آباد تھی۔ ان ہی کی طرف حضرت صالح علیہ السلام بھیجے گئے تھے۔

ایک زمانہ گزرنے پر عاد و ثمود و جدیس و عمالیق و جرہم فنا ہو گئے۔ اس واسطے ان کو عرب بائدہ بولتے ہیں۔ ان میں سے جو باقی رہے وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں مل جل گئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی قبیلہ جرہم میں ہوئی تھی۔ اس واسطے ان کی اولاد کو عرب مستعربہ کہتے ہیں۔ اور بنو قحطان کو عرب عاربہ یعنی اصلی عرب بولتے ہیں۔ القصہ مذکورہ بالا تباہی و اختلاط کے بعد عرب میں دو بڑے قبیلے رہ گئے۔ بنو قحطان اور بنو عدنان (بنو اسماعیل) ان دونوں کی بہت سی شاخیں تھیں۔ اب عرب کا بڑا حصہ خاندان اسماعیل سے ہے۔ اور خود حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اسی خاندان سے ہیں۔

قدیم الایام سے عربوں کی تجارت مصر و شام کے ساتھ تھی۔ چنانچہ جب بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کوئیں میں گرا دیا۔ تو انہوں نے دیکھا کہ گلعاد سے اسماعیلیوں کا قافلہ آرہا ہے جن کے اونٹوں پر ادویہ و بلسان و مُر لدے ہوئے ہیں اور وہ مصر کو جا رہے ہیں[۱]۔ یہ چیزیں لاشوں کے

[۱] کتاب پیدائش باب ۳۷۔ آیہ ۲۵۔

معطر بنانے میں مصریوں کے کام آیا کرتی تھیں۔ اس کے مدتوں بعد اہالیٔ صور کے ساتھ مویشیوں اور ادویہ اور بیش بہا پتھروں اور سونے کی تجارت کرتے دیکھے جاتے ہیں[1]۔

قرون ماضیہ میں عربوں پر بہت سے بیرونی حملے ہوئے۔ مگر وہ کسی کے ماتحت نہ رہنے چنانچہ مصری فاتح شیشنک اُن کو زیر نہ کر سکا۔ قیروش فارسی (متوفی ۵۲۹ قبل مسیح) نے عرب کے شمالی حصے کے بعض عربوں کو مغلوب کیا۔ مگر مورخ ہیرودوٹس (متوفی ۴۲۴ قبل مسیح) ہمیں یقین دلاتا ہے کہ دارا ہشتاسپ (جس نے سلطنت فارس کی توسیع کی تھی) کے عہد میں عرب خراج سے بری تھے۔ بختنصر بابلی نے ان پر حملہ کیا۔ اور ان کے بہت سے شہر فتح کئے۔ مگر غنیمت لے کر اپنے وطن کو چلا آیا[2]۔ سکندر اعظم کا جانشین انطیغونس (متوفی ۳۰۱ قبل مسیح) ان پر حملہ آور ہوا۔ مگر اُسے اُن کے ساتھ اُن ہی کی شرائط پر صلح کرنی پڑی۔ رومی فاتح پوپیے (مولود ۱۰۶ قبل مسیح) نے ملک عرب کے ایک حصے کو تاخت و تاراج کیا۔ مگر اُس کی فوج پسپا ہوئی۔ تو عربوں نے شدت سے تعاقب کیا۔ اور وہ کچھ عرصے تک شام میں رومیوں کو تنگ کرتے رہے۔ ولادت مسیح سے قریباً ۲۳ سال پہلے رومی سپہ سالار ایلیوس گالس بحیرہ قلزم تک آیا۔ اس نے چاہا کہ عرب فتح کرے۔ مگر ناکام رہا۔ طراجان رومی نے ۱۰۳ء کے قریب ان پر حملہ کیا اور شہر حجر کا محاصرہ کر لیا۔ مگر رعد و ژالہ و گرد باد اور مکھیوں کے جھنڈ کے سبب سے اُس کا لشکر کامیاب نہ ہوا۔ جب وہ حملہ کرتے۔ تو یہی آفتیں پیش آتیں۔ ۲۰۰ء کے قریب سیواروس رومی نے لشکر کثیر اور سامان حرب کے ساتھ شہر حجر کا دوبارہ محاصرہ کیا۔ مگر لشکر و شاہ کے درمیان ایک بیوجہ تنازع نے شاہ کو محاصرہ اُٹھا لینے پر مجبور کر دیا[3]۔

شاہ فارس شاپور ذوالاکتاف نے عرب پر حملہ کیا۔ تو بحرین و ہجر و یمامہ میں کشت و خون کرتا ہوا مدینہ تک پہنچ گیا۔ سرداران عرب جو گرفتار ہو کر آتے تھے۔ وہ ان کے مونڈھے نکال دیتا تھا۔ اس لئے اُسے ذوالاکتاف کہتے تھے[4]۔ مگر اسی بادشاہ نے ۳۶۰ء کے قریب تکریت پر جو خود مختار عربوں کا

[1] حزقیل باب ۲۷، آیہ ۲۰ تا ۲۲۔
[2] تاریخ کامل ابن اثیر۔
[3] لغت بائبل مصنفہ پادری جان برون مطبوعہ نیویارک ۱۸۳۳ء۔ تحت لفظ عرب۔
[4] تاریخ کامل ابن اثیر۔ ذکر شاپور ذوالاکتاف۔

ایک مضبوط قلعہ تھا حملہ کیا۔ تو ناکام رہا۔[۱]

دسویں صدی قبل مسیح میں یمن میں ملوک حمیر بن سبا میں سے ایک فاسق خبیث بادشاہ مالک نام تھا۔ وہ باکرہ عورتوں کو بلا کر اُن کی آبروریزی کرتا تھا۔ چنانچہ اُس نے اپنی چچازاد بہن بلقیس سے بھی یہی ارادہ ظاہر کیا۔ بلقیس نے کہا کہ میرے محل میں آجانا۔ اور اُس کے قتل کرنے کے لئے اپنے اقرباء میں سے دو آدمی مقرر کئے۔ جب وہ محل میں داخل ہوا۔ تو ان آدمیوں نے اُسے قتل کر ڈالا۔[۲] اہل یمن نے اسی سبب سے بلقیس کو اپنا حکمران بنایا۔ ورنہ وہ عورت کی حکومت کو پسند نہ کرتے تھے۔ یہ وہی بلقیس ہے جس کا قصہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔

بلقیس کے بعد خاندان حمیر کے بہت سے بادشاہ یکے بعد دیگرے تخت یمن پر متمکن ہوئے جب اہل یمن نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ تو ان پر سیل عرم بھیجا گیا۔ جس سے ان کے باغات وغیرہ برباد ہو گئے جیسا کہ قرآن کریم میں وارد ہے۔ وہ رزق و معاش کی تلاش میں مختلف اطراف کو ہجرت کر کے چلے گئے۔ چنانچہ بنو لخم بن عدی کی ایک جماعت خراسان کی طرف نکلی۔ انہوں نے دریائے فرات کے قریب شہر حیرہ کی بنا ڈالی جو بعد میں اسی خاندان کا دار السلطنت رہا۔ ملوک لخمیہ ومناذرہ ۶۳۴ء تک اکاسرہ کی طرف سے عراق پر گورنر ہوتے رہے۔ اس کے بعد اسلام کا تسلط ہو گیا۔

بنو لخم کی طرح بنو قحطان کی ایک جماعت ہجرت کر کے دمشق کے متصل ایک چشمہ پر جسے غسان کہتے تھے جا اُتری۔ وہ آخر کار شام کے حکمران بن گئے۔ ملوک غسان جنہیں مورخین عرب عرب متنصّرہ سے تعبیر کرتے ہیں قیاصرہ روم کی طرف سے قریباً ۲۰۰ء سے ۶۳۶ء تک ملک شام میں حکمرانی کرتے رہے۔ اس خاندان کا آخری بادشاہ جبلہ بن ایہم تھا جو بھاگ کر قیصر کے ہاں چلا گیا تھا۔ اس کے بعد یہ ملک حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں مسلمانوں کے قبضے میں آگیا۔

بنو قحطان میں سے قبیلہ ازد کے دو بھائی اوس وخزرج مدینہ میں آبسے۔ انصار ان ہی کی اولاد میں سے ہیں۔ قحطانیوں میں سے بعضے اندرون جزیرہ عرب میں چلے گئے۔ چنانچہ ملوک کندہ نے نجد میں اپنی سلطنت قائم کی۔ ان کے علاوہ عرب میں اور متفرق ملوک تھے۔ جن کے ذکر کی یہاں چنداں

---

[۱] تنزل وزوال رومۃ الکبریٰ مصنفہ ایڈورڈ گبن در چہار جلد۔ جلد اول ص ۵۲۵

[۲] کامل ابن اثیر جزو اول ص ۱۰۴

ضرورت نہیں۔

سیلِ عرم کے بعد جو لوگ یمن میں رہ گئے اُن پر بنو قحطان بدستور حکمرانی کرتے رہے۔ ان بادشاہوں میں سے ایک کا نام شمر بن افریقیس بن ابرہہ تھا۔ کہتے ہیں کہ شمر مذکور بڑا عالی ہمت تھا۔ اُس نے عراق پر لشکر کشی کی۔ اور اُسے فتح کر کے چین کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں جب وہ صُغد میں پہنچا۔ تو اُس نواح کے باشندے ایک مقام میں پناہ گزین ہو گئے۔ شمر نے چاروں طرف سے محاصرہ کر کے ان کو قتل کیا۔ اور اُس مقام کو کھدوا کر ویران کر دیا۔ اِس واسطے اُس مقام کو شمر کند کہنے لگے۔ جسے عرب معرب کر کے سمرقند بولتے تھے۔ شمر وہاں سے چین کی طرف بڑھا مگر وہ اور اُس کی فوج پیاس سے ہلاک ہو گئی[۱]۔

تبابعۂ[۲] یمن میں سے تبان اسعد ابو کرب تھا۔ وہ بلاد مشرق کو فتح کر کے واپس آتا ہوا مدینہ میں اترا جہاں وہ جاتا ہوا اپنے بیٹے کو چھوڑ گیا تھا۔ مگر اُس کو کسی نے ناگہاں قتل کر دیا تھا۔ اس لئے تبّع مذکور نے مدینہ اور اہل مدینہ کو تباہ کرنا چاہا۔ مگر یہود بنی قریظہ میں سے دو عالموں نے تبّع کو منع کیا۔ اُس نے وجہ دریافت کی۔ تو عالموں نے کہا کہ آخر زمان میں قریش میں سے ایک پیغمبر پیدا ہوگا۔ جس کی ہجرت اِسی شہر مدینہ کی طرف ہو گی۔ وہ یہ سُن کر باز آیا اور اُس نے مذہب یہود اختیار کر لیا۔

تبّع مذکور مدینہ سے اپنے وطن یمن کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں اُس نے مکہ میں چھ دن قیام کیا۔ اور طواف کر کے کعبہ پر بُرد یمانی چڑھائی۔ یہ تبّع پہلا شخص ہے جس نے سب سے پہلے کعبۃ اللہ پر پردہ چڑھایا۔ مکہ سے وہ یمن میں آیا۔ دونوں عالم اُس کے ساتھ تھے۔ اُس نے اپنی قوم یعنی حمیر کو یہودیت کی دعوت دی۔ حمیر اس وقت تک بت پرست تھے۔ انہوں نے تبع کی دعوت سے آخر کار مذہب یہود اختیار کر لیا۔

تبان اسعد کے بعد اُس کے بیٹے حسان کو عمرو بن تبان اسعد نے ملک کے لالچ میں قتل کر دیا۔ عمرو مذکور بھی جلدی ہلاک ہو گیا۔ اور حمیر کی سلطنت کا شیرازہ پراگندہ ہو گیا۔ لخنیعہ ینوف ذوشناتر جو شاہی خاندان میں سے نہ تھا اُن کا بادشاہ بن بیٹھا۔ وہ فاسق خبیث تھا۔ ابنائے ملوک سے

---

[۱] معجم البلدان یاقوت حموی۔ تحت سمرقند۔

[۲] یہاں سے سیرت ابن ہشام سے ماخوذ ہے۔

لواطت کیا کرتا تھا۔ تاکہ وہ بادشاہ نہ بن جائیں۔ کیونکہ اُس زمانے میں عرب کی عادت تھی کہ ایسے
شہزادے کو بادشاہ نہ بناتے تھے۔ زرعہ بن تبان اسعد اپنے بھائی حسان کے قتل کے وقت
بچہ ہی تھا۔ وہ بہت خوبصورت تھا۔ اُس کے سر کے بال پیٹھ تک پہنچتے تھے۔ اِس واسطے اُس کا
لقب ذونواس تھا۔ خوبصورتی کے سبب سے لوگ اسے یوسف کہا کرتے تھے۔ ذوشناتر نے اُسے
بلا بھیجا۔ ذونواس سمجھ گیا اور ایک تیز چھری جوتے میں پاؤں تلے چھپا کر لے گیا۔ جب وہ خلوت میں
پہنچا۔ تو اُسی چھری سے ذوشناتر کا کام تمام کردیا۔ یہ شجاعت دیکھ کر حمیر نے ذونواس ہی کو اپنا
بادشاہ تسلیم کرلیا۔ اہل نجران اُس وقت عیسائی تھے۔ ذونواس لشکر سمیت نجران میں گیا۔ اور اُس نے
اہل نجران کو یہودیت کی دعوت دی۔ ذونواس نے ایک خندق کھدوا کر آگ سے بھردی۔ جو لوگ
یہودی ہونے سے انکار کرتے۔ وہ اُن کو آگ میں گرادیتا تھا۔ قرآن کریم میں اسی ذونواس اور
اُس کے اصحاب کو سورہ بروج میں اصحاب الاخدود کہا گیا ہے۔ نجران کے عیسائیوں میں سے
ایک شخص دوس ذو ثعلبان قیصر روم جسٹینین (متوفی ۵۶۵ء) کے پاس پہنچا۔ اور اُسے سب ماجرا
کہہ سُنایا۔ قیصر نے جواب دیا کہ تمہارا ملک ہم سے بہت دُور ہے۔ ہم شاہ حبشہ نجاشی کو جو عیسائی
ہے تمہاری مدد کے لئے لکھ دیتے ہیں۔ چنانچہ دوس قیصر کا نامہ نجاشی کے پاس لایا۔ نجاشی نے اپنے
ایک امیر اریاط کو لشکر جرار دے کر دوس کے ساتھ روانہ کیا۔ اس لشکر میں ابرہہ اشرم بھی تھا۔ ذونواس کو
شکست ہوئی۔ وہ بدیں خیال کہ مبادا دشمن کے ہاتھ گرفتار ہوجائے ۵۲۸ء میں سمندر میں ڈوب کر
مرگیا۔ اریاط ۵۲۹ء سے ۵۴۹ء تک یمن میں حکمران رہا۔ وہ کمزوروں پر تعدی کیا کرتا تھا۔ اس لئے
بہت سی رعیت اُس کے خلاف ابرہہ سے مل گئی۔ ابرہہ نے اریاط سے کہا۔ کہ ہم دونوں سمجھ لیں چنانچہ
دونوں لڑنے لگے۔ ابرہہ نے پسِ پشت ایک غلام کو مقرر کیا تھا۔ جب اریاط نے حربہ مارا تو ابرہہ
کی پیشانی پر پڑا۔ اور اُس کی آنکھ ناک اور ہونٹ کاٹ دئے۔ اسی سبب سے اُس کو ابرہہ اشرم
کہتے ہیں۔ یہ دیکھ کر اُس غلام نے ابرہہ کی پشت کی طرف سے نکل کر اریاط کو قتل کرڈالا۔ اس طرح
حبشہ اور یمن نے ابرہہ کو بادشاہ تسلیم کرلیا۔ نجاشی یہ حال سُن کر ابرہہ پر ناراض ہوا۔ مگر ابرہہ نے
معافی مانگ کر اُس کو راضی کرلیا۔ اسی ابرہہ نے صنعاء میں ایک گرجا بنایا تھا تاکہ عرب بجائے
کعبۃ اللہ کے اس کا طواف کیا کریں۔ مگر بنو کنانہ میں سے ایک شخص نے اُس میں بول و براز کردیا۔

اس پر ابرہہ ہاتھی لے کر خانہ کعبہ کو ڈھانے آیا۔ مگر وہ اور اُس کی فوج تباہ ہوگئی۔ یہ قصہ اصحاب فیل قرآن مجید میں مذکور ہے۔ حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تولد شریف اس واقعہ کے پچپن دن بعد ہوا؛

ابرہہ کے بعد اُس کا بیٹا یکسوم تخت یمن پر بیٹھا۔ مگر جلدی ہلاک ہوگیا۔ پھر یکسوم کا بھائی مسروق تخت نشین ہوا۔ اہل یمن اجنبیوں کی حکومت سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ اس لئے سیف بن ذی یزن حمیری قیصر روم کے پاس گیا۔ اور اپنے ملک کو غیروں کی غلامی سے آزاد کرنے کے لئے اُس سے مدد مانگی۔ قیصر نے مدد دینے سے انکار کر دیا۔ اس لئے وہ کسرٰے نوشیرواں کے دربار میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا کہ ہمارے ملک پر اجنبیوں کی حکومت ہے۔ اگر آپ مدد دیں۔ تو ہمارا ملک آپ کے زیر فرمان ہو جائیگا۔ کسرٰے کے ایک مرزبان نے یہ مشورہ دیا۔ کہ بادشاہ کے قید خانہ میں آٹھ سو آدمی واجب القتل موجود ہیں۔ اُن کو بھیج دیا جائے۔ اگر وہ ہلاک ہو گئے فہو المراد۔ اور اگر فتحیاب ہوگئے۔ تو علاقہ مفتوحہ آپ کے قبضے میں آجائے گا۔ چنانچہ قیدیوں میں سے ایک شخص وہرز کی سرکردگی میں وہ سب مہم یمن پر بھیج دئے گئے۔ اہل فارس کو فتح نصیب ہوئی۔ اور مسروق مارا گیا۔ اس طرح حبشہ کا تصرف یمن پر بہتّر سال (۵۲۹ء سے ۶۰۱ء تک) رہا؛

وہرز کے بعد کسرٰے کی طرف سے مرزبان بن وہرز پھر تینجان بن مرزبان نائب السلطنت مقرر ہوا۔ تینجان کے بعد اس کا بیٹا جانشین ہوا۔ مگر کسرٰے نے اُسے معزول کر کے باذان کو اپنا نائب مقرر کیا۔ جب حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تو اُس وقت یہی باذان حاکم یمن تھا۔ جب کسرٰے (خسرو پرویز) کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر پہنچی۔ تو اس نے باذان کو لکھا۔ کہ تم اُس مدعی نبوت کے پاس جاؤ اور اُسے کہدو کہ اپنے دعوے سے باز آجائے۔ ورنہ اُس کا سر قلم کر کے ہمارے پاس بھیج دو۔ باذان نے وہ خط رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیج دیا۔ حضور نے باذان کو جواب میں لکھا کہ کسرٰے فلاں مہینے کی فلاں تاریخ کو قتل ہو جائیگا۔ جب یہ نامہ باذان کو ملا۔ تو کہنے لگا کہ اگر وہ نبی ہیں۔ تو ایسا ہی ہوگا۔ چنانچہ کسرٰے کو اُس کے بیٹے شیرویہ نے اُسی مہینے اور اُسی تاریخ کو قتل کر دیا جیسا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی۔ یہ دیکھ کر باذان اور دیگر

اہل فارس جو یمن میں تھے مشرف باسلام ہوئے۔

حروب عرب کی جنہیں ایام عرب سے تعبیر کیا جاتا ہے اس مختصر میں گنجائش نہیں۔ عرب جاہلیت کی دینی و اخلاقی حالت کا بیان آگے آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔

پہلا باب

برکاتِ نورِ محمدی

اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے بلا واسطہ اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور پیدا کیا۔[1] پھر اسی نور کو خلقِ عالم کا واسطہ ٹھہرایا۔ اور عالم ارواح ہی میں اس روح سراپا نور کو وصف نبوت سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ ایک روز صحابہ کرام نے حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ آپ کی نبوت کب ثابت ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔ وآدم بین الروح والجسد[2]۔ یعنی میں اس وقت نبی تھا جب کہ آدمؑ کی روح نے جسم سے تعلق نہ پکڑا تھا۔ بعد ازاں اسی عالم میں اللہ تعالیٰ نے دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کی روحوں سے وہ عہد لیا جو وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ الآیہ[3] میں مذکور ہے۔ جس وقت ان پیغمبروں کی روحوں نے عہد مذکور کے مطابق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و امداد کا اقرار کر لیا۔ تو نور محمدی کے فیضان سے ان روحوں میں وہ قابلیتیں پیدا ہو گئیں کہ دنیا میں اپنے اپنے وقت میں ان کو منصب نبوت عطا ہوا اور ان سے معجزات ظہور میں آئے۔

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

وَکُلُّ اٰیٍ اَتَی الرُّسُلُ الْکِرَامُ بِھَا ‌‌ ‌ فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُوْرِہٖ بِھِمٖ

---

[1] مصنف عبد الرزاق (متوفی ۲۱۱ھ) روایت حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری۔

[2] ترمذی شریف۔

[3] اس آیت کا ترجمہ یوں ہے۔ اور جب لیا اللہ نے اقرار پیغمبروں کا کہ البتہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتاب و حکمت سے۔ پھر آوے تمہارے پاس رسول سچا کرنے والا اس چیز کو کہ تمہارے ساتھ ہے۔ تو البتہ تم ایمان لاؤ گے اس پر اور البتہ مدد دو گے اس کو۔ کہا خدا نے۔ کیا اقرار کیا تم نے اور لیا اس پر عہد میرا۔ کہا انہوں نے اقرار کیا ہم نے۔ فرمایا خدا نے۔ تم گواہ رہو اور میں تمہارے ساتھ گواہوں سے ہوں۔ انتہیٰ (آل عمران۔ رکوع ۹)

فَاِنَّہٗ شَمۡسُ فَضۡلٍ ھُمۡ کَوَاکِبُھَا یُظۡھِرۡنَ اَنۡوَارَھَا لِلنَّاسِ فِی الظُّلَمِ

ترجمہ منظوم

معجزے جتنے کہ لائے تھے رسولانِ کرام لڑ اُسی کے نور سے جا ملتی ہے سب کی بہم

آفتابِ فضل ہے وہ سب کواکب اُس کے تھے ظلمتوں میں نور پھیلایا جنہوں نے بیش وکم

اِسی عہد کے سبب سے حضرات انبیائے سابقین علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کو حضور نبی آخر الزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کی بشارت اور ان کے اتباع و امداد کی تاکید فرماتے رہے ہیں۔ اگر حضور نبی امّی بابی ہو وامّی کی نبوت دنیا میں ظاہر نہ ہوتی۔ تو تمام انبیائے سابقین علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی نبوتیں باطل ہو جاتیں اور وہ تمام بشارتیں ناتمام رہ جاتیں۔ پس دنیا میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری نے تمام انبیائے سابقین علیہم السلام کی نبوتوں کی تصدیق فرما دی۔ بَلۡ جَآءَ بِالۡحَقِّ وَصَدَّقَ الۡمُرۡسَلِیۡنَ[1]؎

جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ازہر الانوار الانبیاء تھا۔ آپ کے جسم اطہر کا مادہ بھی لطیف ترین اشیاء تھا۔ چنانچہ حضرت کعب احبار سے منقول[2] ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کرنا چاہا۔ تو جبرئیلؑ کو حکم دیا کہ سفید مٹی لاؤ۔ پس جبرئیل بہشت کے فرشتوں کے ساتھ اُترے اور حضرت کی قبر شریف کی جگہ سے مٹھی بھر خاک سفید چمکتی دمکتی اُٹھا لائے۔ پھر وہ مشت خاکِ سفید بہشت کے چشمہ میں تسنیم کے پانی سے گوندھی گئی یہاں تک کہ سفید موتی کی مانند ہو گئی۔ جس کی بڑی شعاع تھی۔ بعد ازاں فرشتے اُسے لے کر عرش و کرسی کے گرد اور آسمانوں اور زمین میں پھرے یہاں تک کہ تمام فرشتوں نے آپ (روح انور و مادہ اطہر) کو آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے پہچان لیا۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیدا کیا۔ تو اپنے حبیب پاک کے نور کو اُن کی پُشت مبارک میں بطور ودیعت رکھا۔ مگر اُس نور کے انوار اُن کی پیشانی میں یوں نمایاں تھے جیسے آفتاب آسمان میں اور چاند اندھیری رات میں۔ اور اُن سے عہد لیا گیا کہ یہ نور انور

---

[1] بلکہ لایا ہے حق کو اور سچا کیا ہے پیغمبروں کو (صافات۔ رکوع ۲)۔

[2] وفا فی فضائل المصطفےٰ لابن الجوزی۔

پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوا کرے۔ اسی واسطے جب وہ حضرت حواء علیہا السلام سے مقاربت کا ارادہ کرتے۔ تو اُسے پاک و پاکیزہ ہونے کی تاکید فرماتے یہاں تک کہ وہ نور حضرت حواء علیہا السلام کے رحم پاک میں منتقل ہوگیا۔ اُس وقت وہ انوار جو حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں تھے حضرت حواء کی پیشانی میں نمودار ہوئے۔ ایام حمل میں حضرت آدم علیہ السلام نے بپاس ادب و تعظیم حضرت حواء سے مقاربت ترک کردی۔ یہاں تک کہ جب حضرت شیث علیہ السلام پیدا ہوئے۔ تو وہ نور ان کی پشت میں منتقل ہوگیا۔ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کرامت تھی کہ حضرت شیث علیہ السلام اکیلے پیدا ہوئے۔ آپ کے بعد ایک بطن میں جوڑا (لڑکا لڑکی) پیدا ہوتا رہا۔ اس طرح یہ نور پاک پاک پُشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوتا ہوا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد ماجد حضرت عبداللہ تک پہنچا۔ اور اُن سے بنا بر قول اصح ایام تشریق میں جمعہ کی رات کو آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کے رحم پاک میں منتقل ہوا۔

اسی نور کے پاک و صاف رکھنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت کے تمام آباء و اُمّہات کو شرک و کفر کی نجاست اور زنا کی آلودگی سے پاک رکھا ہے۔ اسی نور کے ذریعہ سے حضرت کے تمام آباء و اجداد نہایت حسین و مرجع خلائق تھے۔ اسی نور کی برکت سے حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام ملائک کے مسجود بنے اور اسی نور کے وسیلہ سے اُن کی توبہ قبول ہوئی۔ اسی نور کی برکت سے حضرت نوح علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کشتی طوفان میں غرق ہونے سے بچی۔ اسی نور کی برکت سے حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام پر آتش نمرود گلزار ہوگئی۔ اور اسی نور کے طفیل سے حضرات انبیاء سابقین علیٰ نبینا و علیہم الصلوات والتسلیمات پر اللہ تعالیٰ کی عنایات بےنہایت ہوئیں۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس تشریف لائے۔ تو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اجازت سے آپ کی مدح میں چند اشعار[1] عرض کئے۔ جن میں مذکور ہے۔ کہ کشتی نوح کا طوفان سے بچنا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آتش نمرود کا گلزار ہو جانا حضور کے نور ہی کی برکت سے تھا۔ حضرت امام الائمہ ابو حنیفہ نعمان بن ثابت تابعی کوفی رضی اللہ عنہ حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں یوں[2] فرماتے ہیں:-

---

[1] خصائص کبرےٰ للسیوطی بحوالہ حاکم و طبرانی۔

[2] مجموعہ قصائد صفحہ ۴۰

اَنْتَ الَّذِیْ لَوْلَاکَ مَا خُلِقَ امْرُءٌ
کَلَّا وَلَا خُلِقَ الْوَرٰی لَوْلَاکَا
اَنْتَ الَّذِیْ مِنْ نُوْرِکَ لِلْبَدْرِ السَّنَا
وَالشَّمْسُ مُشْرِقَۃٌ بِنُوْرِ بَھَاکَا
اَنْتَ الَّذِیْ لَمَّا تَوَسَّلَ اٰدَمُ
مِنْ زَلَّۃٍ بِکَ فَازَ وَھُوَ اَبَاکَا
وَبِکَ الْخَلِیْلُ دَعَا فَعَادَتْ نَارُہٗ
بَرْدًا وَّقَدْ خَمَدَتْ بِنُوْرِ سَنَاکَا
وَدَعَاکَ اَیُّوْبُ لِضُرٍّ مَسَّہٗ
فَاُزِیْلَ عَنْہُ الضُّرُّ حِیْنَ دَعَاکَا
وَبِکَ الْمَسِیْحُ اَتٰی بَشِیْرًا مُّخْبِرًا
بِصِفَاتِ حُسْنِکَ مَادِحًا لِعُلَاکَا
کَذَاکَ مُوْسٰی لَمْ یَزَلْ مُتَوَسِّلًا
بِکَ فِی الْقِیٰمَۃِ مُحْتَمًا بِحِمَاکَا
وَالْاَنْبِیَاءُ وَکُلُّ خَلْقٍ فِی الْوَرٰی
وَالرُّسْلُ وَالْاَمْلَاکُ تَحْتَ لِوَاکَا

آپ کی وہ مقدس ذات ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے۔ تو ہرگز کوئی آدمی
پیدا نہ ہوتا۔ اور نہ کوئی مخلوق پیدا ہوتی اگر آپ نہ ہوتے۔
آپ وہ ہیں کہ آپ کے نور سے چاند کو روشنی ہے۔
اور سورج آپ ہی کے نورِ زیبا سے چمک رہا ہے۔
آپ وہ ہیں کہ جب آدمؑ نے لغزش کے سبب سے آپ کا
وسیلہ پکڑا۔ تو وہ کامیاب ہو گئے حالانکہ آپ کے باپ ہیں۔
آپ ہی کے وسیلہ سے خلیلؑ نے دعا مانگی۔ تو آپ کے روشن
نور سے آگ اُن پر ٹھنڈی ہو گئی۔ اور بجھ گئی۔
اور ایوبؑ نے اپنی مصیبت میں آپ ہی کو پکارا۔
تو اس پکارنے پر اُن کی مصیبت دُور ہو گئی۔
اور مسیحؑ آپ ہی کی بشارت اور آپ ہی کی صفات حسنہ کی
خبر دیتے اور آپ کی بزرگی کی مدح کرتے ہوئے آئے۔
اسی طرح موسیٰؑ آپ کا وسیلہ پکڑنے والے اور
قیامت میں آپ کے سبزہ زار میں پناہ لینے والے رہے
اور انبیاء اور مخلوقات میں سے ہر مخلوق
اور پیغمبر اور فرشتے آپ کے جھنڈے تلے ہوں گے۔

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ یوں فرماتے ہیں۔

صلی اللہ علی نورے کزو شد نورہا پیدا — زمیں از حُبِّ او ساکن فلک در عشق او شیدا
محمد احمد و محمود ویرا خالقش بستود — کزو شد بود ہر موجود زو شد دیدہا بینا
اگر نام محمد را نیاوردے شفیع آدم — نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا
نہ ایوب از بلا راحت نہ یوسف حشمت و جاہ — نہ عیسیٰ آں مسیحادم نہ موسیٰ آں ید بیضا

دوسرا باب

حالات نسب وولادت شریف تا بعثت شریف

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ سیدنا محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قُصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مُضر بن نزار بن معدّ بن عدنان۔ اور عدنان حضرت اسماعیل بن ابراہیم خلیل اللہ کے اولاد سے ہیں؛

خاندانی شرافت وسیادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان عرب میں ہمیشہ سے ممتاز ومعزز چلا آتا تھا۔ نضر (یا فہر) کا لقب قریش تھا۔ اِس وجہ سے اس کی اولاد کو قریشی اور خاندان کو قریش کہنے لگے۔ اور اس سے اوپر والے کنانی کہلائے۔ قریش کی وجہ تسمیہ میں بہت سے مختلف اقوال ہیں۔ جن کے ایراد کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بنی آدم کے بہترین طبقات سے بھیجا گیا ایک قرن بعد دوسرے قرن کے یہاں تک کہ میں اُس قرن سے ہوا جس سے کہ ہوا" حدیث مسلم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے کنانہ کو برگزیدہ بنایا۔ اور کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو برگزیدہ بنایا۔ اسی طرح ترمذی شریف میں بسند حسن آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلقت کو پیدا کیا تو مجھ کو ان کے سب سے اچھے گروہ میں بنایا۔ پھر قبیلوں کو چُنا۔ تو مجھ کو سب سے اچھے قبیلہ میں بنایا۔ پھر گھروں کو چنا۔ تو مجھے اُن کے سب سے اچھے گھر میں بنایا۔ پس میں روح وذات اور اصل کے لحاظ سے اُن سب سے اچھا ہوں۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے؎

لَمْ يَخْلُقِ الرَّحْمٰنُ مِثْلَ مُحَمَّدٍ	خدا نے حضرت محمدؐ کا مثل کبھی پیدا نہیں کیا
اَبَدًا وَّعِلْمِیْ اَنَّهٗ لَا يَخْلُقُ	اور مجھے علم ہے کہ وہ آپ کا مثل پیدا نہ کرے گا

نضر کے بعد فہر اپنے وقت میں رئیس عرب تھا۔ اس کا ہمعصر حسان بن عبد کلال حمیری چاہتا تھا کہ کعبہ کے پتھر اُٹھا کر یمن میں لے جائے تاکہ حج کے لئے وہیں کعبہ بنا دیا جائے۔ جب وہ اس ارادے سے حمیر وغیرہ کو ساتھ لے کر یمن سے آیا اور مکہ سے ایک منزل پر مقام نخلہ میں اُترا۔ تو فہر نے قبائل عرب کو

جمع کرکے اُس کا مقابلہ کیا۔ حمیر کو شکست ہوئی۔ حسان گرفتار ہوا اور تین برس کے بعد فدیہ دے کر رہا ہوا۔ اس واقعہ سے فہر کی ہیبت و عظمت کا سکّہ عرب کے دلوں پر جم گیا؛

فہر کے بعد قصیؔ[1] بن کلاب نے نہایت عزت و اقتدار حاصل کیا۔ قصی مذکور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جدّ خامس ہیں۔ ان کا اصلی نام زید تھا۔ کلاب کی وفات کے بعد ان کی والدہ فاطمہ نے بنو عذرہ میں سے ایک شخص ربیعہ بن حزام سے شادی کرلی تھی۔ وہ فاطمہ کو اپنی ولایت یعنی ملک شام کو لے گیا۔ فاطمہ اپنے ساتھ زید کو بھی لے گئی۔ چونکہ زید ابھی بچہ ہی تھے اور اپنے وطن مالوف سے دور جا رہے تھے۔ اس لئے ان کو قُصی (تصغیرِ قصی بمعنی بعید) کہنے لگے۔ جب قصی جوان ہو گئے۔ تو پھر مکہ میں اپنی قوم میں آگئے اور وہیں حُلیل خزاعی کی بیٹی حبّی سے شادی کرلی۔ حلیل اُس وقت کعبہ کا متولی تھا۔ اُس کے مرنے پر تولیت قصی کے ہاتھ آئی۔ اُس نے خزاعہ کو بیت اللہ سے نکال دیا اور قریش کو گھاٹیوں پہاڑیوں اور وادیوں سے جمع کرکے مکّہ کے اندر اور باہر آباد کیا۔ اِس وجہ سے قصی کو مجمّع بھی کہتے ہیں؛

قصی نے کئی کارہائے نمایاں کئے۔ چنانچہ ایک کمیٹی گھر قائم کیا جسے دار الندوہ کہتے تھے۔ مہمات امور میں مشورے یہیں کرتے۔ لڑائی کے لئے جھنڈا یہیں تیار ہوتا۔ نکاح اور دیگر تقریبات کی مراسم یہیں ادا کرتے۔ حرم کی رفادت[2] و سقایت کا منصب بھی قصی ہی نے قائم کیا۔ چنانچہ موسم حج میں قریش کو جمع کرکے یہ تقریر کی۔ "تم خدا کے پڑوسی اور خدا کے گھر کے متولی ہو۔ اور حُجّاج خدا کے مہمان اور خدا کے گھر کے زائرین ہیں۔ وہ اور مہمانوں کی نسبت تمہاری میزبانی کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس لئے ایام حج میں اُن کے کھانے پینے کے لئے کچھ مقرر کرو"۔ اِس پر قریش نے سالانہ رقم مقرر کی۔ جس سے ہر سال ایام منیٰ میں غریب حاجیوں کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔ سقایت کے لئے قصی نے چرمی حوض بنائے جو ایام حج میں کعبہ کے صحن میں رکھے جاتے تھے۔ ان حوضوں کے بھرنے کے لئے مکّہ کے کوؤں کا پانی مشکوں میں اونٹوں پر لایا جاتا تھا۔ اِن مناصب کے علاوہ قریش کے باقی شرف بھی یعنی حجابت (کعبہ کی کلید برداری و تولیت) اور لواء (علم بندی) اور قیادت (امارت لشکر) قصی کے ہاتھ میں تھے۔ اور قصی ہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے مزدلفہ پر روشنی کی تاکہ لوگوں کو عرفات سے نظر آجائے؛

قصی کے چار لڑکے (عبد الدار۔ عبد مناف۔ عبد العزیٰ۔ عبد) اور دو لڑکیاں (تخمر۔ برہ) تھیں۔

---

[1] قصی کے حالات کے لئے دیکھو سیرت ابن ہشام اور سیرت حلبیہ۔
[2] رفادت۔ حاجیوں کے کھانے پینے کا انتظام کرنا۔ سقایت حاجیوں کو آب زمزم پلانا۔

عبد الدار اگرچہ عمر میں سب سے بڑا تھا۔ مگر شرافت و وجاہت میں اپنے بھائیوں کے ہمپایہ نہ تھا۔ اور عبد مناف تو سب سے اشرف تھے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جدّ رابع تھے۔ ان کا اصلی نام مغیرہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی جھلک ان کی پیشانی میں ایسی تھی کہ ان کو قمر البطحاء (وادیٔ مکہ کا چاند) کہا کرتے تھے۔ جب قصی بہت بوڑھے ہو گئے۔ تو انہوں نے عبد الدار سے کہا کہ میں تجھے تیرے بھائیوں کے برابر کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر حرم شریف کے تمام مناصب اُس کے سپرد کر دئے۔ قصی کی ہیبت کے سبب سے اُس وقت کسی نے اعتراض نہ کیا۔ مگر قصی کے بعد جب عبد الدار اور عبد مناف کا بھی انتقال ہو چکا۔ تو عبد مناف کے بیٹوں (ہاشم۔ عبد شمس۔ مطلب۔ نوفل) نے اپنا استحقاق ظاہر کیا اور چاہا کہ حرم شریف کے وظائف عبد الدار کی اولاد سے چھین لیں۔ اِس پر قریش میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ بنو اسد بن عزّے اور بنو زہرہ بن کلاب اور بنو تیم بن مرہ اور بنو حارث بن فہر یہ سب بنو عبد مناف کی طرف اور بنو مخزوم اور بنو سہم اور بنو جمح اور بنو عدی بن کعب دوسری طرف ہو گئے۔ بنو عبد مناف اور ان کے احلاف نے قسمیں کھا کر معاہدہ کیا کہ ہم ایک دوسرے کا ساتھ نہ چھوڑیں گے۔ اور یکجہتی کے اظہار کے لئے ایک پیالہ خوشبو سے بھر کر حرم شریف میں رکھا اور سب نے اُس میں اپنی انگلیاں ڈبوئیں۔ اس لئے ان پانچ قبائل کو مطیبین کہتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے فریق نے باہم معاہدہ کیا۔ اور ایک پیالہ خون سے بھر کر اُس میں اپنی انگلیاں ڈبو کر چاٹ لیں۔ اِس لئے ان پانچ قبائل کو لَعقۃ الدم (خون کے چاٹنے والے) کہتے ہیں۔ غرض ہر دو فریق لڑائی کے لئے تیار ہو گئے۔ مگر اس بات پر صلح ہو گئی کہ سقایت و رفادت و قیادت بنو عبد مناف کو دی جائے۔ اور حجابت و لواء و ندوہ بدستور بنو عبد الدار کے پاس رہے۔ چنانچہ ہاشم کو جو بھائیوں میں سب سے بڑے تھے سقایت و رفادت ملی۔ ہاشم کے بعد مطلب کو اور مطلب کے بعد عبد المطلب کو اور عبد المطلب کے بعد ابو طالب کو ملی۔ اور ابو طالب نے اپنے بھائی عباس کے حوالہ کر دی۔ قیادت عبد الشمس کو دی گئی۔ عبد شمس کے بعد اُس کے بیٹے امیہ کو پھر امیہ کے بیٹے حرب کو پھر حرب کے بیٹے ابو سفیان کو عطا ہوئی۔ اس لئے جنگ احد اور احزاب میں ابو سفیان ہی قائد تھا۔ جنگ بدر کے وقت وہ قافلہ قریش کے ساتھ تھا۔ اس لئے عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس امیر الجیش تھا۔ دار الندوہ عبد الدار کی اولاد میں رہا۔ یہاں تک کہ عکرمہ بن عامر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ انہوں نے اُسے دار الامارت بنا لیا اور آخر کار حرم میں شامل ہو گیا۔

حجابت آج تک عبد الدار کی اولاد میں ہے اور وہ بنو شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ بن عبد العزیٰ بن عثمان بن عبد الدار میں۔ لواء بھی اسی کی اولاد میں رہا۔ چنانچہ جنگ احد میں جھنڈا ان ہی کے ہاتھ میں تھا جب ایک قتل ہو جاتا تو دوسرا اُس کی جگہ لیتا۔ اس طرح ان کی ایک جماعت قتل ہو گئی۔ ہاشم[۱] نے منصب رفادت وسقایت کو نہایت خوبی سے انجام دیا۔ ذی الحجہ کی پہلی تاریخ کو صبح کے وقت کعبہ سے پشت لگا کر قریش سے یوں خطاب کرتے تھے:۔ "اے قریش کے گروہ! تم خدا کے گھر کے پڑوسی ہو۔ خدا نے بنی اسرائیل میں سے تم کو اس کی تولیت کا شرف بخشا ہے اور تم کو اس کے پڑوس کے لئے خاص کیا ہے۔ خدا کے زائرین تمہارے پاس آ رہے ہیں جو اُس کے گھر کی تعظیم کرتے ہیں۔ پس وہ خدا کے مہمان ہیں۔ اور خدا کے مہمانوں کی میزبانی کا حق سب سے زیادہ تم پر ہے۔ اس لئے تم خدا کے مہمانوں اور اُس کے گھر کے زائرین کا اکرام کرو۔ جو ہر ایک شہر سے تیروں جیسی لاغر وسبک اندام اونٹنیوں پر ژولیدہ مُو اور غبار آلودہ آ رہے ہیں۔ اس گھر کے رب کی قسم اگر میرے پاس اس کام کے لئے کافی سرمایہ ہوتا۔ میں تمہیں تکلیف نہ دیتا۔ میں اپنی کسب حلال کی کمائی میں سے دے رہا ہوں۔ تم میں سے بھی جو چاہے ایسا کرے۔ میں اس گھر کی حرمت کا واسطہ دے کر گزارش کرتا ہوں کہ جو شخص بیت اللہ کے زائرین کو اپنے مال سے دے وہ بجز حلال کی کمائی کے نہ ہو۔"

اس تقریر پر قریش اپنے حلال مالوں میں سے دیا کرتے اور دار الندوہ میں جمع کر دیتے!

ہاشم کا اصلی نام عمرو تھا۔ علو رتبہ کے سبب عمرو العلا کہتے تھے۔ نہایت جہان نواز تھے۔ ان کا دستر خوان ہر وقت بچھا رہتا تھا۔ ایک سال قریش میں سخت قحط پڑا۔ یہ ملک شام سے خشک روٹیاں خرید کر ایام حج میں مکہ میں پہنچے۔ اور روٹیوں کا چورہ کر کے اونٹوں کے گوشت کے شوربے میں ڈال کر ثرید بنایا اور لوگوں کو پیٹ بھر کر کھلایا۔ اس دن سے ان کو ہاشم (روٹیوں کا چورہ کرنے والا) کہنے لگے!

عبد مناف کے صاحبزادوں نے قریش کی تجارت کو بہت ترقی دی۔ اور دول خارجہ کے ساتھ تعلقات پیدا کر کے اُن سے کاروان قریش کے لئے فرامین حفظ وامن حاصل کئے۔ چنانچہ ہاشم نے

[۱] کامل ابن اثیر وسیرت حلبیہ ۱۲

قیصر روم اور ملک غسان سے اور عبد شمس نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی سے اور نوفل نے اکاسرہ عراق سے اور مطلب نے یمن کے شاہ حمیر سے اسی قسم کے فرمان لکھوالئے۔ اس کے بعد ہاشم نے قریش کے لئے سال میں دو تجارتی سفر مقرر کئے۔ اس لئے قریش موسم سرما میں یمن وحبشہ میں اور گرما میں عراق وشام میں جاتے اور ایشیائے کوچک کے مشہور شہر انقرہ (انگوریہ) تک پہنچ جاتے ؛

ہاشم کی پیشانی میں نور محمدی چمک رہا تھا۔ احبار میں سے جو آپ کو دیکھتا۔ آپ کے ہاتھ کو بوسہ دیتا۔ قبائل عرب واحبار میں سے آپ کو شادی کے پیام آتے۔ مگر آپ انکار کر دیتے۔ ایک دفعہ بغرض تجارت آپ ملک شام کو گئے۔ راستے میں مدینہ میں بنو عدی بن نجار میں سے ایک شخص عمرو بن زید بن لبید خزرجی کے ہاں ٹھیرے۔ اُس کی صاحبزادی سلمیٰ حسن صورت وشرافت میں اپنی قوم کی تمام عورتوں میں ممتاز تھی آپ نے اس سے شادی کر لی۔ مگر عمرو نے ہاشم سے یہ عہد لیا کہ سلمیٰ[1] جو اولاد جنے گی وہ اپنے میکے میں جنے گی۔ شادی کے بعد ہاشم شام کو چلے گئے۔ جب واپس آئے۔ تو سلمیٰ کو اپنے ساتھ مکہ میں لے آئے۔ حمل کے آثار بخوبی محسوس ہوئے تو سلمیٰ کو مدینہ میں چھوڑ کر آپ شام کو چلے گئے۔ اور وہیں غزہ[2] میں پچیس سال کی عمر میں انتقال کیا۔ اور غزہ ہی میں دفن ہوئے سلمیٰ کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کے سر میں کچھ سفید بال تھے۔ اس لئے اُس کا نام شیبہ رکھا گیا۔ اور شیبۃ الحمد بھی کہتے تھے۔ حمد کی نسبت اُس کی طرف اس امید پر کی گئی کہ اُس سے افعال نیک سرزد ہوں گے۔ جس کے سبب سے لوگ اُس کی تعریف کیا کریں گے۔ شیبہ سات یا آٹھ سال مدینہ ہی میں رہے پھر مطلب کو جو خبر لگی۔ تو بھتیجے کو لینے کے لئے مدینہ میں پہنچے۔ جب مدینہ سے واپس آئے۔ تو شیبہ کو اپنے پیچھے اونٹ پر سوار کر لیا۔ شیبہ کے کپڑے پھٹے پرانے تھے۔ جب چاشت کے وقت مکہ میں داخل ہوئے۔ تو لوگوں نے مطلب سے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ مطلب نے کہا۔ یہ میرا عبد (غلام) ہے۔ اس وجہ سے شیبہ کو عبد المطلب کہنے لگے۔ وجہ تسمیہ میں بعضوں نے اور قول بھی نقل کئے ہیں ؛

مطلب کے بعد اہل مکہ کی ریاست عبد المطلب[3] کو ملی۔ اور رفادت وسقایت ان کے حوالہ ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ان کی پیشانی میں چمک رہا تھا۔ ان سے کستوری کی سی خوشبو آتی تھی۔ جب قریش کو کوئی حادثہ پیش آتا تو عبد المطلب کو کوہ ثبیر پر لے جاتے اور ان کے وسیلہ سے بارگاہ رب العزت میں دعا مانگتے۔ اور ایام قحط میں ان کے واسطہ سے طلب باراں کرتے اور وہ دعا قبول ہوتی۔ عبد المطلب

---

[1] سلمیٰ ہاشم سے پہلے احیحہ بن جلاح کے تحت میں تھی۔ جس سے عمرو بن احیحہ پیدا ہوا۔
[2] یہ شہر مصر کی طرف اقصائے شام میں واقع ہے ۱۲
[3] ان کے حالات کے لئے دیکھو سیرت ہشامیہ اور سیرت نبویہ للسید احمد زینی المشہور بدحلان۔

پہلے شخص ہیں جو تحنّث کیا کرتے تھے۔ یعنی ہر سال ماہ رمضان میں کوہ حرا میں جا کر خدا کے گیان دھیان میں گوشہ نشین رہا کرتے۔ وہ موحّد تھے۔ شراب و زنا کو حرام جانتے تھے۔ نکاح محارم سے اور بحالت برہنگی طواف کعبہ سے منع کرتے۔ لڑکیوں کے قتل سے روکتے۔ چور کا ہاتھ کاٹ دیتے۔ بڑے مجاب الدعوات اور فیاض تھے۔ اپنے دسترخوان سے پہاڑیوں کی چوٹیوں پر پرند و چرند کو کھلایا کرتے تھے۔ اس لئے انہیں مطعم الطیر (پرندوں کے کھلانے والے) کہتے تھے۔ یہ سب کچھ نور محمدی کی برکت سے تھا۔

عبدالمطلب نے چاہ زمزم کو نئے سر سے کھدوا کر درست کیا۔ اس کا قصہ یوں ہے کہ حضرت اسماعیل علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کعبہ کی تولیت نابت بن اسماعیل کے سپرد ہوئی۔ نابت کے بعد نابت کا نانا مضاض بن عمرو جرہمی متولی ہوا۔ جب جرہم حرم شریف کی بےحرمتی اور کعبہ کے مال اپنے خرچ میں لانے لگے۔ تو بنوبکر بن عبد مناف بن کنانہ اور غبشان خزاعی نے ان کو مکّہ سے یمن کی طرف نکال دیا۔ اُس وقت سے خزاعہ متولی ہوئے۔ خزاعہ میں سے اخیر متولی حُلیل بن حبشیہ تھا جس کے بعد تولیت قصی کے ہاتھ آئی جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔ عمرو بن حارث بن مضاض جرہمی نے جاتے وقت کعبہ کے ہر دو غزال طلائی اور حجر رکن کو زمزم میں ڈال کر اُسے ایسا بند کر دیا تھا کہ مدت گذرنے پر کسی کو اُس کا نشان تک معلوم نہ رہا۔ آخر کار عبدالمطلب کو خواب میں اُس کے کھودنے کا اشارہ ہوا۔ عبدالمطلب کے ہاں اُس وقت صرف ایک صاحبزادہ حارث تھا۔ اُسی کو ساتھ لے کر کھودنے لگے جب کوئیں کا بالائی حصہ نظر آیا۔ تو خوشی میں تکبیر کہی۔ کھودتے کھودتے ہر دو غزال اور کچھ تلواریں اور زرہیں برآمد ہوئیں۔ یہ دیکھ کر قریش نے کہا کہ اس میں ہمارا بھی حق ہے۔ عبدالمطلب نے بجائے مقابلہ کے اس معاملہ کو قرعہ اندازی پر چھوڑا۔ چنانچہ ہر دو غزال کا قرعہ کعبہ پر اور تلواروں اور زرہوں کا قرعہ عبدالمطلب پر پڑا اور قریش کے نام کچھ نہ نکلا۔ اس طرح عبدالمطلب نے زمزم کو کھود کر درست کیا۔ اس وقت سے زمزم ہی کا پانی حاجیوں کے کام آنے لگا۔ اور مکّہ کے کوؤں کے پانی کی ضرورت نہ رہی۔ زمزم کے کھودنے میں عبدالمطلب نے اپنے معاونین کی قلّت محسوس کر کے یہ منّت مانی تھی کہ اگر میں اپنے سامنے دس بیٹوں کو جوان دیکھ لوں۔ تو ان میں سے ایک کو خدا کی راہ میں قربان کروں گا۔ جب مراد بر آئی۔ تو ایفائے نذر کے لئے دسوں بیٹوں کو لے کر کعبہ میں آئے۔ اور پجاری سے اپنی نذر کا حال بیان کیا اور کہا کہ ان دسوں پر قرعہ ڈالو۔ دیکھو کس کا نام نکلتا ہے۔ چنانچہ ہر ایک نے اپنے اپنے نام کا قرعہ دیا۔ ایک طرف پجاری قرعہ نکال رہا تھا۔ دوسری طرف عبدالمطلب یوں دعا کر رہے تھے: "یا اللہ میں نے ان میں سے ایک کی قربانی کی منّت

مانی تھی۔ اب میں ان پر قرعہ اندازی کرتا ہوں۔ تو جسے چاہتا ہے اُس کا نام نکال" اتفاق سے عبداللہ کا نام نکلا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد اور عبدالمطلب کو سب بیٹوں میں پیارے تھے۔ عبدالمطلب چھری ہاتھ میں لئے ان کو قربان گاہ کی طرف لے چلے۔ مگر قریش اور عبداللہ کے بھائی مانع ہوئے۔ آخر کار عبداللہ اور دس اونٹوں پر قرعہ ڈالا گیا۔ اتفاق یہ کہ عبداللہ ہی کے نام پر قرعہ نکلا۔ پھر عبداللہ اور بیس اونٹوں پر قرعہ ڈالا گیا۔ مگر نتیجہ وہی نکلا۔ بڑھاتے بڑھاتے سو اونٹوں پر نوبت پہنچی۔ تو قرعہ اونٹوں پر نکلا۔ چنانچہ عبدالمطلب نے سو اونٹ قربانی کئے اور عبداللہ بچ گئے۔ اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

انا ابن الذبیحین یعنی میں دو ذبیح (اسماعیلؑ و عبداللہ) کا بیٹا ہوں"

جب عبدالمطلب اونٹوں کی قربانی سے فارغ ہوئے۔ تو عبداللہ کی شادی کی فکر میں ہوئے۔ عبداللہ نور محمدی کے سبب کمال حسن وجمال رکھتے تھے۔ قضیہ ذبح سے اور مشہور ہوگئے۔ قریش کی عورتیں ان کی طرف مائل تھیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو پردہ عفت وعصمت میں محفوظ رکھا۔ عبدالمطلب ان کے لئے ایسی عورت کی تلاش میں تھے جو شرف نسب وحسب وعفت میں ممتاز ہو۔ اس لئے وہ ان کو بنو زہرہ کے سردار وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ کے ہاں لے گئے۔ وہب کی بیٹی آمنہ زہریہ قرشیہ نسب وشرف میں قریش کی تمام عورتوں سے افضل تھیں۔ عبدالمطلب نے وہب کو عبداللہ کی شادی کا پیغام دیا۔ اور وہیں عقد ہوگیا۔ بعضے[1] کہتے ہیں کہ آمنہ اپنے چچا وہیب کے پاس رہتی تھیں۔ عبدالمطلب نے وہیب کو پیغام دیا اور نکاح ہوگیا۔ اور اسی مجلس میں خود عبدالمطلب نے وہیب کی صاحبزادی ہالہ سے شادی کی۔

عبدالمطلب کے ہاں بقول ابن ہشام پانچ بیویوں سے دس لڑکے اور چھ لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ جن کی تفصیل یوں ہے:۔

زوجہ کا نام	اولاد
سمراء بنت جندب ہوازنیہ	حارث[2]
لبنیٰ بنت ہاجرہ خزاعیہ	ابولہب (اصلی نام عبدالعزیٰ)
فاطمہ بنت عمرو مخزومیہ	ابو طالب (اصلی نام عبد مناف) زبیر۔ عبداللہؑ (والد رسول اللہؐ) بیضاء۔ عاتکہؓ۔ برہ۔ امیمہ۔ اروی
ہالہ بنت وہیب زہریہ	حمزہؓ۔ مقوم۔ حجل۔ صفیہؓ۔
نتیلہ بنت جناب خزرجیہ	عباسؓ۔ ضرار۔

[1] استیعاب۔ ابن عبدالبر۔
[2] بقول واقدی حارث کی ماں کا نام صفیہ بنت جندب ہے اور اروی حارث کی سگی بہن ہے۔

جب نور محمدی حضرت آمنہ کے رحم مبارک میں منتقل ہوگیا۔ تو کئی عجائبات ظہور میں آئے۔ اُس سال قریش میں سخت قحط سالی تھی۔ اُس نور کی برکت سے زمین پر جابجا روئیدگی کی مخملی چادر نظر آنے لگی۔ درختوں نے اپنے پھل جھکا دئے اور مکہ میں اس قدر فراخ سالی ہوئی کہ اُس سال کو سنۃ الفتح والابتہاج کہنے لگے۔ قریش کا ہر ایک چارپایہ فصیح عربی زبان میں حضرت آمنہ کے حمل کی خبر دینے لگا۔ بادشاہوں کے تخت اور بُت اوندھے گر پڑے۔ مشرق و مغرب کے وحشی چرند و پرند اور دریائی جانوروں نے ایک دوسرے کو خوشخبری دی۔ جن پکار اُٹھے کہ حضرت کا زمانہ قریب آگیا۔ کہانت کی آبرو جاتی رہی اور رہبانیت پر خوف طاری ہوا۔ حضرت کی والدہ ماجدہ نے خواب میں سنا کہ کوئی کہہ رہا ہے "تیرے پیٹ میں جہان کا سردار ہے۔ جب وہ پیدا ہوں تو ان کا نام محمد رکھنا"۔

حضرت عبداللہ کی وفات جب قول مشہور کے موافق حمل شریف کو دو مہینے پورے ہو گئے۔ تو حضرت کے دادا عبدالمطلبؓ نے آپ کے والد حضرت عبداللہ کو مدینہ میں کھجوریں لانے کے لئے بھیجا۔ حضرت عبداللہ وہاں اپنے والد کے ننہال بنو عدی بن نجار میں ایک ماہ بیمار رہ کر انتقال فرما گئے۔ اور وہیں دار نابغہ میں دفن ہوئے۔ بعض کہتے ہیں کہ عبدالمطلبؓ نے حضرت عبداللہ کو تجارت کے لئے ملک شام بھیجا تھا۔ وہ واپس آتے ہوئے مدینہ میں بنو عدی میں ٹھیرے اور بیمار ہو کر یہیں رہ گئے۔ حضرت عبداللہ کا ترکہ ایک لونڈی ام ایمن برکہ حبشیہ اور پانچ اونٹ اور کچھ بکریاں تھیں۔

واقعہ اصحاب فیل تولد شریف سے ۵۵ دن پہلے ایک واقعہ پیش آیا جو اصحاب فیل کا واقعہ کر کے مشہور ہے۔ اس واقعہ کی کیفیت بطریق اختصار یوں ہے۔ کہ اُس وقت شاہ حبشہ کی طرف سے ابرہہ یمن کا گورنر تھا۔ اس نے شہر صنعا میں ایک کلیسا بنایا اور شاہ حبشہ کو لکھا کہ میں نے آپ کے لئے ایک بے نظیر کلیسا بنوایا ہے۔ میں کوشش کر رہا ہوں کہ عرب کے لوگ آئندہ خانہ کعبہ کو چھوڑ کر یہیں حج و طواف کیا کریں۔ جب یہ خبر عرب میں مشہور ہو گئی۔ تو بنی کنانہ میں سے ایک شخص نے غصہ میں آ کر اُس کلیسا میں بول و براز کر دیا۔ یہ دیکھ کر ابرہہ آگ بگولا ہو گیا اور اس نے قسم کھائی کہ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ نہ بجا دوں۔ تو میرا نام ابرہہ نہیں۔ اسی وقت فوج و ہاتھی لے کر کعبہ پر چڑھائی کی۔ یہاں تک کہ مقام مغمّس میں جو مکہ مشرفہ سے دو میل ہے جا اترا۔ اور ایک سردار کو حکم دیا کہ اہل مکہ سے چھیڑ چھاڑ شروع کرے۔ چنانچہ وہ سردار قریش کے اونٹ اور بھیڑ بکریاں ہانک لایا۔ جن میں دو سو اونٹ عبدالمطلب بن ہاشم کے

بھی تھے۔ بعد ازاں ابرہہ کی طرف سے حناطہ حمیری گیا اور عبدالمطلب کو ابرہہ کے پاس لے آیا۔ ابرہہ نے عبدالمطلب کا بڑا اکرام کیا۔ اور دونوں میں بذریعہ ترجمان یہ گفتگو ہوئی:

ابرہہ۔ تم کیا چاہتے ہو؟

عبدالمطلب۔ میرے اونٹ واپس کردو؛

ابرہہ (متعجب ہوکر) تمہیں اونٹوں کا تو خیال ہے۔ مگر خانہ کعبہ جو تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد کا دین ہے اور جسے میں ڈھانے آیا ہوں اُس کا نام تک نہیں لیتے؛

عبدالمطلب۔ میں اونٹوں کا مالک ہوں۔ خانہ کعبہ کا مالک اور ہے۔ اور وہی اُس کا نگہبان ہے۔

ابرہہ۔ خانہ کعبہ مجھ سے بچ نہیں سکتا؛

عبدالمطلب۔ پھر تم جانو اور وہ؛

اس گفتگو کے بعد عبدالمطلب اپنے اونٹ لے کر مکہ میں واپس آگیا اور قریش سے کہنے لگا کہ شہر مکہ سے نکل جاؤ اور پہاڑوں کے دروں میں پناہ لو۔ یہ کہہ کر خود چند آدمیوں کو ساتھ لے کر خانہ کعبہ میں گیا اور دروازے کا حلقہ پکڑ کر یوں دعا کی:۔

لاھُمَّ انّ العبدَ یَمنَعُ رحلہ فامْنَعْ حلالك

لا یغلبنّ صلیبُہم و محالہم غدْوًا محالك

ان کنتَ تارکہم و قِبلتَنا فأمر مابدالك

ترجمہ اشعار

اے اللہ بندہ اپنے گھر کو بچایا کرتا ہے۔ تو بھی اپنا گھر بچا۔

ایسا نہ ہو کہ کل کو ان کی صلیب اور ان کی تدبیر تیری تدبیر پر غالب آجائے۔

اگر تو ہمارے قبلہ کو اُن پر چھوڑنے لگا ہے۔ تو حکم کر جو چاہتا ہے۔

اِدھر عبدالمطلب یہ دعا کر کے اپنے ساتھیوں سمیت پہاڑوں کے درے میں پناہ گزیں ہوا۔ اُدھر صبح کو ابرہہ خانہ کعبہ کو ڈھانے کے لئے فوج اور ہاتھی لے کر تیار ہوا۔ جب اُس نے ہاتھی کا منہ مکہ کی طرف کیا۔ تو وہ بیٹھ گیا۔ بہتیرے انکس مارے۔ مگر نہ اُٹھا۔ آخر مکہ کی طرف سے اُس کا منہ موڑ کر اُٹھایا۔ تو اُٹھا اور تیز بھاگنے لگا۔ غرض جب مکہ کی طرف اُس کا منہ کرتے۔ تو بیٹھ جاتا۔ اور کسی دوسری طرف کرتے تو اُٹھ کر بھاگتا۔

اسی حال میں اللہ تعالیٰ نے سمندر کی طرف سے ابابیلوں کے غول کے غول بھیجے جن کے پاس کنکریاں تھیں۔ ایک ایک چونچ میں اور دو دو پنجوں میں۔ انہوں نے کنکروں کا مینہ برسانا شروع کیا۔ جس پر کنکر گرتی ہلاک ہو جاتا۔ یہ دیکھ کر ابرہہ کا لشکر بھاگ نکلا۔ اِس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنا گھر دشمن سے بچالیا۔ قرآن مجید میں سورہ فیل میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

قصہ اصحاب فیل میں دو طرح سے حضرت کی کرامت ظاہر ہے۔ ایک تو یہ کہ اگر اصحاب فیل غالب آتے۔ تو وہ حضرت کی قوم کو قید کر لیتے اور غلام بنالیتے۔ اِس لئے اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل کو ہلاک کر دیا تاکہ اُس کے حبیب پاک پر حمل و طفولیت کی حالت میں اسیری و غلامی کا دھبّہ نہ لگے۔ دوسرے یہ کہ اصحاب فیل نصارےٰ اہل کتاب تھے جن کا دین قریش کے دین سے جو بت پرست تھے۔ یقیناً بہتر تھا۔ مگر یہ حضرت کے وجود باجود کی برکت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کی حرمت قائم رکھنے کے لئے قریش کو باوجود بُت پرست ہونے کے اہل کتاب پر فتح دی۔ یہ واقعہ حضرت کی نبوت کا پیش خیمہ تھا۔ کیونکہ آپ کے دین میں اِسی بیت اللہ کی تعظیم اسی کے حج اور اسی کی طرف نماز کا حکم ہوا؛

تولد شریف جب حمل شریف کو چاند کے حساب سے پورے نو مہینے ہو گئے۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲ ربیع الاول کو دوشنبہ کے دن فجر کے وقت کہ ابھی بعض ستارے آسمان پر نظر آرہے تھے پیدا ہوئے۔ دونوں ہاتھ زمین پر رکھے ہوئے۔ سر آسمان کی طرف اُٹھائے ہوئے (جس سے آپ اپنے علو مرتبہ کی طرف اشارہ فرمارہے تھے)۔ بدن بالکل پاکیزہ اور تیز بو کستوری کی طرح خوشبودار۔ ختنہ کئے ہوئے۔ ناف بریدہ۔ چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح نورانی۔ آنکھیں قدرت الٰہی سے سُرمگیں۔ دونوں شانوں کے درمیان مُہر نبوت درخشاں۔ آپ کی والدہ نے آپ کے دادا عبدالمطلب کو جو اُس وقت خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے بلا بھیجا۔ وہ حضرت کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اور بیت اللہ شریف میں لے جا کر آپ کے لئے صدق دل سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ کی اِس نعمت عظمیٰ کا شکریہ ادا کیا۔ آپ کے چچا ابولہب کی لونڈی ثویبہ نے ابولہب کو تولد شریف کی خبر دی۔ تو اُس نے اِس خوشی میں ثویبہ کو آزاد کر دیا؛

حضرت جس مہینے میں پیدا ہوئے اُس کا نام تو ربیع تھا ہی۔ مگر وہ موسم بھی ربیع (بہار) کا تھا۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎ ربیعٌ فی ربیعٍ فی ربیعٍ — ونورٌ فوق نورٍ فوق نور

چہرہ مبارک[۱] موسم ربیع[۲] ماہ تولد شریف[۳]

تولد شریف کے وقت خوارق تولد شریف کے وقت غیب سے عجیب وغریب اور خارق عادت امور ظاہر ہوئے تاکہ آپ کی نبوت کی بنیاد پڑ جائے اور لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ او پسندیدہ ہیں۔ چنانچہ ستارے تعظیم کے لئے جھک کر آپکے قریب آگئے اور ان کے نور سے حرم شریف کی پست زمین اور ٹیلے روشن ہوگئے۔ آپکے ساتھ ایسا نور نکلا کہ مکہ مشرفہ کے رہنے والوں کو ملک شام کے قیصری محل نظر آگئے۔ شیاطین پہلے آسمانوں پر چلے جاتے اور کاہنوں کو بعض غیبات کی خبر دیدیتے تھے۔ اور وہ لوگوں کو کچھ اپنی طرف سے ملا کر بتادیا کرتے تھے۔ اب آسمانوں میں اُن کا آنا جانا بند کر دیا گیا اور آسمانوں کی حفاظت شہاب ثاقب سے کر دی گئی۔ اس طرح وحی وغیر وحی میں خلط ملط ہو جانے کا اندیشہ جاتا رہا۔ شہر مدائن میں محل کسریٰ پھٹ گیا اور اُس کے چودہ کنگرے گر پڑے۔ اس میں اشارہ تھا کہ چودہ حکمرانوں کے بعد ملک فارس خادمانِ اسلام کے قبضہ میں آجائے گا۔ فارس کے آتشکدے ایسے سرد پڑ گئے کہ ہر چند ان میں آگ جلانے کی کوشش کی جاتی تھی مگر نہ جلتی تھی۔ بحیرہ ساوہ جو ہمدان وقم کے درمیان ۶ میل لمبا اور اتنا ہی چوڑا تھا اور جس کے کناروں پر شرک وبت پرستی ہوا کرتی تھی یکایک بالکل خشک ہو گیا۔ وادی سماوہ (شام وکوفہ کے درمیان) کی ندی جو بالکل خشک پڑی تھی لبالب بہنے لگی۔

رضاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی والدہ ماجدہ نے کئی دن دود پلایا۔ پھر ابولہب کی آزاد کی ہوئی لونڈی ثوبیہ نے چند روز ایسا ہی کیا۔ بعد ازاں حلیمہ سعدیہ نے یہ خدمت اپنے ذمہ لی۔ اُس زمانہ میں عرب میں دستور تھا کہ شہر کے رؤسا، وشرفاء شیر خوار بچوں کو بدوی آبادی میں بھیج دیتے تھے تاکہ بچے بدوؤں میں پل کر فصاحت اور عرب کی خالص خصوصیات حاصل کریں۔ حلیمہ حضرت کو اپنے قبیلہ بنو سعد میں لے گئی۔ اُس وقت وہاں سخت قحط تھا۔ مگر حضرت کی برکت سے حلیمہ کے مویشی سیر ہو کر آتے اور خوب دود دیتے۔ اور دوسروں کے مویشی بھوکے آتے اور دود کا ایک قطرہ نہ دیتے۔ اِس طرح حلیمہ کی سب تنگدستی دور ہو گئی۔ حلیمہ حضرت کو کسی دور جگہ نہ جانے دیتی تھی۔ ایک روز وہ غافل ہو گئی۔ اور حضرت اپنی رضاعی بہن شیماء کے ساتھ دوپہر کے وقت بھیڑوں کے ریوڑ میں تشریف لے گئے۔ مائی حلیمہ تلاش میں نکلی۔ اور آپ کو شیماء کے ساتھ پایا۔ کہنے لگی۔ ایسی تپش میں ؟ شیماء[۱] بولی۔ "اماں جان! میرے بھائی نے تپش محسوس نہیں کی۔ بادل آپ پر سایہ کرتا تھا۔ جب آپ ٹھہر جاتے۔ تو بادل بھی ٹھہر جاتا۔ اور جب چلتے تو بادل بھی چلتا۔ یہی حال رہا یہانتک کہ ہم اِس جگہ آپہنچے ہیں!"

---

[۱] ابن سعد وابو نعیم وغیرہ۔

جب حضرت دو سال کے ہو گئے تو مائی حلیمہ نے آپ کا دودھ چھڑا دیا۔ اور آپ کو آپ کی والدہ کے پاس لے کر آئی۔ اور کہا۔ کاش تو اپنے بیٹے کو میرے پاس اور رہنے دے تاکہ قوی ہو جائے۔ کیونکہ مجھے اس پر وبائے مکہ کا ڈر ہے۔ یہ سن کر بی بی آمنہ نے آپ کو حلیمہ کے ساتھ واپس کر دیا۔ حلیمہ کا بیان ہے کہ ہمیں واپس آئے دو یا تین مہینے گذرے تھے کہ ایک روز حضرت اپنے رضاعی بھائی عبداللہ کے ساتھ ہمارے گھروں کے پیچھے ہماری بھیڑوں میں تھے کہ آپ کا بھائی دوڑتا آیا۔ کہنے لگا کہ میرے اس قریشی بھائی کے پاس دو شخص آئے جن پر سفید کپڑے ہیں۔ انہوں نے پہلو کے بل لٹا کر اس کا پیٹ پھاڑ دیا۔ یہ سن کر میں اور آپ کا باپ دوڑ گئے دیکھا کہ آپ کھڑے ہیں اور چہرے کا رنگ بدلا ہوا ہے۔ میں اور آپ کا باپ دونوں آپ کے گلے پٹ گئے اور پوچھا۔ بیٹا! تجھے کیا ہوا۔ آپ نے بیان کیا کہ دو شخص میرے پاس آئے تھے جن پر سفید کپڑے تھے۔ انہوں نے پہلو کے بل لٹا کر میرا پیٹ پھاڑ دیا۔ اور اس میں سے ایک خون کی پھٹکی نکال کر کہا۔ ھٰذا حظ الشیطان منك (یہ تجھ سے شیطان کا حصہ ہے)۔ پھر اسے ایمان و حکمت سے بھر کر سی دیا۔ پس ہم آپ کو اپنے خیمہ میں لے آئے۔ میرے خاوند نے کہا۔ حلیمہ! مجھے ڈر ہے اس لڑکے کو کچھ آسیب ہے۔ آسیب ظاہر ہونے سے پہلے اسے اس کے کنبے میں چھوڑ آ۔ میں آپ کو آپ کی والدہ کے پاس لائی۔ اور بڑے اصرار کے بعد اس سے حقیقت حال بیان کی۔ ماں نے کہا۔ اللہ کی قسم۔ ان پر شیطان کو دخل نہیں۔ میرے بیٹے کی بڑی شان ہے۔

تعدد شق صدر واضح رہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شق صدر چار مرتبہ ہوا ہے۔ ایک تو وہ جس کا ذکر اوپر ہوا۔ یہ اس واسطے تھا کہ حضور انور وساوس شیطان سے جن میں بچے مبتلا ہوا کرتے ہیں محفوظ رہیں اور بچپن ہی سے اخلاق حمیدہ پر پرورش پائیں۔ دوسری مرتبہ دس برس کی عمر میں ہوا تاکہ آپ کامل ترین اوصاف پر جوان ہوں۔ تیسری مرتبہ غار حرا میں بعثت کے وقت ہوا تاکہ آپ وحی کے بوجھ کو برداشت کر سکیں۔ چوتھی مرتبہ شب معراج میں ہوا تاکہ آپ مناجات الٰہی کے لئے تیار ہو جائیں۔

حضرت آمنہ کی وفات حضرت کی عمر مبارک چھ سال کی ہوئی۔ تو آپ کی والدہ آپ کو ساتھ لے کر مدینہ میں آپ کے دادا کے ننھال بنو عدی بن نجار میں ملنے گئیں۔ بعضے کہتے ہیں کہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے گئی تھیں۔ ام ایمن بھی ساتھ تھی۔ جب واپس آئیں۔ تو راستے میں مقام ابواء میں انتقال فرما گئیں اور وہیں دفن ہوئیں۔

عبدالمطلب و ابو طالب کی کفالت ام ایمن حضرت کو مکہ میں لائیں اور آپ کے دادا عبدالمطلب کے حوالہ کیا۔

عبدالمطلب آپ کی پرورش کرتا رہا۔ مگر جب آپ کی عمر مبارک آٹھ سال کی ہوئی۔ تو آپ نے بھی وفات پائی۔ اور حسب وصیت آپ کا چچا ابو طالب جو حضرت علیؓ کا باپ اور آپ کے والد عبداللہؓ کا ماں جایا بھائی تھا آپ کی تربیت کا کفیل ہوا۔ ابو طالب نے آپ کی کفالت کو بہت اچھی طرح انجام دیا۔ اور آپ کو اپنی ذات اور بیٹوں پر مقدّم رکھا۔

طفولیت میں حضرت کی دعا سے نزول باراں

ایک دفعہ ابو طالب نے حضرت کو ساتھ لے کر بارش کے لئے دعا کی تھی جو حضور کی برکت سے فوراً قبول ہوئی تھی۔ چنانچہ عرفطہؓ بن حباب صحابی اس واقعہ کو یوں بیان فرماتے ہیں کہ میں مکّہ میں آیا اور اہل مکّہ قحط سالی میں مبتلا تھے۔ قریش نے کہا۔ "اے ابو طالب! جنگل قحط زدہ ہو گیا۔ اور ہمارے زن و فرزند قحط میں مبتلا ہیں۔ تو آ اور بارش کے لئے دعا کر"۔ ابو طالب نکلا اور اُس کے ساتھ ایک لڑکا تھا گویا وہ تاریکی ابر کا آفتاب تھا کہ جس سے سیاہ بادل دور ہو گیا ہو۔ اور اُس کے گرد چھوٹے چھوٹے لڑکے تھے۔ پس ابو طالب نے اُس لڑکے کو لیا اور اُس کی پیٹھ کعبہ سے لگائی۔ اُس لڑکے (محمد مصطفےٰؐ) نے التجا کرنے والے کی طرح اپنی انگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کیا حالانکہ اُس وقت آسمان میں کوئی بادل کا ٹکڑا نہ تھا۔ اشارہ کرنا تھا کہ بادل چاروں طرف سے آنے لگے۔ اور مینہ برسا اور بہت برسا۔ جنگل میں پانی ہی پانی نظر آنے لگا۔ اور شہری و بدوی خوشحال ہو گئے۔ اسی بارے میں ابو طالب کہتا ہے۔

وابیض یستسقی الغمام بوجهه — ترجمہ: اور گورے رنگ والے جن کے چہرے کے وسیلے نزول باران طلب کیا جاتا ہے
ثمال الیتامی عصمة للارامل — اور جو یتیموں کے ملجا و ماوا اور رانڈوں اور درویشوں کے نگہبان ہیں۔

شام کا پہلا سفر

جب حضرت کی عمر مبارک بارہ سال کی ہوئی۔ تو ابو طالب حسب معمول قافلہ قریش کے ساتھ بغرض تجارت ملک شام کو جانے لگا۔ یہ دیکھ کر آپ اُس سے پٹ گئے۔ اِس لئے اُس نے آپ کو بھی ساتھ لے لیا۔ جب قافلہ شہر بصرے میں پہنچا۔ تو وہاں بحیرا راہب نے آپ کو دیکھ کر پہچان لیا۔ اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا "یہ سارے جہان کا سردار ہے۔ رب العالمین کا رسول ہے۔ اللہ اس کو تمام جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گا"۔ قریشیوں نے پوچھا۔ تجھے یہ کیونکر معلوم ہوا۔ اُس نے کہا کہ جس وقت تم گھاٹی سے چڑھے۔ کوئی درخت اور پتھر باقی نہ رہا مگر سجدے میں گر پڑا۔ درخت اور پتھر پیغمبر کے سوا کسی دوسرے شخص کو سجدہ نہیں کرتے۔ اور میں ان کو مُہر نبوت سے پہچانتا ہوں جو ان کے شانے کی ہڈی کے نیچے سیب کی مانند ہے۔ پھر اُس راہب نے

کھانا تیار کیا۔ جب وہ ان کے پاس کھانا لایا۔ تو حضرت اونٹوں کے چرانے میں مشغول تھے۔ اُس نے کہا۔ آپ کو بلالو۔ آپ آئے۔ تو بادل نے آپ پر سایہ کیا ہوا تھا۔ جب آپ قوم کے نزدیک آئے۔ تو ان کو درخت کے سایہ کی طرف آگے بڑھے ہوئے پایا۔ جس وقت آپ بیٹھ گئے۔ تو درخت کا سایہ آپ کی طرف ہٹ آیا۔ راہب بولا "دیکھو! درخت کا سایہ آپ کی طرف ہٹ آیا"۔ پھر کہا "تمہیں خدا کی قسم۔ بتاؤ ان کا ولی کون ہے"؟ انہوں نے کہا۔ ابو طالب۔ پس اُس نے ابو طالب سے بتاکید تمام کہا۔ کہ ان کو مکہ میں واپس لے جاؤ۔ کیونکہ اگر تم آگے بڑھو گے۔ تو ڈر ہے کہیں یہودی ان کو قتل کر دیں۔ لہٰذا ابو طالب آپ کو واپس لے آیا اور شہر بصرے سے آگے نہ بڑھا۔ اور اُس راہب نے حضرت کو خشک روٹی اور زیتون کا تیل زادِ راہ دیا۔[1]

حرب فجار میں شرکت آغاز اسلام سے پہلے عرب میں جو لڑائیاں اُن مہینوں میں پیش آتی تھیں جن میں لڑنا ناجائز تھا حروب فجار کہلاتی ہیں۔ چوتھی یعنی اخیر حرب فجار میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی شرکت فرمائی تھی۔ اس جنگ کا سبب یہ تھا کہ نعمان بن منذر شاہ حیرہ ہر سال اپنا تجارتی مال بازار عکاظ میں فروخت ہونے کے لئے اشراف عرب میں سے کسی کی پناہ میں بھیجا کرتا تھا۔ اِس دفعہ جو اُس نے اونٹ لدوا کر تیار کئے۔ اتفاقاً عرب کی ایک جماعت اُس کے پاس حاضر تھی۔ جن میں بنی کنانہ میں سے براض اور ہوازن میں سے عروہ رحال موجود تھا۔ نعمان نے کہا۔ اس قافلہ کو کون پناہ دے گا؟ براض بولا۔ میں بنی کنانہ سے پناہ دیتا ہوں۔ نعمان نے کہا۔ میں ایسا شخص چاہتا ہوں جو اہل نجد و تہامہ سے پناہ دے۔ یہ سُن کر عروہ نے کہا۔ اَکَلْبٌ خَلِیعٌ یُجِیرُهَا لَكَ[2]۔ میں اہل نجد و تہامہ سے پناہ دیتا ہوں۔ براض نے کہا۔ اے عروہ! کیا تو بنی کنانہ سے پناہ دیتا ہے؟ عروہ نے کہا۔ تمام مخلوق سے۔ پس عروہ اُس قافلہ کے ساتھ نکلا۔ براض بھی اُس کے پیچھے روانہ ہوا۔ اور موقع پا کر عروہ کو ماہ حرام میں قتل کر ڈالا۔ ہوازن نے قصاص میں براض کو قتل کرنے سے انکار کیا کیونکہ عروہ ہوازن کا سردار تھا۔ وہ قریش کے کسی سردار کو قتل کرنا چاہتے تھے۔ مگر قریش نے منظور نہ کیا۔ اس لئے قریش و کنانہ اور ہوازن میں جنگ چھڑ گئی۔ کنانہ کا سپہ سالار اعظم حرب بن امیہ تھا جو ابو سفیان کا باپ اور حضرت امیر معاویہ کا دادا تھا اور ہوازن کا سپہ سالار اعظم مسعود بن معتب ثقفی تھا۔ لشکر کنانہ کے ایک پہلو پر عبد اللہ بن جدعان اور دوسرے پر کریز بن ربیعہ اور قلب میں حرب بن امیہ تھا۔ اس جنگ میں کئی لڑائیاں ہوئیں۔ اُن میں سے

---

[1] ترمذی شریف۔
[2] کیا راندہ قوم کتا تیرے قافلہ کو پناہ دے گا؟ دیکھو عقد الفرید لابن عبدربہ

ایک میں حضرت کے چچا آپ کو بھی لے گئے۔ اُس وقت آپ کی عمر مبارک چودہ سال کی تھی۔ مگر آپ نے خود لڑائی نہیں کی۔ بلکہ تیر اُٹھا اُٹھا کر اپنے چچاؤں کو دیتے رہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ وکنت انبل علی اعمامی۔ بعض کہتے ہیں۔ آپ نے بھی تیر پھینکے تھے۔ بہرحال اخیر میں فریقین میں صلح ہو گئی؛

حلف الفضول میں شرکت جب قریش حرب فجار سے واپس آئے۔ تو یہ واقعہ پیش آیا کہ شہر زبید کا ایک شخص اپنا مال تجارت مکہ میں لایا جسے عاص بن وائل سہمی نے خرید لیا۔ مگر قیمت نہ دی۔ اس پر زبیدی نے اپنے احلاف عبدالدار و مخزوم وجمح وسہم وعدی بن کعب سے مدد مانگی۔ مگر ان سب نے مدد دینے سے انکار کیا۔ پھر اس نے جبل ابو قبیس پر کھڑے ہو کر فریاد کی جسے قریش کعبہ میں سُن رہے تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت کے چچا زبیر بن عبدالمطلب کی تحریک پر بنو ہاشم۔ زہرہ اور بنو اسد بن عبد العزے سب عبداللہ بن جدعان کے گھر میں جمع ہوئے اور باہم عہد کیا کہ ہم ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کیا کریں گے۔ اور مظالم واپس کرا دیا کریں گے اس کے بعد وہ سب عاص بن وائل کے پاس گئے۔ اور اُس سے زبیدی کا مال واپس کرایا۔ اس معاہدہ کو حلف الفضول اس واسطے کہتے ہیں کہ یہ معاہدہ اُس معاہدہ کے مشابہ تھا جو قدیم زمانہ میں جرہم کے وقت میں مکہ میں بدیں مضمون ہوا تھا کہ ہم ایک دوسرے کی حق رسانی کیا کریں گے۔ اور قوی سے ضعیف کا اور مقیم سے مسافر کا حق لے کر دیا کریں گے۔ چونکہ جرہم کے وہ لوگ جو اُس معاہدہ کے محرک تھے ان سب کا نام فضل تھا جن میں سے فضل بن حارث اور فضل بن وداعہ اور فضل بن فضالہ تھے۔ اس لئے اس کو "حلف الفضول" سے موسوم کیا گیا تھا؛

اس معاہدۂ قریش میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے۔ اور عہد نبوت میں فرمایا کرتے تھے کہ اِس معاہدے کے مقابلہ میں اگر مجھ کو سرخ رنگ کے اونٹ بھی دئے جاتے۔ تو میں اسے نہ توڑتا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ میں عبداللہ بن جدعان کے گھر میں ایسے معاہدے میں حاضر ہوا کہ اگر اُس سے غیر حاضری پر مجھے سرخ رنگ کے اونٹ بھی دئے جاتے۔ تو میں پسند نہ کرتا۔ اور آج اسلام میں بھی اگر کوئی مظلوم یا آل حلف الفضول کہہ کر پکارے۔ تو میں مدد دینے کو حاضر ہوں؛

شام کا دوسرا سفر جب حضرت کی عمر مبارک پچیس سال کی ہوئی۔ تو آپ کے صدق وامانت کا شہرہ دور دور پہنچ چکا تھا یہانتک کہ زبان خلق نے آپ کو امین کا لقب دیدیا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت خدیجہ نے جو ایک

---

[1] اور میں تیر اٹھا کر اپنے چچاؤں کو دے رہا تھا؛

معزز مالدار خاتون تھیں آپ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ میرا مال تجارت لے کر شام کو جائیں ۔ جو معاوضہ میں اَوروں کو دیتی ہوں ۔ آپ کو اُس کا مضاعف دوں گی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبول فرمایا اور مال تجارت لے کر ملک شام کو روانہ ہوئے حضرت خدیجہ کا غلام میسرہ آپ کے ساتھ تھا جو آپ کی خدمت کرتا تھا اور آپ کی ضروریات کا متکفل تھا۔ جب آپ شام میں پہنچے ۔ تو بازار بصرے میں ایک راہب نسطورا نامی کی خانقاہ کے نزدیک اترے ۔ وہ راہب میسرہ کی طرف آیا اور اُسے جانتا تھا۔ کہا۔" اے میسرہ! یہ کون ہے جو اس درخت کے نیچے اُترا ہے؟" میسرہ نے کہا۔ اہل حرم میں سے قریش سے ہے۔ راہب نے کہا۔ سوائے نبی کے اس درخت کے نیچے کبھی کوئی نہیں اترا۔ پھر اُس نے پوچھا۔ کیا اس کی دونوں آنکھوں میں سرخی ہے ۔ میسرہ نے جواب دیا۔ ہاں ۔ اور کبھی دور نہیں ہوتی ۔ یہ سن کر راہب بولا۔" یہ وہی ہیں ۔ اور یہی آخر الانبیاء ہیں ۔ کاش میں ان کو پاؤں جس وقت یہ مبعوث ہوں گے ۔" اور میسرہ سے کہا کہ ان سے جدا نہ ہونا اور نیک نیتی سے ان کے ساتھ رہنا ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت کا شرف عطا کیا ہے ۔ حضرت بازار بصرے میں خرید و فروخت کر کے مکہ واپس آئے ۔ جب حضرت خدیجہ نے جو عورتوں کے درمیان ایک بالاخانے میں بیٹھی تھی آپ کو آتے ہوئے دیکھا۔ تو دو فرشتے آپ کے سر مبارک پر دھوپ سے سایہ کئے ہوئے تھے ۔ میسرہ نے حضرت خدیجہ سے بیان کیا کہ میں نے تمام سفر میں آپ کا یہی حال دیکھا ہے ۔ اور اُس راہب کے قول و وصیت کی خبر دی ۔ اللہ تعالیٰ نے اس تجارت میں مضاعف نفع دیا ۔ حضرت خدیجہ نے جو دیکھا اور سُنا اُس سے ظاہر ہو گیا کہ آپ بے شک ساری مخلوق کی طرف اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔

حضرت خدیجہؓ سے نکاح اس وقت حضرت خدیجہ بیوہ تھیں ۔ ان کی دو شادیاں پہلے ہو چکی تھیں ۔ ان کی پاکدامنی کے سبب لوگ جاہلیت میں ان کو طاہرہ کہا کرتے تھے ۔ ان کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ملتا ہے ۔ حضرت خدیجہ نے امور مذکورہ بالا کو مدنظر رکھ کر واپس آنے کے قریبًا تین مہینے کے بعد یعلےٰ بن منیہ کی بہن نفیسہ کی وساطت سے آپ کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ آپ نے اس درخواست کی خبر اپنے چچاؤں کو دی ۔ انہوں نے قبول کیا پس تاریخ معین پر ابو طالب اور امیر حمزہؓ اور دیگر رؤسائے خاندان حضرت خدیجہ کے مکان پر گئے ۔ اور ان کے چچا عمرو بن اسد نے اور بقول بعض ان کے بھائی عمرو بن خویلد نے ان کا نکاح کر دیا ۔ شادی کے وقت ان کی عمر چالیس سال کی تھی ۔ ابو طالب نے نکاح کا خطبہ پڑھا اور پانسو درہم مہر قرار پایا ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دیگر ازواج مطہرات کے

مہر بھی پانسو درہم تھے۔ سوائے ایک صاحبزادے ابراہیم کے جو سنہ آٹھ ہجری میں حضرت ماریہ قبطیہ سے پیدا ہوئے اور سنہ دس میں انتقال فرما گئے حضرت کی تمام اولاد اسی نیک نہاد بیوی سے پیدا ہوئی جس کی تفصیل اپنے موقع پر آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

تعمیر کعبہ جب حضرت کی عمر مبارک پینتیس ۳۵ سال کی ہوئی۔ تو قریش نے کعبہ کو از سر نو بنایا۔ علامہ ازرقی[1] (متوفی سنہ ۲۲۳ھ) نے تاریخ مکہ میں لکھا ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پتھروں سے جو تعمیر کی تھی اُس کا طول و عرض حسب ذیل تھا:۔

ارتفاع	۹ گز[2]
طول (سامنے کی طرف) حجر اسود سے رکن شامی تک	۳۲ گز
عرض (میزاب شریف کی طرف) رکن شامی سے رکن غربی تک	۲۲ گز
طول (پچھواڑے کی طرف) رکن غربی سے رکن یمانی تک	۳۱ گز
عرض رکن یمانی سے حجر اسود تک۔	۲۰ گز

اس عمارت کو حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کر رہے تھے۔ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کندھے پر پتھر لاد کر لا رہے تھے۔ جب دیواریں اونچی ہو گئیں۔ تو مقام پر کھڑے ہو کر کام کرتے رہے جب حجر اسود کی جگہ تک پہنچ گئے۔ تو آپ نے حضرت اسماعیلؑ سے فرمایا کہ ایک پتھر لاؤ۔ میں اُسے یہاں نصب کر دوں، تا کہ لوگ طواف یہاں سے شروع کیا کریں۔ حضرت اسماعیل پتھر کی تلاش میں گئے۔ تو حضرت جبرئیلؑ حجر اسود لے کر حاضر ہوئے۔ اس بنا میں دروازہ سطح زمین کے برابر تھا۔ مگر چوکھٹ بازو نہ تھی۔ نہ کواڑ تھے نہ چھت۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد عمالقہ[3] و جرہم و قصی نے اپنے اپنے وقت میں اس عمارت کی تجدید کی۔ چونکہ عمارت نشیب میں واقع تھی۔ وادئ مکہ کی روؤں کا پانی حرم میں آ جاتا تھا۔ اس پانی کی روک کے لئے بالائی حصہ پر بند بھی بنوا دیا گیا تھا۔ مگر وہ ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا۔ اس دفعہ ایسے زور کی رَو آئی کہ کعبہ کی دیواریں پھٹ گئیں۔ اس لئے قریش نے پرانی عمارت کو ڈھا کر نئے سر سے مضبوط و مسقف بنانے کا ارادہ کیا۔ حُسن اتفاق یہ کہ ایک رومی تاجر باقوم کا جہاز ساحل جدہ پر کنارے سے

---

[1] اعلام باعلام بیت اللہ الحرام للعلامۃ قطب الدین الحنفی۔ ص۱۴

[2] شرعی گز ۲/۳ ۲۔ انگل کا ہوتا ہے۔

[3] تفصیل اعلام باعلام بیت اللہ الحرام میں ہے۔

ٹکرا کر ٹوٹ گیا۔ باقوم مذکور معمار و نجار بھی تھا۔ قریش کو جو خبر لگی۔ تو ولید بن مغیرہ چند اور قریشیوں کے ساتھ وہاں پہنچا۔ اس نے چھت کے لئے جہاز کے تختے مول لے لئے اور باقوم کو بھی ساتھ لے آیا۔ دیواروں کے لئے قریش کے ہر ایک قبیلہ نے الگ الگ پتھر ڈھونے شروع کئے۔ مرد دو دو مل کر دور سے پتھروں کو کندھوں پر اُٹھا کر لاتے تھے۔ چنانچہ اس کام میں حضرت اپنے چچا عباس کے ساتھ شریک تھے۔ اور کوہ صفا کے متصل اجیاد سے پتھر لا رہے تھے۔ جب سامان عمارت جمع ہو گیا۔ تو ابو وہب بن عمرو بن عائذ مخزومی کے مشورے سے قبائل قریش نے تعمیر کے لئے بیت اللہ کی چاروں طرفیں آپس میں تقسیم کر لیں۔ ابو وہب مذکور حضرت کے والد ماجد عبد اللہ کا ماموں تھا۔ اسی نے قریش سے کہا تھا کہ کعبہ کی تعمیر میں کسب حلال کی کمائی کے سوا اور مال صرف نہ کیا جائے۔ جب عمارت حجر اسود کے مقام تک پہنچ گئی۔ قبائل میں سخت جھگڑا پیدا ہوا۔ ہر ایک قبیلہ چاہتا تھا کہ ہم ہی حجر اسود کو اُٹھا کر نصب کریں گے۔ اسی کشمکش میں چار دن گذر گئے۔ اور تلواروں تک نوبت پہنچ گئی۔ بنو عبد الدار اور بنو عدی بن کعب نے تو اس پر جان دینے کی قسم کھائی اور حسب دستور اس حلف کی تاکید کے لئے ایک پیالہ میں خون بھر کر اپنی انگلیاں اُس میں ڈبو کر چاٹ لیں۔ پانچویں دن سب مسجد حرام میں جمع ہوئے۔ ابو امیہ بن مغیرہ مخزومی نے جو حضرت ام المومنین ام سلمہ کا والد اور قریش میں سب سے معمر تھا یہ رائے دی کہ کل صبح جو شخص اس مسجد کے باب بنی شیبہ سے حرم میں داخل ہو وہ ثالث قرار دیا جائے۔ سب نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ دوسرے روز سب سے پہلے داخل ہونے والے ہمارے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ دیکھتے ہی سب پکار اُٹھے۔ "یہ امین ہیں۔ ہم ان پر راضی ہیں"۔ جب انہوں نے آپ سے یہ معاملہ ذکر کیا۔ تو آپ نے ایک چادر بچھا کر اس میں حجر اسود کو رکھا۔ پھر فرمایا کہ ہر طرف والے ایک ایک سردار انتخاب کر لیں۔ اور وہ چاروں سردار چادر کے چاروں کونے تھام لیں اور اوپر کو اُٹھائیں۔ اس طرح جب وہ چادر مقام نصب کے برابر پہنچ گئی۔ تو حضرت نے حجر اسود کو اپنے مبارک ہاتھ سے اُٹھا کر دیوار میں نصب فرما دیا۔ اور وہ سب خوش ہو گئے۔

قریش نے اس تعمیر میں بہ نسبت سابق کئی تبدیلیاں کر دیں۔ بنائے خلیل میں ارتفاع ۹ گز تھا۔ اب ۱۸ گز ارتفاع کر کے عمارت مسقف کر دی گئی۔ مگر سامان تعمیر کے لئے نفقہ حلال کافی نہ ملا۔ اس لئے بنائے خلیل میں سے جانب غرب کا کچھ حصہ چھوڑ دیا گیا اور اس کے گرد چار دیواری کھینچ دی گئی کہ پھر موقع ملے گا تو کعبہ کے اندر لے لیں گے۔ اس حصہ کو حجر یا حطیم[1] کہتے تھے۔ بنائے خلیل میں کعبہ کا دروازہ سطح

[1] بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حجر کو حطیم نہ کہنا چاہیئے کیونکہ یہ نام ایام جاہلیت میں وضع ہوا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ایام جاہلیت میں وہاں باہم قسم کھایا کرتے تھے اور عقد حلف کی علامت یہ ہوا کرتی تھی کہ معاہدین اپنا جوتا یا چابک یا کمان حجر کی طرف پھینک دیا کرتے تھے۔ اس واسطے حجر کو حطیم کہا کرتے تھے (بخاری شریف)

زمین کے برابر تھا۔ مگر اب قریش نے زمین سے اونچا کر دیا تاکہ جس کو چاہیں اندر جانے دیں اور جس کو چاہیں روک دیں۔ عہد نبوت میں حضرت کا ارادہ ہوا کہ حجر کو عمارت کعبہ میں ملالیں اور دروازہ سطح زمین کے برابر کر دیں مگر بدیں خیال ایسا نہ کیا کہ قریش نئے نئے مسلمان ہیں۔ کہیں دیوار کعبہ کے گرانے سے بدظن ہو کر دین اسلام سے نہ پھر جائیں ؛

تیسرا باب

حالات بعثت شریف تا ہجرت

اِس عنوان پر قلم اُٹھانے سے پہلے مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُس وقت عرب اور باقی دنیا کی دینی اور اخلاقی و روحانی حالت جو تھی اُس کا مجمل بیان پیش کیا جائے۔ جس سے حضور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی ضرورت و اہمیت ثابت ہو جائے ؛

دنیا کی حالت عرب پہلے دین ابراہیم علیہ السلام پر تھے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت نابت کعبہ کے متولی ہوئے۔ اُن کے بعد قبیلہ جرہم متولی ہوا۔ اس قبیلہ کو عمرو بن لحی نے جو قبیلہ خزاعہ کا مورث اعلیٰ تھا بیت اللہ شریف سے نکال دیا اور خود متولی بن گیا۔ اس کا اصلی نام عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو بن عامر ازدی تھا۔ عرب میں بت پرستی کا بانی یہی شخص تھا۔ اِسی نے سائبہ وصیلہ بحیرہ حامیہ کی رسم ایجاد کی تھی۔ ایک دفعہ یہ سخت بیمار ہو گیا۔ کسی نے کہا کہ بلقاء واقع شام میں ایک گرم پانی کا چشمہ ہے۔ اگر تم اُس میں غسل کرو۔ تو تندرست ہو جاؤ گے۔ اِس لئے یہ بلقاء میں پہنچا۔ اور اس چشمہ میں غسل کرنے سے چنگا ہو گیا۔ وہاں اس نے لوگوں کو بتوں کی پوجا کرتے دیکھا۔ پوچھا کہ یہ کیا ہیں ؟ انہوں نے کہا کہ ہم ان کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے ہیں۔ اور ان ہی کے وسیلہ سے دشمن پر فتح پاتے ہیں۔ یہ سُن کر اُس نے درخواست کی کہ ان میں سے کچھ مجھے بھی عنایت کیجئے۔ غرض اُس نے وہ بت لا کر کعبہ کے گرد نصب کر دئے اور عرب کو اُن کی پوجا کی دعوت دی۔ اس طرح عرب میں بت پرستی شائع ہو گئی جس کا اجمالی خاکہ[1] ذیل میں درج کیا جاتا ہے :-

[1] یہ خاکہ ابو المنذر ہشام کلبی (متوفی سنہ ۲۰۴ھ) کی تصنیف کتاب الاصنام سے ماخوذ ہے جو مصر میں سنہ ۱۳۳۲ھ میں چھپ چکی ہے۔

بُت کا نام	مقام جہاں وہ بُت تھا	قبیلہ جو اُس بُت کو پوجتا تھا	کیفیت
وَدّ	دُومۃ الجندل جو دمشق و مدینہ کے وسط میں ہے	کلب	یہ بُت بشکل انسان بزرگ جثہ تھا جس پر دو حلّے منقوش تھے۔ ایک حلہ بطور ازار دوسرا بطور چادر۔ تلوار آڑے لٹکائے ہوئے اور کمان مونڈھے پر۔ سامنے ایک تھیلے میں نیزہ اور جھنڈا تھا اور ایک ترکش تھی جس میں تیر تھے۔ حارثہ اجداری اپنے بیٹے مالک کو دودھ دے کر اُس بُت کے پاس بھیجا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا کہ اپنے معبود کو پلا آؤ؛
سُواع	رُہاط جو سرزمین ینبع کے ہے	ہُذیل	بنو لحیان اِس بُت کے خادم یا یہ پُجاری تھے؛
یغوث	مَذحج	مذحج و اہل جُرش	مَذحج یمن میں ایک ٹیلہ کا نام ہے؛
یعوق	خَیوان	ہمدان اور ان کے نواح کے لوگ یمن میں	خیوان صنعاء یمن سے مکہ کی طرف دو دن کا رستہ ہے۔
نَسر	بَلخَع	حمیر	بلخع سرزمین سبا واقع یمن میں ہے۔ حمیر نسر کو پوجتے رہے یہانتک کہ ذو نواس نے ان کو یہودی بنالیا۔ اسی طرح حمیر کے لئے تبدیل مذہب سے پہلے صنعاء یمن میں ایک مندر ریام تھا جس پر وہ قربانیاں چڑھاتے تھے
فَلس (بشکل انسان)	اجا	طَی	قبیلہ طی کے دو پہاڑ اجا و سلمیٰ مدینہ منورہ سے جانب شمال تین مرحلے کے فاصلہ پر ہیں۔ اس بُت پر قربانی چڑھاتے تھے۔ اگر کوئی جانور بھاگ کر اس کی پناہ میں آتا۔ تو وہ اسی کا ہو جاتا۔ ایک روز اس کا پجاری صیفی نام ایک عورت کی اونٹنی بھگا لایا اور اس بُت کے پاس لا کر باندھ دی۔ عورت نے اپنے ہمسایہ سے شکایت کی۔ وہ اونٹنی کو کھول کر لے گیا۔ پجاری نے بُت سے فریاد کی۔ مگر کچھ نہ بنا۔ عدی بن حاتم نے یہ دیکھ کر بُت پرستی چھوڑ دی اور عیسائی ہو گئے۔ پھر سنہ ۹ھ میں مشرف باسلام ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
مَنات	قُدید کے قریب ساحل بحر پر کوہ مُشلّل کے نواح میں	اوس و خزرج۔ ہذیل و خزاعہ	قریش اور باقی تمام عرب اس کی عبادت کرتے تھے اور اس پر قربانیاں چڑھاتے تھے۔ اوس و خزرج جب مدینہ سے حج کرنے آتے۔ تو ارکان حج ادا کر کے اپنے سر اس بُت کے پاس منڈواتے تھے اور اس کے بغیر حج کو ناتمام سمجھتے تھے۔

بت کا نام	مقام جہاں وہ بت تھا	قبیلہ جو اُس کو پوجتا تھا	کیفیت
لات	طائف	ثقیف	مربع پتھر تھا۔ تمام عرب اس کی تعظیم کرتے تھے۔
عُزّےٰ	وادی حراض واقع نخلہ شامیہ (مکہ سے جانب شمال دو دن کا راستہ)	قریش	یہ ایک شیطانہ تھی۔ جس کا تھان ببول کے تین درختوں میں تھا۔ فتح مکہ کے بعد حضرت خالد بن ولید نے ان درختوں کو کاٹ دیا اور عزےٰ کو قتل کر دیا۔ قریش دیگر اصنام کی نسبت اِس کی تعظیم زیادہ کیا کرتے تھے۔ انہوں نے حرم کعبہ کی طرح وادی حراض میں ایک درہ کو اس کا حرم قرار دیا تھا۔ اس درہ کا نام سُقام تھا۔ اور قربانیوں کے لئے ایک مذبح بنایا ہوا تھا جسے غَبغب کہتے تھے۔ عرب لات و منات و عزےٰ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اور ان کا عقیدہ تھا کہ یہ ہماری شفاعت کریں گی
ذوالخَلَصہ	تبالہ	خثعم۔ بجیلہ۔ ازد سراۃ	تبالہ مکہ و یمن کے درمیان مکہ سے سات یا آٹھ دن کی راہ ہے۔ یہ بُت سفید پتھر پر منقوش تھا جس پر تاج کی مثل کوئی شے تھی۔
سعد	ساحل جُدّہ	مالک و ملکان پسران کنانہ	طویل پتھر تھا۔ اس پر خون بہایا جاتا تھا۔
ذوالکفین	ارض دوس واقع یمن	دَوس	فتح مکہ کے بعد حضرت طفیل بن عمرو دَوسی نے اس بُت کو بحکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگ سے جلا دیا تھا۔
ذوالشَریٰ	ذوالشَریٰ	بنو حارث بن یشکر ازدی	ذوالشرےٰ مکہ معظمہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔
اُقیصِر	مشارف شام	قضاعہ۔ لخم۔ جذام عاملہ۔ غطفان	اس کا حج کرتے۔ قربانی دیتے۔ اور اس کے پاس اپنے سر منڈوایا کرتے۔ سر منڈوانے والا ہر بال پر گیہوں کے آٹے کی ایک مٹھی پھینکا کرتا تھا۔
نُہم	×	مُزینہ	اِس کا پُجاری خزاعی بن عبد نہم مزنی تھا۔ اُس نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال سنا۔ تو اس بُت کو توڑ کر حاضر خدمت ہوا اور ایمان لایا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔
عائم	×	ازدسرات	

بت کا نام	مقام جہاں وہ بت تھا	قبیلہ جو اس بت کو پوجتا تھا	کیفیت
رُضاء یا رُضی	x	بنو ربیعہ بن کعب بن سعد تمیمی	اس بت کا ذکر صفا کے پرانے کتبوں میں بھی پایا جاتا ہے - اس کو مستوغر یعنی عمرو بن ربیعہ تمیمی نے زمانہ اسلام میں منہدم کر دیا۔
شنخیر	x	عنزہ	اس پر قربانیاں چڑھاتے تھے؛
عمیانس	موضع خولان واقعہ یمن	خولان	مویشیوں اور کھیتوں کو اس بت اور خدا تعالیٰ کے درمیان تقسیم کیا کرتے تھے۔ بقول ہشام کلبی وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا الآیہ خولان ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے؛
ہبل	مکہ	قریش	کعبۃ اللہ جو خانۂ خدا تھا بتخانہ بنا ہوا تھا۔ اس میں تین سو ساٹھ بت تھے۔ جن میں ہبل بہت بڑا اور جوف کعبہ میں نصب کیا ہوا تھا۔ یہ بت بشکل انسان عقیق احمر کا بنا ہوا تھا۔ اس کا بایاں ہاتھ ٹوٹا ہوا تھا۔ قریش کو اسی حالت میں ملا تھا۔ انہوں نے اس کے لئے سونے کا ہاتھ بنا دیا تھا۔ اس کے سامنے سات تیر رکھے ہوئے تھے۔ جن سے مجاری قرعہ اندازی کیا کرتا تھا۔ اساف ونائلہ دونوں زمزم کی جگہ پر تھے۔ قریش ان کے پاس قربانیاں دیا کرتے تھے۔ قریش کا ایک بت مناف تھا۔ علاوہ اس کے مکہ کے گھر گھر میں ایک ایک بت تھا۔ جب کوئی سفر کو جاتا۔ تو بطور تبرک اس کو مسح کرتا۔ جب واپس آتا۔ تو گھر میں داخل ہو کر سب سے پہلے اس کو مسح کرتا؛

مندرجہ بالا بتوں کے علاوہ عرب میں اور بت بھی تھے۔ ستاروں کی بھی پوجا ہوتی تھی۔ چنانچہ قبیلہ حمیر سورج کی پرستش کرتا تھا۔ کنانہ چاند کو۔ بنو تمیم دبران کو۔ قیس شعرے کو۔ اسد عطارد کو اور لخم وجذام مشتری کو پوجتے تھے[1]

عرب میں درخت پرستی بھی پائی جاتی تھی۔ مکہ مشرفہ کے قریب ایک بڑا سبز درخت تھا۔ جاہلیت میں لوگ سال میں ایک دفعہ وہاں آتے۔ اور اس درخت پر اپنے ہتھیار لٹکاتے اور اس کے پاس

[1] طبقات الامم لابن صاعد الاندلسی مطبوعہ بیروت ۱۹۱۲ء۔ صہ ۴۳

حیوانات ذبح کرتے۔ کہتے ہیں کہ عرب جب حج کو آتے۔ تو اپنی چادریں اُس درخت پر لٹکا دیتے اور حرم میں بغرض تعظیم بغیر چادروں کے داخل ہوتے۔ اس لئے اُس درخت کو انواط کہتے تھے[1]۔ ابن اسحاق نے حدیث وہب بن منبہ میں ذکر کیا ہے۔ کہ جب فیمیون نصرانی اپنی سیاحت میں نجران میں بطور غلام فروخت ہوا ہے۔ تو اُس وقت اہل نجران ایک بڑے درخت کی پوجا کیا کرتے تھے۔ اس درخت کے پاس سال میں ایک دفعہ عید ہوا کرتی تھی۔ وہ عید کے موقع پر اپنے اچھے سے اچھے کپڑے اور عورتوں کے زیورات اِس درخت پر ڈال دیا کرتے تھے۔ پھر وہ فیمیون کی کرامت دیکھ کر عیسائی ہو گئے[2]۔

بتوں پر عموماً حیوانات کا خون بہایا جاتا تھا۔ مگر بعض دفعہ انسان کو بھی ذبح کر دیتے تھے۔ چنانچہ نیلوس ایک قسم کی قربانی کا ذکر جو سنہ ۴۱۰ء میں دی گئی تھی بدیں الفاظ کرتا ہے:۔

"حجاز کے وحشی عربوں کے ہاں دیوتا کی کوئی مورت نہ تھی۔ صرف اَن گھڑ پتھروں کی ایک قربانگاہ ہوا کرتی تھی۔ جس پر وہ ستارہ صبح (زُہرہ) کے لئے کوئی انسان یا سفید اونٹ بڑی جلدی سے ذبح کیا کرتے تھے۔ یہ قربانی طلوع آفتاب سے پہلے بظاہر بدیں وجہ ہوا کرتی تھی۔ کہ وہ ستارہ اِس عمل میں پیش نظر رہے۔ وہ مقام متبرک کے گرد بھجن گاتے ہوئے تین بار طواف کرتے۔ تب سردارِ قوم یا بوڑھا پجاری اس بھینٹ پر پہلا وار کرتا اور اُس کا کچھ خون پیتا۔ بعد ازاں حاضرین کو د پڑتے اور اُس جانور کو کچا اور صرف نیم پوست کندہ طلوع آفتاب سے پہلے کھا جاتے"۔ خود نیلوس کا بیٹا زہرہ کی بھینٹ چڑھنے کو تھا کہ ایک اتفاقی امر سے بچ گیا۔ نیلوس سے پیشتر پورفری بیان کرتا ہے۔ کہ عرب میں دومہ کے باشندے سال میں ایک بار ایک لڑکے کی بھینٹ دیتے۔ اور اُسے قربانگاہ کے نیچے دفن کر دیتے[3]۔

اوپر کے بیان سے ظاہر ہے کہ عرب کے طول و عرض میں بُت پرستی کا جال بچھا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ یہودیت و نصرانیت و مجوسیت بھی کہیں کہیں رائج تھی[4]۔ چنانچہ حمیر۔ کنانہ۔ بنو حارث بن کعب اور کندہ میں یہودیت تھی۔ مدینہ میں یہودیوں کا زور تھا۔ خیبر میں بھی یہودی بستے تھے۔ ربیعہ۔ غسان اور بعض قضاعہ میں نصرانیت تھی۔ مجوسیت بہت کم تھی۔ وہ بت پرستی و یہودیت و عیسائیت میں جذب

[1] معجم البلدان یاقوت حموی۔ تحت انواط۔
[2] سیرت ابن ہشام۔ قصہ اصحاب الاخدود۔
[3] مذہب و اخلاق کی انسائیکلوپیڈیا۔ تحت عرب قدیم۔
[4] حیوٰۃ الحیوان للدمیری (جزء اول۔ ص ۱۶۹) بحوالہ بصائر القدماء و سرائر الحکماء للشیخ ابی حیان التوحیدی المتوفی سنہ ۳۸۰ھ

ہوتے ہوتے صرف بنو تمیم میں رہ گئی تھی۔ جن کے منازل نجد سے یمامہ تک پائے جاتے تھے۔ حضرت حاجب بن زرارہ تمیمی اسی قبیلہ سے تھے۔ جنہوں نے کسرے کے ہاں اپنی کمان رہن رکھی تھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فک کرا کر بطور ہدیہ خدمت اقدس میں بھیجی تھی۔

عرب میں ازدواج کی کثرت تھی۔ چنانچہ جب حضرت غیلان ثقفی ایمان لائے۔ تو ان کے تحت میں دس عورتیں تھیں۔ جمع بین الاختین جائز سمجھتے تھے۔ چنانچہ ضحاک بن فیروز کا بیان ہے کہ جب میرا باپ اسلام لایا۔ تو اُس کے تحت میں دو سگی بہنیں تھیں۔ جب کوئی شخص مرجاتا۔ تو اُس کا سب سے بڑا بیٹا اپنی سوتیلی ماں کو میراث میں پاتا۔ چاہتا تو اُس سے شادی کرلیتا۔ ورنہ اپنے کسی اور بھائی یا رشتہ دار کو شادی کے لئے دیدیتا۔ زناکاری کا عام رواج تھا اور اُسے جائز خیال کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ جاہلیت میں نکاح چار طرح کا تھا۔ ایک نکاح متعارف جیسا کہ آج کل ہے کہ زوج وزوجہ کے ولی مہر معین پر متفق ہو جائیں اور ایجاب وقبول ہو جائے۔ دوسرا نکاح استبضاع بدیں طور کہ شوہر اپنی عورت کو حیض سے پاک ہونے کے بعد کہتا کہ تو فلاں سے استبضاع (طلبِ ولد) کرلے۔ اور خود اُس سے مقاربت نہ کرتا یہاں تک کہ اُس شخص سے حمل ظاہر ہو جاتا۔ اُس وقت چاہتا تو وہ اپنی زوجہ سے مجامعت کرتا۔ یہ استبضاع بغرض نجابت ولد کیا جاتا تھا۔ تیسرا نکاح جمع بدیں طور کہ دس سے کم مرد ایک عورت پر یکے بعد دیگرے داخل ہوتے یہانتک کہ وہ حاملہ ہو جاتی۔ وضع حمل کے چند روز بعد وہ عورت ان سب کو بلاتی اور ان سے کہتی کہ تم نے جو کیا وہ تمہیں معلوم ہے۔ میرے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے۔ پھر ان میں سے ایک کی طرف اشارہ کرکے کہتی کہ یہ تیرا بچہ ہے۔ پس وہ اُسی کا سمجھا جاتا تھا اور وہ شخص انکار نہ کرسکتا تھا۔ چوتھا نکاح بغایا بدیں طور کہ بہت سے مرد جمع ہو کر بغایا (زناکار عورتیں) میں سے کسی پر بلے روک ٹوک داخل ہوتے۔ یہ بغایا بطور علامت کے اپنے دروازوں پر جھنڈے نصب کرتی تھیں۔ جو چاہتا ان کے پاس جاتا۔ جب ان میں سے کوئی حاملہ ہو جاتی تو وضع حمل کے بعد وہ سب مرد اُس کے ہاں جمع ہوتے اور قافہ کو بلاتے۔ وہ قافہ اُس بچہ کو (اُس کے اعضاء دیکھ کر فراست سے) جس سے منسوب کرتا۔ اُسی کا بیٹا سمجھا جاتا تھا۔ اور اس سے انکار نہ ہو سکتا تھا[1]

شراب خوری اور قمار بازی بھی عرب میں کثرت سے رائج تھیں۔ مہمان نوازی کی طرح ان دونوں میں

---

[1] کشف الغمہ للقطب الشعرانی۔ جزء ثانی۔ صفحہ ۵۶

مال و دولت لٹانے پر فخر کیا کرتے تھے۔ ملک عرب میں انگوروں یا کھجوروں وغیرہ سے جو شراب بناتے تھے وہ اُن کے لئے کافی نہ تھی۔ اس لئے شراب کا بہت بڑا حصہ دیگر ممالک سے منگایا جاتا تھا۔ وہ بہت تیز ہوتی تھی۔ پانی میں ملا کر استعمال کیا کرتے تھے۔ شراب کی دکانوں پر جھنڈے لہرایا کرتے تھے۔ جب کسی دکان میں شراب کا ذخیرہ ختم ہو جاتا۔ تو جھنڈا اتار دیا جاتا تھا۔ اشعار عرب میں جن مقامات کی شراب کا ذکر آیا ہے ان کی تفصیل یوں ہے:۔

ملک کا نام	مقامات جو شراب کے لئے مشہور تھے	کیفیت
سیریا یعنی شام	جَدر۔ حِمص۔ بیت راس خُصّ اندرین بُصرے۔ صَرخَد۔ مآب	بیت راس دو شہروں کا نام ہے۔ ایک بیت المقدس میں دوسرا نواح حلب میں ہے۔ دونوں میں انگور بکثرت اور شراب کے لئے مشہور تھے۔ جدر کی شراب کو جدریہ کہتے تھے۔
فلسطین	مقد۔ غور۔ بیسان۔	مقد کی شراب کو مقدی یا مقدیہ اور بیسان کی شراب کو بیسانیہ بولتے تھے۔
الجزیرہ	عانہ	عانہ کی شراب کو عانیہ کہتے تھے
کلدیہ یا بابلونیا	بابل۔ صریفوں۔ قُطرُبّل	صریفون عُکبرا کے قریب ہے اور قطربّل بغداد و عکبرا کے درمیان ہے۔ ان مقامات کی شراب کو بابلیہ و صریفیہ و قطربلیہ کہتے تھے

خلاصہ کلام یہ کہ دین ابراہیمی جو عرب کا اصلی دین تھا سوائے چند رسموں کے جن سے عقل سلیم کو قطع نظر ارشاد انبیاء علیہم السلام کے انکار نہیں ہو سکتا عرب میں معدوم ہو گیا تھا۔ بجائے توحید کے عموماً شرک و بت پرستی تھی۔ وہ معبودان باطل کو قادر مطلق کی طرح اپنے حاجت روا جانتے تھے۔ بعضے اجرام فلکیہ آفتاب و ماہتاب و ستارگاں کی پوجا کرتے تھے۔ بعضے تشبیہ کے قائل تھے۔ اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھ کر ان کی پوجا کرتے اور خدا کے ہاں اُن کی شفاعت کے امیدوار تھے۔ شرک و تشبیہ کا کیا ذکر بعض کو خدا کی ہستی ہی سے انکار تھا۔ وہ شب و روز شراب خوری۔ قمار بازی۔ زناکاری اور قتل و غارتگری میں مشغول رہتے تھے۔ قساوت قلب کا یہ حال تھا کہ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیتے تھے۔ بتوں پر آدمیوں کی قربانی چڑھانے سے دریغ نہ کرتے۔ لڑائیوں میں آدمیوں کو زندہ جلا دینا۔ مستورات کا پیٹ چاک کرنا اور بچوں کو تہ تیغ کرنا عموماً جائز سمجھتے تھے۔ ان کے درمیان جو یہود و نصاریٰ تھے

اُن کی حالت بھی دگرگوں تھی۔ اُن کی کتابیں محرّف ہو چکی تھیں۔ یہود خدا کو مغلولۃ الید اور حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ اور نصاریٰ تین خدا مانتے تھے۔ اور مسئلہ کفارہ کی آڑ میں اعمال حسنہ کی کوئی ضرورت ہی محسوس نہ کرتے تھے؛

یہ حالت صرف عرب کے ساتھ مخصوص نہ تھی۔ بلکہ تمام دنیا میں اسی طرح کی تاریکی چھائی ہوئی تھی چنانچہ اہل فارس[1] آگ کے پوجنے اور ماؤں کے ساتھ وطی کرنے میں مشغول تھے۔ ترک شب و روز بستیوں کے تباہ کرنے اور بندگان خدا کو اذیت دینے میں مصروف تھے۔ اُن کا دین بتوں کی پوجا اور ان کی عادت مخلوقات پر ظلم کرنا تھا۔ ہندوستان کے لوگ بتوں کی پوجا اور خود کو آگ میں جلانے کے سوا کچھ نہ جانتے تھے اور نیوگ کو جائز سمجھتے تھے؛

یہ عالمگیر ظلمت اِس امر کی مقتضی تھی کہ حسب عادت الٰہی ملک عرب میں جہاں دنیا بھر کے ادیان باطلہ وعقائد قبیحہ واخلاق ردیّہ موجود تھے ایک ہادی تمام دنیا کے لئے مبعوث ہو۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا؛

عرب جیسی قوم میں جس کی حالت اوپر بیان ہوئی سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی بعثت تک ہر پہلو کے لحاظ سے بالکل بے لوث رہی۔ آپ اخلاق حمیدہ سے متصف اور صدق وامانت میں مشہور تھے۔ حتیٰ کہ قوم نے آپ کو امین کا لقب دیا ہوا تھا۔ آپ مجالس لہو ولعب میں کبھی شریک نہ ہوئے۔ وہ افعال جاہلیت جن کی آپ کی شریعت میں ممانعت وارد ہے۔ آپ کبھی ان کے مرتکب نہ ہوئے جو جانور بتوں پر ذبح کئے جاتے۔ آپ اُن کا گوشت نہ کھاتے۔ فسانہ گوئی۔ شراب خوری۔ قمار بازی اور بت پرستی جو قوم میں عام شائع تھیں۔ آپ ان سب سے الگ رہے۔ سال میں ایک بار ماہ رمضان میں کوہ حراء میں جو مکہ مشرفہ سے تین میل کے فاصلہ پر منےٰ کو جاتے ہوئے بائیں طرف کو ہے اعتکاف فرمایا کرتے۔ اور وہاں ذکر و فکر میں مشغول رہتے۔ چند راتوں کا توشہ ساتھ لے جاتے۔ وہ ختم ہو چکتا۔ تو گھر تشریف لاتے اور اسی قدر توشہ لے کر حراء میں جا معتکف ہوتے؛

ابتداء وحی جب آپ کی عمر مبارک چالیس سال کی ہوئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب نبوت سے سرفراز فرمایا۔ وحی کی ابتداء رؤیائے صادقہ سے ہوئی۔ جو کچھ آپ رات کو خواب میں دیکھتے۔ بعینہ وہی

---

[1] شرح فقہ اکبر لعلی القاری۔

ظہور میں آتا۔ چھ ماہ اسی حالت میں گزر گئے۔ کہ ایک روز آپ حسب معمول غار حرا میں مراقب تھے کہ فرشتہ (جبرئیل) آپ کے پاس آیا۔ اس نے آپ سے کہا۔ اِقْرَأْ (پڑھو) آپ نے فرمایا۔ ما انا بقاری (میں پڑھا ہؤا نہیں)۔ آپ کا بیان ہے کہ اس پر فرشتہ نے مجھے پکڑ کر بھینچا یہانتک کہ وہ مجھ سے غایت وسع وطاقت کو پہنچا۔ پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا۔ اِقْرَأْ۔ میں نے کہا۔ ما انا بقاری۔ اس پر اس نے مجھے پکڑ کر دوسری بار بھینچا یہانتک کہ وہ مجھ سے غایت وسع وطاقت کو پہنچا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا۔ اِقْرَأْ میں نے کہا۔ ما انا بقاری۔ پس اس نے مجھے پکڑ کر تیسری بار بھینچا یہانتک کہ وہ مجھ سے غایت وسع وطاقت کو پہنچا۔ پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ پیدا کیا آدمی کو لہو کی پھٹکی سے۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے علم سکھایا قلم سے۔ سکھایا آدمی کو جو کچھ نہ جانتا تھا۔[1]

یہ سبق پڑھ کر آپ گھر تشریف لائے اور حضرت خدیجہ سے سارا قصہ بیان کیا۔ وہ آپ کو اپنے چچیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لوا گئیں۔ جو عیسائی اور تورات و انجیل کا ماہر تھا۔ اس نے یہ ماجرا سن کر کہا کہ یہ وہی ناموس و فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰؑ پر اترا تھا۔ اس کے بعد کچھ مدت تک وحی بند رہی تاکہ آپ کا شوق و انتظار زیادہ ہو جائے۔ پھر یہ آیتیں نازل ہوئیں:

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَأَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝

اے لحاف میں لپٹے! کھڑا ہو۔ پس ڈر سنا۔ اور اپنے رب کی بڑائی کر اور اپنے کپڑے پاک رکھ۔ اور پلیدی کو چھوڑ دے۔

آغاز دعوت

قُمْ فَأَنْذِرْ سے آپ پر انذار اور دعوت الی اللہ فرض ہو چکی تھی۔ مگر اعلان دعوت کا حکم نہ آیا تھا۔ اس لئے آپ نے پہلے خفیہ طور سے اُن لوگوں کو دعوت اسلام دی جن پر آپ کو اعتماد تھا اور جو آپ کے حالات سے بخوبی واقف تھے۔ اس دعوت پر کئی مرد و زن ایمان لائے۔ چنانچہ مردوں میں سب سے پہلے جو آپ پر ایمان لائے وہ حضرت ابوبکر صدیق ہیں۔ لڑکوں میں سب سے پہلے ایمان

[1] تفصیل کے لئے صحیح بخاری کتاب التفسیر دیکھو۔

لانے والے حضرت علی مرتضیٰ ہیں۔ اور عورتوں میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ۔ آزاد کئے ہوئے غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ اور غلاموں میں حضرت بلال ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے ایمان لاتے ہی دعوت شروع کر دی۔ عشرہ مبشرہ میں سے پانچ یعنی حضرات عثمان غنی۔ سعد بن ابی وقاص۔ طلحہ بن عبید اللہ۔ عبد الرحمٰن بن عوف اور زبیر بن العوام آپ ہی کی ترغیب سے مشرف باسلام ہوئے۔ ان کے بعد حضرات سعید بن زید۔ ابوذر غفاری۔ ارقم بن ابی ارقم۔ عبد اللہ بن مسعود۔ عثمان بن مظعون ابو عبیدہ بن الجراح۔ عبیدہ بن حارث حصین والد عمران بن حصین۔ عمار بن یاسر۔ خباب بن الارت۔ خالد بن سعید بن العاص اور صہیب رومی وغیرہم سابقین اولین کے زمرہ میں شامل ہوئے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اور عورتوں میں فاطمہ بنت خطاب ہمشیرہ عمر فاروق۔ اسماء بنت ابی بکر۔ اسماء بنت سلامہ تمیمیہ۔ اسماء بنت عمیس خثعمیہ۔ فاطمہ بنت المجلل قرشیہ عامریہ۔ فکیہہ بنت یسار۔ رملہ بنت ابی عوف اور امینہ بنت خلف خزاعیہ سابقات الی الاسلام میں سے ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین۔ لیکن یہ سب کچھ جو ہوا پوشیدہ طور پر ہوا۔ نماز بھی شعاب مکہ میں چھپ کر پڑھا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت سعد بن ابی وقاص اور کچھ اصحاب مکہ کے کسی شعب میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مشرکین نے دیکھ کر اس فعل کو برا کہا۔ پس باہم لڑائی ہو گئی۔ حضرت سعد نے اونٹ کے تالو کی ہڈی اُن نابکاروں میں سے ایک کے ماری اور سر توڑ ڈالا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب دار ارقم میں جو کوہ صفا کی تلی میں تھا رہتے اور وہیں نماز پڑھتے۔

تبلیغ علی الاعلان | خفیہ دعوت کو جب تین سال ہو چکے۔ تو اعلان کا حکم اس طرح آیا۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (سورہ حجر)	پس تو کھول کر بیان کر دے جو تجھے حکم دیا جاتا ہے اور مشرکوں سے کنارہ کر

نیز حکم آیا:-

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (شعراء)	اور ڈرا اپنے نزدیک کے ناتے والوں کو

اس[1] پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر چڑھ کر قبیلہ قریش کے بطون کو یوں پکارا۔ یا بنی فہر! یا بنی عدی! یہاں تک کہ وہ جمع ہو گئے۔ جو خود نہ آ سکتا تھا۔ وہ اپنی طرف سے کسی اور کو بھیجتا تاکہ دیکھے کہ پکار

[1] صحیح بخاری کتاب التفسیر۔ سورہ شعراء۔

کیسی ہے۔ پس ابولہب اور قریش آگئے۔ آپ نے فرمایا۔ "بتاؤ۔ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ وادی مکہ سے ایک سواروں کا لشکر تم پر تاخت و تاراج کرنا چاہتا ہے۔ تو کیا تمہیں یقین آجائے گا؟" وہ بولے: "ہاں۔ کیونکہ ہم نے تم کو سچ ہی بولتے دیکھا ہے۔" آپ نے فرمایا۔ "تو میں تم سے کہتا ہوں کہ اگر تم مجھ پر ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر سخت عذاب نازل ہو گا۔" اس پر ابولہب بولا "تجھ پر آیندہ ہمیشہ ہلاک و زیان ہو۔ کیا اس کے لئے تو نے ہم کو جمع کیا ہے؟" تب یہ آیتیں نازل ہوئیں:۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝	ہلاک ہو جو ہاتھ ابولہب کے اور ہلاک ہو وہ۔ کام نہ آیا اُس کو مال اُس کا اور نہ جو کچھ کمایا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان دعوت کیا اور بُت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی۔ تو سرداران قریش عتبہ و شیبہ پسران ربیعہ بن عبد شمس۔ ابوسفیان۔ ابوجہل۔ ولید بن مغیرہ۔ عاص بن وائل سہمی اور اسود بن مطلب وغیرہ ابوطالب کے پاس آئے۔ اور کہنے لگے کہ تیرا بھتیجا ہمارے معبودوں کو بُرا کہتا ہے اور ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ بتاتا ہے اور ہمیں احمق ٹھہراتا ہے۔ تم اُس کو منع کردو۔ یا بیچ میں سے ہٹ جاؤ ہم اُس سے سمجھ لیں گے۔ ابوطالب نے انہیں نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا۔ آپ نے تبلیغ کو جاری رکھا۔ مگر قریش بجائے روبراہ ہونے کے آپ سے حقد و عداوت زیادہ کرنے لگے۔ اور ایک دوسرے کو آپ سے لڑنے پر اُبھارنے لگے۔ وہ دوبارہ ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ "ابوطالب! بے شک ہم میں تیری قدر و منزلت ہے۔ ہم نے تم سے کہا تھا کہ اپنے بھتیجے کو منع کردو۔ مگر تم نے ایسا نہیں کیا۔ خدا کی قسم! ہم اپنے معبودوں اور آباؤ اجداد کی توہین گوارا نہیں کرسکتے۔ تم اُس کو روک دو۔ ورنہ وہ اور تم میدان میں آؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے۔"

وہ یہ کہہ کر چلے گئے۔ ابوطالب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلا کر کہا۔ "اے میرے بھتیجے! تیری قوم نے میرے پاس آکر ایسا ایسا کہا ہے۔ تو اپنے آپ پر اور مجھ پر رحم کر اور مجھے امر مالا یطاق کی تکلیف نہ دے۔" یہ سن کر حضور انور نے بدیں خیال کہ اب میرے چچا نے مجھے چھوڑ دیا ہے اور میری مدد سے عاجز آگیا ہے یوں فرمایا۔ "اے میرے چچا! اللہ کی قسم اگر وہ سورج کو میرے دائیں ہاتھ میں اور چاند کو بائیں ہاتھ میں رکھ دیں تاکہ میں اس کام کو چھوڑ دوں۔ تب بھی میں اس کو نہ چھوڑونگا یہاں تک کہ اللہ اسے غالب کر دے یا میں خود اس میں ہلاک ہو جاؤں۔"[۱]

---

[۱] سیرت ابن ہشام۔

دست از طلب ندارم تا کام من برآید ۔۔۔ یا تن رسد بجاناں یا جاں زتن برآید

پھر آپ آبدیدہ ہوئے اور رو پڑے۔ آپ واپس ہوئے۔ تو ابو طالب نے بلا کر کہا: "اے میرے بھتیجے! جو کچھ آپ چاہیں کہیں۔ میں کبھی آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں گا۔" جب قریش نے دیکھا کہ ابو طالب اِس طرح نہیں مانتا۔ تو عمارہ بن ولید بن مغیرہ کو ساتھ لے کر اُس کے پاس آئے۔ کہنے لگے۔ اے ابو طالب! یہ عمارہ قریش میں نہایت قوی و خوبصورت نوجوان ہے۔ ہم یہ تجھے دیتے ہیں۔ تو اس کو اپنا بیٹا بنالے، اور اس کے عوض میں اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کردے۔ ابو طالب نے کہا: "اللہ کی قسم! تم مجھے بُری تکلیف دیتے ہو۔ کیا تم مجھے اپنا بیٹا دیتے ہو کہ میں اسے تمہارے واسطے پالوں۔ اور اپنا بیٹا تمہیں دوں کہ اُسے قتل کر ڈالو۔ اللہ کی قسم! ایسا ہرگز نہ ہوگا۔" یہ سُن کر قریش اور بھی برافروختہ ہو گئے۔ وہ ایک روز ولید بن مغیرہ کے پاس جمع ہوئے۔ ولید مذکور فصاحت و بلاغت میں ان کا سردار تھا۔ ایام حج قریب تھے۔ ولید و قریش میں یوں گفتگو ہوئی:-

ولید[1]۔ اے گروہ قریش! حج کا موسم آگیا ہے۔ عرب کے قبائل تمہارے پاس آئیں گے جنہوں نے تمہارے صاحب کا حال سُن لیا ہے۔ اُس کے بارے میں ایک رائے پر اتفاق کرلو۔ ایسا نہ ہو کہ تم ایک دوسرے کی تکذیب کرو؛

قریش۔ آپ ہی ایک رائے قائم کردیں۔ ہم اُسے تسلیم کریں گے؛

ولید۔ نہیں تم ہی کہو۔ میں سنتا ہوں؛

قریش۔ ہم کہیں گے کہ وہ کاہن ہے؛

ولید۔ اللہ کی قسم وہ کاہن نہیں۔ ہم نے کاہن دیکھے ہوئے ہیں۔ اُس کا کلام نہ کاہن کا زمزمہ ہے نہ سجع؛

قریش۔ ہم کہیں گے کہ وہ دیوانہ ہے۔

ولید۔ وہ دیوانہ نہیں۔ ہم نے دیوانگی دیکھی ہوئی ہے۔ وہ دیوانہ کا غیظ و غضب نہیں۔ نہ دیوانہ کا خلجان و وسوسہ ہے؛

قریش۔ ہم کہیں گے کہ وہ شاعر ہے؛

---

[1] سیرت ابن ہشام؛

ولید۔ وہ شاعر نہیں۔ ہمیں تمام اقسام شعر رجز۔ ہزج۔ قریض۔ مقبوض اور مبسوط معلوم ہیں۔ اُس کا کلام شعر نہیں!

قریش۔ ہم کہیں گے کہ وہ جادوگر ہے!

ولید۔ وہ جادوگر نہیں۔ ہم نے جادوگر اور ان کے جادو دیکھے ہوئے ہیں۔ وہ جادوگروں کا پھونک مارنا نہیں۔ اور نہ ان کا رسیوں یا بالوں کو گرہ دینا ہے!

قریش۔ ابو عبد شمس! پھر بتاؤ ہم کیا کہیں؟

ولید۔ اللہ کی قسم۔ اُس کے کلام میں بڑی حلاوت ہے۔ اُس کلام کی اصل مضبوط جڑ والا درخت خرما ہے اور اُس کی فرع پھل ہے۔ ان باتوں میں سے جو بات تم کہو گے۔ وہ ضرور پہچان لی جائے گی کہ جھوٹ ہے۔ اُس کے بارے میں صحت سے قریب تر قول یہ ہے کہ تم کہو۔ وہ جادوگر ہے اور ایسا کلام لایا ہے جو جادو ہے۔ اس کلام سے وہ باپ بیٹے میں۔ بھائی بھائی میں۔ میاں بیوی میں اور خویش و اقارب میں جدائی ڈال دیتا ہے!

ولید کا کلام سُن کر وہ مجلس سے چلے گئے۔ جب موسم حج میں لوگ آنے لگے۔ تو وہ اُن کے رستوں میں بیٹھتے۔ جو کوئی ان کے پاس سے گذرتا۔ وہ اُس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈرا دیتے اور آپ کا حال بیان کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے ولید کے بارے میں یہ آیات نازل فرمائیں:۔

ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ۙ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ۙ وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا ۙ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ۙ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ۙ كَلَّا ۭ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ۭ (مدثر ع)	چھوڑ دے مجھ کو اور اُس کو جو میں نے بنایا اکیلا۔ اور دیا میں نے اُس کو مال پھیلا کر اور بیٹے مجلس میں بیٹھنے والے۔ اور تیاری کر دی اُس کو خوب تیاری۔ اور پھر لالچ رکھتا ہے کہ اور دوں۔ کوئی نہیں وہ ہے ہماری آیتوں کا مخالف!

ان کے بعد کی اور کئی آیتیں ولید ہی کے بارے میں ہیں۔[1]

اسی طرح ایک دن جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اکیلے بیٹھے ہوئے تھے سردار قوم عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس اور قریش میں یوں[1] گفتگو ہوئی:۔

عتبہ۔ اے گروہ قریش! کیا میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاؤں تاکہ اُس سے کلام کروں اور

---

[1] سیرت ابن ہشام۔

چند باتیں اُس کے آگے پیش کروں۔ شاید وہ ان میں سے ایک بات کو پسند کرے۔ پس ہم وہ کردیں اور وہ ہم سے باز رہے۔

قریش۔ ہاں اے ابو الولید! آپ جائیے اور اُس سے گفتگو کیجئے۔

عُتبہ (حضرت سے مخاطب ہوکر)۔ بھائی کے بیٹے! آپ کو معلوم ہے کہ خویش و اقارب میں آپ بزرگ و برگزیدہ اور نسب میں عالی رتبہ ہیں۔ آپ اپنی قوم میں ایک نیا مذہب لائے ہیں۔ جس سے آپنے اُن کی جماعت کو پراگندہ کردیا ہے۔ آپنے ان کے داناؤں کو نادان بتایا۔ اُن کے معبودوں اور اُن کے دین کو بُرا کہا۔ اور ان کے گزشتہ آبا و اجداد کو کافر بتایا۔ سنئے میں چند باتیں پیش کرتا ہوں۔ شاید آپ اُن میں سے ایک بات پسند فرمائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ ابو الولید! بیان کر۔ میں سنتا ہوں۔

عتبہ۔ بھائی کے بیٹے! اِس نئے مذہب سے آپ کا مقصود اگر مال ہے۔ تو ہم آپکے لئے اتنا مال جمع کردیتے ہیں۔ کہ آپ ہم سب سے زیادہ مالدار بن جائیں۔ اگر اس سے ہم پر شرف مقصود ہے۔ تو ہم آپ کو اپنا سردار بنا لیتے ہیں۔ آپکے بغیر کوئی کام نہ کیا کریں گے۔ اگر آپ کو ملک مطلوب ہے۔ تو ہم آپ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرلیتے ہیں۔ اگر ہم آپ سے اُس جنّ کو نہ روک سکیں جو آپ کے پاس آتا ہے۔ تو آپ کا علاج کرائیں گے۔ اور علاج میں اپنا خرچ کریں گے یہاں تک کہ وہ جنّ بھاگ جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ ابو الولید! کیا تو کہہ چکا جو کہنا تھا؟

عتبہ۔ ہاں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ مجھ سے سُن۔

عتبہ۔ سُنائیے۔

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ حٰم سجدہ کی آیات تا آیہ سجدہ تلاوت فرماکر سجدہ کیا۔ اور عتبہ کھڑا سُنتا رہا)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ ابو الولید! تو نے سُنا؟

عتبہ۔ میں نے سُن لیا۔ آپ جانیں اور آپ کا کام۔

قریش۔ (عتبہ کو آتا دیکھ کر ایک دوسرے سے) ۔ اللہ کی قسم! ابوالولید وہ چہرہ لے کر نہیں آیا جو لے کر گیا تھا۔ (عتبہ کو پاس بیٹھا دیکھ کر) ابوالولید! وہاں کا حال سُنائیے؛

عتبہ۔ اللہ کی قسم میں نے ایسا کلام سُنا کہ اُس کی مثل کبھی نہیں سُنا۔ اللہ کی قسم وہ شعر نہیں۔ نہ جادو ہے نہ کہانت۔ اے گروہ قریش! میرا کہا مانو۔ اُس شخص کو کرنے دو جو کرتا ہے۔ اور اُس سے الگ ہو جاؤ۔ اللہ کی قسم میں نے جو کلام اُس سے سُنا ہے اُس کی بڑی عظمت وشان ہوگی۔ اگر عرب اُس کو مغلوب کرلیں۔ تو تم غیر کے ذریعے اُس سے بچ گئے۔ اگر وہ عرب پر غالب آگیا۔ تو اُس کا ملک تمہارا ملک ہے۔ اور اُس کی عزت تمہاری عزت ہے۔ تم اُس کے سبب سے خوش نصیب ہو جاؤ گے؛

قریش۔ ابوالولید! اللہ کی قسم اُس نے اپنی زبان سے تجھے بھی جادو کر دیا؛

عتبہ۔ اُس کی نسبت میری یہی رائے ہے۔ تم کرو جو چاہو۔

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بلاد عرب میں دُور دُور پہنچ چکا تھا۔ قریش روز بروز تشدّد میں زیادتی کرتے جاتے تھے۔ انہوں نے آپ کو طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ کمینے لوگوں کو آپ پر برانگیختہ کیا۔ آپ کی تکذیب کی۔ آپ پر استہزاء کیا۔ آپ کو شاعر کہا۔ جادوگر بتایا۔ کاہن کہا۔ بڑی اور پاگل بتایا۔ مگر آپ برابر تبلیغ فرماتے رہے؛

ایک روز آپ خانہ کعبہ کے نزدیک نماز پڑھ رہے تھے۔ حرم شریف میں اُس وقت قریش کی ایک جماعت موجود تھی۔ عقبہ بن ابی معیط نے ابوجہل کی ترغیب سے ذبح کئے ہوئے اونٹوں کی اوجھ سجدے کی حالت میں آپ کے دونوں شانوں کے درمیان رکھ دی۔ یہ دیکھ کر وہ سب نابکار قہقہہ مار کر ہنسے۔ کسی نے آپ کی صاحبزادی بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خبر کر دی۔ وہ فوراً دوڑی آئیں۔ اور آپ کی پشت مبارک سے وہ پلیدی دور کر دی۔ اور اُن کو بُرا بھلا کہا۔ یہ نابکار حرمات اللہ کی بیحرمتی بھی کیا کرتے تھے۔ اس لئے جب آپ نماز سے فارغ ہوئے۔ تو یوں بددعا[1] فرمائی: "یا اللہ! تو گروہ قریش کو پکڑ۔ یا اللہ! تو ابوجہل بن ہشام۔ عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ۔ عقبہ بن ابی معیط اور امیہ بن خلف کو پکڑ؛" اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب طرح جیف المشرکین فی البئر؛

فرماتے ہیں کہ میں نے ان سب کو بدر کے دن مقتول دیکھا۔ اور امیہ کے سوا سب چاہ بدر میں پھینک دئے گئے۔ امیہ موٹا تھا۔ جب اُس کو کھینچنے لگے۔ تو چاہ میں ڈالنے سے پہلے ہی اُس کے اعضا ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ اسی طرح شیاطین قریش ایک دن خانہ کعبہ میں جمع تھے۔ ابو جہل ایک بھاری پتھر اُٹھا کر سجدے کی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کو کچلنے کے لئے آگے بڑھا۔ جب وہ نزدیک پہنچا۔ تو وہ خوف زدہ اور رنگ بدلا ہوا پیچھے بھاگا اور پتھر ہاتھ سے نہ پھینک سکا۔ قریش نے پوچھا۔ ابو الحکم! تجھے کیا ہوا؟ بولا جب میں نزدیک گیا۔ تو میں نے اُس کے ورے ایک اونٹ دیکھا۔ اللہ کی قسم مَیں نے اُس کا وہ سر اور گردن اور دانت دیکھے کہ کبھی کسی اونٹ کے دیکھنے میں نہیں آئے۔ وہ اونٹ مجھے کھانے لگا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا[1]۔ "وہ جبرئیل تھے۔ اگر ابو جہل اور نزدیک آتا۔ تو اُسے پکڑ لیتے"۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ وہ نابکار کعبہ کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقام ابراہیمؑ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے۔ عقبہ بن ابی معیط نے آپ کی گردن مبارک میں چادر ڈال لی۔ پھر اُسے کھینچا یہاں تک کہ آپ اپنے گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ لوگوں کو گمان ہوا کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوڑے آئے اور فرمانے[2] لگے "کیا تم ایک شخص کو اس لئے قتل کرتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے"۔ یہ سُن کر وہ ہٹ گئے۔

یہ اذیتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک محدود نہ تھیں۔ بلکہ آپ کے اصحاب بھی طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا تھے۔ وہ غریب مسلمان جن کا مکہ میں کوئی قبیلہ اور یار و یاور نہ تھا خصوصیت سے قریش کا تختۂ مشق بنے ہوئے تھے۔ اذیتیں مختلف انواع کی تھیں۔ مثلاً آگ پر لٹا دینا۔ تپتی بالو پر لٹا کر بھاری پتھر سینہ پر رکھ دینا تاکہ کروٹ نہ لے سکے۔ چابک سے اس قدر مارنا کہ ٹوٹ جاتا۔ چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھواں دینا۔ جکڑ کر کوٹھڑی میں بند کر دینا۔ پاؤں میں رسی باندھ کر تپتی ریت پر گھسیٹنا۔ گلا اس قدر گھونٹنا کہ دم نکل جانے کا گمان ہو جاتا۔ زدو کوب سے بیہوش و مختل الحواس کر دینا۔ نیزہ مار کر ہلاک کر دینا وغیرہ۔

سنہ ۵ نبوت	جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ مسلمانوں کا مکہ میں رہنا مشکل ہو گیا ہے۔ تو

آپ نے اصحاب سے فرمایا۔ کہ ملک حبشہ کا بادشاہ اپنے ہاں کسی پر ظلم نہیں ہونے دیتا۔ تم میں سے جو

[1] سیرت ابن ہشام۔
[2] صحیح بخاری۔ مناقب ابی بکرؓ۔

جاہیں وہاں چلے جائیں چنانچہ اِس سال ماہ رجب میں اول اول گیارہ مرد اور چار عورتوں نے ہجرت کی۔ جن میں حضرت عثمان غنیؓ اور ان کی زوجہ محترمہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھیں حُسن اتفاق سے جب یہ بندر گاہ پر پہنچے۔ تو دو تجارتی جہاز جبشہ کو جا رہے تھے۔ جہاز والوں نے ان کو سستے کرایہ پر بٹھالیا۔ قریش کو خبر لگی۔ تو انہوں نے بندر گاہ تک تعاقب کیا، مگر موقع نکل چکا تھا۔

مہاجرین قریباً تین ماہ جبشہ میں امن وامان سے رہے۔ ماہ شوال میں ان کو یہ غلط خبر پہنچی کہ اہل مکہ ایمان لے آئے ہیں۔ اس لئے ان میں سے اکثر مکہ میں واپس آ گئے۔

سنہ ۶ نبوت | اِس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا امیر حمزہؓ ایمان لائے۔ اور ان کے تین دن بعد حضرت عمر فاروقؓ بھی مشرف باسلام ہوئے۔ جو لوگ جبشہ سے واپس آئے تھے۔ قریش نے ان کو اور دوسرے مسلمانوں کو زیادہ ستانا شروع کیا یہاں تک کہ ہجرت پر مجبور ہوئے۔ چنانچہ اِس دفعہ ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اجازت سے ہجرت کر کے جبشہ میں چلی گئیں۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو ہجرت فرمائی۔ تو مہاجرین جبشہ میں سے کچھ لوگ فوراً واپس آ گئے۔ حضرت جعفر بن ابی طالب وغیرہ جو وہاں رہ گئے تھے وہ فتح خیبر کے وقت مدینہ میں واپس آئے۔ جب حضرت جعفرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو حضورؐ نے ان سے معانقہ کیا اور پیشانی کو بوسہ دے کر فرمایا[۱]: "میں نہیں بتا سکتا کہ فتح خیبر سے مجھے زیادہ خوشی ہے یا جعفر کے آنے سے۔"

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی بارادہ ہجرت جبشہ کی طرف نکلے تھے۔ برک الغماد تک جو مکہ سے یمن کی طرف پانچ دن کی راہ ہے پہنچے تھے کہ قبیلہ قارہ کا سردار ابن الدغنہ ملا۔ اُس نے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ آپ نے جواب دیا کہ میری قوم نے مجھے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ میں چاہتا ہوں کہ کہیں الگ جا کر خدا کی عبادت کروں۔ ابن الدغنہ نے کہا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ سا فیاض و مہمان نواز، اپنوں سے نیک سلوک کرنے والا، غریب پرور اور حوادث حق میں لوگوں کا مددگار مکہ سے نکل جائے یا نکالا جائے۔ میں آپ کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ اس لئے آپ ابن الدغنہ کے ساتھ مکہ میں واپس آ گئے[۲]۔

جب قریش کو یہ خبر پہنچی۔ تو انہوں نے مشورہ کر کے ایک سفارت بسرکردگی عمرو بن العاص اور

---

[۱] مشکوٰۃ۔ بحوالہ شرح السنہ۔ باب المصافحۃ والمعانقۃ۔
[۲] تفصیل کے لئے دیکھو صحیح بخاری۔ باب ہجرت مدینہ۔

عبداللہ بن ابی ربیعہ (یا عمارہ بن ولید) نجاشی کی خدمت میں مع تحائف بھیجی سُفرا، وہاں پہنچ کر پہلے شاہ بلو کے بطارقہ سے ملے۔ اور نذریں پیش کر کے کہا کہ ہم میں چند نادان لونڈوں نے ایک نیا دین ایجاد کیا ہے جو نصرانیت و بُت پرستی دونوں سے جُدا ہے۔ وہ بھاگ کر یہاں پناہ گزیں ہو گئے ہیں۔ ہمیں اشراف قریش نے آپ کے بادشاہ کے پاس بھیجا ہے کہ اُن کو واپس کر دے۔ درخواست پیش ہونے پر آپ ہماری تائید کر دیں۔ چنانچہ سُفرا نے نجاشی کی خدمت میں حاضر ہو کر تحائف پیش کئے اور سارا قصہ بیان کیا۔ بادشاہ نے مہاجرین کو طلب کیا۔ بطارقہ نے کہا "حضور! یہ لوگ اُن کے حال سے بخوبی واقف ہیں آپ ان کے حوالہ کر دیں۔" بادشاہ نے کہا "نہیں۔ پہلے ہم اُن سے دریافت کریں۔" چنانچہ جب مہاجرین دربار میں حاضر ہوئے۔ تو حضرت جعفر بن ابی طالب نے اُن کی طرف سے اس طرح تقریر[۵۱] شروع کی۔

"شاہا! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے۔ بتوں کو پوجتے تھے۔ مردار کھاتے تھے۔ بدکاریاں کرتے تھے۔ اپنوں سے دشمنی رکھتے تھے۔ پڑوسیوں سے بُرا سلوک کرتے تھے۔ قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے۔ ہم اس حالت میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم میں سے ایک رسول ہماری طرف بھیجا جس کے نسب اور صدق و امانت اور پرہیزگاری سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے۔ اُس نے ہم کو یہ دعوت دی کہ ہم خدا کو ایک جانیں۔ اُسی کی عبادت کریں اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ بتوں کی پوجا جو ہم اور ہمارے باپ دادا کیا کرتے تھے چھوڑ دیں۔ سچ بولا کریں۔ امانت ادا کریں۔ اپنوں سے محبت و سلوک رکھیں۔ ہمسایوں سے نیک سلوک کریں۔ محارم اور خونریزی سے باز آئیں۔ یتیموں کا مال نہ کھائیں۔ عفیف عورتوں پر تہمت نہ لگائیں۔ نماز پڑھیں۔ صدقہ دیں۔ روزے رکھیں۔ پس ہم اُس پر ایمان لے آئے۔ اللہ کی عبادت کرنے لگے۔ شرک و بت پرستی چھوڑ دی۔ حرام کو حرام اور حلال کو حلال جاننے لگے۔ اس جُرم پر ہماری قوم ہم پر ٹوٹ پڑی۔ اور اذیت دے کر مجبور کرنے لگی کہ ہم اللہ کی عبادت چھوڑ کر پھر بتوں کو پوجنے لگ جائیں۔ اور خبائث کو بدستور سابق حلال سمجھیں۔ جب انہوں نے ہم پر قہر و ظلم کیا اور ہمارے فرائض مذہبی کی بجا آوری میں سدِراہ ہو گئے۔ تو ہم آپ کے ملک میں آپ کی پناہ میں آ گئے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ کے ہاں ہم پر ظلم نہ ہو گا۔"

یہ تقریر سُن کر نجاشی نے کہا کہ تمہارے پیغمبر پر جو کلام اُترا ہے اُس میں سے کچھ سناؤ۔ حضرت جعفرؓ نے

[۵۱] سیرت ابن ہشام۔

سورہ مریم کی چند آیتیں پڑھیں۔ نجاشی سُن کر اتنا رویا کہ اُس کی ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی اور اُس کے اساقفہ بھی روئے۔ پھر نجاشی نے کہا کہ "یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں" اس کے بعد سفیروں سے کہا کہ تم واپس چلے جاؤ۔ اللہ کی قسم! میں ان کو تمہارے حوالہ نہ کروں گا!

دوسرے دن عمرو بن العاص نے حاضر دربار ہو کر عرض کیا: "حضور! یہ لوگ حضرت عیسیٰ کی نسبت برا عقیدہ رکھتے ہیں" نجاشی نے مسلمانوں کو طلب کیا۔ جب وہ حاضر ہوئے۔ تو اُن سے پوچھا کہ تم حضرت عیسیٰ کی نسبت کیا عقیدہ رکھتے ہو؟۔ حضرت جعفرؓ نے کہا کہ ہم اعتقاد رکھتے ہیں جیسا کہ ہمارے پیغمبر نے فرمایا ہے کہ عیسیٰ خدا کے بندے اور پیغمبر اور روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں۔ یہ سُن کر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اُٹھا لیا اور کہا "واللہ! جو تم نے کہا حضرت عیسیٰ اُس سے اس تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں ہیں" جب نجاشی کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔ تو بطارقہ حاضرین کے نتھنوں سے خرخراہٹ کی آواز آنے لگی۔ مگر نجاشی نے پروا نہ کی۔ اور سفارت بالکل ناکامیاب واپس آئی!

۷ھ نبوت	قریش نے جب دیکھا۔ کہ باوجود تشدد و مزاحمت کے اسلام قبائل عرب میں پھیل رہا ہے۔

حضرات حمزہؓ و عمرؓ جیسے لوگ ایمان لا چکے ہیں۔ نجاشی نے مسلمانوں کو پناہ دی ہے اور سفارت بھی بے نیل مرام واپس آگئی ہے۔ تو انہوں نے بالاتفاق یہ قرار دیا[۱] کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو علانیہ قتل کر دیا جائے۔ ابو طالب کو یہ خبر پہنچی تو اُس نے بنی ہاشم و بنی مطلب کو جمع کر کے کہا۔ کہ (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بغرض حفاظت اپنے شعب (درہ) میں لے چلو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب قریش کو معلوم ہوا کہ ہاشم و مطلب کی اولاد نے (سوائے ابو لہب کے) بلا امتیاز مذہب حضرت کو اس طرح اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ تو انہوں نے مقام محصب میں جو مکہ و منیٰ کے درمیان ہے آپس میں یہ عہد کیا کہ ہاشم و مطلب کی اولاد سے مناکحت اور لین دین سب موقوف کر دیا جائے یہانتک کہ وہ تنگ آ کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کے لئے ہمارے حوالہ کر دیں[۲]۔ اور تاکید مزید کے لئے یہ معاہدہ تحریر کر کے کعبۃ اللہ کی چھت میں لٹکا دیا۔ کفار قریش نے نہایت سختی سے اس معاہدہ پر عمل کیا۔ باہر سے جو غلہ مکہ میں آتا۔ وہ خود ہی خرید لیتے اور مسلمانوں تک نہ پہنچنے دیتے۔ اگر ان میں سے کوئی بطور صلہ رحم اپنے کسی مسلمان رشتہ دار کو اناج بھیجتا تو اُس کے بھی سدّراہ ہوتے۔ غرض بنو ہاشم شعب ابی طالب میں طرح طرح کی تکلیفیں اُٹھاتے رہے!

۱ے خصائص کبریٰ للسیوطی بحوالہ بیہقی و ابو نعیم۔
۵۲ے صحیح بخاری۔ باب نزول النبی صلے اللہ علیہ وسلم مکۃ!

ابو طالب کا یہ معمول تھا کہ جب لوگ سو جاتے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بغرض حفاظت آپ کے بستر سے اُٹھاتا تاکہ دوسرے بستر پر جا لیٹیں اور آپ کے بستر پر اپنے کسی بیٹے یا بھائی کو لٹاتا۔

جب تین سال اسی حالت میں گذر گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی۔ کہ اُس معاہدے کو دیمک اس طرح چاٹ گئی ہے کہ اللہ کے نام کے سوا اُس میں کچھ باقی نہیں رہا۔ آپ نے یہ خبر ابو طالب کو دی۔ اُس نے کفار قریش کو جاکر کہا۔ "اے گروہ قریش! میرے بھتیجے نے مجھ کو اس طرح خبر دی ہے۔ تم اپنا معاہدہ لاؤ۔ اگر یہ خبر صحیح نکلی۔ تو تم قطع رحم سے باز آؤ۔ اور اور اگر غلط نکلی تو میں اپنے بھتیجے کو تمہارے حوالہ کردوں گا۔" وہ اس پر راضی ہو گئے۔ جب معاہدہ کو دیکھا گیا۔ تو ویسا ہی پایا گیا جیسا کہ خبر دی گئی تھی۔ اسی وقت پانچ اشخاص (ہشام بن عمرو۔ زہیر بن ابی امیہ مخزومی۔ مطعم بن عدی۔ ابو البختری۔ زمعہ بن الاسود) کچھ قیل وقال کے بعد اس معاہدے کے چاک کرنے پر متفق ہو گئے۔ اور آخر کار ابو البختری نے لے کر پھاڑ ڈالا۔ باقی سب بجائے رو براہ ہونے کے مزید ایذا کے درپے ہو گئے[1]۔

سنہ ۱۰ نبوت | اس سال ماہ رمضان میں ابو طالب نے وفات پائی۔ اور اس کے تین روز بعد خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی انتقال فرما گئیں۔ اب کفار قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی پر اور دلیر ہو گئے۔ ایک روز ایک نابکار نے راہ میں آپ کے سر مبارک پر خاک ڈال دی۔ آپ اسی حالت میں گھر تشریف لے گئے۔ آپ کی صاحبزادی نے دیکھا۔ تو پانی لے کر سر مبارک کو دھونے لگیں اور روتی جاتی تھیں۔ آپ نے فرمایا۔ جان پدر! رو نہیں۔ اللہ تعالیٰ تیرے باپ کو بچالے گا[2]۔

آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تنگ آکر اس خیال سے کہ اگر ثقیف ایمان لے آئے۔ تو قریش کے برخلاف میری مدد کریں گے طائف کا قصد کیا۔ زید بن حارثہ آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے وہاں پہنچ کر اشراف ثقیف یعنی عبد یالیل اور اُس کے بھائی مسعود و حبیب کو دعوت اسلام دی۔ مگر انہوں نے آپ کی دعوت کا بُری طرح جواب دیا۔ ایک بولا۔ "اگر تجھے خدا نے پیغمبر بنایا ہے۔ تو وہ کعبہ کا پردہ چاک کر رہا ہے۔" دوسرے نے کہا۔ "کیا خدا کو پیغمبری کے لئے تیرے سوا کوئی اور نہ ملا؟" تیسرے نے کہا۔ "میں ہرگز تجھ سے کلام نہیں کر سکتا۔ اگر تو پیغمبری کے دعوے میں سچا ہے۔ تو تجھ سے گفتگو کرنا

---

[1] سیرت ابن ہشام۔
[2] سیرت ابن ہشام۔

خلاف ادب ہے۔ اور اگر جھوٹا ہے تو قابل خطاب نہیں۔ جب آپ مایوس ہو کر واپس ہوئے۔ تو انہوں نے کمینے لوگوں اور غلاموں کو آپ پر اُبھارا۔ جو آپ کو گالیاں دیتے اور تالیاں بجاتے تھے۔ اتنے میں لوگ جمع ہو گئے۔ وہ آپ کے راستہ میں دورویہ صف باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ جب آپ درمیان سے گزرے۔ تو قدم اُٹھاتے وقت آپکے پاؤں پر پتھر برسانے لگے یہانتک کہ نعلین مبارک خون سے بھر گئے۔ جب آپ کو پتھروں کا صدمہ پہنچتا۔ تو بیٹھ جاتے۔ مگر وہ بازو تھام کر کھڑا کر دیتے جب پھر چلنے لگتے تو پتھر برساتے اور ساتھ ساتھ ہنستے جاتے۔ اِس طرح انہوں نے عتبہ وشیبہ پسران ربیعہ کے باغ تک آپ کا تعاقب کیا۔ آپنے باغ میں ایک انگور کی شاخ کے سایہ میں پناہ لی۔ عتبہ وشیبہ اگرچہ آپکے سخت دشمن تھے۔ مگر آپ کی اِس حالت پر اُن کو بھی رحم آگیا۔ انہوں نے اپنے نصرانی غلام عداس سے کہا کہ انگور کا ایک خوشہ تھال میں رکھ کر ان کے پاس لے جا اور کہدے کہ کھالیں۔ آپ نے بسم اللہ کہہ کر کھایا۔ عداس متعجب ہو کر کہنے لگا کہ اِن شہروں کے لوگ ایسا نہیں کہتے۔ آپنے پوچھا۔ تو کہاں سے ہے۔ اُس نے کہا نینوے سے۔ آپنے فرمایا کہ وہ تو نیک بندے یونس بن متیٰ کا شہر ہے۔ پھر اُس نے آپ سے یونس کا حال پوچھا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ وہ بھی میرے طرح پیغمبر تھے۔ یہ سُن کر وہ آپ کے ہاتھ پاؤں چومنے لگا۔ اور اسلام لایا؛

اِسی سفر میں مقام نخلہ میں جو مکّہ مشرفہ سے ایک رات کا راستہ ہے شہر نصیبین[۱] کے جن حاضر ہوئے آپ رات کو نماز میں قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔ وہ سُن کر ایمان لائے۔ واذ صرفنا الیک نفرا من الجن الآیہ میں اِسی امر کی طرف اشارہ ہے۔ نخلہ میں چند روز قیام رہا۔ وہاں سے آپ حرا میں تشریف لائے۔ اور مطعم بن عدی کو پیغام بھیجا۔ کہ کیا تم مجھے اپنی پناہ وامان میں لے سکتے ہو؟ مطعم نے قبول کیا۔ آپ رات کو مطعم کے ہاں رہے۔ جب صبح ہوئی۔ تو مطعم اور اُس کے بیٹوں نے ہتھیار لگائے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ طواف کیجئے۔ اور خود تلواریں لگائے ہوئے مطاف میں موجود رہے۔ جب حضرت طواف سے فارغ ہوئے۔ تو اسی ہیئت میں آپ کے دولتخانہ تک آپکے ساتھ آئے؛

اس سفر طائف کے مدتوں بعد ایک روز حضرت عائشہ صدیقہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ کیا آپ پر کوئی ایسا دن آیا ہے جو اُحد کے دن سے سخت ہو۔ فرمایا۔ بے شک میں نے تیری قوم سے دیکھا

---

[۱] یہ مقام موصل سے چھ دن کا راستہ ہے۔ اور موصل سے شام کو جو قافلہ کا راستہ ہے اس پر واقع ہے؛

جو دیکھا۔ اور جو میں نے اُن سے دیکھا اُس میں سب سے سخت عقبہ کا دن تھا۔ جب کہ میں نے اپنے آپ کو عبد یالیل بن کلال پر پیش کیا۔ اُس نے دعوت اسلام کو قبول نہ کیا۔ پس میں غم کی حالت میں گردن جھکائے چلا۔ مجھے ہوش نہ آیا مگر قرن الثعالب میں۔ سر اُٹھایا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک بادل نے مجھے سایہ کیا ہوا ہے۔ میں نے نظر اُٹھائی۔ تو اُس بادل میں حضرت جبرئیل دکھائی دئے۔ حضرت جبرئیلؑ نے مجھے آواز دی اور کہا۔ بے شک اللہ تعالےٰ نے آپ کی قوم کا قول سُن لیا ہے۔ اور انہوں نے جو آپ کو جواب دیا وہ بھی سُن لیا ہے۔ آپ کی طرف پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا گیا ہے۔ تاکہ آپ اُسے حکم دیں جو کچھ آپ اپنی قوم میں چاہتے ہیں۔ حضور کا بیان ہے کہ پھر مجھے پہاڑوں کے فرشتہ نے آواز دی اور سلام کے بعد کہا۔ اے محمدؐ! بے شک اللہ نے آپ کی قوم کا قول سُن لیا ہے۔ میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں۔ مجھ کو آپ کے رب نے آپ کی طرف بھیجا ہے تاکہ آپ مجھے جو چاہیں حکم دیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں۔ کہ میں اخشبین[۱] کو ان پر الٹ دوں (تو الٹ دیتا ہوں)۔ آپ نے جواب دیا۔ نہیں۔ بلکہ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے بندے پیدا کرے گا جو صرف اللہ کی عبادت کریں گے اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔[۲]

سنہ ۱۱ نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف تھی کہ ہر سال موسم حج میں تمام قبائل عرب کو جو مکہ اور نواح مکہ میں موجود ہوتے دعوت اسلام دیا کرتے تھے۔ اسی غرض سے اُن کے میلوں میں بھی تشریف لے جایا کرتے۔ ان میلوں میں سے عکاظ و مجنہ و ذوالمجاز کا ذکر حدیث میں آیا ہے۔ عکاظ جو ان سب سے بڑا تھا نخلہ و طائف کے درمیان طائف سے دس میل کے فاصلہ پر لگا کرتا تھا۔ یہ عرب کی تجارت کی بڑی منڈی اور شعراء کا دنگل تھا۔ ذیقعدہ کی پہلی تاریخ سے بیس تک رہا کرتا تھا۔ پھر مجنہ جو مرالظہران کے متصل مکہ سے چند میل پر تھا اخیر ذیقعدہ تک لگتا۔ اور ذوالمجاز جو عرفہ کے متصل تھا ذی الحجہ کی پہلی تاریخ سے آٹھویں تک قائم رہتا۔ بعد ازاں لوگ حج کو نکلتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ڈیروں پر جا کر تبلیغ فرماتے۔ مگر کوئی آپ کی نصرت کا دم نہ بھرتا تھا۔ عرب کے قبائل جن کے پاس حضرت بغرض تبلیغ تشریف لے گئے یہ ہیں۔ بنو عامر۔ محارب۔ فزارہ۔ غسان۔ مرہ۔ حنیفہ۔ سلیم۔ عبس۔ بنو نضر۔ کندہ۔ کلب۔ حارث بن کعب۔ عذرہ۔ حضارمہ۔ ان سب کو آپ نے دعوت اسلام دی۔

---

[۱] اخشبین دو پہاڑ ہیں۔ جن کے درمیان مکہ مشرفہ واقع ہے۔ ان کے نام یہ ہیں۔ ابو قبیس اور قعیقعان۔
[۲] صحیح بخاری و صحیح مسلم۔

مگر کوئی ایمان نہ لایا۔ ابولہب لعین ہر جگہ ساتھ جاتا۔ جب آپ کہیں تقریر فرماتے۔ تو وہ برابر سے کہتا: "اس کا کہنا نہ مانیو۔ یہ بڑا دروغگو دین سے پھرا ہوا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کو اپنے دین اور اپنے رسول کا اعزاز منظور تھا۔ اس لئے نبوت کے گیارھویں سال ماہ رجب میں جب آپ نے حسب عادت منیٰ میں عقبہ کے نزدیک جہاں اب مسجد عقبہ ہے قبیلہ خزرج کے چھ آدمیوں کو اسلام کی دعوت دی۔ تو وہ ایمان لے آئے۔

واضح رہے کہ مدینہ کا اصلی نام یثرب تھا۔ بہت قدیم زمانہ میں یہاں قوم عمالقہ کے لوگ آباد تھے ان کے بعد شام سے یہود آبسے۔ اور انہوں نے یثرب اور اس کے نواح میں اپنی سکونت کے لئے آہستہ آہستہ چھوٹے چھوٹے قلعے بنائے۔ جب مارب واقع یمن میں سیل عرم آیا۔ تو وہاں کے لوگ یمن سے نکل کر مختلف جگہوں میں چلے گئے۔ چنانچہ قبیلہ ازد بن غوث قحطانی کے دو بھائی اوس و خزرج یثرب میں آبسے۔ تمام انصار ان ہی دو کے خاندان سے ہیں جیساکہ پہلے آچکا ہے۔ یہود کا چونکہ بڑا اقتدار و زور تھا۔ اس لئے قبیلہ اوس و خزرج آخر کار ان کے حلیف بن گئے یہود اہل کتاب اور صاحب علم تھے۔ اوس و خزرج نے جو بُت پرست تھے ان سے سُنا ہوا تھا کہ ایک اور پیغمبر عنقریب مبعوث ہونے والا ہے۔ اس لئے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب معمول دعوت اسلام دی۔ تو خزرج کے چھ اشخاص نے آپکے حالات پر غور کرکے ایک دوسرے سے کہا۔ کہ "واللہ! یہ تو وہی ہیں جن کا ذکر ہم نے یہود مدینہ سے سُنا ہوا ہے۔ کہیں یہود ہم سے سبقت نہ لے جائیں۔" اس لئے وہ سب آپ پر ایمان لائے انہوں نے مدینہ میں پہنچ کر اپنے بھائی بندوں کو اسلام کی دعوت دی۔ آیندہ سال بارہ مرد ایام حج میں مکہ میں آئے۔ اور انہوں نے عقبہ کے متصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر عورتوں کی طرح بیعت کی کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ چوری نہ کریں گے۔ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں گے۔ زنا نہ کریں گے۔ بہتان نہ لگائیں گے۔ کسی امر معروف میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گے۔ چونکہ عورتوں سے ان ہی باتوں پر بیعت ہوئی تھی۔ اس لئے بیعت مذکورہ کو عورتوں کی سی بیعت کہا گیا۔ اس کو عقبہ اولیٰ یعنے عقبہ میں اوّل مرتبہ بیعت بولتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بارہ کے ساتھ مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف کو بدیں غرض بھیجا کہ ان کو تعلیم اسلام دیں۔ حضرت مصعب نے سعد بن زرارہ کے مکان پر قیام کیا۔ پھر ان کو ساتھ لے کر بنی عبد الاشہل اوسی میں آئے۔ اس قبیلہ کے سردار

سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر آپ کے سمجھانے سے ایمان لائے۔ اور ان کے ایمان لانے سے سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ بقول مشہور اسی سال ماہ رجب کی ستائیسویں رات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت بیداری میں جسد شریف کے ساتھ معراج شریف ہوا اور پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔

نبوت کے تیرھویں سال ایام حج میں انصار کے ساتھ ان کی قوم کے بہت سے مشرک بھی بغرض حج مکہ میں آئے۔ جب حج سے فارغ ہوئے۔ تو اُن میں سے تہتر مرد اور دو عورتیں اپنی قوم سے چھپ کر ایام تشریق میں رات کے وقت عقبہ منیٰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اِس وقت حضرت عباس بن عبد المطلب بھی جو اب تک اسلام نہ لائے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ سب سے پہلے وہی بولے "اے گروہ خزرج! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی قوم میں معزز ہیں۔ اور اپنے شہر میں مددگاروں کی ایک جماعت ساتھ رکھتے ہیں۔ ہم نے اِن کو دشمنوں سے بچایا ہے۔ اگر تم اپنے عہد کو پورا کر سکو اور ان کا ساتھ دے سکو۔ تو بہتر۔ ورنہ ابھی سے ان کا ساتھ چھوڑ دو" اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعوت اسلام دی اور فرمایا کہ میں تم سے اس بات پر بیعت لیتا ہوں کہ تم مجھ سے وہ چیز باز رکھو گے جو اپنے اہل و عیال سے باز رکھتے ہو۔ یہ سُن کر سب سے پہلے براء بن معرور انصاری خزرجی نے آپ کا دست مبارک پکڑ کر کہا۔ "ہمیں منظور ہے۔ یا رسول اللہ ہمیں بیعت کر لیجئے۔ واللہ ہم اہل حرب و اہل سلاح ہیں۔ یہی چیزیں باپ دادا سے ہمیں وراثت میں ملی ہیں" ابو الہیثم بن تیہان انصاری اَوسی نے قطع کلام کر کے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! یہود سے ہمارے تعلقات ہیں جو بیعت سے ٹوٹ جائیں گے۔ ایسا نہ ہو کہ جب اللہ آپ کو غلبہ دے۔ تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنی قوم میں چلے جائیں" آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ "نہیں۔ تمہارا خون میرا خون ہے۔ میرا جینا مرنا تمہارے ساتھ ہے۔ میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو۔ تمہارا دشمن میرا دشمن اور تمہارا دوست میرا دوست ہے" اس طرح جب وہ بیعت کے لئے آمادہ ہو گئے۔ تو عباس بن عبادہ بن نضلہ انصاری خزرجی نے ان سے کہا۔ "یہ بھی خبر ہے تم محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے کس چیز پر بیعت کر رہے ہو۔ یہ عرب و عجم سے جنگ پر بیعت ہے۔ اگر تمہارا خیال ہے کہ جب تمہارے مال تاراج ہوں اور تمہارے اشراف قتل ہوں۔ تم ان کا ساتھ چھوڑ دو گے۔ تو ابھی سے چھوڑ دو۔ اور اگر ایسی مصیبت پر بھی ساتھ دے سکو۔ تو بیعت کر لو" سب بولے کہ ہم اسی بات پر بیعت کرتے ہیں مگر یا رسول اللہ! اگر ہم اس عہد پر ثابت رہیں۔ تو ہمیں کیا ملے گا؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے

فرمایا۔ بہشت۔ یہ سُن کر سب نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ اسے عقبہ کی بیعت ثانیہ[1] کہتے ہیں۔ بیعت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن میں سے بارہ اشخاص کو نقیب مقرر کیا جن کے نام خود انصار نے پیش کئے۔ اور اُن سے یوں خطاب فرمایا: "تم اپنی اپنی قوم کے حالات کے کفیل ہو جیسا کہ حواری حضرت عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) کے تھے۔ اور میں اپنی قوم کا کفیل ہوں"۔ وہ بولے کہ ہاں! منظور ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے اپنے ڈیروں پر چلے گئے۔ صبح کو قریش اُن سے کہنے لگے، ہم نے سُنا ہے کہ تم نے ہمارے ساتھ جنگ کرنے پر بیعت کی ہے۔ اُن کے مشرک ساتھیوں نے کہا۔ کہ کوئی ایسی بات نہیں ہوئی۔ یہ سُن کر قریش واپس چلے گئے۔ مگر تفتیش کے بعد حقیقت حال جو اُن کو معلوم ہوئی۔ تو انہوں نے انصار کا تعاقب کیا۔ صرف سعد بن عبادہ اُن کے ہاتھ آئے۔ ظالموں نے اُن ہی کے اونٹ کے تنگ سے اُن کے ہاتھ گردن سے جکڑ لئے۔ اور مارتے پیٹتے اور سر کے بالوں سے گھسیٹتے ہوئے اُن کو مکہ میں لے آئے۔ وہاں جبیر بن مطعم بن عدی اور حارث بن حرب بن امیہ نے اُن کو چھڑایا۔

چوتھا باب

حالات ہجرت تا وفات شریف

قریش کی اذیت رسانی کے سبب سے اب مکہ میں مسلمانوں کا قیام نہایت دشوار ہو گیا۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ ہجرت کر کے مدینہ چلے جاؤ۔ چنانچہ صحابہ کرام متفرق طور پر رفتہ رفتہ چوری چھپے مدینہ پہنچ گئے۔ اور مکہ میں حضور انور بابی ہو و اُمّی کے علاوہ حضرات ابو بکر و علی اور کچھ بیمار و عاجز رہ گئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت کی اجازت مانگی۔ تو حضور نے فرمایا "امید ہے کہ مجھے ہجرت کی اجازت مل جائے گی"۔ عرض کیا "میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ کیا آپ کو یہ امید ہے؟" فرمایا ہاں۔ یہ سُن کر حضرت صدیق ہمراہی کی امید پر حاضر خدمت رہے۔

خبردار اللہ وہ | قریش نے جب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار مکہ سے باہر مدینہ میں بھی

[1] اس بیعت کے حالات سیرت ابن ہشام سے ماخوذ ہیں۔

ہو گئے ہیں۔ اور مہاجرین مکہ کو انصار نے اپنی حمایت و پناہ میں لے لیا ہے۔ تو وہ ڈرے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ بھی وہاں چلے جائیں اور اپنے مددگاروں کو ساتھ لے کر حملہ آور ہوں۔ اس لئے تمام قبائل قریش کے سردار عتبہ و شیبہ پسران ربیعہ۔ ابوسفیان۔ طعیمہ بن عدی۔ جبیر بن مطعم۔ نضر بن حارث۔ ابوالبختری بن ہشام۔ زمعہ بن اسود۔ ابوجہل۔ نبیہ و منبہ پسران حجاج اور امیہ بن خلف وغیرہ دار الندوہ[۱] میں مشورہ کے لئے جمع ہوئے۔ ابلیس لعین بھی کمبل اوڑھے اور شیخ پارسا کی صورت بنائے دروازے پر آموجود ہوا۔ انہوں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟۔ بولا "میں نجدیوں سے ایک شیخ ہوں۔ میں نے سُن لیا ہے جس امر کے لئے تم جمع ہوئے ہو۔ اس لئے میں بھی حاضر ہوا ہوں تاکہ سنوں کہ تم کیا کہتے ہو۔ اور مجھے تم سے اپنی رائے اور نصیحت سے بھی دریغ نہ ہوگا۔" وہ بولے۔ بہت اچھا۔ آئیے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ پیش ہوا۔ تو ایک بولا۔ کہ اُس کے ہاتھ پاؤں میں لوہے کی بیڑیاں ڈال کر ایک کوٹھڑی میں بند کر دو اور کھانے پینے کو کچھ نہ دو۔ خود ہلاک ہو جائے گا۔ شیخ نجدی نے کہا۔ یہ رائے اچھی نہیں۔ اللہ کی قسم! اگر تم اس کو اس طرح کوٹھڑی میں قید بھی کر دو۔ تو اس کی خبر بند دروازے میں سے اس کے اصحاب تک پہنچ جائے گی۔ وہ تم پر حملہ کر کے اُس کو چھڑا لیں گے۔ دوسرا بولا کہ اُس کو شہر سے نکال دو۔ جہاں چاہے چلا جائے۔ ہمیں اُس کا خوف نہ رہے گا۔ شیخ نجدی نے کہا۔ اللہ کی قسم! یہ رائے بھی اچھی نہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اُس کا کلام کیسا شیریں اور دل فریب ہے۔ اگر تم ایسا کرو گے۔ تو ممکن ہے وہ کسی قبیلہ میں چلا جائے اور اپنے کلام سے اُسے اپنا تابع بنا لے۔ اور پھر اُنہیں ساتھ لے کر تم پر حملہ کر دے۔ ابوجہل بولا۔ میرے ذہن میں ایک رائے ہے جو اب تک کسی کو نہیں سوجھی۔ انہوں نے پوچھا۔ وہ کیا ہے؟ ابوجہل نے کہا۔ وہ یہ ہے کہ ہم ہر قبیلہ میں سے ایک ایک عالی قدر دلیر خاندانی جوان لیں۔ اور ہر نوجوان کے ہاتھ میں ایک ایک تیز تلوار دے دیں۔ پھر وہ سب مل کر اُس کو قتل کر دیں۔ اس طرح جُرمِ خون تمام قبائل پر عائد ہوگا۔ عبد مناف کی اولاد تمام قبائل سے لڑ نہیں سکتی۔ اس لئے وہ خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں گے۔ اور ہم آسانی سے خون بہا دے دیں گے یہ سُن کر شیخ نجدی بولا۔ "یہی بات درست ہے۔ اس کے سوا کوئی اور رائے نہیں۔" سب نے اس رائے پر اتفاق کیا اور مجلس برخاست ہو گئی۔ قرآن مجید کی آیہ ذیل میں اسی قصہ کی طرف اشارہ ہے:

---

[۱] سیرت ابن ہشام۔ خبر دار الندوہ۔

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ وَيَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ ۔ (انفال۔ع۴)	اور جس وقت کافر تیرے حق میں بدسگالی کرتے تھے کہ تجھ کو قید کر رکھیں یا تجھ کو مار ڈالیں یا تجھ کو جلاوطن کر دیں۔ اور وہ بدسگالی کرتے تھے اور اللہ بدسگالی کرتا تھا۔ اور اللہ اچھا بدسگالی کرنے والوں کا ہے !

قصہ ہجرت | جب قریش قتل پر اتفاق کر کے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ تو حضرت جبرئیل اللہ تعالےٰ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور قریش کے ارادہ کی آپ کو اطلاع دی اور عرض کیا کہ آج رات آپ اپنے بستر پر نہ سوئیں۔ عین دوپہر[۱] کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابوبکرؓ کے گھر پر تشریف لے گئے۔ دروازے پر دستک دی۔ اجازت کے بعد اندر داخل ہوئے اور حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا: "جو تمہارے پاس ہیں اُن کو نکال دو"۔ حضرت صدیق نے عرض کیا "یارسول اللہ! میرا باپ آپ پر قربان! آپ کے اہل کے سوا کوئی اور نہیں"۔ آپ نے فرمایا۔ کہ مجھے ہجرت کی اجازت ہوگئی ہے حضرت صدیق نے عرض کیا: "یارسول اللہ! میرا باپ آپ پر قربان! میں آپ کی ہمراہی چاہتا ہوں"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا۔ حضرت صدیق نے پھر عرض کیا: "یارسول اللہ میرا باپ آپ پر قربان! ۔ آپ ان دو[۲] اونٹنیوں میں سے ایک پسند فرمالیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں قیمت سے لوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو شادی کے بعد اس وقت تک اپنے والد بزرگوار کے گھر میں تھیں بیان فرماتی ہیں۔ کہ ہم نے سفر کی مزوّدات کو جلدی تیار کر دیا۔ اور دونوں کے لئے کچھ کھانا توشہ دان میں رکھ دیا۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالےٰ عنہما نے اپنے نطاق (پٹکے) کے دو ٹکڑے کر کے ایک سے توشہ دان کا منہ اور دوسرے سے مشکیزہ کا منہ باندھا جس کی وجہ سے اُن کو ذات النطاقین کہا جاتا ہے۔ ایک کافر عبداللہ بن اریقط دئلی جو راستہ سے خوب واقف تھا رہنمائی کے لئے اجرت پر نوکر رکھ لیا گیا۔ اور دونوں اونٹنیاں اُس کے سپرد کر دی گئیں تاکہ تین راتوں کے بعد غار پر حاضر کر دے۔ اس انتظام کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولتخانہ کو تشریف لے گئے !

---

[۱] قصہ ہجرت کے لئے دیکھو صحیح بخاری۔ باب ھجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی المدینۃ۔
[۲] حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ان اونٹنیوں کو چار ماہ سے ببول کی پتیاں کھلا کھلا کر تیار کیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے "

ایک تہائی رات گزری تھی کہ قریش نے حسب قرارداد دولتخانہ کا محاصرہ کر لیا۔ اور اس انتظار میں رہے کہ آپ سو جائیں۔ تو حملہ آور ہوں۔ اِس وقت آپ کے پاس صرف حضرت علی مرتضیٰ تھے۔ قریش کو اگرچہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سخت عداوت تھی۔ مگر آپ کی امانت و دیانت پر انہیں اِس قدر اعتماد تھا۔ کہ جس کے پاس کچھ مال و اسباب ایسا ہوتا کہ اُسے خود اپنے پاس رکھنے میں جوکھم نظر آتی۔ وہ آپ ہی کے پاس امانت رکھتا۔ چنانچہ اب بھی آپ کے پاس کچھ امانتیں تھیں۔ اِس لئے آپ نے حضرت امیر سے فرمایا کہ تم میری سبز چادر اوڑھ کر میرے بستر پر سو رہو۔ تمہیں کوئی تکلیف نہ ہوگی اور حکم دیا کہ یہ امانتیں واپس کر کے چلے آنا۔ اور خود خاک کی ایک مٹھی لی[1]۔ اور سورہ یٰسٓ شریف کے شروع کی آیات فھم لا یبصرون تک پڑھتے ہوئے کفار پر پھینک دی۔ اور اُس مجمع میں سے صاف نکل گئے۔ کسی نے آپ کو نہ پہچانا۔ ایک مخبر نے جو اُس مجمع میں نہ تھا اُن کو خبر دی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو یہاں سے نکل گئے۔ اور تمہارے سروں پر خاک ڈال گئے ہیں۔ انہوں نے اپنے سروں پر جو ہاتھ پھیرا۔ تو واقع میں خاک پائی۔ مگر حضرت امیر کو سبز چادر اوڑھے ہوئے سوتے دیکھ کر خیال کیا۔ کہ رسول اللہ سو رہے ہیں۔ جب صبح کو حضرت امیر بیدار ہوئے۔ تو وہ کہنے لگے کہ اُس مخبر نے سچ کہا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولتخانہ سے نکل کر حضرت ابوبکر صدیق رض کے گھر تشریف لے گئے۔ راستے میں بازار حزورہ میں جو بعد میں مسجد حرام میں شامل کر لیا گیا ٹھہر کر یوں خطاب فرمایا[2]: "بطحٰی مکہ! تو کیسا پاکیزہ شہر ہے اور میرے نزدیک کیسا عزیز ہے۔ اگر میری قوم مجھے تجھ سے نہ نکالتی، تو میں تیرے سوا کسی اور جگہ سکونت پذیر نہ ہوتا"۔ اُسی رات آپ حضرت ابوبکر کو ساتھ لے کر گھر کے عقب میں ایک دریچہ سے نکلے۔ اور کوہ ثور کی غار پر پہنچے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ غار میں داخل ہوں۔ مگر صدیق اکبر نے عرض کی کہ آپ داخل نہ ہوں جب تک کہ میں پہلے داخل نہ ہو لوں۔ تاکہ اگر اُس میں کوئی سانپ، بچھو وغیرہ ہو۔ تو وہ مجھ کو کاٹے۔ آپ کو نہ کاٹے اس لئے حضرت صدیق پہلے داخل ہوئے۔ غار میں جھاڑو دیا۔ اُس کے ایک طرف میں کچھ سوراخ پائے۔ اپنا شلوار پھاڑ کر ان کو بند کیا۔ مگر دو سوراخ باقی رہ گئے۔ ان میں اپنے دونوں پاؤں ڈال دئے۔ پھر عرض کی کہ اب تشریف لائیے۔ آپ داخل ہوئے۔ اور سر مبارک حضرت

---

[1] سیرت ابن ہشام۔

[2] معجم البلدان لیاقوت الحموی۔ تحت حزورہ۔

صدیق اکبر کی گود میں رکھ کر سو گئے۔ ایک سوراخ سے کسی چیز نے حضرت صدیق کو کاٹا مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے کہ مبادا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاگ اُٹھیں۔ حضرت صدیق کے آنسو جو آپ کے چہرے مبارک پر گرے تو فرمایا: "ابو بکر! تجھے کیا ہوا؟" عرض کی "میرے ماں باپ آپ پر فدا، مجھے کسی چیز نے کاٹ کھایا" آپ نے زخم پر اپنا لعاب دہن لگا دیا۔ فوراً سب درد جاتا رہا۔[1] اس غار میں دونوں تین راتیں رہے۔ حضرت ابو بکرؓ کے بیٹے عبداللہ جو نوخیز جوان تھے رات کو غار میں ساتھ سوتے۔ صبح منہ اندھیرے شہر چلے جاتے۔ اور قریش جو مشورہ کرتے یا کہتے شام کو غار میں آکر اس کی اطلاع دیتے۔ حضرت ابو بکر کا غلام عامر بن فہیرہ دن کو بکریاں چراتا۔ اور رات کو وہ بکریاں غار پر لے جاتا۔ ان کا دودھ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر کے کام آتا۔ عامر منہ اندھیرے بکریوں کو عبداللہ کے نقش پا پر ہانک لے جاتا تاکہ نقش قدم مٹ جائے!

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اپنے دولتخانہ سے نکل آئے۔ تو صبح کو کفار نے حضرت امیر سے پوچھا کہ تیرا یار کہاں گیا۔ آپ نے فرمایا مجھے معلوم نہیں۔ اس لئے پائے مبارک کے نشان کے ذریعے سے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تعاقب کیا۔ جب وہ کوہ ثور کے پاس پہنچے تو پائے مبارک کا نشان ان پر مشتبہ ہو گیا۔ وہ پہاڑ پر چڑھ گئے اور غار کے دہانہ پر پہنچ گئے۔ مگر غار پر اس وقت خدائی پہرہ لگا ہوا تھا۔ دہانہ پر[2] مکڑی نے جالا تنا ہوا تھا۔ اور کنارے پر کبوتری نے انڈے دے رکھے تھے۔ یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے کہ اگر حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اس میں داخل ہوتے تو مکڑی جالا نہ تنتی اور کبوتری انڈے نہ دیتی۔ اسی حال میں آہٹ پا کر حضرت ابو بکر نے عرض کی "یا رسول اللہ! اگر ان میں سے کسی کی نظر اپنے قدم پر پڑ جائے۔ تو ہمیں دیکھ لے گا۔" آپ نے فرمایا: "غم نہ کر۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔"

قصہ کوتاہ غار میں تین راتیں گزار کر شب دوشنبہ یکم ربیع الاول کو اونٹنیوں پر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ عامر بن فہیرہ کو حضرت ابو بکرؓ نے بغرض خدمت اپنے ساتھ سوار کر لیا تھا۔ بدرقہ آگے آگے راستہ بتاتا جاتا تھا۔ راستے میں اگر کوئی حضرت صدیق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] مشکوٰۃ شریف۔ باب مناقب ابی بکر۔

[2] مشکوٰۃ شریف۔ باب فی المعجزات۔ فصل ثالث۔

کی نسبت پوچھتا تھا کہ یہ کون ہیں۔ تو جواب دیتے کہ یہ میرے ہادی طریق ہیں۔

حضرت ابوبکر کا بیان ہے۔ کہ (دوشنبہ کی) رات کو روانہ ہو کر ہم برابر چلتے رہے یہانتک کہ دوپہر ہوگئی اور راستہ میں آمدورفت بند ہوگئی۔ ہمیں ایک بڑا پتھر نظر آیا۔ ہم اُس کے نزدیک اُتر پڑے۔ مَیں نے اُس کے سایہ میں اپنے ہاتھوں سے جگہ ہموار کی۔ اُس پر پوستین بچھادی اور عرض کی "یارسول اللہ! آپ سوجائیں۔ میں آپ کے اِردگرد پاسبانی کرتا ہوں" آپ سوگئے۔ میں نکلا کہ دیکھوں اِدھر اُدھر کوئی دشمن تو نہیں آرہا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک چرواہا اپنی بکریاں اِسی پتھر کی طرف سایہ میں آرام پانے کے لئے لارہا ہے۔ میں نے پوچھا۔ تو کس کا غلام ہے؟۔ اُس نے قریش کے ایک شخص کا نام لیا تو میں نے اُسے پہچان لیا۔ اور پوچھا۔ کیا تیری بکریوں میں دودھ دینے والی ہیں؟ وہ بولا کہ ہاں۔ میں نے کہا۔ کیا تو دُہ کر دے سکتا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ ہاں۔ پس اُس نے ایک بکری پکڑلی۔ میں نے کہا۔ اِس کا تھن گرد و غبار سے صاف کرلے۔ پھر کہا کہ تو اپنا ہاتھ صاف کرلے۔ اُس نے ایک پیالۂ چوبیں میں دودھ دوہا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک مطہرہ ساتھ لے گیا تھا جس سے آپ وضو کرتے۔ میں نے ٹھنڈا کرنے کے لئے دودھ میں تھوڑا سا پانی ملا کر خدمت اقدس میں پیش کیا۔ آپ نے خوب پیا۔ جس سے میری طبیعت خوش ہوئی۔ پھر فرمایا۔ کیا چلنے کا وقت نہیں آیا؟ میں نے عرض کی کہ ہاں۔ دن ڈھل چکا تھا کہ ہم وہاں سے چلے۔[۱]

دوسرے روز یعنی سہ شنبہ کے دن جب قدید کے قریب پہنچے۔ تو سراقہ بن مالک بن جُعْشُم مدلجی تعاقب میں نکلا۔ جس کی کیفیت وہ خود یوں بیان کرتا ہے: "کفار قریش کے قاصد ہمارے پاس آئے۔ کہنے لگے کہ جو شخص محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) یا ابوبکر کو قتل کرے گا یا گرفتار کر کے لائے گا۔ اُسے ایک خونبہا کے برابر (یعنی سو اونٹ) انعام دیا جائے گا۔ میں اپنی قوم بنو مدلج کی ایک مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ان میں سے ایک شخص نے آکر کہا: "سراقہ! میں نے ابھی ساحل پر چند اشخاص دیکھے ہیں۔ میرے خیال میں وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اُن کے ساتھی ہیں۔" میں سمجھ گیا کہ وہی ہیں۔ مگر میں نے اُس سے کہا کہ وہ نہیں ہیں۔ تو نے فلاں فلاں کو دیکھا ہے جو ہمارے سامنے سے گئے ہیں۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد میں مجلس سے اُٹھ کر گھر آیا۔ اور اپنی لونڈی سے کہا کہ میرے گھوڑے کو پشتہ کے پیچھے

---

[۱] صحیح بخاری۔ باب علامات النبوۃ فی الاسلام۔ نیز باب مناقب المہاجرین وفضلہم۔

(بطن وادی میں) لے جاکر ٹھہرا۔ میں نیزہ لے کر اپنے گھر کے عقب سے نکلا۔ اور بُن نیزہ سے زمین میں خط کھینچتا اور نیزے کے بالائی حصہ کو نیچا کئے ہوئے گھوڑے کے پاس پہنچا۔ میں نے سوار ہو کر گھوڑے کو ذرا دوڑایا یہانتک کہ میں ان کے قریب جا پہنچا۔ میرے گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔ میں گر پڑا۔ اُٹھ کر میں نے ترکش کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ اور اُس میں سے فال کے تیر نکالے کہ حملہ کرنا چاہئے یا نہیں۔ مگر جواب خلاف مراد نکلا۔ میں نے تیر کی بات نہ مانی۔ دوبارہ گھوڑے پر سوار ہو کر آگے بڑھا یہانتک کہ جب میں نے رسول اللہ کی قراءت کی آواز سُنی حالانکہ آپ (میری طرف) نہ[1] دیکھتے تھے اور ابوبکر اکثر پیچھے دیکھتے تھے۔ تو میرے گھوڑے کے دونوں ہاتھ گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے۔ میں نے اتر کر گھوڑے کو زجر و توبیخ کی۔ اُس نے چاہا کہ اُٹھے۔ مگر وہ ہاتھ زمین میں سے نہ نکال سکا۔ جب وہ (بمشکل تمام) سیدھا کھڑا ہوا۔ تو ناگاہ اُس کے ہاتھوں کے نشان سے دھوئیں کی مانند غبار آسمان کی طرف اُٹھا۔ میں نے پھر تیروں سے فال لی۔ مگر خلاف مراد ہی جواب ملا۔ میں نے پکارا امان امان! یہ سُن کر وہ ٹھیر گئے۔ میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر ان کے پاس پہنچ گیا۔ مکرر تجربہ سے میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ رسول اللہ کا بول بالا ہو گا۔ میں نے آپ سے قریش کے ارادے اور انعام کا ذکر کیا۔ اور زاد و متاع پیش کیا۔ مگر انہوں نے کچھ نہ لیا۔ اور صرف یہی درخواست کی کہ ہمارا حال پوشیدہ رکھنا۔ اِس کے بعد میں نے آپ سے درخواست کی کہ مجھے کتاب امن تحریر فرما دیجئے۔ آپ کے حکم سے عامر بن فہیرہ نے چمڑے کے ٹکڑے پر فرمان امن لکھ دیا"[2]۔ سراقہ نے فرمان امن اپنی ترکش میں رکھ لیا اور واپس ہوا۔ راستے میں جس سے ملتا۔ یہ کہہ کر واپس کر لیتا کہ میں نے بہت ڈھونڈا۔ آنحضرت

---

[1] آپ کو اپنے پروردگار پر اعتماد تھا۔ اس لئے آپ کو سراقہ کی کچھ پرواہ نہ تھی۔ حضرت صدیق اکبر کو اپنا تو خیال نہ تھا۔ مگر محبت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا خیال تھا۔ اس لئے از روئے شفقت پیچھے دیکھتے تھے کہ سراقہ کی طرف سے کیا ظہور میں آتا ہے۔

[2] صحیح بخاری۔ باب الهجرة الی المدینة۔ اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ سے فرمایا۔ کیف بك اذا لبست سواری کسریٰ (تیرا کیا حال ہو گا جب تو کسریٰ کے دو کنگن پہنایا جائیگا)۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ حنین و طائف سے واپس ہوئے۔ تو جعرانہ میں سراقہ نے وہ فرمان امن پیش کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ آج وفا و احسان کا دن ہے۔ سراقہ آگے بڑھے اور ایمان لائے۔ جب عہد فاروقی میں ایران فتح ہوا اور کسریٰ ہرمز کے کنگن حضرت فاروق کے ہاتھ آئے۔ تو آپ نے قول رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق و تحقیق کے لئے وہ سراقہ کو پہنا دئے اور فرمایا۔ الحمد لله الذی سلبهما کسریٰ والبسهما سراقة۔ یعنی سب ستائش اللہ کو ہے جس نے کسریٰ جیسے شاہ عجم کے کنگن چھین کر سراقہ جیسے غریب بدوی کو پہنا دئے۔ سراقہ نے ۲۴ھ میں بعہد حضرت عثمان غنی وفات پائی ۔

صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف نہیں ہیں۔ حسن اتفاق سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کا ایک قافلہ ملا جو شام سے مال تجارت لا رہا تھا۔ اس قافلہ میں حضرت زبیر بن العوام بھی تھے جنہوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر کو سفید کپڑے پہنائے۔

قدید ہی میں سہ شنبہ کو دوپہر کے وقت ام معبد عاتکہ بنت خالد خزاعیہ کے ہاں گزر ہوا۔ ام معبد کی قوم قحط زدہ تھی۔ وہ اپنے خیمہ کے صحن میں بیٹھا کرتی۔ اور آنے جانے والوں کو پانی پلاتی اور کھانا کھلاتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے گوشت اور کھجوریں خریدنے کا قصد کیا۔ مگر اُس کے پاس ان میں سے کوئی چیز موجود نہ تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس کے خیمہ کی ایک جانب ایک بکری دیکھی۔ پوچھا یہ بکری کیسی ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ لاغری و کمزوری کے سبب سے بکریوں سے پیچھے رہ گئی ہے۔ پھر پوچھا۔ کیا دودھ دیتی ہے؟ اُس نے کہا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تو مجھے اجازت دیتی ہے کہ اِسے دوہ لوں۔ اُس نے عرض کی "میرے ماں باپ آپ پر قربان! اگر آپ اِس کے نیچے دُودھ دیکھتے ہیں۔ تو دوہ لیں"۔ آپ نے اُس کے تھن پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرا اور بسم اللہ پڑھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ بکری نے آپکے لئے دونوں ٹانگیں چوڑی کر دیں دودھ اتار لیا اور جگالی کی۔ آپ نے برتن طلب کیا جو جماعت کو سیراب کردے۔ پس آپنے اُس میں خوب دوہا یہانتک کہ اُس پر جھاگ آگئی۔ پھر ام معبد کو پلایا یہانتک کہ سیر ہوگئی۔ اور اپنے ساتھیوں کو پلایا یہانتک کہ سیر ہو گئے۔ سب کے بعد آپنے پیا۔ بعد ازاں دوسری بار دوہا یہانتک کہ برتن کو بھر دیا۔ اور اُس کو (بطور نشان) ام معبد کے پاس چھوڑا اور اس کو اسلام میں بیعت کیا۔ پھر سب وہاں سے چل دئے۱۔ تھوڑی دیر کے بعد ام معبد کا خاوند گھر آیا۔ اُس نے دُودھ جو دیکھا۔ تو حیران ہو کر کہنے لگا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا؟ حالانکہ گھر میں تو کوئی ایسی بکری نہیں جو دُودھ کا ایک قطرہ بھی دے۔ ام معبد نے جواب دیا کہ ایک مبارک شخص آیا تھا کہ جس کا حلیہ شریف ایسا ایسا تھا۔ وہ بولا۔ وہی تو قریش کے سردار ہیں جن کا چرچا ہو رہا ہے۔ میں نے قصد کر لیا ہے کہ ان کی صحبت میں رہوں۔

جب مدینہ کے قریب موضع غمیم میں پہنچے جو رابغ و جحفہ کے درمیان ہے۔ تو بریدہ اسلمی قبیلہ بنی سہم کے ستر سوار ساتھ لے کر حصول انعام کی امید پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کرنے آیا

---

۱ مشکوٰۃ۔ باب فی المعجزات۔ فصل ثالث۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تو کون ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ میں بریدہ ہوں۔ یہ سُن کر آپ نے حضرت ابوبکرؓ سے بطور تفاؤل فرمایا۔ ابوبکر! ہمارا کام خوش و خنک اور درست ہو گیا۔ پھر آپ نے بریدہ سے پوچھا۔ کہ تو کس قبیلہ سے ہے۔ اُس نے کہا کہ بنو اسلم سے۔ آپ نے حضرت ابوبکر سے فرمایا۔ ہمارے لئے خیر و سلامتی ہے۔ پھر پوچھا کونسے بنو اسلم سے۔ اُس نے کہا کہ بنو سہم سے۔ آپ نے فرمایا۔ تو نے اپنا حصہ (اسلام سے) پا لیا۔ بعد ازاں بریدہ نے حضرت سے پوچھا کہ آپ کون ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ میں اللہ کا رسول محمد بن عبداللہ ہوں۔ بریدہ نے نام مبارک سُن کر کلمۂ شہادت پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔ جو سوار بریدہ کے ساتھ تھے وہ بھی مشرف باسلام ہوئے۔ بریدہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مدینہ میں آپ کا داخلہ جھنڈے کے ساتھ ہونا چاہئے۔ پس اپنا عمامہ سر سے اتار کر نیزہ پر باندھ لیا اور حضرتؐ کے آگے آگے روانہ ہوا۔ پھر عرض کی۔ یا رسول اللہ! آپ کس کے ہاں اُتریں گے؟۔ فرمایا۔ یہ میرا ناقہ مامور ہے۔ جہاں یہ بیٹھ جائیگا وہی میری منزل ہے۔ بریدہ نے کہا۔ الحمدللہ کہ بنو سہم بطوع و رغبت مسلمان ہو گئے۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر مدینہ میں پہنچ چکی تھی۔ لوگ ہر روز صبح کو شہر سے نکل کر حرّہ میں جمع ہوتے۔ انتظار کرتے کرتے جب دوپہر ہو جاتی۔ تو واپس چلے جاتے۔ ایک دن انتظار کر کے گھروں میں واپس جا چکے تھے کہ ایک یہودی نے ایک قلعہ پر سے کسی مطلب کے لئے نظر دوڑائی۔ اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہمراہی سفید لباس پہنے ہوئے نظر پڑے جو سراب کے آگے حائل تھے۔ وہ یہودی نہایت زور سے بے ساختہ پکار اُٹھا: "اے معشر عرب! لو تمہارا مقصد و مقصود جس کا تم انتظار کر رہے تھے وہ آ گیا"! یہ سُن کر مسلمانوں نے فوراً ہتھیار لگا کر حرۂ قباء کے عقب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا۔ اور اظہار مسرت کے لئے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ جس کی آواز بنی عمرو بن عوف میں جا پہنچی۔ یہ قبیلہ موضع قباء میں جو مدینہ سے جنوب کی طرف دو میل کے فاصلہ پر ہے آباد تھا۔ اس خاندان کا سردار کلثوم بن ہدم انصاری اَوسی تھا۔ اس سے پہلے اکثر اکابر صحابہ اسی کے ہاں اُترے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اسی کو شرف نزول بخشا۔

[1] استیعاب لابن عبدالبر۔ وفاء الوفا للسمہودی۔ ۱۲

ہجرت کا پہلا سال

تعمیر مسجد قباء قباء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نزول ۱۲ ربیع الاول یوم دوشنبہ کو ہوا۔ یہی تاریخ اسلامی کی ابتداء ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی کے تین دن بعد مکہ سے چلے تھے یہاں آملے اور یہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس مسجد کی بنا رکھی جس کی شان میں یہ آیت وارد ہے:-

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ (سورہ توبہ)

البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے پرہیز گاری پر رکھی گئی ہے زیادہ لائق ہے کہ تو اُس میں کھڑا ہو اُس میں وہ مرد ہیں جو پاک رہنے کو دوست رکھتے ہیں۔ اور اللہ پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے!

کلثوم بن ہدم کی ایک افتادہ زمین تھی جہاں کھجوریں خشک ہونے کے لئے پھیلا دی جاتی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے یہ زمین لے کر مسجد مذکور کی بنیاد رکھی۔ اِس مسجد کی تعمیر میں دیگر اصحاب کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خود بھی بغرض تشویق و ترغیب کام کرتے تھے۔ شموس بنت نعمان انصاریہ مدنیہ کا بیان ہے کہ میں دیکھ رہی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا بھاری پتھر اُٹھاتے کہ جسم اطہر خم ہو جاتا اور بطن شریف پر مجھے مٹی کی سفیدی نظر آجاتی۔ آپ کے اصحاب میں سے اگر کوئی عقیدتمند آکر عرض کرتا "یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر فدا! چھوڑ دیجئے۔ میں اُٹھاتا ہوں" تو آپ فرماتے "نہیں۔ تم ایسا اور پتھر اُٹھالو" اور خود اُسی کو عمارت میں لگاتے۔ اس تعمیر میں حضرت جبرئیلؑ آپ کو سمت قبلہ بتا رہے تھے۔ اسی واسطے کہا جاتا تھا کہ اس مسجد کا قبلہ اعدل واقوم ہے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ خزرجی شاعر بھی تعمیر مسجد میں شامل تھے۔ اور کام کرتے ہوئے یوں کہتے جاتے تھے ؎

اَفْلَحَ مَنْ يُّعَالِجُ الْمَسَاجِدَا
وَيَقْرَءُ الْقُرْاٰنَ قَائِمًا وَّقَاعِدَا
وَلَا يَبِيْتُ اللَّيْلَ عَنْهُ رَاقِدًا

وہ کامیاب ہے جو مسجدیں تعمیر کرتا ہے۔
اور اُٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے۔
اور رات کو جاگتا رہتا ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی ہر ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے تھے۔

مدینہ میں نزول رحمت

قباء میں چار (چودہ یا بیس؟) روز قیام رہا۔ یہاں سے جمعہ کے دن، مدینہ کو روانہ ہوئے۔ مہاجرین وانصار ساتھ تھے۔ انصار کے جس قبیلہ سے گزر ہوتا۔ اُس کے سربرآوردہ عقیدتمند عرض کرتے "یا رسول اللہ! ہماری نصرت وحمایت میں اُتریئے"۔ آپ اظہار منت ودعائے خیر کے بعد فرماتے کہ میرا ناقہ مامور ہے۔ اس کا راستہ چھوڑ دو۔ راستے میں بنو سالم خزرجی کے محلہ میں جمعہ کا وقت آگیا۔ آپنے وادی ذی صلب کی مسجد میں نماز جمعہ مع خطبہ ادا کی۔ یہ آپ کا پہلا جمعہ اور پہلا خطبہ تھا۔ اس طرح بنی بیاضہ۔ بنی ساعدہ اور بنی حارث بن خزرج سے گزرتے ہوئے بنی عدی بن نجار میں پہنچے جو آپکے دادا عبدالمطلب کے ننہال تھے۔ سلیط بن قیس نجاری خزرجی وغیرہ نے ننہالی رشتہ کو یاد دلاکر اقامت کے لئے عرض کیا۔ مگر ان کو بھی وہی جواب ملا۔ بعد ازاں آپ کا ناقہ محلہ مالک بن نجار میں اُس جگہ بیٹھ گیا جہاں اب مسجد نبوی ہے۔ پھر اُٹھ کر قدرے آگے بڑھا۔ اور مڑ کر پہلی جگہ بیٹھ گیا۔ آپنے فرمایا۔ انشاء اللہ یہی منزل ہے۔ حضرت ابو ایوب انصاری نجاری خزرجی آپ کی اجازت سے آپ کا سامان اُٹھاکر اپنے گھر لے گئے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ فرماکر المرء مع رحلہ وہیں تشریف فرما ہوئے۔[۱]

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد | ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے جو خوشی مدینہ میں مسلمانوں کو ہوئی۔ اُس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ حضور انور کی سواری نزدیک پہنچی۔ تو جوش مسرت کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین عورتیں چھتوں پر نکل آئیں اور یوں گانے لگیں:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا۔ مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ	ہم پر چاند نکل آیا۔ وداع کی گھاٹیوں سے
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا۔ مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ	ہم پر خدا کا شکر واجب ہے۔ جب تک دعا مانگنے والا دعا مانگے

آپکے ناقہ کا بیٹھنا تھا کہ بنو نجار کی لڑکیاں دف بجاتی نکلیں اور یوں گانے لگیں۔

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ	ہم بنو نجار کی لڑکیاں ہیں۔
يَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارٍ	اے نجاریو! محمدؐ کیسا اچھا ہمسایہ ہے۔

[۱] وفاء الوفا۔ جزء اول۔ ص ۱۸۱

آپ نے یہ سُن کر اُن لڑکیوں سے پوچھا۔ کیا تم مجھ کو دوست رکھتی ہو؟ وہ بولیں۔ ہاں۔ آپ نے فرمایا۔ میں بھی تم کو دوست رکھتا ہوں!

اسی خوشی میں زن و مرد چھوٹے بڑے گلی کوچوں میں پکار رہے تھے: جاء رسولُ اللّٰہ جاء نبیُّ اللّٰہ۔ حبشی غلام آپ کے قدوم میمنت لزوم کی خوشی میں ہتھیاروں سے کھیل رہے تھے۔ انسانوں پر کیا موقوف ہے۔ وحوش بھی اپنی حرکات وسکنات سے خوشی کا اظہار کر رہے تھے!

جب مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کا انتظام ہو چکا۔ تو آپ نے زید بن حارثہ اور اپنے غلام ابو رافع کو پانسو درہم اور دو اونٹ دے کر مکہ میں بھیجا کہ آپ کے عیال کو مدینہ میں لے آئیں۔ اسی وقت حضرت ابو بکر نے عبداللہ بن اریقط دئلی (جو مکہ کو واپس جا رہا تھا) کے ہاتھ اپنے صاحبزادے عبداللہ کو رقعہ دے دیا کہ میرے عیال کو مدینہ میں لے آؤ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سے حضرت زینب کو اُن کے خاوند ابو العاص نے آنے نہ دیا۔ حضرت رقیہ حبشہ میں تھیں۔ اس لئے زید و ابو رافع حضور کی صاحبزادیوں حضرات ام کلثوم و فاطمہ اور زوجۂ محترمہ حضرت سودہ کو اور ام ایمن زوجہ زید اور اسامہ بن زید کو لے آئے۔ اور ان کے ساتھ عبداللہ بن ابی بکر حضرت عائشہ اور ان کی والدہ ام رومان اور حضرت اسماء بنت ابی بکر کو لائے۔ یہ سب حارثہ بن نعمان کے ہاں اُترے[1]!

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا قیام سات ماہ تک حضرت ایوب کے ہاں ہی رہا۔ جب مسجد نبوی کے ساتھ حجرے تیار ہو گئے۔ تو نقل مکان فرمایا۔ اس عرصہ میں بنو نجار نے مہمانی کا حق کما حقہ ادا کیا۔ حضرات ابو ایوب اور سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ نے خصوصیت سے اِس میں حصہ لیا۔ جزاہم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء!

تعمیر مسجد نبوی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ناقہ جہاں بیٹھا تھا۔ وہ جگہ دو نجاری یتیموں (سہیل و سہل) کی تھی۔ جن کے ولی حضرت اسعد بن زرارہ نجاری خزرجی تھے۔ وہ اس زمین میں کھجوریں خشک کرنے کے لئے پھیلا دیا کرتے تھے۔ اس کے ایک حصہ میں حضرت اسعد نے نماز کے لئے ایک مختصر جگہ بنائی ہوئی تھی۔ جس پر چھت نہ تھی۔ یہاں وہ نماز جمعہ پڑھا کرتے تھے۔ باقی زمین میں کھجور کے درخت اور مشرکوں کی قبریں اور گڑھے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہاں

[1] زاد المعاد۔ وفاء الوفاء

مسجد جامع بنانے کا ارادہ کیا۔ آپ نے ان یتیم بچوں کو بلا بھیجا اور ان سے قیمت پر زمین طلب کی۔ انہوں نے کہا کہ ہم بلا قیمت آپ کی نذر کرتے ہیں۔ آپ نے قبول نہ فرمایا اور قیمت دے کر خرید لی تعمیر کا کام شروع ہو گیا۔ قبریں اکھڑوا کر ہڈیاں کسی دوسری جگہ دبادی گئیں۔ درخت کاٹ دئے گئے اور گڑھے ہموار کر دئے گئے۔ حضور سرور دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم خود بھی کام کر رہے تھے۔ آپ اپنی چادر میں اینٹیں اُٹھا کر لا رہے تھے اور یوں فرما رہے تھے:-

ھذا الحمال لا حمال خیبر ھذا ابر ربنا و اطھر	اے ہمارے پروردگار! یہ اینٹیں خیبر کے تمر و زبیب سے زیادہ ثواب والی اور پاکیزہ ہیں:-

اور نیز فرما رہے تھے۔

اللھم ان الاجر اجر الاخرہ فارحم الانصار والمھاجرہ	خدایا! بے شک اجر صرف آخرت کا اجر ہے پس تو انصار و مہاجرین پر رحم فرما

یہ مسجد نہایت سادہ تھی۔ بنیادیں تین ہاتھ تک پتھر کی تھیں۔ دیواریں کچی اینٹوں کی۔ چھت برگ خرما کی قد آدم سے کچھ اونچی اور ستون کھجور کے تھے۔ قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا تین دروازے تھے۔ ایک جانب کعبہ اور دو دائیں بائیں۔ جب قبلہ بدل کر کعبہ کی طرف ہو گیا۔ تو جانب کعبہ کا دروازہ بند کر دیا گیا اور اُس کے مقابل شمالی جانب میں نیا دروازہ بنا دیا گیا۔ چونکہ چھت پر مٹی کم تھی اور فرش خام تھا۔ اس لئے بارش میں کیچڑ ہو جایا کرتی تھی۔ ایک دفعہ رات کو بارش بہت ہوئی۔ جو نمازی آتا۔ کپڑے میں کنکریاں ساتھ لاتا۔ اور اپنی جگہ پر بچھا لیتا۔ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے۔ تو فرمایا "یہ خوب ہے" اور کنکروں کا فرش بنوا دیا:-

پایان مسجد میں ایک سائبان تھا جو صُفّہ کہلاتا تھا۔ اور ان فقراء و مساکین صحابہ کے لئے تھا جو مال و منال اور اہل و عیال نہ رکھتے تھے۔ ان ہی کو اہل صُفّہ کہا جاتا تھا:-

ازواج مطہرات کے حجروں کی تعمیر

ازواج مطہرات میں سے اس وقت صرف حضرت سودہ و حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہما حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آچکی تھیں۔ ان کے لئے مسجد سے متصل دو مکان بنا دئے گئے۔ بعد ازاں دیگر ازواج کے آنے پر اور مکانات بنتے گئے۔ ان مکانات میں سے پانچ کھجور کی شاخوں سے بنے تھے جن پر کہگل کی ہوئی تھی۔ ان کے ساتھ

کوئی حجرہ نہ تھا۔ دروازوں پر کمبل کا پردہ پڑا رہتا تھا۔ باقی چار مکان کچی اینٹوں کے تھے۔ جن کی چھت کھجور کی شاخوں کی کہگل کی ہوئی تھی۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک ایک حجرہ کھجور[1] کی شاخوں کا تھا۔ جس کے دروازے پر کمبل کا پردہ تھا۔ بقول[2] داؤد بن قیس حجرہ کے دروازے سے اندرونی کمرہ کے دروازے تک چھ یا سات ہاتھ کا فاصلہ تھا۔ اور اندرونی کمرہ دس ہاتھ کا تھا اور ارتفاع[3] سات آٹھ ہاتھ کے درمیان تھا۔ حضرت امام حسن بصری کا بیان ہے کہ میں عہد عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مراہق تھا۔ ان مکانات کی چھت کو میں ہاتھ سے چھولیتا تھا۔

یہ مکانات[4] جانب غربی کے سوا مسجد کے گردا گرد تھے۔ ان کے دروازے مسجد ہی کی طرف تھے اور مسجد سے اس قدر متصل تھے کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم حالت اعتکاف میں مسجد سے سر مبارک نکال دیتے اور ازواج مطہرات گھر میں بیٹھی آپ کے بال مبارک دھو دیا کرتی تھیں۔

حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دولتخانہ جانب مشرق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے حجرہ سے متصل اُس جگہ تھا جہاں اب آپ کی قبر شریف کی صورت بنی ہوئی ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سفر سے تشریف لاتے۔ تو پہلے مسجد میں دوگانہ ادا کرتے۔ بعد ازاں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے ہاں تشریف لے جاتے اور اُن کا حال دریافت فرماتے۔ پھر ازواج مطہرات کے گھروں میں قدم رنجہ فرماتے۔

مہاجرین کے مکانات کی تعمیر مہاجرین کی سکونت کے لئے مسجد کے قریب مکانات کا انتظام کیا گیا چنانچہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو زہرہ کو مسجد کی ایک جانب میں ایک خطہ عنایت فرمایا۔ جس میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف قرشی زہری کے حصہ میں ایک خرماستان آیا جو ان کے نام سے مشہور و معروف تھا۔ حضرت عبداللہ و عتبہ پسران مسعود ہذلی جو بنو زہرہ کے حلیف تھے اُن کے لئے

---

[1] جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ دومۃ الجندل کے لئے تشریف لے گئے۔ تو آپ کی غیر حاضری میں حضرت ام سلمہ نے اپنا حجرہ بھی کچی اینٹوں کا بنالیا۔ آپ نے واپسی پر دریافت فرمایا کہ یہ عمارت کیسی ہے؟ ام سلمہ نے جواب دیا۔ یا رسول اللہ! میں نے یہ اس لئے بنالیا کہ لوگوں کی نظر نہ پڑے۔ آپ نے فرمایا: "ام سلمہ! مسلمان کے مال کا بڑا مصرف عمارت ہے۔" وفاء الوفاء۔ جزءالاول۔ صفحہ ۳۲۷۔

[2] الادب المفرد للبخاری۔ صفحہ ۸۸۔

[3] اس ارتفاع میں بظاہر تین ہاتھ کی بنیاد محسوب ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[4] تعمیر مسجد و مکانات کی تفصیل کے لئے دیکھو صحیح بخاری اور وفاء الوفاء۔۱۲

مسجد کے پاس ایک خطہ معین کیا گیا جو ان کے نام سے مشہور تھا۔ حضرت زبیر بن عوام قرشی اسدی کو ایک وسیع قطعہ ملا جس میں مختلف اقسام کے درختوں کی جڑیں تھیں۔ وہ بقیع الزبیر کہلاتا تھا۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ قرشی تیمی کو ان کے گھروں کی جگہ ملی۔ حضرت ابو بکر صدیق کو بھی مسجد کے قریب زمین دی گئی۔ اسی طرح حضرات عثمان بن عفان قرشی اموی، خالد بن ولید قرشی مخزومی مقداد بن اسود کندی۔ اور طفیل بن حارث قرشی مطلبی وغیرہم کو زمینیں دی گئیں۔[۱]

ان قطعات میں سے جو زمینیں بے آباد غیر مملوکہ تھیں وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بطور خود تقسیم فرما دیں۔ اور جن قطعات میں انصار کے منازل و مکانات تھے وہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دئے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کو عطا فرما دئے۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت حارثہ بن نعمان نے اپنے مکانات بطور ہدیہ پیش کئے۔ بقول واقدی منازل حارثہ کی جگہ ہی حضرات امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے حجرے بنے۔

مسجد نبوی میں چراغ کی ابتداء

مسجد نبوی اور حجرات میں راتوں کو چراغ نہیں جلتے تھے۔[۲] حضرت تمیم داری کے غلام سراج کا بیان ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں کھجور کی ٹہنیوں اور پتوں سے روشنی کی جاتی تھی۔ ہم قندیل و روغن زیتون اور رسیاں لائے۔ اور میں نے (قندیلوں کو ستونوں پر لٹکا کر) مسجد میں روشنی کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر پوچھا۔ کہ ہماری مسجد کو کس نے روشن کیا ہے؟ تمیم نے کہا۔ میرے اس غلام نے۔ آپ نے پوچھا۔ اس کا کیا نام ہے؟ تمیم نے کہا۔ فتح۔ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بلکہ اس کا نام سراج ہے۔ پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میرا نام سراج رکھا۔[۳]

مواخات

مہاجرین اپنے وطن سے اہل و عیال اور بھائی بندوں کو چھوڑ کر بے سر و سامان چھپ کر نکلے تھے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد جامع کی تعمیر کے بعد مہاجرین و انصار میں رشتہ اخوت قائم کیا۔ تاکہ مہاجرین غربت کی وحشت اور اہل و عیال کی مفارقت محسوس نہ کریں اور ایک کو دوسرے سے مدد ملے۔ مہاجرین کی تعداد پینتالیس یا پچاس تھی۔ آپ ہر دو فریق میں سے دو دو کو

---

[۱] معجم البلدان للحموی۔ تحت مدینہ یثرب۔ زیادہ تفصیل وفاء الوفا میں ہے ۱۲

[۲] صحیح بخاری، باب الصلوٰۃ علی الفراش۔

[۳] استیعاب و اصابہ۔ ترجمہ سراج التمیمی۔

بلا کر فرماتے گئے کہ یہ اور تم بھائی بھائی ہو۔ آپ کا یہ فرمانا تھا کہ وہ درحقیقت بھائی بن گئے۔
چنانچہ جب حضور انور بابی ہو وامی نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف قرشی زہری اور حضرت سعد بن ربیع انصاری خزرجی میں رشتہ برادری قائم کر دیا۔ تو حضرت سعد نے حضرت عبدالرحمٰن سے کہا۔ کہ انصار میں میرے پاس سب سے زیادہ مال ہے۔ میں اپنا آدھا مال آپ کو بانٹ دیتا ہوں۔ میری دو بیویاں ہیں۔ ان میں سے ایک کو جو آپ پسند کریں میں طلاق دے دیتا ہوں۔ عدت گزرنے پر آپ اُس سے نکاح کر لیجئے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے کہا کہ آپ کے اہل اور آپ کا مال آپ کو مبارک ہو۔ کیا یہاں کوئی بازار تجارت ہے؟ انہوں نے بنو قینقاع کے بازار کا رستہ بتا دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن شام کو نفع کا پنیر اور مکھن ساتھ لائے۔ اسی طرح ہر روز بازار میں چلے جایا کرتے۔ تھوڑے عرصہ میں وہ مالدار ہو گئے۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ ان کے بدن پر خوشبو کا نشان تھا۔ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ عرض کی۔ کہ میں نے انصار کی ایک عورت سے شادی کی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ مہر کتنا دیا؟ عرض کی کہ پانچ درہم بھر سونا۔ فرمایا کہ "ولیمہ دو خواہ ایک بکری ہو"[1] حضرت عبدالرحمٰن کی طرح کئی اور مہاجرین نے بھی تجارت کا کام شروع کر دیا۔

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ عقد برادری کے بعد انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی۔ کہ آپ ہمارے نخلستان ہمارے بھائیوں اور ہم میں تقسیم فرما دیں۔ آپ نے فرمایا نہیں۔ یہ سن کر انصار نے مہاجرین سے کہا۔ کہ کام (درختوں کو پانی دینا وغیرہ) تم کیا کرو۔ ہم تمہیں پھل میں شریک کر لیں گے۔ اس پر سب نے کہا۔ بسر وچشم[2]۔ یہ مساقات کی صورت تھی۔ مگر بعض نخلستان محض منیحہ کے طور پر بھی دئے ہوئے تھے۔ جن میں کام بھی خود انصار کرتے تھے۔ اور مہاجرین کو پیداوار کا نصف دیتے تھے؛

یہ عقد برادری نصرت و مواسات و توارث پر تھا۔ اس لئے جب کوئی انصاری وفات پاتا تھا۔ تو اس کی جائداد و مال مہاجر کو ملتا تھا۔ اور قریبی رشتہ دار محروم رہتے تھے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب المناقب۔ باب اخاء النبی صلے اللہ علیہ وسلم بین المہاجرین والانصار۔

[2] صحیح بخاری۔ ابواب الحرث والمزارعۃ۔

وَالَّذِيْنَ تَبَوَّءُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۚ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (حشر ع۱)

اور (نیز ہے واسطے) ان لوگوں کے جنہوں نے مہاجرین سے پہلے دار السلام (مدینہ) اور ایمان میں جگہ پکڑی۔ وہ دوست رکھتے ہیں اُن کو جو وطن چھوڑ کر ان کے پاس آتے ہیں۔ اور اپنے دلوں میں کوئی دغدغہ نہیں پاتے اُس چیز سے جو مہاجرین کو دی گئی۔ اور اُن کو اپنی جانوں سے اول رکھتے ہیں اگرچہ خود ان کو تنگی ہو۔ اور جو کوئی اپنے نفس کے حرص سے بچایا جاوے۔ وہی لوگ ہیں فلاح پانے والے:

صحیح بخاری[1] میں یہ قصہ مذکور ہے۔ کہ ایک بھوکا سائل جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ آپ نے گھر میں دریافت کیا کہ کچھ کھانے کو ہے۔ جواب آیا کہ صرف پانی۔ آپ نے فرمایا۔ کون ہے جو اِس کو اپنا مہمان بنائے۔ ایک انصاری نے کہا۔ میں حاضر ہوں۔ چنانچہ وہ اُسے اپنے گھر لے گیا۔ اور بیوی سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان کو کھانا کھلاؤ۔ وہ بولی کہ صرف بچوں کی خوراک موجود ہے۔ کہا کہ تو وہ کھانا تیار کر۔ اور چراغ روشن کر کے کھانے کے وقت بچوں کو سلا دینا۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا۔ جب میاں بیوی اور مہمان کھانے پر بیٹھے۔ تو بیوی نے بتی اکسانے کے بہانہ سے اُٹھ کر چراغ گل کر دیا۔ میاں بیوی بھوکے رہے۔ اور اِس طرح ہاتھ چلاتے رہے کہ گویا کھا رہے ہیں۔ صبح کو وہ انصاری رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا۔ کہ رات اللہ تعالیٰ تمہارے نیک کام سے راضی ہوا۔ اور وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ الآیہ نازل فرمائی:

جب ۴ھ میں بنو نضیر جلاوطن ہوئے اور ان کے اموال (اراضی و نخلستان) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں آئے۔ تو آپ نے تمام انصار کو بلا کر فرمایا[2]۔ اگر تم چاہتے ہو تو میں بنو نضیر کے اموال تم میں اور مہاجرین میں تقسیم کر دیتا ہوں۔ اور مہاجرین تمہارے گھروں اور اموال میں بدستور رہیں گے۔ اور اگر تم چاہتے ہو۔ تو یہ اموال مہاجرین کو بانٹ دیتا ہوں اور وہ تمہارے گھروں اور اموال سے بدخل ہو جائیں گے۔ حضرات سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ نے عرض کیا۔

[1] صحیح بخاری۔ کتاب المناقب۔ باب ويؤثرون على انفسهم۔
[2] زرقانی علی المواہب۔ غزوہ بنی نضیر۔ بحوالہ اکلیل حاکم نیشاپوری۔ نیز دیکھو فتوح البلدان بلاذری مطبوعہ مصر۔ صفحہ ۲۶۔

یارسول اللہ! اِن اموال کو آپ مہاجرین میں تقسیم کردیجئے۔ وہ ہمارے گھروں اور اموال میں بدستور رہیں گے۔ یہ سُن کر انصار بولے۔ یارسول اللہ! ہم اِس پر راضی ہیں۔ اِس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔"خدایا! تو انصار اور ابنائے انصار پر رحم فرما"۔ اس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اموال بنی نضیر صرف مہاجرین میں تقسیم فرمادئے۔

۸ھ ہجری میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علاء بن الحضرمی کو بغرض تبلیغ ولایت بحرین میں بھیجا۔ منذر بن ساوی حاکم بحرین اور وہاں کے تمام عرب ایمان لائے۔ باقی اہل بحرین (مجوس و یہود و نصاریٰ) نے جزیہ پر صلح کرلی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلایا تاکہ بحرین کا جزیہ وخراج انصار کے لئے لکھ دیں۔ مگر انصار نے عرض کیا۔"نہیں۔ اللہ کی قسم! ایسا نہ کیجئے یہانتک کہ حضور ہمارے قریشی بھائیوں کے لئے اتنا ہی مال لکھ دیں"[1]۔

جب ۷ھ میں خیبر فتح ہوا۔ تو مہاجرین کے حصہ میں اس قدر مال آیا کہ اُن کو انصار کے نخلستان کی حاجت نہ رہی۔ اس لئے انہوں نے وہ نخلستان جو بطور اباحت ان کے پاس تھے انصار کو واپس کردئے[2]۔

اذان کی ابتداء جب مدینہ منورہ میں مسجد جامع تیار ہوچکی۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال آیا کہ مسلمانوں کو نماز کے لئے کس طرح جمع کیا جائے۔ آپ نے اپنے اصحاب کرام سے مشورہ کیا۔ ظاہر ہے کہ ایک وقت اور ایک مکان میں اجتماع بغیر اعلام و آگاہی کے نہیں ہوسکتا۔ اس لئے صحابہ کرام نے اعلام کے لئے کئی طریقے پیش کئے۔ بعض نے کہا کہ آگ روشن کرکے اونچی کردی جائے۔ مسلمان اُسے دیکھ کر جمع ہوجایا کریں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بوجہ مشابہت مجوس اِس طریقہ کو پسند نہ فرمایا۔ بعضوں نے ناقوس تجویز کیا۔ مگر بوجہ مشابہت نصاریٰ یہ تجویز رد کردی گئی۔ اسی طرح بوق کو بوجہ مشابہت یہود پسند نہ کیا گیا۔ حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ مشورہ دیا کہ ایک شخص کو نماز کے وقت بغرض اعلام بھیج دیا جائے۔ اِس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال سے فرمایا کہ اُٹھ کر نماز کے لئے ندا کردے۔ چنانچہ حضرت بلال یوں ندا کردیا کرتے الصلوٰۃ جامعۃ

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب ما اقطع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من البحرین وما وعد من مال البحرین والجزیۃ۔ یہ حدیث کتاب المناقب اور کتاب المساقات میں بھی وارد ہے۔

[2] صحیح مسلم۔ کتاب الجہاد۔ باب رد المہاجرین الی الانصار منائحہم من الشجر والثمر حین استغنوا عنہا بالفتح

اسی اثناء میں حضرت عبد اللہ بن زید انصاری کو خواب میں ان سب سے بہتر طریق بتلادیا گیا اور وہ مروّجہ آذان شرعی ہے۔ حضرت عبد اللہ نے اپنا خواب بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔ حضور انور بابی ہو وامی پر اس سے پہلے اس بارے میں وحی آچکی تھی۔ اس لئے آپ نے سن کر فرمایا کہ بے شک یہ رؤیا حق ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور حضرت عبد اللہ کو حکم دیا کہ حضرت بلال کو کلمات آذان کی تلقین کرو۔ وہ آذان دیں گے۔ کیونکہ اُن کی آواز تم سے بلند اور نرم و شیریں ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا؛

یہود سے معاہدہ | اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں اور یہود مدینہ کے درمیان ایک معاہدہ تحریر فرمایا۔ جس کے شرائط کی پوری تفصیل سیرت ابن ہشام میں ہے۔ اُن شرائط کا خلاصہ یہ ہے

(۱) خونبہا اور فدیہ کا طریقہ سابقہ قائم رہے گا؛

(۲) ہر دو فریق کو مذہبی آزادی ہوگی۔ ایک دوسرے کے دین سے تعرض نہ کریں گے؛

(۳) ہر دو فریق ایک دوسرے کے خیر خواہ رہیں گے:

(۴) اگر ایک فریق کو کسی سے لڑائی پیش آئے۔ تو دوسرا اُس کی مدد کرے گا؛

(۵) اگر فریقین میں ایسا اختلاف پیدا ہو جائے کہ جس سے فساد کا اندیشہ ہو۔ تو اُس کا فیصلہ خدا ورسول پر چھوڑ دیا جائے گا؛

(۶) کوئی فریق قریش اور ان کے معاونین کو امان نہ دے گا؛

(۷) اگر کوئی دشمن یثرب پر حملہ آور ہو۔ تو ہر دو فریق مل کر اُس کا مقابلہ کریں گے:

(۸) اگر ایک فریق کسی سے صلح کرے گا۔ تو اس مصالحت میں دوسرا فریق بھی شامل ہوگا۔ مگر مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہوگی؛

ہجرت کا دوسرا سال

تحویل قبلہ | نماز اسلام کا ایک رکن ہے۔ اور نماز کی روح خشوع ہے۔ خشوع کے لئے باطنی یکجہتی کے ساتھ ظاہری یکجہتی بھی درکار ہے۔ کیونکہ ظاہر کا اثر باطن پر ضرور پڑتا ہے اور مقصود اصلی کو تقویت پہنچتی ہے۔ نماز جماعت و جمعہ میں اتحاد جہت کا اثر جو دوسرے نمازیوں پر پڑتا ہے محتاج بیان نہیں۔ اس لئے نماز میں ایک جہت کا تعین ضروری ہے۔ مگر اس تعین میں انسانی عقل کو دخل نہیں۔ بلکہ جو ذات پاک سزاوار عبادت ہے یہ تعین اُسی کا حق ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے مکہ میں کعبہ کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے۔ ہجرت کے بعد بحکم الٰہی بنابر حکمت و مصلحت وقت بیت المقدس آپ کا قبلہ مقرر ہوا۔ چنانچہ آپ نے سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی۔ یہود آپ پر طعن کیا کرتے تھے۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مخالفت کرتے ہیں۔ مگر قبلہ میں ہمارے تابع ہیں۔ اس لئے آپ کی یہ آرزو رہی۔ کہ ملت کی طرح میرا قبلہ بھی ابراہیمی ہی ہو۔ مدت مذکورہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ آرزو پوری کردی:۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ الآیہ	بے شک ہم دیکھتے ہیں تیرے منہ کا پھرنا آسمان کی طرف پس ضرور ہم پھیریں گے تجھ کو اُس قبلہ کی طرف کہ تو اُسے پسند کرتا ہے۔ پس پھیر اپنا منہ مسجد حرام کی طرف۔ اور جس جگہ تم ہوا کرو۔ پس پھیرو منہ اپنے اُس کی طرف۔

اس تحویل کی کیفیت یہ ہے۔ کہ نصف رجب یوم دوشنبہ یا نصف شعبان یوم سہ شنبہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد بنی سلمہ میں نماز ظہر پڑھا رہے تھے۔ تیسری رکعت کے رکوع میں تھے۔ کہ وحی الٰہی سے آپ نے نماز ہی میں کعبہ کی طرف رُخ کرلیا۔ اور مقتدیوں نے بھی آپ کا اتباع کیا۔ اس مسجد کو مسجد قبلتین کہتے ہیں۔ ایک نمازی جو شامل جماعت تھا عصر کے وقت مسجد بنی حارثہ میں گیا۔ اُس نے دیکھا۔ کہ وہاں انصار نماز عصر بیت المقدس کی طرف پڑھ رہے ہیں۔ اُس نے تحویل قبلہ کی خبر دی۔ وہ لوگ نماز ہی میں کعبہ رُخ ہو گئے۔ دوسرے روز قبا میں عین اُس وقت خبر پہنچی جب کہ لوگ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ اُنہوں نے بھی اُسی حال میں اپنا رُخ بدل کر کعبہ کی طرف کرلیا۔

تحویل قبلہ یہودیوں پر سخت ناگوار گزرا۔ وہ اس پر اعتراض کرنے لگے۔ اُن کا اعتراض اور اس کا جواب قرآن کریم میں یوں مذکور ہے:۔

(۱) سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝	اب کہیں گے لوگوں میں سے بیوقوف۔ کس چیز نے پھیرا اُن کو اُن کے قبلے سے جس پر وہ تھے۔ کہہ دے اللہ کی ہے مشرق اور مغرب۔ چلاتا ہے جسے چاہتا ہے سیدھی راہ کی طرف۔

(۲) وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ

اور نہیں مقرر کیا ہم نے قبلہ اُس کو جس پر تو پہلے تھا (یعنی کعبہ) مگر اسی واسطے کہ معلوم کریں کون تابع رہے گا رسول کا اور کون پھر جاوے گا اُلٹے پاؤں۔ اور البتہ یہ قبلہ ہے شاق ودشوار مگر اُن لوگوں پر جن کو راہ دکھائی اللہ نے (حکمت احکام کی)

پہلی آیت میں اُن کا اعتراض نقل کر کے یوں جواب دیا گیا۔ کہ شرق و غرب بلکہ جہات ستّہ سب خدا کی ہیں۔ اُس کو کسی خاص جہت سے خصوصیت نہیں۔ کیونکہ وہ مکان و جہت سے پاک ہے۔ وہ جس جہت کو چاہے قبلہ مقرر کرے۔ ہمارا کام اطاعت ہے۔ دوسری آیت میں مذکور ہے۔ کہ تحویل قبلہ اس واسطے ہوا کہ ثابت و متزلزل میں تمیز ہو جائے۔

غزوات وسرایا کا آغاز اسی سال سلسلۂ غزوات وسرایا شروع ہوتا ہے۔ محدثین واہل سیر کی اصطلاح میں غزوہ وہ لشکر ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بذات اقدس شامل ہوں۔ اور اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بذات شریف شامل نہ ہوں۔ بلکہ اپنے اصحاب میں سے کسی کو دشمن کے مقابلہ میں بھیج دیں۔ تو وہ لشکر سریہ کہلاتا ہے۔ غزوات تعداد میں ستائیس ہیں جن میں سے نو میں قتال وقوع میں آیا ہے۔ اور وہ یہ ہیں۔ بدر۔ اُحد۔ مریسیع۔ خندق۔ قریظہ۔ خیبر۔ فتح مکہ۔ حنین۔ طائف سرایا کی تعداد سینتالیس ہے۔ نظر بر اختصار ہم سرایا کو پس انداز کر کے غزوات و بعض دیگر وقائع کا حال سنہ وار پیش کرتے ہیں:۔

ہجرت کے بعد بھی کفار قریش مسلمانوں کے مذہبی فرائض کی بجا آوری میں مزاحم ہوتے تھے۔ اور اسلام کے مٹانے کی کوشش کرتے تھے۔ بلکہ دیگر قبائل کو بھی مسلمانوں کی مخالفت پر برانگیختہ کرتے تھے۔ اس لئے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے مختلف اغراض کے لئے اپنے اصحاب کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں (سرایا) اطراف مدینہ میں بھیجنی شروع کیں۔ بلکہ بعض دفعہ خود بھی شرکت فرمائی۔ کہیں دشمن کی نقل و حرکت کی خبر لانے کے لئے۔ کہیں بعض قبیلوں سے معاہدہ قائم کرنے کے لئے۔ اور کہیں محض مدافعت کے لئے ایسا کیا گیا۔ ہاں ایک غرض یہ بھی تھی۔ کہ قریش کی شامی تجارت کا راستہ بند کر دیا جائے۔ اور یہ وہی بات ہے۔ جس کی دھمکی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ہجرت کے بعد ابو جہل کو خاص خانہ کعبہ میں یوں دی تھی۔ کہ

اگر تم نے[1] ہم کو طواف کعبہ سے روکا۔ تو ہم تمہارا مدینہ کا راستہ بند کر دیں گے۔ چونکہ قریش بالعموم مسلمانوں کو حج و عمرہ سے روکتے تھے۔ اس لئے مجبوراً مسلمانوں کو ان کے تجارتی قافلوں سے تعرض کرنا پڑا۔ تاکہ مذہبی مداخلت سے باز آجائیں۔

غزوۂ ابواء[2] اسی سال کے ماہ صفر میں۔ غزوہ بواط[3] و غزوۂ بدر اولیٰ ماہ ربیع الاول میں اور غزوۂ ذوالعشیرہ[4] ماہ جمادی الاخریٰ میں ہوا۔ بدر اولیٰ[5] کرز بن جابر فہری کی گوشمالی کے لئے تھا۔ جو مدینہ منورہ کے اونٹ ہانک لے گیا تھا۔ باقی تینوں قافلہ قریش سے تعرض کے لئے تھے۔ مگر ان میں سے کسی میں مقابلہ نہیں ہوا۔

غزوہ ذوالعشیرہ کے بعد ماہ رجب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پھوپھی زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو آٹھ یا بقولِ بعض بارہ مہاجرین کی جمعیت کے ساتھ نخلہ[6] کی طرف روانہ کیا۔ وہ نخلہ میں پہنچ کر قافلہ قریش کے منتظر رہے۔ ناگاہ قریش کے اونٹوں کا قافلہ جن پر وہ شراب منقہ اور چمڑا وغیرہ مالِ تجارت طائف سے لا رہے تھے۔ ان کے قریب اُترا۔ اس قافلے میں عمرو[7] بن حضرمی۔ عثمان بن عبداللہ بن مغیرہ اور اس کا بھائی نوفل بن عبداللہ اور ابوجہل کے باپ ہشام بن مغیرہ کا آزاد کردہ غلام حکم بن کیسان تھے۔ فریقین میں مقابلہ ہوا۔ جس میں حضرت واقد بن عبداللہ تمیمی نے ایک تیر سے عمرو بن حضرمی کا کام تمام کر دیا۔ عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان گرفتار ہوئے۔ اور باقی بھاگ گئے۔ حضرت عبداللہ بن جحش دونوں اسیروں اور مالِ غنیمت کو لے کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور نے غنیمت تقسیم فرما دی۔ حضرت حکم بن کیسان اسلام لائے۔ عثمان بن عبداللہ کو چھوڑ دیا گیا۔ وہ مکہ میں

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب ذکر النبی صلے اللہ علیہ وسلم من یقتل ببدر ۱۲۔

[2] ابواء ایک قریہ ہے جو جُحفہ سے ۲۳ میل ہے۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کی قبر ہے۔

[3] بواط ایک پہاڑ کا نام ہے جو ینبع سے ایک دن کی راہ ہے۔

[4] ذوالعشیرہ مکہ و مدینہ کے درمیان میں ینبع کے نواح میں واقع ہے۔

[5] بدر ایک کوئیں کا نام ہے۔ بدر اور مدینہ منورہ کے درمیان سات برید (منزل) ہیں۔

[6] یہ مقام مکہ و طائف کے درمیان مکہ سے ایک دن رات کی راہ ہے۔

[7] عمرو بن حضرمی کا باپ عبداللہ حضرمی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دادا حرب بن امیہ کا حلیف تھا۔ اور حرب قریش کا رئیس تھا۔ اور عثمان و نوفل حضرت خالد رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے دادا مغیرہ کے بیٹے تھے۔ جو رؤسائے قریش کے زمرہ میں شمار ہوتا تھا!

چلا گیا اور کفر پر مرا۔

اسی سال کے ماہ شعبان میں ماہ رمضان کے روزے فرض ہوئے۔ اور ماہ رمضان میں غزوۂ بدر ثانیہ وقوع میں آیا۔

غزوہ بدر کبرے | غزوۂ بدر سب سے بڑا غزوہ ہے۔ اس کا سبب عمرو بن حضرمی کا قتل اور قافلۂ قریش کا شام کی طرف سے آنا تھا۔ یہ وہی قافلہ تھا جس کے قصد سے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم ذوالعشیرہ تک تشریف لے گئے تھے۔ امیر قافلہ ابو سفیان تھا۔ اس قافلے میں قریش کا بہت سا مال تھا۔ جب یہ قافلہ بدر کے قریب پہنچا۔ تو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو خبر لگی۔ آپنے فوراً مسلمانوں کو نکلنے کی دعوت دی۔ اس لئے جلدی سے تیاری کر کے آپ بتاریخ ۱۲ ماہ رمضان بروز ہفتہ مدینہ سے نکلے۔ اور مدینہ منورہ سے ایک میل کے فاصلے پر بئر ابی عنبہ پر لشکر گاہ مقرر ہوا۔ یہاں لشکر کا جائزہ لینے کے بعد آپنے صغیر السن صحابہ (مثلاً ابن عمر۔ براء بن عازب۔ انس بن مالک۔ جابر۔ زید بن ثابت۔ اور رافع بن خدیج رضی اللہ تعالےٰ عنہم) کو واپس کر دیا۔ اور باقی کو لے کر روانہ ہوئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص کے بھائی حضرت عمیر[۱] جن کی عمر سولہ سال کی تھی) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے آنکھ بچا رہے تھے۔ کیونکہ اُن کو شہادت کا شوق تھا۔ مگر ڈرتے تھے۔ کہ کہیں چھوٹی عمر کے سبب سے واپس نہ کروئے جائیں۔ چنانچہ جب پیش ہوئے۔ تو واپسی کا حکم ملا۔ اس پر آپ رونے لگے۔ لہٰذا اُس رحمۃ للعالمین نے شمولیت کی اجازت دے دی۔ بلکہ اُن پر خود اپنی تلوار کا پرتلہ لگا دیا۔

واضح رہے۔ کہ مسلمان محض قافلہ قریش سے تعرض[۲] کے لئے نکلے تھے۔ اُن کو علم نہ تھا۔ کہ فوج

---

[۱] طبقات ابن سعد واستیعاب واصابہ۔ ترجمہ عمیر بن ابی وقاص۔

[۲] حدیث کعب بن مالک میں ہے انما خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرید عیر قریش حتی جمع اللہ بینہ وبینھم علی غیر میعاد (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صرف قافلہ قریش کے قصد سے نکلے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں فریق کو اچانک مقابل کر دیا) یہ حدیث صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ہے۔ اور قرآن کریم کی آیت ذیل کی صحیح تفسیر ہے۔

وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ ۙ وَلَٰكِن لِّيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا (انفال ع ۵)	اور اگر آپس میں تم وعدہ کرتے۔ تو نہ پہنچتے وعدے پر۔ لیکن اللہ کو کر ڈالنا ایک امر کا جو ہو چکا تھا۔

حدیث کعب کے علاوہ اور حدیثیں بھی ہیں۔ جو اسی مضمون کی تائید کرتی ہیں۔

قریش سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اس لئے فوری ناتمام تیاری کی گئی۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ "جس کا سواری کا اونٹ موجود ہو۔ وہ سوار ہو کر ہمارے ساتھ چلے۔ انصار آپ سے اُن اونٹوں کے لانے کے لئے جو مدینے کے حصہ بالائی میں تھے۔ اجازت مانگنے لگے۔ آپنے فرمایا۔ نہیں صرف وہی ساتھ چلے جس کا سواری کا اونٹ حاضر ہے"![1]

آپ کے ساتھ صرف ستر اونٹ دو گھوڑے اور تین سو آٹھ مجاہدین تھے۔ جن میں سے مہاجرین کچھ ساٹھ سے اوپر تھے۔ اور باقی سب انصار تھے۔ آٹھ صحابہ اور تھے۔ جو بوجہ عذر شامل نہ ہو سکے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی غنیمت میں سے پورا حصہ دیا۔ لہٰذا یہ بھی اصحاب بدر میں شمار ہوتے ہیں۔ ان آٹھ میں سے تین تو مہاجرین تھے۔ یعنی حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اپنی اہلیہ حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تیمارداری کے لئے حضور ہی کے ارشاد سے مدینہ منورہ میں رہ گئے تھے۔ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید (ہر دو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں) جن کو حضور نے روانگی سے دس روز پیشتر قافلہ قریش کی خبر لانے کے لئے بھیج دیا تھا۔ اور وہ آپ کی روانگی کے بعد مدینہ میں واپس آئے تھے۔ اور پانچ انصار تھے۔ یعنی ابو لبابہ بن عبد المنذر جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی غیبت میں مدینہ کا حاکم مقرر کیا۔ عاصم بن عدی العجلانی جو روحاء[2] سے ضرب شدید کے سبب سے واپس کر دئے گئے۔ اور مدینہ منورہ کی بالائی آبادی (عالیہ) کے حاکم بنائے گئے۔ حارث بن حاطب العمری جن کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے روحاء سے کسی خاص کام کے لئے بنو عمرو بن عوف کے پاس بھیج دیا۔ حارث بن الصمۃ جو روحاء میں ٹانگ پر ضرب شدید آنے کے سبب سے واپس کر دئے گئے۔ اور خوات بن جبیر جو اثنائے راہ میں ساق پر پتھر لگنے کے سبب مقام صفراء[3] سے واپس کر دئے گئے!

سواری کے لئے تین تین مجاہدین کو ایک ایک اونٹ ملا ہوا تھا۔ چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی رض اور حضرت مرثد غنوی[4] ایک اونٹ پر اور حضرت ابو بکر و حضرت عمر و حضرت

---

[1] صحیح مسلم۔ کتاب الجہاد۔ باب سقوط فرض الجہاد عن المعذورین۔ حدیث انس بن مالک۔

[2] بدر سے ۳۶ میل ہے ۱۲۔ [3] بدر سے ایک منزل کے فاصلہ پر ہے۔ ۱۲

[4] مقام روحاء تک حضرت مرثد کی جگہ حضرت ابو لبابہ تھے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی باری پیدل چلنے کی آتی۔ تو حضرت علی رض و ابو لبابہ رض عرض کرتے کہ آپ سوار ہو لیں۔ ہم بجائے آپکے پیدل چلتے ہیں۔ مگر حضور فرماتے۔ تم پیدل چلنے پر مجھ سے زیادہ قادر نہیں ہو۔ اور نہ میں تمہاری نسبت اجر کا کچھ کم خواہاں ہوں۔ طبقات ابن سعد۔ غزوہ بدر ۱۲۔

عبدالرحمن بن عوف دوسرے پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روحاء سے چل کر صفراء کے قریب پہنچے۔ تو آپ نے حضرت بسبس بن عمرو اور عدی بن ابی الزغباء کو قافلہ قریش کی خبر لانے کے لئے بھیجا۔ وہ بدر میں پہنچے۔ اور وہاں سے یہ خبر سُن کر آئے۔ کہ قافلہ کل یا پرسوں بدر میں پہنچے گا۔[1] ابوسفیان کو شام میں خبر لگی تھی۔ کہ حضرت قافلہ کی واپسی کا انتظار کر رہے ہیں۔ اِس لئے اُس نے حجاز کے قریب پہنچ کر ضمضم بن عمرو کو بیس مثقال سونے کی اجرت پر مکہ میں قریش کے پاس بھیجا۔ تاکہ اُن کو قافلہ کے بچانے کی ترغیب دے۔ چنانچہ ضمضم اونٹ پر سوار ہو کر فوراً روانہ ہو گیا۔

مکہ میں پہنچ کر ضمضم نے اپنے اونٹ کے ناک کان کاٹ دیئے تھے۔ کجاوہ اُلٹ دیا تھا۔ اور اپنی قمیص پھاڑ دی تھی۔ اس ہیئت کذائی میں وہ اپنے اونٹ پر سوار یوں پکار پکار کر کہہ رہا تھا۔ "اے گروہِ قریش! قافلہ تجارت! تمہارا مال ابوسفیان کے ساتھ ہے۔ محمدؐ اور اس کے اصحاب اس کے سدِ راہ ہو گئے ہیں۔ میں خیال نہیں کرتا۔ کہ تم اُسے بچا لو گے۔ فریاد! فریاد!" یہ سُن کر قریش کہنے لگے۔ کیا محمدؐ اور اس کے اصحاب گمان کرتے ہیں۔ کہ یہ قافلہ بھی عمرو بن حضرمی کی مانند ہو گا؟ ہرگز نہیں۔ اللہ کی قسم! انہیں معلوم ہو جائے گا۔ کہ ایسا نہیں۔ غرض قریش جلدی نکلے۔ اور اُن کے اشراف میں سے سوائے ابولہب کے کوئی پیچھے نہ رہا۔ اور اُس نے بھی اپنے عوض ابوجہل کے بھائی عاص بن ہشام کو بھیجا۔ اور چار ہزار درہم جو بطور سود اُس سے لینے تھے۔ اس صلے میں اُس کو معاف کر دیئے۔ امیہ بن خلف نے بھی پیچھے رہ جانے کا ارادہ کیا تھا۔ کیونکہ اُس نے حضرت سعد بن معاذ سے ہجرت کے بعد مکہ مشرفہ میں سنا تھا۔ کہ وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے ہاتھ سے قتل ہو گا۔ مگر ابوجہل نے کہا۔ تو اہلِ وادیِ مکہ کا سردار ہے۔ اگر تو پیچھے رہ گیا۔ دوسرے بھی دیکھا دیکھی تیرے ساتھ رہ جائیں گے۔ غرض پس وپیش کے بعد ابوجہل کے اصرار پر وہ بھی ساتھ ہو لیا۔[3]

قریش جب بڑے ساز و سامان سے اس طرح چلنے کو تیار ہو گئے۔ تو انہیں بنو کنانہ کی طرف سے اندیشہ پیدا ہوا۔ کیونکہ بدر سے پہلے قریش و کنانہ میں لڑائی جاری تھی۔ اس لئے قریش خائف تھے۔

---

[1] سیرت ابن ہشام ۱۲
[2] سیرت ابن ہشام ۱۲
[3] صحیح بخاری باب ذکر النبی صلے اللہ علیہ وسلم من یقتل ببدر ۱۲

کہ مبادا کینہ سابق کے سبب سے ہمارے پیچھے ہم کو کوئی ضرر پہنچائیں۔ اس وقت ابلیس[1] بصورت سراقہ بن مالک ظاہر ہوا۔ جو کنانہ کا سردار تھا۔ اور کہنے لگا میں ضامن ہوں۔ تمہارے پیچھے بنو کنانہ سے تمہیں کوئی ضرر نہ پہنچے گا۔ میں تمہارے ساتھ ہوں[2]۔ اس طرح ابلیس لعین بھی بصورت سراقہ لشکر قریش کے ساتھ تھا۔ علاوہ ازیں اہل مکہ کے ساتھ گانے والی عورتیں اور آلات ملاہی بھی تھے۔ رسد کا انتظام یہ تھا۔ کہ امرائے قریش عباس۔ عتبہ بن ربیعہ۔ حارث بن عامر۔ نضر بن حارث۔ ابوجہل۔ امیہ وغیرہ باری باری ہر روز دس دس اونٹ ذبح کرتے اور لوگوں کو کھلاتے تھے عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا سب سے معزز رئیس تھا۔ فوج کا سپہ سالار تھا؛

جب ابوسفیان مدینہ کے نواح میں پہنچا۔ اور قریش کی کمک اُس کی مدد کو نہ پہنچی۔ تو وہ نہایت خوف زدہ ہوا۔ کہ کہیں مسلمان کمین گاہ میں نہ ہوں۔ اِسی حال میں وہ بدر میں جا پہنچا۔ وہاں اُس نے مجدی بن عمرو سے پوچھا۔ کیا تو نے محمدؐ کے جاسوسوں میں سے کسی کو دیکھا ہے؟ مجدی بولا۔ اللہ کی قسم! میں نے کسی اجنبی شخص کو نہیں دیکھا۔ ہاں اس مقام پر دو سوار آئے تھے۔ یہ کہہ کر عدی و بسبس کے مناخ[3] کی طرف اشارہ کیا۔ ابوسفیان نے ان کے اونٹوں کی مینگنیوں کو لے کر توڑا۔ تو کیا دیکھتا ہے۔ کہ اِن میں کھجور کی گٹھلیاں ہیں۔ کہنے لگا۔ ان اونٹوں[4] نے یثرب کی کھجوریں کھائی ہیں۔ وہ تو محمدؐ کے جاسوس تھے۔ لہٰذا اُس نے اپنے قافلے کے اونٹوں کے مُنہ پھیر دئے۔ اور بدر کو بائیں ہاتھ چھوڑ کر ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ مکہ کو روانہ ہوا۔ جب وہ قافلے کو محل خطر سے بچا لے گیا۔ تو اُس نے قیس بن امرئ القیس کے ہاتھ قریش کو کہلا بھیجا۔ کہ میں نے قافلے کو بچا لیا ہے۔ لہٰذا تم واپس چلے جاؤ۔ یہ قاصد جحفہ[5] میں قریش سے ملا۔ اور انہیں ابوسفیان کا پیغام پہنچایا۔

---

[1] سیرت ابن ہشام؛

[2] قرآن مجید کی آیت ذیل میں اسی قصہ کی طرف اشارہ ہے:۔

وَاِذْ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْیَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ ج (انفال ع)	اور جب وقت سنوار نے لگا شیطان اُن کی نظر میں اُن کے کام اور بولا۔ کوئی غالب نہ ہوگا تم پر آج کے دن۔ اور میں رفیق ہوں تمہارا

[3] اونٹوں کے بٹھلانے کی جگہ کو مناخ بولتے ہیں؛

[4] طبقات ابن سعد غزوہ بدر؛

[5] جحفہ مدینے کے راستے میں مکہ سے تین یا چار منزل ہے اور غدیر خم سے دو میل اور ساحل بحر سے قریباً تین منزل ہے۔ معجم البلدان یاقوت الحموی۔

قریش نے واپس ہونے کا ارادہ کیا۔ مگر ابوجہل بولا کہ ہم بدر[1] سے ورے واپس نہ ہوں گے۔ وہاں تین دن ٹھیریں گے۔ اونٹ ذبح کریں گے۔ اور کھائیں کھلائیں گے۔ شراب پئیں گے اور راگ سنیں گے۔ اس طرح قبائل عرب کے اطراف میں ہماری عظمت وشوکت کا آوازہ[2] پھیل جائے گا۔ اور وہ ہمیشہ ہم سے ڈرتے رہیں گے۔ پس ابوجہل کی رائے پر عمل کیا گیا۔ جحفہ ہی میں اخنس[3] بن شریق الثقفی نے اپنے حلیف بنوزہرہ کو جو ایک سو اور بقول بعض تین سو مرد تھے۔ مشورہ دیا کہ واپس چلے جاؤ۔ چنانچہ وہ واپس چلے گئے۔ اس طرح بنو عدی بن کعب جو قریش کے ساتھ آئے تھے ثنیۂ لفت سے واپس لوٹ گئے۔ اور واپسی میں ابوسفیان اُن سے ملا اور کہنے لگا۔ اے بنوعدی تم کیونکر لوٹ آئے۔ لا[4] فی العیر ولا فی النفیر (نہ قافلے میں اور نہ قریش میں) وہ بولے کہ تو نے ہی تو قریش کو لوٹ جانے کا پیغام بھیجا تھا۔ غرض بنوزہرہ اور بنوعدی کے سوا تمام قریش کے قبائل لڑائی میں شامل تھے۔

مقام صفراء کے نزدیک وادی ذفران میں حضور اقدس کی خدمت میں حضرت جبرئیلؑ دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ لائے پس آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ اور پوچھا۔ کہ تم کیا چاہتے ہو۔ عیر (قافلہ) یا نفیر (گروہ قریش) مسلمان چونکہ محض قافلے کے قصد سے نکلے تھے۔ تعداد

---

[1] کامل لابن الاثیر۔ غزوۂ بدر۔ بدر جو اسم عرب میں ایک موسم بھی تھا۔ جہاں ہر سال ایک دفعہ میلا لگا کرتا تھا۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے بدر پہنچنے کے لئے جو رستہ اختیار فرمایا تھا۔ وہ روحاء میں سے تھا۔ روحاء اور مدینے کے درمیان چار دن کا رستہ ہے۔ پھر روحاء سے منصرف ایک برید۔ پھر ذات اجذال ایک برید۔ پھر معلات ایک برید۔ پھر اثیل ایک برید۔ اور اثیل سے بدر دو میل ہے۔ طبقات ابن سعد۔

[2] قرآن کریم کی آیت ذیل میں اسی کی طرف اشارہ ہوا ہے:۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ (انفال ع ۶)	اور مت ہو۔ کہ جیسے نکلے وہ لوگ اپنے گھروں سے اتراتے اور لوگوں کو دکھاتے اور روکتے اللہ کی راہ سے۔ اور اللہ کے قابو میں ہے جو وہ کرتے ہیں!

[3] اس کا اصلی نام اُبی تھا۔ مگر جب بنوزہرہ کو لوٹا لے گیا تو کہا گیا خنس بہم (وہ ان کو واپس لے گیا) لہٰذا اس کو خنس کہنے لگے (طبقات ابن سعد) اس کے اسلام میں اختلاف ہے۔ دیکھو اصابہ فی تمییز الصحابہ۔

[4] طبقات ابن سعد۔ مگر ضرب الامثال للمیدانی میں ہے۔ کہ ابوسفیان کا یہ خطاب بنوزہرہ سے تھا۔ اور اسی میں لکھا ہے کہ یہ مثل سب سے پہلے ابوسفیان کی زبان سے نکلی تھی۔ بقول اصمعی اسے ایسے مقام پر بولا جاتا ہے۔ جہاں کسی شخص کی قدر کی تحقیر وتصغیر منظور ہو۔

بھی کم تھی۔ اور سامان جنگ بھی کافی نہ تھا۔ اس لئے ایک فریق اس حالت میں لڑائی سے ہچکچاتا تھا[۱] وہ بولے۔ عیر۔ یہ سُن کر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم ناخوش ہوئے۔ لہٰذا ابو بکر صدیقؓ نے کھڑے ہو کر تقریر کی۔ اور خوب[۲] کہا۔ پھر حضرت عمرؓ نے تقریر کی اور اچھی کی۔ پھر حضرت مقداد بن عمرو کھڑے ہوئے اور بولے کہ "یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو بتایا ہے وہ کیجئے۔ ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم! ہم نہیں[۳] کہتے جیسا کہ حضرت موسیٰ کی قوم نے کہا تھا فَاذْهَبْ[۴] اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا۔ بلکہ ہم آپ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے لڑیں گے۔" یہ سُن کر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے۔ اور حضرت مقداد کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ پھر آپ نے انصار کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ مجھے مشورہ دو۔ انصار کی طرف اشارہ کی وجہ یہ تھی۔ کہ انہوں نے بیعت عقبہ کے وقت کہا تھا[۵]۔ "یارسول اللہ! ہم آپ کے ذمام یعنی عہد سے بری ہیں۔ یہاں تک کہ آپ ہمارے دیار میں پہنچ جائیں۔ جب آپ ہمارے دیار میں پہنچیں گے تو ہمارے امان و عہد میں ہوں گے۔ اور ہم آپ کی حمایت کریں گے ہر ایسے امر سے کہ اس سے ہم اپنی اولاد اور عورتوں کی حمایت کرتے ہیں۔" چونکہ اس عبارت سے ایک طرح کا وہم ہوتا تھا۔ کہ انصار پر صرف مدینے ہی میں حضور کی حمایت واجب تھی۔ لہٰذا آپ نے اس مقام پر محض ان کے حال کے استکشاف و استمزاج کے لئے ایسا کیا۔ انصار نے جب حضور کا ارشاد سُنا

---

[۱] سورہ انفال رکوع اول میں ہے کَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ الآیات (آیہ ۵ تا ۱۱) بعض نے پانچویں آیت میں وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ کو حال حقیقیہ سمجھ کر کہا ہے۔ کہ مدینہ سے نکلنے اور اس گروہ کے جی چرانے کا وقت ایک ہی تھا۔ اور ساتویں آیت وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ کی رو سے دو فریق (کاروان تجارت و فوج قریش) میں سے ایک کا وعدہ بھی مدینہ ہی میں تھا۔ مگر یہ درست نہیں۔ کیونکہ جملہ وَاِنَّ فَرِيْقًا حال حقیقیہ نہیں بلکہ مقدرہ ہے جیسا کہ تمام کتب تفسیر میں مذکور ہے اور وَاِذْ يَعِدُكُمْ میں واو عاطفہ نہیں بلکہ استیناف ہے۔ اور اِذْ ظرف ہے فعل مضمر اذکر (اذکر) کا نہ کہ اخرجک کا۔ اس میں شک نہیں کہ نویں آیت (اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ) میں اور گیارھویں آیت (اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ) میں اِذْ بدل ہے اِذْ يَعِدُكُمْ سے۔ پس بنا بر تقریر بعض مذکور خروج من البیت۔ وعدہ احدی الطائفتین استغاثہ مسلمین۔ نیند کا طاری ہونا اور مینہ کا برسنا یہ سب مدینہ ہی میں ہونا چاہئے۔ وھذا کما تری۔ تفصیل کے لئے رسالہ غزوات النبی مؤلفہ خاکسار دیکھو۔ [۲] سیرت ابن ہشام

[۳] صحیح بخاری، غزوہ بدر۔ باب قول اللہ تعالےٰ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ الآیہ۔ سیرت ابن ہشام میں حضرت مقداد کی تقریر میں یہ بھی ہے۔ "قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دیکر بھیجا ہے اگر آپ ہمارے ساتھ برک الغماد کا قصد کریں گے تو ہم تلوار چلائیں گے۔ یہاں تک کہ آپ وہاں پہنچ جائیں" بعض روایتوں میں یہی الفاظ حضرت سعد بن معاذ کی طرف منسوب ہیں۔ ممکن ہے دونوں نے ایسا ہی کہا ہو۔ جیسا کہ ابن الدمینہ کا قول ہے (معجم البلدان لیاقوت الحموی)۔ برک الغماد مشرقہ سے پانچ دن کی راہ اقصائے یمن میں جبغہ کے مقابل ایک شہر ہے۔

[۴] فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (مائدہ ع ۴) | تو جا اور تیرا رب دونوں لڑو۔ ہم یہاں ہی بیٹھے ہیں

[۵] سیرت ابن ہشام غزوہ بدر۔

توحضرت سعدبن معاذ نے جو اکابر انصار میں سے تھے۔ یوں جواب دیا: "ہم آپ پر ایمان لائے ہیں۔ اور شاہد ہیں اس امر پر کہ جو کچھ آپ لائے ہیں وہی حق ہے۔ اور اس تصدیق پر ہم آپ کو اپنی اطاعت کے عہد ومواثیق دیئے ہوئے ہیں۔ یا رسول اللہ! آپ جہاں چاہیں چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اللہ کی قسم! جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے۔ اگر آپ ہمارے ساتھ اس سمندر کو عبور کرنا چاہیں اور اس میں کود پڑیں تو بے شک ہم بھی آپ کے ساتھ اس میں کود پڑیں گے۔ اور ہم میں سے ایک بھی پیچھے نہ رہے گا۔ ہمیں یہ ناگوار نہیں۔ کہ کل کو آپ ہمیں ساتھ لے کر دشمن کا مقابلہ کریں۔ ہم لڑائی میں صابر اور دشمن کے مقابلے کے وقت صادق ہیں۔ شاید اللہ تعالےٰ مقابلے میں ہمارے ہاتھ سے آپ کو وہ دکھائے کہ جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ لہذا آپ ہم کو اللہ کی برکت سے لے چلیں۔"[1] حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم حضرت سعد کے اس قول سے خوش ہوئے۔ اور فرمایا۔ کہ "اللہ کی برکت سے چلو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے دو باتوں (قافلہ اور فوج قریش) میں سے ایک[2] کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ اللہ کی قسم! گویا میں قریش کی موت کی جگہوں کو دیکھ رہا ہوں۔" یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جھنڈے تیار کئے۔ سب سے بڑا جھنڈا مہاجرین کا تھا۔ جو حضرت مصعب بن عمیر کے ہاتھ میں تھا۔ اور قبیلہ خزرج کا جھنڈا حضرت حباب بن المنذر کے پاس تھا۔ اور قبیلہ اوس کا جھنڈا حضرت سعد بن معاذ نے اٹھایا ہوا تھا۔ مشرکین کے ساتھ بھی تین جھنڈے تھے۔ ایک ابو عزیز بن عمیر دوسرا نضر بن حارث اور تیسرا طلحہ بن ابی طلحہ کے ہاتھ میں تھا۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم بتاریخ ۱۷ ماہ رمضان جمعہ کی رات کو بدر میں قریب کے میدان میں

---

[1] سیرت ابن ہشام غزوہ بدر

[2] قرآن کریم میں ہے:۔

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ (انفال ۴)	اور جب وعدہ کرتا ہے اللہ ایک کا دو جماعتوں میں سے کہ وہ واسطے تمہارے ہے۔ اور تم دوست رکھتے ہو یہ کہ بن شوکت والا ہی ہووے واسطے تمہارے۔ اور اللہ چاہتا ہے کہ سچا کرے سچ کو اپنے کلاموں سے اور کاٹے پچھا کافروں کا

حضور اقدس کا مطلب یہ تھا کہ کارواں اور لشکر قریش میں سے ایک کا وعدہ ہو چکا ہے۔ اب قافلہ تو ہاتھ سے جاتا رہا۔ لہذا قریش گرفتار ہوں گے۔

اُترے۔ اور قریش دوسری[1] طرف اُترے۔ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرات علی و زبیر و سعد بن ابی وقاص کو مشرکین کا حال دریافت کرنے کے لئے بھیجا۔ وہ قریش کے دو غلام[2] پکڑ لائے۔ اُس وقت حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ صحابہ کرام نے ان غلاموں سے پوچھا۔ کیا تم ابو سفیان کے ساتھی ہو؟ انہوں نے جواب دیا۔ کہ ہم تو قریش کے سقے ہیں۔ قریش نے ہمیں پانی پلانے کے لئے بھیجا ہے۔ اس پر صحابہ کرام نے انہیں مارا۔ جب وہ درد سے بے چین ہوئے۔ تو کہنے لگے۔ کہ ہم ابو سفیان کے ساتھی ہیں۔ اتنے میں حضرت نماز سے فارغ ہوئے۔ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا "جب یہ تم سے سچ بولے۔ تم نے ان کو مارا۔ اور جب تم سے جھوٹ بولے۔ تو ان کو چھوڑ دیا۔ اللہ کی قسم! انہوں نے سچ کہا۔ وہ قریش کے ساتھی ہیں" پھر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے ان غلاموں سے قریش کا حال دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ اللہ کی قسم! یہ تودہ ریگ جو نظر آرہا ہے۔ اُس کے پیچھے ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا۔ کہ قریش تعداد میں کتنے ہیں؟۔ وہ بولے۔ کہ ہمیں معلوم نہیں۔ پھر آپ نے پوچھا۔ کہ وہ روزانہ کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟۔ انہوں نے جواب دیا کہ ایک دن دس اور ایک دن نو۔ آپ نے فرمایا۔ کہ وہ ہزار اور نو سو کے درمیان ہیں (واقع میں وہ ساڑھے نو سو تھے اور ان کے پاس سو گھوڑے تھے) پھر آپ نے پوچھا۔ سردارانِ قریش میں سے کون کون آئے ہیں؟۔ وہ بولے عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ بن ربیعہ۔ ابو جہل بن ہشام۔ ابوالبختری بن ہشام۔ حکیم بن حزام۔ نوفل بن خویلد۔ حارث بن عامر بن نوفل۔ طعیمہ بن عدی بن نوفل۔ نضر بن حارث۔ زمعہ بن اسود۔ امیہ بن خلف۔ نبیہ و منبہ پسران حجاج۔ سہل بن عمرو۔ عمرو بن عبد ود۔ یہ سُن کر حضور نے اپنے اصحاب سے فرمایا "لو! مکہ نے اپنے جگر پارے تمہاری طرف بھیج دیئے ہیں"۔ پس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جلدی کوچ کر کے کوؤں کی طرف آئے۔ اور جو کنواں بدر کے سب سے قریب تھا۔ اُس پر اُترے۔

---

[1] قرآن کریم میں ہے۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ (انفال۔ ع۵)	جس وقت تم تھے ورے کے ناکے پر اور وہ پرے کے ناکے پر اور قافلہ نیچے اتر گیا تم سے!

یعنی مسلمان قریب کے میدان میں مدینے کی طرف کو اترے اور کفار پہلے ناکے پر مکہ کی طرف اترے۔ اور قافلہ مسلمانوں سے نیچے کی طرف ساحل سمندر کے قریب تھا!

[2] سیرت ابن ہشام۔ مگر صحیح مسلم میں ایک غلام کا ذکر ہے۔ بظاہر حدیث مسلم کے راوی نے ایک ہی کے ذکر پر اقتصار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ ۱۲

حضرت حباب بن منذر نے عرض کیا: "یارسول اللہ! جہاں آپ ہیں، وہ اچھی جگہ نہیں۔ آپ ہمیں اس کوئیں پر لے چلیں۔ جو قریش کے سب سے نزدیک ہو۔ میں بدر سے اور اس کے کوؤں سے واقف ہوں۔ وہاں ایک میٹھے پانی کا کنواں ہے۔ جس کا پانی ختم نہیں ہوتا۔ ہم اس پر ایک حوض بنالیں گے۔ اس میں سے پئیں گے، اور جنگ کریں گے۔ اور باقی کوؤں کو بند کردیں گے۔ تاکہ کفار کو پانی نہ ملے۔"

حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا کہ حباب کی رائے درست ہے۔ علاوہ ازیں جہاں مسلمان اُترے ہوئے تھے۔ وہ نرم ریتلی زمین تھی۔ جس میں آدمیوں کے پاؤں اور چوپایوں کے کُھر اور سُم دھنستے تھے۔ اور جہاں کفار ٹھہرے ہوئے تھے۔ انہوں نے وہاں کوئیں کھود لئے تھے۔ اور پانی جمع کر لیا تھا۔ مسلمانوں میں سے بعض کو غسل وجنابت اور بعض کو وضو کی حاجت تھی۔ اور پیاسے تھے۔ پانی نہ ملتا تھا۔ پس شیطان نے ان کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈالا۔ کہ تمہارا گمان ہے۔ کہ ہم حق پر ہیں۔ پیغمبر ہمارے درمیان ہیں۔ اور ہم اللہ کے پیارے ہیں۔ حالانکہ مشرکین پانی پر قابض ہیں۔ اور تم جنب اور محدث ہونے کی حالت میں نمازیں پڑھتے ہو۔ پھر تمہیں کس طرح اُمید ہوسکتی ہے۔ کہ تم ان پر غالب آجاؤ گے۔ ایسی حالت میں اللہ تعالےٰ نے اُن پر نیند[1] طاری کردی۔ جس سے اُن کا رنج وتعب دور ہوگیا۔ اور مینہ برسادیا۔ جس سے انہوں نے پیا۔ غسل کیا۔ اپنے چوپایوں کو پلایا۔ اور مشکیں بھرلیں۔ اور ریت سخت ہوگئی۔ جس پر چلنا آسان ہوگیا۔ اور کفار کی زمین کیچڑ ہوگئی۔ جس پر چلنا دشوار ہوگیا۔ اس طرح وسوسۂ شیطان جاتا رہا۔ اور اطمینان حاصل ہوگیا۔

غرض حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب وہاں سے چل کر کفار سے پہلے آب بدر پر پہنچ گئے۔ اور قریش کے سب سے قریب کوئیں پر اُترے۔ اور اس پر حوض بنا کر پانی سے بھرلیا۔ اور دوسرے کوؤں کو بند کردیا۔ پھر حضور اقدس کے لئے اونچی جگہ پر ایک عریش (کھجور کی شاخوں کا سائبان) بنایا گیا۔ اور حضرت بذات خود معرکہ کی جگہ پر تشریف لے گئے۔ اور دست مبارک کے اشارے سے فرماتے تھے۔ کہ یہ فلاں کافر کے مارا جانے کی جگہ ہے۔ اور یہ فلاں کافر کے قتل ہونے کی جگہ ہے۔ جیساکہ حضور نے فرمایا تھا۔ لڑائی میں

---

[1] قرآن مجید میں ہے:-

اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَۃً مِّنْهُ وَیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَکُمْ بِهٖ وَیُذْهِبَ عَنْکُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ وَلِیَرْبِطَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ وَیُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ	اور جس وقت ڈال دی تم پر اونگھ اپنی طرف سے تسکین کو۔ اور اُتارا تم پر آسمان سے پانی کہ اس سے تم کو پاک کرے۔ اور دور کرے تم سے شیطان کی نجاست اور محکم کردے تمہارے دلوں پر۔ اور ثابت کرے اس کے سبب تمہارے قدم

ویساہی وقوع میں آیا اُن میں سے کسی نے بھی اشارے کی جگہ سے سرِ مُو تجاوز نہ کیا۔ یہ سب کچھ جمعہ کی رات بتاریخ ۱۷۔ ماہ رمضان المبارک واقع ہوا۔ کفار کیچڑ کے سبب سے اپنی جگہ سے آگے نہ بڑھ سکے۔ حضرت مع صدیق اکبر عریش میں داخل ہوئے۔ یارِ غار یہاں بھی عریش کے اندر اپنے آقائے نامدار کی حفاظت کے لئے شمشیر برہنہ[۱] علم کئے ہوئے تھا۔ اور دروازے پر حضرت سعد بن معاذ تلوار آڑے لٹکائے پہرہ دے رہے تھے:

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم تمام رات بیدار اور مصروف دعا رہے۔ صبح ہوئی۔ تو لوگوں کو نماز کے لئے آواز دی۔ اور نماز سے فارغ ہو کر جہاد پر وعظ[۲] فرمایا۔ پھر آپ صف آرائی میں مشغول ہوئے۔ آپ کے دست مبارک میں ایک تیر کی لکڑی تھی جس سے کسی کو آپ اشارہ فرماتے کہ آگے ہو جاؤ اور کسی سے ارشاد فرماتے تھے کہ پیچھے ہو جاؤ۔ چنانچہ حضرت سواد[۳] بن غزیہ انصاری جو صف سے آگے نکلے ہوئے تھے۔ حضور اقدس نے اس لکڑی سے ان کا پیٹ ٹھوکا دیا اور فرمایا۔ استویا سواد (اے سواد برابر ہو جاؤ) حضرت سواد نے عرض کی۔ یا رسول اللہ آپ نے مجھے ضرب شدید لگائی ہے۔ حالانکہ آپ کو اللہ تعالےٰ نے حق و انصاف کے ساتھ بھیجا ہے۔ آپ مجھے قصاص دیں۔ یہ سن کر حضور نے اپنا شکم مبارک ننگا کر دیا۔ اور فرمایا۔ اپنا قصاص لے لو۔ اس پر حضرت سواد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے گلے لپٹ گئے۔ اور آپ کے شکم مبارک کو بوسہ دیا۔ حضور نے پوچھا۔ اے سواد۔ تو نے ایسا کیوں کیا؟ حضرت سواد نے عرض کی: "یا رسول اللہ موت حاضر ہے۔ مَیں نے چاہا۔ کہ آخر عمر میں میرا بدن آپ کے بدن اطہر سے مس کر جائے۔" یہ سُن کر آپ نے اُس کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ اور اُسے معاف کر دیا۔ اسی اثنا میں مشرکین بھی نمودار ہوئے۔ حضور اقدس نے ان کی تعداد کثیر دیکھ کر یوں دعا فرمائی۔ "یا اللہ! یہ قریش فخر و تکبر کرتے آ پہنچے ہیں۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ تیرے ساتھ جنگ کریں اور تیرے رسول کو جھٹلائیں۔ اے خدا مَیں اُس نصرت کا منتظر ہوں جس کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہوا ہے۔"

---

[۱] صواعق محرقہ لابن حجر المکی بحوالہ مسند بزار۔ ص

[۲] منتخب کنز الاعمال بروایت ابن عساکر

[۳] سیرت ابن ہشام۔ غزوۂ بدر۔ بروایت ابن اسحاق۔

جب ہر دو فریق صف آرائی کر چکے۔ تو قریش نے عمیر بن وہب جمحی کو لشکرِ اسلام کی تعداد معلوم کرنے بھیجا۔ وہ لشکرِ اسلام میں آیا۔ اور دیکھ بھال کے بعد واپس جا کر کہنے لگا۔ "مسلمان[1] کم و بیش تین سو ہیں۔ اور ان کے ساتھ ستر اونٹ اور دو گھوڑے ہیں۔ اے گروہِ قریش میں نے دیکھا۔ کہ ان کے اونٹوں کے پالان موتوں کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ یثرب کے آب کش اونٹ زہر قاتل سے لدے ہوئے ہیں۔ ان کو اپنی تلواروں کے سوا اور کوئی پناہ نہیں۔ وہ گونگے ہیں۔ کلام نہیں کر سکتے۔ اور سانپوں کی طرح زبانیں منہ سے نکالتے ہیں۔ اللہ کی قسم۔ میری رائے میں ان میں سے ایک شخص بھی قتل نہیں ہو سکتا۔ تاوقتیکہ تم میں سے ایک کو قتل نہ کرے۔ پس جب وہ تم میں سے اپنی تعداد کے برابر قتل کر دیں گے۔ تو اس کے بعد تمہارا جینا کیسا ہو گا۔ اس لئے تم آپس میں مشورہ کر لو۔" جب حکیم بن حزام نے یہ سنا۔ تو عتبہ بن ربیعہ کے پاس گیا۔ اور اُس سے کہا۔ اے ابوالولید! تو قریش کا سردار ہے۔ کیا تو چاہتا ہے کہ آخر زمانے تک دنیا میں تیرا ذکر خیر رہے؟ وہ بولا۔ پھر میں کیا کروں؟ حکیم نے کہا لوگوں کو واپس لے جا اور اپنے حلیف عمرو بن حضرمی کا خوں بہا ادا کر دے۔ عتبہ نے کہا۔ بے شک وہ میرا حلیف تھا۔ اُس کا خوں بہا اور اُس کا نقصان مال جو ہوا۔ وہ سب میرے ذمہ ہے۔ تو ابن الحنظلیہ (ابو جہل) کے پاس جا۔ کیونکہ وہی ہے جس کی طرف سے مجھے اندیشہ ہے۔ کہ لوگوں میں لڑائی کرا دے۔ پھر عتبہ نے کھڑے ہو کر یوں تقریر کی۔ "اے گروہِ قریش! تمہیں محمدؐ اور اس کے اصحاب کے ساتھ لڑنے سے کچھ فائدہ نہیں۔ خدا کی قسم۔ اگر تم محمدؐ کو قتل کرو گے۔ تو تم میں سے ہر ایک کو اُن میں اپنے چچیرے بھائی کے قاتل یا ماموں زاد بھائی کے قاتل یا اپنے خاندان کے کسی شخص کے قاتل کا منہ ہر وقت دیکھنا پڑیگا۔ اس لئے لَوٹ چلو۔ اور محمدؐ اور باقی عرب کو خود آپس میں سمجھ لینے دو۔" حکیم مذکور کا بیان ہے۔ کہ میں ابو جہل کے پاس گیا۔ کیا دیکھتا ہوں۔ کہ ابو جہل نے زرہ دان میں سے اپنی زرہ نکالی ہوئی ہے۔ اسے زیتوں کے تیل کی چِکنک مل رہا ہے۔ میں نے کہا۔ اے ابوالحکم! عتبہ نے مجھے ایسا ایسا کہہ کر تیرے پاس بھیجا ہے۔ ابو جہل نے کہا۔ "خدا[2] کی قسم! محمدؐ اور اُس کے اصحاب کو دیکھ کر اس کا سینہ پھول گیا ہے (یعنی بزدل ہو گیا ہے) خدا کی قسم ہم ہرگز واپس نہ ہوں گے یہانتک کہ اللہ ہمارے اور محمدؐ کے

---

[1] طبقات ابن سعد غزوہ بدر۔

[2] طبقات ابن سعد غزوہ بدر۔

درمیان فیصلہ کردے۔ عتبہ بزدل تو نہیں ہے۔ مگر اس نے دیکھا کہ محمدؐ اور اس کے اصحاب چند اونٹوں کا گوشت کھانے والے ہیں۔ اور ان میں اس کا بیٹا ابوحذیفہ ہے۔ اس کے بارے میں وہ تم سے ڈر گیا ہے۔" پھر ابوجہل نے عامر بن حضرمی کو کہلا بھیجا کہ تیرا حلیف عتبہ چاہتا ہے۔ کہ لوگوں کو ہٹا لے جاوے۔ اور تو قصاص چاہتا ہے اس لئے اُٹھ۔ اور اپنے بھائی کا قصاص اور عہد و پیمان یاد دلا۔ اس پر عامر مذکور اُٹھا اور اپنے چوتڑ ننگے کر کے چلّایا واعمراہ واعمراہ۔ یہ دیکھ کر لوگوں کی رائے بدل گئی۔ جب عتبہ کو معلوم ہوا۔ کہ ابوجہل نے اُس کی نسبت یہ الفاظ (اللہ کی قسم اس کا سینہ پھول گیا ہے) کہے ہیں۔ تو بولا "وہ حلقۂ دُبر[1] زرد کئے ہوئے جلدی جان لے گا۔ کہ کس کا سینہ پھول گیا ہے۔ میرا یا اُس کا۔" یہ کہہ کر عتبہ نے اپنے سر کے لئے خود طلب کی۔ مگر اس کی کھوپری اتنی بڑی تھی کہ تمام لشکر میں ایسی خود نہ ملی۔ جو اس کے سر پر ٹھیک آجائے۔ اس لئے اُس نے چادر سے اپنا سر ڈھانپ لیا۔ اس طرح قریش آمادۂ جنگ ہو گئے۔ عتبہ نے عمیر بن وہب سے کہا۔ کہ جنگ کرو۔ اس لئے وہ سو سوار لے کر حملہ آور ہوا۔ مسلمان اپنی صف پر قائم رہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا۔ کہ میری اجازت کے بغیر لڑائی نہ کرنا۔ اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر نیند[2] طاری ہو گئی۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! قریش ہم پر آ پڑے ہیں۔ حضور بیدار ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس خواب میں قریش تھوڑے[3] دکھائے۔ اگر بہت دکھاتا تو مسلمان تعداد کثیر کا نام سُن کر ڈر جاتے۔ اللہ تعالیٰ کے اس انعام کو دیکھئے۔ کہ میدان جنگ میں التحام حرب سے پہلے مسلمانوں کو کفار تھوڑے[4] دکھائے تاکہ وہ جنگ پر اقدام کریں۔ اور کفار کو مسلمان

---

[1] ابوجہل لعین کے حلقۂ دُبر پر ایک برص کا داغ تھا جسے وہ زعفران لگا کر زرد رکھا کرتا تھا۔ سیرت ابن ہشام۔

[2] درمنثور للسیوطی بحوالہ دلائل بیہقی۔ جزء ثالث۔ صفحہ ۱۶۷۔

[3] قرآن کریم میں ہے:۔

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ (انفال ع ۵)	جب اللہ نے اُن کو دکھایا تیرے خواب میں تھوڑے۔ اگر وہ تجھ کو بہت دکھاتا۔ تو تم لوگ نامردی کرتے اور جھگڑا ڈالتے کام میں۔ لیکن اللہ نے بچا لیا۔ اُس کو معلوم ہے جو بات ہے دلوں میں۔

[4] قرآن مجید میں ہے:۔

وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۗ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ (انفال۔ ع ۵)	اور جب تم کو دکھائی وہ فوج وقت ملاقات کے تمہاری آنکھوں میں تھوڑی۔ اور تم کو تھوڑا دکھایا اُن کی آنکھوں میں۔ تاکہ کر ڈالے اللہ ایک کام جو ہو چکا تھا۔ اور اللہ تک پہنچ ہے ہر کام کی۔

تھوڑے دکھائے جس سے انہوں نے لڑنے میں بہت کوشش نہ کی۔

مسلمانوں میں سے جو سب سے پہلے لڑائی کے لئے نکلا۔ وہ حضرت عمر فاروق کا آزاد کردہ غلام مہجع نام تھا۔ جسے عامر بن حضرمی نے تیر سے شہید کیا۔ وہ مسلمانوں میں پہلا قتیل تھا۔ پھر انصار میں سے حضرت حارثہ بن سراقہ شہید ہوئے۔ بعدازاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ترغیب دی۔ اور فرمایا[۱]" بہشت کی طرف اُٹھو جس کا عرض آسمان وزمین ہے" یہ سُن کر حضرت عمیر بن حمام انصاری بولے" یارسول اللہ! بہشت جس کا عرض آسمان وزمین ہے؟" آپ نے فرمایا۔ ہاں تب حضرت عمیر نے کہا۔ واہ وا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تونے واہ واکیوں کہا حضرت عمیر نے عرض کیا" یارسول اللہ! فقط اس توقع پر کہ مَیں اہل بہشت میں سے ہو جاؤں" آپ نے فرمایا۔ "تب تو بے شک اہل بہشت میں سے ہے" اس پر حضرت عمیر نے اپنی ترکش سے چھوارے نکال کر کھانے شروع کئے۔ پھر کہنے لگے" اگر مَیں زندہ رہوں یہانتک کہ یہ چھوارے کھاؤں۔ تو البتہ یہ لمبی زندگی ہے" یہ کہہ کر حضرت عمیر نے چھوارے جو پاس تھے پھینک دیئے۔ پھر جہاد کیا یہانتک کہ شہید ہوگئے۔ دوسری جانب صف اعداء میں سے اسود بن عبد الاسد مخزومی جو بدخلق تھا آگے بڑھا اور کہنے لگا" میں اللہ سے عہد کرتا ہوں۔ کہ مسلمانوں کے حوض میں سے پانی پیوں گا یا اُسے ویران کردوں گا۔ یا اُس سے ورے مرجاؤں گا" ادھر سے حضرت حمزہ بن عبد المطلب نکلے۔ اسود حوض تک پہنچنے نہ پایا۔ کہ حضرت حمزہ نے اس کا پاؤں نصف ساق تک کاٹ دیا۔ اور وہ پیٹھ کے بل گر پڑا۔ پھر وہ حوض کے قریب پہنچا۔ یہانتک کہ اُس میں گر پڑا تاکہ اُس کی قسم پوری ہو جائے حضرت حمزہ نے اس کا تعاقب کیا اور حوض ہی میں اس کا کام تمام کر دیا۔ بعدازاں شیبہ بن ربیعہ اور عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن ربیعہ نکلے۔ مشرکین نے چلا کر کہا" اے محمدؐ! ہماری طرف اپنی قوم میں سے ہمارے جوڑ کے آدمی بھیجئے" یہ سن کر حضور نے فرمایا" اے بنی ہاشم! اُٹھو۔ اور اس حق کی حمایت میں لڑو۔ جس کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے تمہارے نبی کو بھیجا ہے۔ کیونکہ وہ باطل لائے ہیں۔ تاکہ اللہ کے نور کو بجھادیں" پس حضرت حمزہ (جن کے سینہ مبارک پر بطور نشان شتر مرغ کا پر تھا) اور علی بن ابی طالب اور عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف دشمن کی طرف بڑھے۔ اور اُن کے سروں پر خود تھے۔

---

[۱] صحیح مسلم۔ کتاب الجہاد۔ باب سقوط فرض الجہاد عن المعذورین۔

عتبہ نے کہا۔" تم بولو۔ تاکہ ہم پہچان لیں"! حضرت حمزہ نے کہا۔" میں حمزہ بن عبد المطلب شیر خدا اور شیر رسول ہوں"۔ عتبہ بولا۔" یہ اچھا جوڑ ہے۔ میں حلیفوں کا شیر ہوں"۔ پھر اُس نے اپنے بیٹے سے کہا ولید! اُٹھ۔ پس حضرت علی کرم اللہ وجہہ ولید[1] کی طرف بڑھے۔ اور ایک نے دوسرے پر وار کیا۔ مگر حضرت علی نے اُس کو قتل کر دیا۔ پھر عتبہ اُٹھا حضرت حمزہ اُس کی طرف بڑھے اور اسے قتل کر دیا۔ پھر شیبہ اُٹھا حضرت عبیدہ جو اصحاب میں سے عمر میں سب سے بڑے تھے۔ اُس کی طرف بڑھے۔ شیبہ نے تلوار کی دھار حضرت عبیدہ کے پاؤں پر ماری۔ جو پنڈلی کے گوشت پر لگی۔ اور اُسے کاٹ دیا۔ پھر حضرت[2] حمزہ اور حضرت علی شیبہ پر حملہ آور ہوئے۔ اور اُسے قتل کر دیا۔ اور حضرت عبیدہ کو اُٹھا کر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ حضرت عبیدہ نے عرض کیا۔" یا رسول اللہ! کیا میں شہید نہیں؟" حضور نے فرمایا۔ ہاں۔ پھر حضرت عبیدہ نے کہا۔ اگر ابو طالب اس حالت میں مجھے دیکھتا۔ تو مان جاتا کہ میں اس کی نسبت شعر ذیل کا زیادہ مستحق ہوں ؎

ونسلمہ حتیٰ نصرع حولہ	ہم محمد کو حوالہ نہ کریں گے یہانتک کہ اُن کے گرد لڑ کر مر جائیں
ونذھل عن ابنائنا والحلائل	اور اپنے بیٹوں اور بیویوں سے بھلا دئے جائیں۔

یہ سب کچھ ہر دو فوج کے اجتماعی حملہ سے پہلے وقوع میں آیا۔ پھر دونوں فوجیں مقابلہ کے لئے نزدیک ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تاکید فرمادی۔ کہ میرے حکم کے بغیر حملہ نہ کرو۔ اگر دشمن تمہیں آگھیرے۔ تو تیروں سے اُسے دُور رکھو۔ اہل اسلام نے جب جنگ سے چارہ نہ دیکھا۔ تو اپنی تعداد کی کمی اور دشمن کی کثرت دیکھ کر خدا سے دعا کرنے لگے۔ حضرت بھی صفیں درست کرنے کے بعد عریش میں تشریف لے آئے۔ عریش میں بجز یار غار آپ کے ساتھ کوئی نہ تھا۔ اِس وقت حضور انور نے قبلہ رو ہو کر یوں دست بدعا ہوئے۔" یا اللہ[3]! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے۔ اُسے پورا کر۔ یا اللہ! تو نے

---

[1] ابن سعد نے اس قول کو ثبت کہا ہے۔ مگر سنن ابی داؤد میں بروایت حضرت علی وارد ہے۔ کہ حضرت عبیدہ اور ولید میں مقابلہ ہوا۔ اور حضرت علی کا مقابلہ شیبہ سے ہوا۔

[2] ان چھ (حضرت حمزہ۔ حضرت علی۔ حضرت عبیدہ بن حارث۔ عتبہ۔ شیبہ۔ ولید بن عتبہ) کے بارے میں سورہ حج کی یہ آیت نازل ہوئی۔ ھٰذان خصمٰن اختصموا فی ربھم (صحیح بخاری۔ تفسیر سورۂ حج)۔

[3] اللّٰھمّ انجزلی ما وعدتنی اَللّٰھمّ اٰت ما وعدتنی اللّٰھمّ انك ان تھلك ھذہ العصابۃ من اھل الاسلام لا تعبد فی الارض (صحیح مسلم باب الامداد بالملائکۃ فی غزوۃ بدر واباحۃ الغنائم)

جو کچھ مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ وہ عطا کر۔ یا اللہ اگر تو مسلمانوں کا یہ گروہ ہلاک کر دے گا۔ تو روئے زمین پر تیری عبادت نہ کی جائے گی۔" حضور نے دعا میں اتنا الحاح کیا۔ کہ چادر شانہ مبارک سے گر پڑی۔ حضرت صدیق اکبر نے چادر اُٹھا کر شانہ مبارک پر ڈال دی۔ پھر آپ کا دست مبارک پکڑ لیا۔ اور عرض کیا۔" یا نبی اللہ! آپ کو اپنے پروردگار سے اتنی ہی درخواست کافی ہے[1]۔ جو اُس نے آپ سے وعدہ کیا ہے۔ وہ جلدی پورا کر دے گا۔" عریش ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غنودگی طاری ہوئی جب بیدار ہوئے۔ تو فرمایا۔ ابو بکر! بشارت ہو۔ اللہ کی نصرت آ پہنچی۔ حضرت جبرئیل گھوڑے پر سوار باگ پکڑے آرہے ہیں۔ اور اُن کے دندان پیشین پر غبار ہے۔ اس انعام کو اللہ تعالیٰ یوں بیان فرماتا ہے:۔

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ

جب تم لگے فریاد کرنے اپنے رب سے۔ تو پہنچا تمہاری پکار کو کہ میں تمہاری مدد بھیجوں گا ہزار فرشتے لگاتار آنے والے۔

پہلے ہزار فرشتے آئے۔ پھر تین[2] ہزار ہو گئے۔ بعد ازاں بصورت صبر و تقویٰ پانچ ہزار ہو گئے۔ شیطان جو بصورت سراقہ کفار کے ساتھ تھا جب یہ آسمانی مدد دیکھی۔ تو اپنی جان کے ڈر سے بھاگ گیا[3]

---

[1] امام خطابی فرماتے ہیں۔ کہ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ حضرت صدیق اکبر کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اس حالت میں وعدہ الٰہی پر زیادہ اعتماد تھا۔ کیونکہ یہ قطعاً ناجائز ہے۔ بلکہ حضور نے اپنے اصحاب پر شفقت اور ان کے دلوں کی تقویت کے لئے ایسا کیا۔ اس لئے کہ یہ دشمن کے ساتھ پہلا مقابلہ تھا۔ لہٰذا دعا میں الحاح فرمایا۔ کہ ان کے دل کو تسکین حاصل ہو۔ کیونکہ اُن کو معلوم تھا۔ کہ حضور کا وسیلہ مقبول اور آپ کی دعا مستجاب ہے پس حضرت صدیق اکبر کو قوت و طمانینت قلبی سے معلوم ہو گیا۔ کہ حضور کی دعا قبول ہو گئی۔ تو انہوں نے عرض کی کہ بس یہ کافی ہے۔ عینی شرح بخاری۔

[2] قرآن کریم میں ہے:۔

إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَن يَكْفِيَكُمْ أَن يُمِدَّكُمْ رَبُّكُم بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنزَلِينَ ۝ بَلَىٰ إِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُم بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ۔ (آل عمران۔ ع۱۳)

جب تو کہنے لگا مسلمانوں کو۔ کیا تم کو کفایت نہیں کہ تمہاری مدد بھیجے رب تمہارا تین ہزار فرشتے آسمان سے اترے۔ البتہ اگر تم ٹھیرے رہو اور پرہیزگاری کرو تم۔ اور وہ آویں تم پر اسی دم تو مدد بھیجے رب تمہارا پانچ ہزار فرشتے پلے ہوئے گھوڑوں پر۔

[3] چنانچہ قرآن مجید میں ہے:۔

فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ نَكَصَ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ ۚ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ (انفال۔ ع)

پس جب سامنے ہوئیں دو فوجیں۔ اُلٹا پھرا اپنی ایڑیوں پر۔ اور بولا میں تمہارے ساتھ نہیں۔ میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ میں ڈرتا ہوں اللہ سے اور اللہ کا عذاب سخت ہے۔

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک کنکریوں کی مٹھی لے کر کفار کی طرف پھینک[1] دی کوئی مشرک ایسا نہ تھا جس کی آنکھ میں کنکریاں نہ ہوں۔ اب حضور نے حملہ اجتماعی کا حکم دیا۔ گھمسان کے معرکہ کے وقت اللہ تعالیٰ نے کفار کو مسلمان اپنے سے دو چند[2] دکھائے۔ جس سے ان پر رعب طاری ہو گیا۔ قتل کا بازار گرم ہوا۔ فرشتے نظر نہ آتے تھے۔ مگر ان کے افعال نمایاں تھے۔ کہیں کسی مشرک کے منہ اور ناک پر کوڑے کی ضرب کا نشان پایا جاتا۔ کہیں بے تلوار سر کٹتا نظر آتا۔ کہیں آواز آتی۔ اقدم[3] حیزوم۔ آخر کفار کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ نکلے۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عریش سے ننگی تلوار علم کئے یہ پکارتے ہوئے نکلے۔ سَیُھْزَمُ[4] الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ (قمرع)

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے ارشاد فرمایا[5] تھا۔ کہ "مجھے معلوم ہے۔ کہ بنو ہاشم وغیرہ میں سے چند لوگ بجبر و اکراہ کفار کے ساتھ شامل ہو کر یہاں آئے ہیں۔ جو ہم سے لڑنا نہیں چاہتے۔ اگر ان میں سے کوئی تمہارے مقابل آجائے۔ تو تم اُسے قتل نہ کرو"

حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے نام بھی بتا دئے تھے۔ از انجملہ ابو البختری عاص بن ہشام تھا۔ جو مکہ میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کی اذیت نہ دیا کرتا تھا۔ ابو البختری کے ساتھ جنادہ بن ملیحہ بھی اس کا ردیف تھا۔ مجذر بن زیاد کی نظر جو ابو البختری پر پڑی۔ تو کہا کہ "رسول اللہ

---

[1] اسی کی نسبت قرآن مجید میں وارد ہے۔

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی (انفال ع) | اور تو نے نہیں پھینکی تھی مٹھی خاک جس وقت پھینکی تھی لیکن اللہ نے پھینکی

[2] چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔

قَدْ کَانَ لَکُمْ اٰیَۃٌ فِیْ فِئَتَیْنِ الْتَقَتَا فِئَۃٌ تُقَاتِلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَاُخْرٰی کَافِرَۃٌ یَّرَوْنَھُمْ مِّثْلَیْھِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ وَاللّٰہُ یُؤَیِّدُ بِنَصْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ (آل عمران ع) | ابھی ہو چکا ہے تم کو ایک نمونہ دو فوجوں میں جو بھڑی تھیں ایک فوج ہے جو لڑتی ہے اللہ کی راہ میں اور دوسری منکر ہے۔ دیکھتے تھے وہ کافر مسلمانوں کو اپنے دو برابر صریح آنکھوں سے۔ اور اللہ زور دیتا ہے اپنی مدد کا جس کو چاہے اس میں عبرت ہے آنکھ والوں کے لئے

[3] حیزوم حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کا نام ہے۔ یعنی اے حیزوم آگے بڑھو۔

[4] ترجمہ۔ شتاب شکست کھاوے گی جماعت اور بھاگیں گے پیٹھ دے کر انتہی۔ اس آیت میں نبوت کا ایک نشان ہے۔ کیونکہ یہ مکہ مشرفہ میں نازل ہوئی۔ جس میں پہلے یہ بتایا گیا تھا کہ کفار کو ہزیمت ہوگی!

[5] سیرت ابن ہشام۔ غزوہ بدر۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تیرے قتل سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے تجھے چھوڑتا ہوں۔" ابو البختری نے کہا۔ میرے رفیق کو بھی۔ مجذر نے کہا۔" اللہ کی قسم! ہم تیرے رفیق کو نہیں چھوڑنے کے ہمیں رسول اللہ نے فقط تیرے چھوڑنے کا حکم دیا ہے۔" ابو البختری نے کہا۔" تب اللہ کی قسم مَیں اور وہ دونوں جان دیں گے۔ میں مکہ کی عورتوں کا یہ طعن نہیں سُن سکتا۔ کہ ابو البختری نے اپنی جان بچانے کے لئے اپنے رفیق کا ساتھ چھوڑ دیا۔" جب مجذر نے حملہ کیا۔ تو ابو البختری بھی یہ رجز پڑھتا ہوا حملہ آور ہوا اور مارا گیا۔ ے

لن یسلم ابن حرۃ زمیلہ	شریف زادہ اپنے رفیق کو نہیں چھوڑ سکتا۔
حتّی یموت اویری سبیلہ	جب تک مر نہ جائے۔ یا اپنے رفیق کے بچاؤ کی راہ نہ دیکھ لے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بڑا دشمن امیہ بن خلف بھی جنگ بدر میں شریک تھا۔ اور اس کے ساتھ اس کا بیٹا بھی تھا۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالٰے عنہ پہلے اسی امیہ کے غلام تھے۔ امیہ ان کو اذیت دیا کرتا تھا۔ تاکہ اسلام چھوڑ دیں۔ مکہ کی گرم ریت میں پیٹھ کے بل لٹا کر ایک بھاری پتھر ان کے سینہ پر رکھ دیا کرتا تھا۔ پھر کہا کرتا تھا۔ تمہیں یہ حالت پسند ہے یا ترک اسلام؟ حضرت بلال رضؓ اس حال میں بھی احد احد پکارا کرتے تھے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے کسی زمانہ میں مکہ میں امیہ سے معاہدہ کیا تھا، کہ وہ مدینہ میں آئے گا۔ تو یہ اُس کی جان کے ضامن ہوں گے۔ عہد کی پابندی کو ملحوظ رکھ کر حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے چاہا۔ کہ وہ میدان جنگ سے بچ کر نکل جائے اس لئے اُس کو اور اس کے بیٹے کو لے کر ایک پہاڑ پر چڑھے۔ اتفاق یہ کہ حضرت بلال نے دیکھ لیا۔ اور انصار کو خبر کر دی۔ لوگ دفعتہً ٹوٹ پڑے۔ حضرت عبد الرحمٰن نے امیہ کے بیٹے کو آگے کر دیا۔ لوگوں نے اُسے قتل کر دیا۔ لیکن اس پر بھی قناعت نہ کی۔ اور امیہ کی طرف بڑھے۔ امیہ چونکہ جسیم و ثقیل تھا۔ اس لئے حضرت عبد الرحمٰن نے کہا۔ تم زمین پر لیٹ جاؤ۔ وہ لیٹ گیا۔ تو آپ اُس پر چھا گئے تاکہ لوگ اس کو مارنے نہ پائیں۔ مگر لوگوں نے حضرت عبد الرحمٰن کی ٹانگوں کے اندر سے ہاتھ ڈال کر اُس کو قتل کر دیا۔ حضرت عبد الرحمٰن کی بھی ایک ٹانگ زخمی ہوئی۔ اور زخم کا نشان مدتوں باقی رہا۔ [1] جب میدان کارزار سرد ہو گیا۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایسا کون ہے۔ جو

---

[1] صحیح بخاری کتاب الوکالۃ۔

ابوجہل کی خبر لائے۔ یہ سُن کر حضرت عبداللہ بن مسعود گئے۔ اور اُسے اس حال میں پایا۔ کہ عفراء کے بیٹوں معاذ اور معوذ نے اُسے ضرب شمشیر سے گرایا ہوا تھا۔ اور اس میں ابھی رمق حیات باقی تھا حضرت ابن مسعود اُس لعین کے سینے پر بیٹھ گئے۔ اور اُس کی ناپاک ڈاڑھی کو پکڑ کر کہا۔ کیا تو ابوجہل ہے؟ بتا آج تجھے اللہ نے رسوا کیا؟ اُس لعین نے جواب دیا "رسوا کیا کیا؟ تمہارا مجھے قتل کرنا اس سے زیادہ[1] نہیں، کہ ایک شخص کو اُس کی قوم نے قتل کر ڈالا۔ کاش مجھے کسان کے سوا اور کوئی قتل کرتا۔" اس جواب میں اس لعین کا تکبر اور انصار کی تحقیر پائی جاتی ہے۔ کیونکہ حضرت معاذ اور معوذ انصار میں سے تھے۔ اور انصار کھیتی باڑی کا کام کیا کرتے تھے۔ پھر حضرت ابن مسعود نے اس لعین کا کام تمام کر دیا۔ اور یہ خبر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لائے۔ حضور نے یہ سُن کر تین بار اللہ الذی لا الٰہ الا ھو پڑھا اور چوتھی بار یوں فرمایا اللہ اکبر الحمد للہ الذی صدق وعدہٗ ونصر الاحزاب وحدہٗ۔ پھر آپ حضرت ابن مسعودؓ کو ساتھ لے کر اس لعین کی لاش کے پاس تشریف لے گئے۔ اور دیکھ کر فرمایا "یہ اِس اُمت کا فرعون ہے۔"

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جنگ سے فارغ ہو کر حضرت زید بن حارثہ کو اس فتح کی خوشخبری دینے کے لئے مدینہ میں بھیجا۔ اور اسی غرض کے لئے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو اہل عالیہ (مدینہ کی بالائی آبادی) کی طرف بھیجا۔ جب حضرت زید مدینہ میں پہنچے۔ تو بقیع میں حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کر رہے تھے۔

اس جنگ میں مسلمانوں میں سے صرف چودہ شہید ہوئے جن کے اسمائے مبارک یہ ہیں۔ حضرت عبیدہ بن حارث بن مطلب بن عبد مناف۔ حضرت عمیر بن ابی وقاص۔ حضرت ذو الشمالین عمیر بن عبد عمرو بن نضلہ۔ حضرت عاقل بن ابی بکیر۔ حضرت مہجع مولے عمر بن الخطاب۔ حضرت صفوان بن بیضاء (یہ چھ مہاجرین میں سے ہیں) حضرت سعد بن خیثمہ۔ حضرت مبشر بن عبد المنذر۔ حضرت حارثہ بن سراقہ۔ حضرت عوف و معوذ پسران عفراء۔ حضرت عمیر بن حمام۔ حضرت رافع بن معلےٰ۔ حضرت یزید بن حارث بن فسحم (یہ آٹھ انصار میں سے ہیں) رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ مشرکین میں سے

---

[1] اُس لعین کا مطلب یہ تھا۔ کہ تمہارا مجھے قتل کرنا ایسا ہے۔ جیسا کہ ایک شخص کو اُس کی قوم قتل کر دے۔ پس اس میں نہ تمہیں کوئی فخر اور نہ مجھے کوئی عار ہے۔

ستر مقتول اور ستر گرفتار ہوئے۔ منجملہ مقتولین یہ ہیں۔ شیبہ بن ربیعہ۔ عتبہ بن ربیعہ۔ ولید بن عتبہ۔ عاص بن سعید بن عاص۔ ابو جہل بن ہشام۔ ابوالبختری۔ حنظلہ بن ابی سفیان بن حرب۔ حارث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف۔ طعیمہ بن عدی۔ زمعہ بن اسود بن مطلب۔ نوفل بن خویلد۔ عاص بن ہشام بن مغیرہ جو حضرت عمر فاروق اعظم کا ماموں تھا۔ امیہ بن خلف۔ علی بن امیہ بن خلف۔ منبہ بن حجاج۔ معبد بن وہب۔ اور منجملہ اسیران یہ ہیں۔ نوفل بن حارث بن عبد المطلب۔ عباس بن عبد المطلب۔ عقیل بن ابی طالب۔ ابو العاص بن ربیع۔ عدی بن خیار۔ ابو عزیز بن عمیر۔ ولید بن ولید بن مغیرہ۔ عبد اللہ بن ابی بن خلف۔ ابو عزہ عمرو بن عبد اللہ جمحی شاعر۔ وہب بن عمیر بن وہب جمحی۔ ابو وداعہ بن ضبیرہ سہمی۔ سہیل بن عمرو عامری؛

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مشرکین مقتولین میں سے چوبیس رؤسا کی لاشیں ایک گڑھے میں ڈال دی گئیں جس میں مردار پھینکا کرتے تھے۔ امیہ بن خلف جو زرہ میں پھول گیا تھا۔ اُس پر جہاں وہ پڑا تھا۔ وہیں مٹی ڈال دی گئی۔ اور باقی لاشوں کو اور جگہ پھینک دیا گیا؛

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف تھی۔ کہ جب دشمن پر فتح پاتے۔ تو تین دن میدان جنگ میں قیام فرماتے۔ چنانچہ بدر میں بھی تیسرے روز سوار ہو کر مقتولین کے گڑھے پر تشریف لے گئے۔ اور اُن سے یوں خطاب[۱] فرمایا۔" اے بیٹے فلاں کے۔ اے فلاں بیٹے فلاں کے۔ کیا اب تمہیں تمنا ہے۔ کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرتے۔ جو کچھ ہمارے پروردگار نے ہم سے وعدہ فرمایا تھا۔ ہم نے اُسے سچ پایا۔ کیا تم نے بھی اُسے جو تمہارے پروردگار نے تم سے وعدہ کیا تھا۔ سچ پایا؟" یہ دیکھ کر حضرت عمر فاروق نے عرض کیا۔" یا رسول اللہ! آپ اِن بے روح جسموں سے کیا خطاب فرما رہے ہیں؟" اِس پر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" قسم ہے خدا کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے۔ تم میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سُنتے[۲]۔" پھر جناب رسالتمآب علیہ التحیۃ والصلوٰۃ مظفر و منصور اسیرانِ جنگ اور غنائم کے ساتھ مدینہ کو واپس ہوئے؛

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقام صفراء میں پہنچے۔ جو بدر سے ایک منزل ہے۔ تو آپ نے

---

[۱] صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب قتل ابی جہل

[۲] اس سے سماع موتے ثابت ہے۔ اگر زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو کتاب البرزخ مؤلفہ خاکسار دیکھو؛

تمام غنیمت مجاہدین میں برابر برابر تقسیم فرمادی۔ اسی مقام پر حضرت عبیدہ بن حارث نے جن کا پاؤں مبارک کٹ گیا تھا۔ وفات پائی ۔ صفراء ہی میں نضر بن حارث کو قتل کر دیا گیا ۔ یہاں سے روانہ ہوکر جب عرق الظبیہ میں پہنچے ۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے عقبہ بن معیط قتل کر دیا گیا ۔ مدینہ میں اس فتح کی اتنی خوشی تھی ۔ کہ لوگوں نے مبارکباد کہنے کے لئے حضور اقدس کا مقام روحاء میں استقبال کیا ۔ اسیرانِ جنگ جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک دن بعد مدینہ میں پہنچے آپ نے ان کو صحابہ میں تقسیم کر دیا تھا ۔ اور تاکید فرمادی تھی ۔ کہ ان کے ساتھ نیک سلوک کیا جائے چنانچہ ابو عزیز بن عمیر کا بیان ہے ۔ کہ جب مجھے بدر سے لائے ۔ تو میں انصار کی ایک جماعت میں تھا ۔ وہ صبح یا شام کا کھانا لاتے ۔ تو روٹی مجھے دیتے ۔ اور خود کھجوریں کھاتے ۔ ان میں سے جس کے ہاتھ روٹی کا ٹکڑا آتا ۔ وہ میرے آگے رکھ دیتا ۔ مجھے شرم آتی ۔ میں اُسے واپس کرتا ۔ مگر وہ مجھ ہی کو واپس دیتا اور ہاتھ نہ لگاتا۔[۵۳]

جن قیدیوں کے پاس کپڑے نہ تھے ۔ اُن کو کپڑے دلوائے گئے ۔ حضرت عباس چونکہ دراز قد تھے ۔ کسی کا کُرتہ ان کے بدن پر ٹھیک نہ اُترتا تھا ۔ عبد اللہ بن ابی (رئیس المنافقین) نے جو حضرت عباس کا ہم قد تھا ۔ اپنا کرتہ منگوا کر دیا ۔ صحیح بخاری[۵۴] میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ مذکور کے کفن کے لئے جو اپنا کرتہ عنایت فرمایا تھا ۔ وہ اسی احسان کا معاوضہ تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کے بارے میں اپنے اصحاب سے مشورہ کیا ۔ حضرت صدیق اکبر نے عرض کیا[۵۵] " یا رسول اللہ ! یہ آپ کی قوم اور آپ کا قبیلہ ہیں ۔ انہیں قتل نہ کیا جائے بلکہ ان سے فدیہ لیا جائے ۔ شاید اللہ تعالیٰ ان کو اسلام کی توفیق دے ۔" حضرت فاروق اعظم نے عرض کیا ۔" یا رسول اللہ ! میری تو وہ رائے نہیں جو ابو بکر کی ہے ۔ بلکہ میری رائے تو یہ ہے ۔ کہ آپ

---

[۱] غنیمت کے بارے میں مجاہدین میں جھگڑا ہوا ۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ الآیۃ نازل فرمائی ، اور تقسیم کا معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا ۔ پس حضور بابی ہو وامی نے برابر برابر تقسیم فرمائی ۔

[۵۲] سیرت ابن ہشام ۔

[۵۳] سیرت ابن ہشام ۔ غزوۂ بدر ۔

[۵۴] صحیح بخاری ۔ کتاب الجنائز ۔ باب ھل یخرج المیت من القبر واللحد لعلۃ ۔

[۵۵] صحیح مسلم ۔ باب الامداد بالملائکۃ فی غزوۃ بدر ، واباحۃ الغنائم ۔

ان کو ہمارے حوالے کر دیں۔ تاکہ ہم ان کو قتل کر ڈالیں۔ مثلاً عقیل کو حضرت علی کے حوالہ کر دیں۔ اور میرے فلاں رشتہ دار کو میرے سپرد کر دیں۔" حضور انور بابی ہو وامی نے حضرت صدیق اکبر کی رائے پر عمل فرمایا۔[1]

قیدیوں میں سے ہر ایک کا فدیہ حسب استطاعت ایک ہزار درہم سے چار ہزار درہم تک تھا۔ جن کے پاس مال نہ تھا۔ اور وہ لکھنا جانتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کا فدیہ یہ تھا کہ انصار کے دس[2] لڑکوں کو لکھنا سکھائے۔ چنانچہ زید بن ثابت نے اسی طرح لکھنا سیکھا تھا۔ بعضوں مثلاً ابوعزہ حجمی شاعر کو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے یونہی چھوڑ دیا۔ ان قیدیوں میں ایک شخص سہیل بن عمرو تھا۔ جو عام مجمعوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تقریریں کیا کرتا تھا۔ حضرت عمر بن الخطاب نے عرض کیا۔" یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں سہیل کے دندان پیشیں اکھاڑ دوں۔ اور اس کی زبان نکال دوں۔ پھر وہ کسی جگہ آپ کے خلاف تقریر نہ کر سکے گا۔" حضور نے فرمایا۔" میں اس کا عضو نہیں بگاڑتا۔ ورنہ خدا اس کی جزاء میں میرے اعضاء بگاڑ دے گا۔ گو میں نبی ہوں۔"

حضرت عباس ان دس رؤسائے قریش میں تھے۔ جنہوں نے لشکر قریش کی رسد کا سامان اپنے ذمہ لیا تھا۔ اس غرض کے لئے حضرت عباس کے پاس بیس اوقیہ سونا تھا۔ چونکہ ان کی نوبت کھانا کھلانے کی نہ آئی۔ اس لئے وہ سونا انہیں کے پاس رہا۔ اور غنیمت میں شامل کر لیا گیا۔ حضرت عباسؓ نے عرض کیا۔" یا رسول اللہ! میں مسلمان ہوں۔" حضور نے فرمایا۔" اللہ کو تیرے اسلام کا خوب علم ہے۔ اگر تو سچا ہے۔ تو اللہ تجھے جزا دے گا۔ تو اپنے فدیہ کے ساتھ عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث بن عبد المطلب اور اپنے حلیف عمرو بن جحدم کا فدیہ بھی ادا کر۔" حضرت عباس نے

---

[1] اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ۚ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (انفال۔ ع۹)

نہ تھا لائق واسطے نبی کے یہ کہ ہوویں واسطے اس کے بندیوان یہاں تک کہ خونریزی کرے بیچ زمین کے۔ ارادہ کرتے ہو اسباب دنیا کا اور اللہ ارادہ کرتا ہے آخرت کا۔ اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

[1] طبقات ابن سعد۔ غزوہ بدر۔

[2] سیرت ابن ہشام غزوہ بدر۔

جواب دیا۔ کہ میرے پاس کوئی مال نہیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ وہ مال کہاں ہے۔ جو تو نے اپنی بیوی ام الفضل کے پاس رکھا تھا۔ اور اُسے کہا تھا۔ کہ اگر میں لڑائی میں مارا جاؤں۔ تو اتنا فضل کو اتنا عبداللہ کو اور اتنا عبیداللہ کو ملے۔ یہ سُن کر حضرت عباس نے کہا[۱] "قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے۔ اُس مال کا علم سوائے میرے اور ام الفضل کے کسی کو نہ تھا۔ میں خوب جانتا ہوں۔ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں" حضور نے فرمایا۔ کہ تیرا یہ بیس اوقیہ سونا فدیہ میں شمار نہ ہوگا۔ یہ تو اللہ عزوجل نے ہمیں عطا کیا ہے۔ پس حضرت عباس نے اپنا اور اپنے بھائیوں کے بیٹوں اور اپنے حلیف کا فدیہ[۲] ادا کر دیا۔

شکست قریش کی خبر مکہ میں سب سے پہلے حیسمان[۳] بن ایاس خزاعی لایا۔ قریش اپنے مقتولین پر نوحہ کرنے لگے۔ پھر بدیں خیال کہ مسلمان ہم پر ہنسیں گے۔ نوحہ بند کر دیا۔ شکست کی خبر پہنچنے کے نَو روز بعد ابولہب مر گیا۔ اسود بن عبدیغوث کے دو بیٹے زمعہ اور عقیل اور ایک پوتا حارث بن زمعہ میدان بدر میں کام آئے۔ وہ چاہتا تھا۔ کہ ان پر روئے۔ مگر ممانعت کے سبب سے خاموش تھا۔ ایک رات اُس نے کسی عورت کے رونے کی آواز سُنی۔ چونکہ اُس کی بینائی جاتی رہی تھی۔ اس لئے اُس نے اپنے غلام سے کہا۔ کہ جاؤ۔ دریافت کرو۔ کیا اب رونے کی اجازت ہو گئی ہے؟ اگر ایسا ہے تو میں بھی زمعہ پر نوحہ کروں۔ کیونکہ میرا جگر جل گیا ہے۔ غلام نے آکر کہا۔ ایک عورت کا اونٹ گم ہو گیا ہے۔ اس کے لئے رو رہی ہے۔ یہ سُن کر اسود کی زبان سے بے اختیار یہ شعر[۴] نکلے۔

اتبکی ان یضل لها بعیر	کیا وہ اونٹ کے گم ہونے پر روتی ہے
ویمنعها من النوم السهود	اور بیخوابی اسے نیند نہیں آنے دیتی۔

---

[۱] کامل ابن اثیر۔ غزوۂ بدر۔

[۲] اس پر یہ آیت نازل ہوئی:-

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّمَن فِي أَيْدِيكُم مِّنَ الْأَسْرَىٰ إِن يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (انفال۔ ع)

اے نبی کہہ دے ان کو جو تمہارے ہاتھ میں ہیں قیدی۔ اگر جانے گا اللہ تمہارے دل میں کچھ نیکی۔ تو دے گا تم کو بہتر اس سے جو تم سے چھن گیا اور تم کو بخشے گا۔ اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔

[۳] کامل ابن اثیر۔ غزوۂ بدر۔

[۴] سیرت ابن ہشام۔ غزوۂ بدر۔

فلا تبکی علیٰ بکر ولکن	سو وہ جوان اونٹ پر نہ روئے۔ بلکہ
علیٰ بدر تقاصرت الجدود	بدر پر جہاں قسمتوں نے کوتاہی کی
وبکی ان بکیت علیٰ عقیل	اگر تجھ کو رونا ہے۔ تو عقیل پر رو۔
وبکی حارثاً اسد الاسود	اور شیروں کے شیر حارث پر رو۔
وبکیھم ولا تسمی جمیعاً	اور ان سب پر رو اور نام نہ لے۔
وما لابی حکیمۃ من ندید	اور ابو حکیمہ (زمعہ) کا کوئی ہمسر نہیں

یوم بدر واقع میں یوم فرقان تھا۔ کہ کفر و اسلام میں فرق ظاہر ہو گیا۔ اور اللہ عزوجل نے ضعف کے بعد مسلمانوں کو تقویت دی۔ چنانچہ اس نعمت کو یوں یاد دلایا ہے؛

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ	اور تمہاری مدد کر چکا ہے اللہ بدر کی لڑائی میں اور
(آل عمران۔ ع۱۳)	تم بے مقدور تھے؛

اُس دن سے اسلام کا سکہ کفار کے دل پر جم گیا۔ اور اہل مدینہ میں بہت سے لوگ ایمان لائے۔ اہل بدر کے فضائل میں اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے۔ کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے حق میں فرمایا[1] ہے "بے شک اللہ اہل بدر سے واقف ہے کیونکہ اُس نے فرما دیا۔ تم عمل کرو جو چاہو البتہ تمہارے واسطے جنت ثابت ہو چکی۔ یا تحقیق میں نے تمہیں بخش دیا" آخرت میں مغفور ہونے کے علاوہ دنیا میں بھی بدری ہونا خاص امتیاز کا سبب شمار کیا جاتا تھا۔ بلکہ وہ ہتھیار بھی جن سے بدر میں کام لیا گیا۔ تبرک خیال کئے جاتے تھے۔ چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جو برچھی عبیدہ بن سعید بن عاص کی آنکھ میں[2] ماری تھی۔ وہ یادگار رہی۔ بدیں طور کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر سے مستعار لی۔ پھر آپ کے چاروں خلیفوں کے پاس منتقل ہوتی رہی۔ بعد ازاں حضرت عبداللہ بن زبیر کے پاس رہی۔ یہاں تک کہ ۷۳ھ میں حجاج نے اُن کو شہید کر دیا؛

اہل بدر کے توسل سے جو دعا مانگی جائے وہ بفضل الٰہی مستجاب ہوتی ہے۔ جیسا کہ مشائخ کا تجربہ ہے؛

---

[1] لعل اللہ اطلع علی اھل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد وجبت لکم الجنۃ او فقد غفرت لکم (صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ فضل من شھد بدرا)۔

[2] صحیح بخاری۔ باب شہود الملائکۃ بدراً؛

اندلس کے مشہور سیاح محمد بن جبیر (متوفی ۲۹ شعبان ۶۱۴ھ) نے بدر کے حال میں یوں[1] لکھا ہے:" اس موضع میں خرما کے بہت باغ ہیں۔ اور آب رواں کا ایک چشمہ ہے۔ موضع کا قلعہ بلند ٹیلے پر ہے۔ اور قلعہ کا راستہ پہاڑوں کے پیچ میں ہے۔ وہ قطعہ زمین نشیب میں ہے۔ جہاں اسلامی لڑائی ہوئی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت اور اہل شرک کو ذلت دی۔ آج کل اُس زمین میں خرما کا باغ ہے۔ اور اس کے بیچ میں گنج شہیداں ہے۔ اس آبادی میں داخل ہوتے وقت بائیں طرف جبل الرحمت ہے۔ لڑائی کے دن اُس پہاڑ پر فرشتے اُترے تھے۔ اس پہاڑ کے ساتھ جبل الطبول ہے۔ اُس کی قطع ریت کے ٹیلے کی سی ہے۔ کہتے ہیں۔ ہر شب جمعہ کو اس پہاڑ سے نقارے کی صدا آتی ہے۔ اس لئے اس کا نام جبل الطبول رکھا ہے۔ ہنوز نصرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بھی ایک کرامت باقی ہے۔ اس بستی کے ایک عرب باشندے نے بیان کیا۔ کہ مَیں نے اپنے کانوں سے نقاروں کی آواز سُنی ہے۔ یہ آواز ہر جمعرات اور دوشنبہ کو آیا کرتی ہے۔ اس پہاڑ کی سطح کے قریب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف رکھنے کی جگہ ہے۔ اور اُس کے سامنے میدان جنگ ہے"۔

اللّٰھم انی اسئلك بحبیبك سیدنا ومولانا محمد المصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم وباھل بدر رضی اللہ تعالیٰ عنھم ان تبلغنی فی الدارین اقصیٰ مرامی وتغفرلی ولوالدی ولمشائخی واحبائی ولسائر المؤمنین والمؤمنات وان تؤید الاسلام والمسلمین۔

اسی سال یوم فطر سے دو دن پہلے یا شروع شوال میں صدقہ فطر واجب ہوا۔ عید کے دن نماز عید الفطر عیدگاہ میں جماعت سے پڑھی گئی۔ اسی وقت زکوٰۃ مال فرض ہوئی۔

غزوہ بنی قینقاع نصف ماہ شوال میں غزوہ بنی قینقاع پیش آیا۔ یہود سے پہلے معاہدہ ہو چکا تھا جیسا کہ اوپر مذکور ہو چکا۔ مدینہ کے گرد یہود کے تین قبیلے تھے۔ بنو قینقاع۔ بنو نضیر۔ بنو قریظہ۔ ان تینوں نے یکے بعد دیگرے نقض عہد کیا۔ ان میں سب سے پہلے بنو قینقاع نے جو چھ سو مرد کارزار اور یہود میں سب سے بہادر تھے۔ عہد کو توڑا۔ اور باغی ہو کر قلعہ بند ہو گئے۔ مگر پندرہ روز کے محاصرہ کے بعد مغلوب ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جلا وطن کر دیا۔ اور وہ اذرعات ملک شام میں پہنچا دیئے گئے۔ جہاں وہ جلدی ہلاک و تباہ ہو گئے۔

[1] سفرنامہ محمد بن جبیر اندلسی (اردو ترجمہ) مطبع احمدی ریاست رامپور صفحہ ۱۹۲۔

غزوۂ سویق | ماہ ذیقعدہ میں غزوہ سویق وقوع میں آیا۔ سویق عربی میں ستو کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس غزوہ میں کفار کی غذا ستو تھے۔ اس لئے اس نام سے موسوم ہوا۔ اس غزوہ کا سبب یہ تھا۔ کہ غزوۂ بدر کے بعد ابوسفیان نے قسم کھائی تھی۔ کہ جب تک میں محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے لڑائی نہ کرلوں۔ جنابت سے سر نہ دھوؤں گا۔ اس لئے قسم کے پورا کرنے کے لئے وہ دو سو سوار لے کر نکلا۔ مقام عریض میں اُس نے ایک نخلستان کو جلادیا۔ اور ایک انصاری کو قتل کر ڈالا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تعاقب فرمایا۔ ابوسفیان اور اس کے ہمراہی بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ستو کے بورے پھینک کر بھاگ گئے۔ جنہیں مسلمانوں نے اُٹھالیا۔ اور واپس چلے آئے۔

ہجرت کا تیسرا سال

نصف محرم کو غزوہ قرقرۃ الکُدر اور ربیع الاول میں غزوہ انمار یا غطفان اور جمادی الاولےٰ میں غزوہ بنی سلیم وقوع میں آیا۔ ان میں سے کسی میں مقابلہ نہیں ہوا۔ غزوہ انمار میں دعثور غطفانی اسلام لایا۔ ماہ ربیع الاول میں کعب بن اشرف یہودی شاعر جو اسلام کی ہجو کیا کرتا تھا حضرت محمد بن مسلمہ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ ماہ جمادی الاخریٰ میں ابو رافع سلام بن ابی الحقیق یہودی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دیا کرتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عتیک انصاری خزرجی کے ہاتھ سے مارا گیا[1]۔

غزوۂ احد | ماہ شوال میں غزوہ احد[2] وقوع میں آیا۔ جب قریش بدر میں شکست فاش کھا کر مکہ میں آئے تو ابوسفیان کے قافلے کا تمام مال دار الندوہ میں رکھا ہوا پایا۔ عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ وغیرہ رؤسائے قریش جن کے باپ بھائی اور بیٹے جنگ بدر میں قتل ہوئے تھے۔ ابوسفیان اور دیگر شرکاء کے پاس آکر کہنے لگے۔ کہ اپنے مال کے نفع سے مدد کرو۔ تاکہ ہم ایک لشکر تیار کریں۔ اور (حضرت) محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے بدلہ لیں۔ سب نے بخوشی منظور کیا۔ چنانچہ تمام مال فروخت کردیا گیا۔ اور حسب قرارداد راس المال مالکوں کو دیا گیا۔ اور نفع تجہیز لشکر میں کام آیا۔ اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

---

[1] اس قتل کے سنہ وماہ میں یہ مختلف اقوال ہیں۔ رمضان ۶ھ۔ ذوالحجہ ۵ھ۔ ذوالحجہ ۴ھ۔ جمادی الاخریٰ ۳ھ۔ رجب ۳ھ۔

[2] احد ایک پہاڑ کا نام ہے۔ جو مدینہ منورہ سے قریباً تین میل پر ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۬ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۙ (انفال۔ ع ۴)	جو لوگ کافر ہیں خرچ کرتے ہیں اپنے مال تاکہ روکیں اللہ کی راہ سے۔ سو ابھی اور خرچ کریں گے پھر آخر ہوگا ان پر پچھتاوا پھر آخر مغلوب ہوں گے۔ اور جو کافر ہیں دوزخ کو ہانکے جاویں گے۔"

قریش نے بڑی سرگرمی سے تیاری کی، اور قبائل عرب کو بھی دعوت جنگ دی۔ مردوں کے ساتھ عورتوں کی ایک جماعت بھی شامل ہوئی۔ تاکہ ان کو مقتولین بدر کی یاد دلا کر لڑائی پر ابھارتی رہیں چنانچہ ابو سفیان کی زوجہ ہند بن عتبہ۔ عکرمہ بن ابی جہل کی زوجہ ام حکیم بنت حارث بن ہشام۔ حارث بن ہشام بن مغیرہ کی زوجہ فاطمہ بنت ولید بن مغیرہ۔ صفوان بن امیہ کی زوجہ برزہ بنت مسعود ثقفیہ۔ عمرو بن عاص کی زوجہ ریطہ بنت شیبہ سہمیہ۔ طلحہ جمحی کی زوجہ سلافہ بنت سعد۔ اپنے اپنے شوہروں سمیت نکلیں۔ اسی طرح خناس بنت مالک اپنے بیٹے ابو عزیز بن عمیر کے ساتھ نکلی۔ کل جمعیت تین ہزار تھی جن میں سات سو زرہ پوش تھے۔ ان کے ساتھ دو سو گھوڑے تین ہزار اونٹ اور پندرہ عورتیں تھیں۔ جبیر بن مطعم نے اپنے حبشی غلام وحشی نام کو بھی یہ کہہ کر بھیج دیا۔ کہ اگر تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چچا حمزہ کو میرے چچا طعیمہ بن عدی کے بدلے قتل کردو۔ تو میں تم کو آزاد کردوں گا۔"

یہ لشکر قریش بسرکردگی ابو سفیان مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ اور مدینہ کے مقابل احد کی طرف بطن وادی میں اترا۔ حضرت عباس بن عبد المطلب نے جو اب تک مکہ میں تھے بذریعہ خط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی تیاری کی خبر دی۔ حضور نے حضرت انس و مونس پسران فضالہ بن عدی انصاری کو بطور جاسوس بھیجا۔ وہ خبر لائے اور کہنے لگے۔ کہ مشرکین نے اپنے اونٹ اور گھوڑے عریض میں چھوڑ دئے ہیں۔ جنہوں نے چراگاہ میں سبزی کا نام و نشان نہیں چھوڑا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حباب بن منذر کو بھی بغرض تجسس بھیجا۔ وہ لشکر کی تعداد وغیرہ کی خبر لائے۔ جمعہ کی رات (۱۴ شوال) کو حضرت سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ ایک جماعت کے ساتھ مسلح ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت خانے پر پہرہ دیتے رہے۔ اور شہر پر بھی پہرہ لگا رہا۔ اسی رات حضور نے خواب میں دیکھا۔ کہ گویا آپ مضبوط زرہ پہنے ہوئے ہیں۔ آپ کی تلوار ذوالفقار

ایک طرف سے ٹوٹ گئی ہے۔ ایک گائے نظر پڑی۔ جو ذبح کی جا رہی ہے۔ اور آپ کے پیچھے ایک مینڈھا سوار ہے صبح کو آپ نے یہ تعبیر بیان فرمائی۔ کہ مضبوط زرہ مدینہ ہے۔ تلوار کی شکستگی[1] ذات شریف پر مصیبت ہے۔ گائے آپ کے وہ اصحاب ہیں جو شہید ہوں گے۔ اور مینڈھا کبش الکتیبہ[2] ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ قتل کرے گا۔ اس خواب کے سبب سے حضور انور کی رائے تھی۔ کہ لڑائی کے لئے مدینہ سے باہر نہ نکلیں۔ عبداللہ بن ابی کی بھی یہی رائے تھی۔ حضور نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا تو اکابر مہاجرین و انصار بھی آپ سے متفق ہو گئے۔ مگر وہ نوجوان جو جنگ بدر میں شامل نہ تھے۔ آپ سے درخواست کرنے لگے۔ کہ مدینہ سے نکل کر لڑنا چاہئے۔ ان کے اصرار پر آپ نکلنے کی طرف مائل ہوئے۔ نماز جمعہ کے بعد آپ نے وعظ فرمایا۔ اہل مدینہ و اہل عوالی جمع ہو گئے۔ آپ دولت خانے میں تشریف لے گئے۔ اور دوہری زرہ پہن کر نکلے یہ دیکھ کر وہ نوجوان کہنے لگے کہ ہمیں زیبا نہیں کہ آپ کی رائے کے خلاف کریں۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ کہ "پیغمبر خدا کو شایاں نہیں۔ کہ جب وہ زرہ پہن لے تو اسے اتار دے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور دشمن کے درمیان فیصلہ کر دے۔ اب جو میں حکم دوں وہی کرو۔ اور خدا کا نام لے کر چلو۔ اگر تم صبر کرو گے تو فتح تمہاری ہو گی۔" پھر آپ نے تین جھنڈے تیار کئے۔ اوس کا جھنڈا حضرت اسید بن حضیر کو اور خزرج کا جھنڈا حضرت حباب بن منذر کو۔ اور مہاجرین کا جھنڈا حضرت علی بن ابی طالب کو عطا فرمایا۔ اس طرح آپ ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ نکلے۔ جن میں سے ایک سو نے دوہری زرہ پہنی ہوئی تھی۔ حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ زرہ پہنے ہوئے آپ کے آگے چل رہے تھے۔ جب آپ ثنیۃ الوداع کے قریب پہنچے تو ایک فوج نظر آئی۔ آپ کے دریافت فرمانے پر صحابہ کرام نے عرض کیا۔ کہ یہ یہود میں سے ابن ابی کے حلیف ہیں جو آپ کی مدد کو آتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ لوٹ جائیں۔ کیونکہ ہم مشرکین کے خلاف مشرکین سے مدد نہیں لیتے۔ جب آپ موضع شیخان میں اترے تو عرض لشکر کے بعد آپ نے بعض صحابہ کرام کو بوجہ صغر سن واپس کر دیا۔ چنانچہ اسامہ بن زید۔ ابن عمر۔ زید بن ثابت۔ براء بن عازب۔ عمرو بن حزم۔ اسید بن ظہیر انصاری۔ ابو سعید خدری۔ عرابہ بن اوس۔

---

[1] طبقات ابن سعد۔ بخاری شریف میں ہے کہ تلوار کا اوپر کا حصہ ٹوٹ گیا جس کی تعبیر اصحاب کرام کی شکستگی و ہزیمت تھی۔

[2] طلحہ بن ابی طلحہ کو کبش الکتیبہ کہا کرتے تھے۔

زید بن ارقم۔ سعد بن عقیب۔ سعد بن حبتہ۔ زید بن جاریہ انصاری اور جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم واپس ہوئے۔ حضرت سمرہ بن جندب اور رافع بن خدیج جو پندرہ پندرہ سال کے تھے پہلے رد کر دیئے گئے۔ پھر عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ! رافع اچھا تیر انداز ہے۔ اس لئے وہ بھی رکھ لئے گئے۔ پھر سمرہ کی نسبت کہا گیا۔ کہ وہ کشتی میں رافع کو پچھاڑ دیتے ہیں۔ حضور نے فرمایا۔ کہ دونوں کشتی لڑیں۔ چنانچہ سمرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا۔ اس طرح حضرت سمرہ بھی رکھ لئے گئے۔ رات یہیں بسر ہوئی۔ دوسرے روز باغ شوط میں جو مدینہ اور اُحد کے درمیان ہے۔ فجر کے وقت پہنچے۔ اور نماز باجماعت ادا کی گئی۔ اسی جگہ ابن اُبی اپنے تین سو آدمی لے کر لشکر اسلام سے علیحدہ ہو گیا۔ اور یہ کہہ کر مدینہ کو چلا آیا۔ کہ "حضرت نے اُن کا کہا مانا۔ میرا کہا نہ مانا۔ پھر ہم کس لئے یہاں جان دیں" جب یہ منافقین واپس ہوئے۔ تو صحابہ کرام کے ایک گروہ نے کہا۔ کہ ہم ان سے قتال کرتے ہیں اور دوسرے گروہ نے کہا کہ ہم قتال نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ مسلمان ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۚ أَتُرِيْدُوْنَ أَنْ تَهْدُوْا مَنْ أَضَلَّ اللّٰهُ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا (نساء۔ ع ۱۲)

پس کیا ہے واسطے تمہارے بیچ منافقوں کے دو فرقے ہو رہے ہو۔ اور اللہ نے اُلٹا کیا اُن کو بسبب اُس چیز کے کہ کمایا انہوں نے۔ کیا ارادہ کرتے ہو تم یہ کہ راہ پر لاؤ جس کو گمراہ کیا اللہ نے اور جس کو گمراہ کرے اللہ پس ہرگز نہ پاوے گا تو واسطے اس کے راہ۔

ابن اُبی کا قول سُن کر خزرج میں سے بنو سلمہ اور اوس میں سے بنو حارثہ نے دل میں لَوٹنے کی ٹھہرائی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو بچا لیا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔

إِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ (آل عمران۔ ع ۱۳)

جب قصد کیا دو فریقوں نے تم میں سے یہ کہ نامردی کریں اور دوستدار تھا اُن کا اللہ اور اوپر اللہ کے پس چاہئے کہ توکل کریں ایمان والے؛

اب حضور کے ساتھ سات سو آدمی اور دو گھوڑے رہ گئے۔ آپ نے ابو خیثمہ انصاری کو بطور بدرقہ ساتھ لیا۔ تاکہ نزدیک راستے سے لے چلے۔ اس طرح حضور حرۂ بنی حارثہ اور ان کے اموال کے پاس سے گذرتے ہوئے مربع بن قیظی منافق کے باغ کے پاس پہنچے۔ وہ نابینا تھا۔ اُس نے جب لشکر اسلام کی آہٹ سُنی۔ تو اُن پر خاک پھینکنے لگا اور حضور سے کہنے لگا۔ کہ اگر تو اللہ کا رسول ہے

میں تجھے اپنے باغ میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ سن کر صحابہ کرام اُسے قتل کرنے دوڑے۔ حضور نے فرمایا۔ کہ اسے قتل نہ کرو۔ یہ آنکھ کا اندھا دل کا بھی اندھا ہے۔ مگر حضور کے منع کرنے سے پہلے ہی سعد بن زید اشہلی نے اس پر کمان ماری اور سر توڑ دیا۔ یہاں سے روانہ ہو کر لشکرِ اسلام نصف شوال یوم شنبہ کو کوہ احد کی شعب (درہ) میں کرانۂ وادی میں پہاڑ کی طرف اترا۔ حضور نے صف آرائی کے لئے پہاڑ کو پس پشت اور کوہ عینین کو جو وادی قنات میں ہے اپنی بائیں طرف رکھا۔ کوہ عینین میں ایک شگاف یا درہ تھا جس میں سے دشمن عقب سے مسلمانوں پر حملہ آور ہو سکتا تھا۔ اس لئے آپ نے اُس درے پر اپنے پچاس پیدل تیر انداز مقرر کئے۔ اور حضرت عبد اللہ بن جبیر کو اُن کا سردار بنایا۔ اور یوں ہدایت کی "اگر تم دیکھو کہ پرندے ہم کو اُچک لے گئے ہیں۔ تو اپنی جگہ کو نہ چھوڑو یہاں تک کہ میں تمہارے پاس کسی کو بھیجوں۔ اور اگر تم دیکھو۔ کہ ہم نے دشمن کو شکست دی ہے اور مار کر پامال کر دیا ہے۔ تو بھی ایسا ہی کرنا۔"[۱]

مشرکین نے بھی جو عینین میں وادیٔ قنات کے مدینہ کی طرف کے کنارے پر شورستان میں اُترے ہوئے تھے صفیں آراستہ کیں۔ چنانچہ انہوں نے سواروں کے میمنہ پر خالد بن ولید کو، میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل کو۔ پیدلوں پر صفوان بن امیہ کو اور تیر اندازوں پر جو تعداد میں ایک سو تھے عبد اللہ بن ابی ربیعہ کو مقرر کیا۔ اور جھنڈا طلحہ بن ابی طلحہ کو دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا۔ کہ مشرکین کا جھنڈا عبد الدار کے پاس ہے۔ تو آپ نے لشکرِ اسلام کا جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبد الدار کو دیا۔ اور میمنہ پر حضرت زبیر بن عوام کو اور میسرہ پر حضرت منذر بن عامر کو مقرر فرمایا۔

مشرکین میں سے سب سے پہلے جو لڑائی کے لئے نکلا۔ وہ ابو عامر انصاری اوسی تھا۔ اُس کو راہب کہا کرتے تھے۔ مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس کا نام فاسق رکھا۔ زمانہ جاہلیت میں وہ قبیلہ اوس کا سردار تھا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ میں تشریف لے گئے۔ تو وہ آپ کی مخالفت کرنے لگا۔ اور مدینہ سے نکل کر مکہ میں چلا آیا۔ اس نے قریش کو آپ سے لڑنے پر آمادہ کیا۔ اور کہا کہ میری قوم جب مجھے دیکھے گی۔ تو میرے ساتھ ہو جائے گی۔ اس لئے اُس نے

[۱] صحیح بخاری کتاب الجہاد۔ باب ما یکرہ من التنازع والاختلاف فی الحرب۔

پکار کر کہا: "اے گروہِ اوس! میں ابو عامر ہوں"۔ اُس نے جواب دیا: "اے فاسق! تیری مراد پوری نہ ہو"۔ فاسق کا نام سُن کر کہنے لگا کہ میری قوم میرے بعد بگڑ گئی ہے۔ اُس کے ساتھ غلامانِ قریش کی ایک جماعت تھی۔ وہ مسلمانوں پر تیر پھینکنے لگے۔ مسلمان بھی اُن پر سنگ باری کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ابو عامر اور اُس کے ساتھی بھاگ گئے۔

مشرکین کا علم بردار طلحہ صف سے نکل کر پکارا: "مسلمانو! تم سمجھتے ہو۔ کہ ہم میں سے جو تمہارے ہاتھوں مرجاتا ہے۔ وہ جلد دوزخ میں پہنچ جاتا ہے۔ اور تم میں سے جو ہمارے ہاتھوں مرجاتا ہے۔ وہ جلد بہشت میں پہنچ جاتا ہے۔ کیا تم میں کوئی ہے۔ جس کو میں جلد بہشت میں پہنچا دوں۔ یا وہ مجھے جلد دوزخ میں پہنچا دے"۔ حضرت علی ابن ابی طالب نکلے اور طلحہ کے سر پر ایسی تلوار ماری۔ کہ کھوپری پھاڑ دی اور وہ گر پڑا۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کبش الکتیبہ کے مارا جانے پر خوش ہوئے۔ آپ نے تکبیر کہی۔ مسلمانوں نے بھی آپ کا اقتداء کیا۔ طلحہ کے بعد اُس کے بھائی عثمان بن ابی طلحہ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا۔ اُس کے پیچھے عورتیں اشعار پڑھتی آتی تھیں۔ اور وہ اُن کے آگے یہ رجز پڑھتا تھا۔

اِنَّ عَلٰے اَھْلِ اللِّوَاءِ حَقًّا	بے شک علم برداروں پر واجب ہے۔
اَنْ تُخْضَبَ الصَّعْدَۃُ اَوْ تَنْدَقَّا	کہ نیزہ خون سے سُرخ ہو جائے یا ٹوٹ جائے

حضرت حمزہ بن عبد المطلب مقابلے کے لئے نکلے۔ اور عثمان کے دو شانوں کے درمیان اِس زور سے تلوار ماری کہ ایک بازو اور شانے کو کاٹ کر سرین تک جا پہنچی۔ حضرت حمزہ واپس آئے اور زبان پر یہ الفاظ تھے:۔

انا ابن ساقی الحجیج	میں ساقی حُجاج (عبد المطلب) کا بیٹا ہوں

اب میدان کارزار گرم ہوا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں ایک تلوار تھی۔ آپ نے فرمایا۔ کون ہے جو اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے۔ یہ سُن کر کئی شخص آپ کی طرف بڑھے۔ مگر آپ نے وہ تلوار کسی کو نہ دی۔ ابو دجانہ (سماک بن خرشہ انصاری) نے اُٹھ کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اس کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ کہ اس کا حق یہ ہے۔ کہ تو اس کو دشمن پر مارے۔ یہاں تک کہ ٹیڑھی ہو جائے ابو دجانہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں اس کو اس کے حق کے ساتھ لیتا ہوں۔ حضور نے ابو دجانہ کو عنایت فرمائی۔ ابو دجانہ مشہور پہلوان تھے۔ اور لڑائی میں اکڑ کر چلا کرتے تھے۔ جب سُرخ

رومال سر پر باندھ لیتے۔ تو لوگ سمجھ جاتے تھے۔ کہ لڑیں گے۔ انہوں نے تلوار لے کر حسب عادت سر پر سُرخ رومال باندھا۔ اور اکڑتے تنتے نکلے۔ یہ دیکھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ "یہ چال خدا کو ناپسند ہے"۔ حضرت ابو دجانہ صفوں کو چیرتے اور لاشوں پر لاشے گراتے دامن کوہ میں مشرکین کی عورتوں تک جا پہنچے۔ جو بغرض ترغیب دف پر اشعار ذیل گا رہی تھیں:۔

نحن بنات طارق	ہم (علو و شرف میں) پروین ستارے ہیں۔
نمشی علی النمارق	ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں۔
ان تُقبلوا نُعانق	اگر تم آگے بڑھو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گی۔
او تُدابروا نُفارق	پیچھے ہٹو گے تو ہم تم سے جدا ہو جائیں گی۔

حضرت ابو دجانہ نے تلوار اٹھائی۔ کہ ہند بنت عتبہ کے سر پر ماریں۔ پھر بدیں خیال رُک گئے کہ یہ سزاوار نہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار ایک عورت پر ماری جائے؛

حضرت ابو دجانہ کی طرح حضرت حمزہ و حضرت علی وغیرہ بھی دشمنوں میں جا گھسے۔ اور صفوں کی صفیں صاف کر دیں۔ حضرت امیر حمزہ کو آخر کار وحشی نے جو بعد میں ایمان لائے۔ شہید کر دیا۔ وحشی اپنا قصہ یوں بیان کرتے ہیں "حمزہ نے طعیمہ بن عدی بن الخیار کو بدر میں قتل کر دیا تھا۔ اس لئے میرے آقا جبیر بن مطعم نے کہا۔ کہ اگر تو حمزہ کو میرے چچا کے بدلے قتل کر دے۔ تو آزاد ہو جائے گا۔ جب سال عینین میں (عینین احد کے مقابل ایک پہاڑ ہے۔ اور دونوں کے درمیان ایک وادی ہے) لوگ نکلے۔ تو میں لوگوں کے ساتھ لڑائی کے لئے نکلا۔ جب لڑائی کے لئے صف بستہ ہوئے تو سباع (بن عبد العزیٰ) نکلا اور کہا۔ کیا کوئی مبارز ہے؟ یہ سن کر حمزہ بن عبد المطلب اس کی طرف نکلے۔ اور یوں خطاب کیا۔ اے سباع! اے عورتوں کے ختنہ کرنے والی ام انمار کے بیٹے! کیا تو خدا اور رسول کے ساتھ جنگ کرتا ہے؟ یہ کہہ کر حمزہ نے اس پر حملہ کیا۔ پس وہ کل گذشتہ کی طرح ہو گیا۔ میں ایک پتھر کے نیچے حمزہ کی تاک میں تھا۔ جب حمزہ مجھ سے نزدیک ہوا۔ میں نے اپنا حربہ اُس پر مارا۔ وہ اس کی ناف و عانہ کے درمیان لگا یہاں تک کہ اُس کی دو رانوں میں سے نکل گیا۔ اور یہ اُس کا آخر امر تھا۔ جب لوگ واپس آئے میں ان کے ساتھ واپس آیا۔ اور مکہ میں ٹھہرا یہاں تک کہ اس میں اسلام پھیل گیا۔ پھر (فتح مکہ کے بعد) میں طائف کی طرف بھاگ گیا۔ جب اہل طائف نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اپنے قاصد بھیجے۔ تو مجھ سے کہا گیا۔ کہ حضرت قاصدوں کو تکلیف نہیں دیتے۔ اس لئے میں قاصدوں کے ساتھ نکلا۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب آپ نے مجھے دیکھا تو پوچھا۔ کیا تو وحشی ہے؟ میں نے کہا۔ ہاں۔ آپ نے دریافت فرمایا۔ کیا تو نے حمزہ کو قتل کیا؟ میں نے کہا۔ ایسا ہی وقوع میں آیا ہے جیسا کہ آپ کو خبر پہنچی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ تو میرے سامنے نہ آیا کر۔ پس میں چلا گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ تو مسیلمہ کذاب ظاہر ہوا۔ میں نے کہا۔ کہ میں مسیلمہ کی طرف ضرور نکلوں گا۔ شاید میں اُسے مار ڈالوں۔ اور اس طرح سے قتل حمزہ کی مکافات کر دوں۔ اس لئے میں لوگوں کے ساتھ نکلا۔ مسیلمہ کا حال ہوا جو ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں۔ کہ وہ ایک شخص ہے دیوار کے درمیان کھڑا ہوا گویا کہ وہ ایک ژولیدہ مو خاکستری اونٹ ہے۔ میں نے اس پر اپنا حربہ[1] مارا جو اس کے دو پستان کے درمیان لگا۔ یہاں تک کہ اس کے دونوں شانوں کے درمیان سے پار ہو گیا۔ انصار میں سے ایک شخص اُس کی طرف کودا اور اُس کے سر پر تلوار ماری۔ پس ایک لونڈی نے گھر کی چھت پر (نوحہ کرتے ہوئے) کہا۔ وائے امیر المومنین[2]! اسے ایک حبشی غلام (وحشی) نے قتل کر دیا[3]۔

حضرت حنظلہ بن ابی عامر انصاری اوسی نے مشرکین کے سپہ سالار ابو سفیان پر حملہ کیا۔ اور قریب تھا۔ کہ ابو سفیان کو قتل کر دیتے۔ مگر شداد بن الاسود نے ان کے وار کو روک لیا۔ اور اپنی تلوار سے حضرت حنظلہ کو شہید کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ فرشتے حنظلہ کو غسل دے رہے ہیں۔ اُن کی بیوی سے اُن کا حال دریافت کرو۔ بیوی نے کہا۔ کہ شب اُحد کو اُن کی شادی ہوئی تھی۔ صبح کو اُٹھے تو غسل کی حاجت تھی۔ غسل کے لئے آدھا سر دھویا تھا۔ کہ دعوت جنگ کی آواز کان میں پڑی۔ فوراً اُسی حالت میں وہ شریک جنگ ہو گئے۔ یہ سن کر حضور نے فرمایا۔ کہ اسی سبب سے اُسے فرشتے

---

[1] یہ وہی حربہ ہے۔ جس سے حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا۔ حضرت وحشی کہا کرتے تھے قتلت فی کفری خیر الناس وفی اسلامی شر الناس۔ یعنی میں نے اپنی کفر کی حالت میں خیر الناس کو شہید کیا۔ اور مسلمان ہونے کی حالت میں شر الناس کو قتل کیا۔

[2] مسیلمہ کذاب کو امیر المؤمنین اس لئے کہا۔ کہ اس پر ایمان لانے والوں کے امور کا مرجع وہی تھا۔ اس سے تلقیب مقصود نہ تھی۔

[3] صحیح بخاری باب قتل حمزہؓ۔

غسل دے رہے ہیں۔ اسی وجہ سے حضرت حنظلہ کو غسیل الملائکہ کہتے ہیں[1]۔

بہادران اسلام نے خوب داد شجاعت دی۔ مشرکین کے پاؤں اکھڑ گئے۔ عثمان بن ابی طلحہ کے بعد اُن کے علمبردار ابو سعید بن ابی طلحہ۔ مسافع بن طلحہ۔ حارث بن طلحہ۔ کلاب بن طلحہ۔ جلاس بن طلحہ۔ ارطات بن شرجبیل۔ شریح بن قارظ اور ابو زید بن عمرو بن عبد مناف یکے بعد دیگرے قتل ہو گئے۔ ان کا جھنڈا زمین پر پڑا رہ گیا۔ کوئی اُس کے نزدیک نہ آتا تھا۔ عمرہ بنت علقمہ حارثیہ نے اُٹھا لیا جس سے ایک حبشی غلام صواب نام نے لے لیا۔ قریش اُس کے گرد جمع ہو گئے۔ لڑتے لڑتے صواب کے دونوں بازو کٹ گئے۔ وہ سینے کے بل زمین پر گر پڑا۔ اور جھنڈے کو سینے اور گردن کے درمیان دبا لیا۔ اس حالت میں یہ کہتا ہوا مارا گیا۔ کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا[2]!

صواب کے بعد کسی کو جھنڈا اُٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ مشرکین کو شکست ہوئی۔ وہ عورتیں جو دف بجاتی تھیں۔ اب کپڑے چڑھائے برہنہ ساق پہاڑ پر بھاگی جا رہی تھیں۔ مسلمان قتل و غارت میں مشغول تھے۔ یہ دیکھ کر عینین پر تیر اندازوں نے آپس میں کہا "غنیمت غنیمت! تمہارے اصحاب غالب آ گئے ہیں۔ اب تم کیا دیکھتے ہو" حضرت عبد اللہ بن جبیر نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یاد دلایا۔ مگر وہ بدیں خیال کہ مشرکین اب واپس نہیں آ سکتے۔ اپنی جگہ کو چھوڑ کر لوٹنے میں مشغول ہو گئے۔ اور صرف چند آدمی حضرت عبد اللہ کے ساتھ رہ گئے۔ خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر حضرت عبد اللہ اور اُن کے ساتھیوں پر حملہ کیا اور سب کو شہید کر دیا۔ پھر درہ کوہ میں سے آ کر عقب سے لشکر اسلام پر ٹوٹ پڑے۔ اور ان کی صفوں کو درہم برہم کر دیا۔ ابلیس لعین نے پکار کر کہا اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ (محمد قتل ہو چکے) مسلمان سراسیمہ بھاگنے لگے اور اُن کے تین فرقے ہو گئے۔ فرقہ قلیل بھاگ کر مدینے کے قریب پہنچ گئے۔ اور اختتام جنگ تک واپس نہیں آئے۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ	تحقیق جو لوگ کہ پیٹھ موڑ گئے تم میں سے اس دن کہ ملیں دو جماعتیں۔ سوائے اس کے نہیں کہ ڈگا دیا اُن کو شیطان نے کچھ ان کے

[1] سیرت ابن ہشام؛
[2] سیرت ابن ہشام۔ بروایت ابن اسحاق؛

مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ (اٰل عمران - ع)	گناہوں کے شامت سے۔ اور تحقیق معاف کیا اللہ نے اُن سے۔ بے شک اللہ بخشنے والا بردبار ہے!

دوسرا فرقہ یعنی اکثر صحابہ کرام یہ سُن کر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو گئے۔ حیران ہو گئے۔ اُن میں سے جہاں کوئی تھا وہیں رہ گیا۔ اور اپنی جان بچاتا رہا یا جنگ کرتا رہا۔ تیسرا فرقہ جو بارہ یا کچھ اوپر صحابہ تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت رہا۔

فتح کے بعد مسلمانوں کو جو شکست ہوئی۔ اس کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی خلاف ورزی تھی۔ جیساکہ آیات ذیل سے ثابت ہے:۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِىْۤ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّاۢ بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ (اٰل عمران - ع)	اور البتہ تحقیق سچا کیا ہے تم سے اللہ نے وعدہ اپنا جس وقت کاٹتے تھے تم اُن کو اُس کے حکم سے یہانتک کہ جب نامردی کی تم نے اور جھگڑا کیا تم نے اپنے کام میں اور نافرمانی کی تم نے بعد اس کے کہ دکھلایا تم کو جو چاہتے تھے تم۔ بعض تم میں سے وہ تھا کہ ارادہ کرتا تھا دنیا کا اور بعض تم میں سے وہ تھا کہ ارادہ کرتا تھا آخرت کا۔ پھر پھیر دیا تم کو اُن سے تاکہ آزماوے تم کو اور البتہ تحقیق معاف کیا تم سے اور اللہ صاحب فضل کا ہے ایمان والوں پر۔ جس وقت چڑھے جاتے تھے تم شہر کو اور پیچھے نہ دیکھتے تھے کسی کو اور رسول پکارتا تھا تم کو پچھاڑی میں۔ پس دوبارہ دیا تم کو غم ساتھ غم کے تاکہ تم غم نہ کھاؤ اس چیز پر جو چوک گئی تم سے اور جو نہ پہنچی تم کو۔ اور اللہ کو خبر ہے اُس چیز کی کہ کرتے ہو تم!

خالد بن ولید کے حملے پر مسلمانوں میں جو لوٹنے میں مشغول تھے۔ ایسی ابتری و سراسیمگی پھیلی۔ کہ اپنے بیگانے میں تمیز نہ رہی۔ چنانچہ حضرت حذیفہ کے والد حضرت یمان کو مسلمانوں ہی نے شہید کر دیا!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی آواز نے بڑے بڑے بہادروں کو بدحواس کر رکھا تھا۔

حضرت انس بن مالک کا بیان ہے۔ کہ میرے چچا حضرت انس بن نضر جنگ بدر میں حاضر نہ تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہ میں پہلے قتال میں کہ آپ نے بذاتِ شریف مشرکین سے کیا ہے۔ حاضر نہ تھا۔ اگر خدا مجھے مشرکین کے قتال میں حاضر کرے۔ تو دیکھے گا کہ میں کیا کرتا ہوں۔ جب اُحد کا دن آیا اور مسلمانوں نے شکست کھائی۔ تو کہا۔ یا اللہ میں عذر چاہتا ہوں تیرے آگے اُس سے جو اُن لوگوں نے کیا۔ یعنی اصحاب کرام نے۔ اور بیزار ہوں تیرے آگے اُس سے جو ان لوگوں نے کیا۔ یعنی مشرکوں نے پھر لڑائی کے لئے آئے۔ حضرت سعد بن معاذ ان کو ملے۔ ابن نضر نے کہا۔ سعد! میں بہشت چاہتا ہوں اور نضر کے رب کی قسم۔ کہ میں اُحد کی طرف سے اس کی خوشبو پاتا ہوں۔ سعد نے کہا۔ یا رسول اللہ میں نہ کر سکا جو ابن نضر نے کیا۔ انس بن مالک کا قول ہے کہ ہم نے ابن نضر پر اسّی سے کچھ اوپر تلوار ونیزہ وتیر کے زخم پائے۔ اور وہ شہید تھے۔ مشرکین نے اُن کو مثلہ کر دیا تھا۔ اُن کو فقط اُن کی بہن نے انگلیوں کے پوروں سے پہچانا۔ راوی کا بیان ہے۔ کہ ہم گمان کرتے تھے کہ آیت ذیل ابن نضر اور اس کی مثل دوسروں کے حق میں نازل ہوئی ہے[1]:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا (احزاب۔ ع ۳)	مسلمانوں میں سے وہ مرد ہیں۔ کہ سچ کر دکھایا انہوں نے اُس چیز کو کہ عہد باندھا تھا اللہ سے اُس پر۔ پس بعض اُن میں سے وہ ہے۔ کہ پورا کر چکا کام اپنا اور بعض اُن میں سے وہ ہے کہ انتظار کرتا ہے۔ اور نہیں بدل ڈالا انہوں نے کچھ بدل ڈالنا۔

ابن اسحاق کی روایت میں ہے۔ کہ حضرت ابن نضر نے راستے میں مہاجرین وانصار کی ایک جماعت کو دیکھا جس میں حضرت عمر فاروق وطلحہ بن عبید اللہ بھی تھے۔ وہ مایوس ہو کر بیٹھ رہے تھے۔ ابن نضر نے ان سے پوچھا۔ کہ کیوں بیٹھ رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہادت پا چکے ہیں۔ ابن نضر نے کہا۔ کہ حضور کے بعد تم زندہ رہ کر کیا کرو گے۔ تم بھی اُسی طرح دین پر شہید ہو جاؤ۔ پھر ابن نضر نے جنگ کیا اور شہید ہو گئے[2]۔

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب قول اللہ عز وجل من المؤمنین رجال صدقوا ما عاهدوا الله علیه الآیہ

[2] سیرت ابن ہشام؛

حضرت ابن نضر کی طرح ثابت بن دحداح آئے اور انصار سے یوں خطاب کیا۔ "اے گروہ انصار! اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو چکے۔ تو اللہ تو زندہ ہے۔ مرتا نہیں۔ تم اپنے دین کے لئے لڑو۔" یہ کہہ کر انہوں نے چند انصار کے ساتھ خالد بن ولید کی فوج پر حملہ کیا۔ مگر خالد بن ولید نے اُن کو شہید کر دیا۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی افواہ اور مسلمانوں کی نظروں سے غائب ہونے کے بعد سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک انصاری نے حضور کو پہچانا۔ سر مبارک پر مغفر تھا جس کے نیچے سے آپ کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ حضرت کعب نے زور سے پکار کر کہا۔ "مسلمانو! تم کو بشارت ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہیں۔" یہ سُن کر ایک جماعت حاضر خدمت ہوئی۔ اور آپ حضرت ابو بکر صدیق۔ عمر فاروق۔ علی مرتضیٰ طلحہ بن عبید اللہ۔ زبیر بن العوام اور حارث بن صمہ وغیرہ کے ساتھ شعب کی طرف متوجہ ہوئے۔ تاکہ اپنے باقی اصحاب کا حال دیکھیں۔ اب کفار نے بھی سب طرف سے ہٹ کر اسی رُخ پر زور دیا۔ وہ بار بار ہجوم کر کے حملہ آور ہوتے تھے۔ ایک دفعہ ہجوم ہوا۔ تو حضور نے فرمایا۔ "کون مجھ پر جان دیتا ہے۔" حضرت زیاد بن سکن پانچ یا سات انصاری ساتھ لے کر حاضر ہوئے جنہوں نے یکے بعد دیگرے جانبازی سے لڑ کر جانیں فدا کر دیں۔ عتبہ بن ابی وقاص نے پتھر مار کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دانت مبارک (رباعیہ یمنی سفلی) شہید کر دیا۔ اور نیچے کا ہونٹ زخمی کر دیا۔ ابن قمئہ لعین نے چہرہ مبارک ایسا زخمی کیا۔ کہ خود کے دو حلقے رخسارِ مبارک میں گھُس گئے۔ اور آپ اُن گڑھوں میں سے ایک گڑھے میں گر پڑے جو ابو عامر فاسق نے بدیں غرض کھودے تھے۔ کہ مسلمان بے علمی میں اُن میں گر پڑیں۔ اس حالت میں حضور فرماتے تھے۔ کیف یفلح قوم شجوا نبیھم (وہ قوم کیا فلاح پا سکتی ہے جس نے اپنے پیغمبر کو زخمی کر دیا) اس پر یہ آیت نازل ہوئی:-

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ (آل عمران ع)	تیرا اختیار کچھ نہیں یا اُن کو توبہ دیوے یا اُن کو عذاب کرے کہ وہ ناحق پر ہیں!

حضرت علی مرتضیٰ نے حضور کا ہاتھ مبارک پکڑا۔ اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے آپ کو اُٹھایا۔

[1] اصابہ ترجمہ ثابت بن دحداح!

یہاں تک کہ آپ سیدھے کھڑے ہو گئے۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح نے اپنے دانتوں سے خود کا ایک حلقہ نکالا۔ تو اُن کا ایک سامنے کا دانت گر پڑا۔ دوسرا حلقہ نکالا۔ تو دوسرا نکل گیا۔ حضرت ابو سعید خدری کے والد مالک بن سنان نے حضور کا خون چوس کر پی لیا۔ حضور خود بھی کپڑے سے اپنے چہرے کا خون پونچھ رہے تھے۔ کہ مبادا زمین پر گر پڑے تو عذاب نازل ہو۔ اور یوں فرما رہے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ (اے اللہ! میری قوم کو بخش دے۔ کیونکہ وہ نہیں جانتے)!

اس موقع پر بعض اصحاب نے جانبازی کی خوب داد دی۔ چنانچہ حضرت طلحہ بن عبیداللہ نے جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ اس کثرت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سے تیر روکے۔ کہ ہاتھ بیکار ہو گیا۔ حضرت ابو دجانہ حضور کے آگے ڈھال بنے کھڑے تھے۔ ان کی پشت پر تیر لگ رہے تھے۔ مگر اپنے آقا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھکے ہوئے تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص بھی حضور انور کی مدافعت میں تیر چلا رہے تھے۔ حضور خود اُن کو اپنے ترکش میں سے تیر دیتے تھے۔ اور فرماتے تھے۔ "تم پر میرے ماں باپ قربان! پھینکتے جاؤ"۔ حضرت ابو طلحہ انصاری بڑے قدر انداز تھے۔ انہوں نے اس قدر تیر برسائے۔ کہ دو تین کمانیں ٹوٹ ٹوٹ کر ان کے ہاتھ میں رہ گئیں۔ وہ حضور انور پر چمڑے کی ڈھال کی اوٹ بنائے کھڑے تھے۔ حضور کبھی گردن اُٹھا کر دشمنوں کی طرف دیکھتے۔ تو عرض کرتے۔ "آپ پر میرے ماں باپ قربان! گردن اُٹھا کر نہ دیکھئے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی تیر لگ جائے۔ یہ میرا سینہ آپ کے سینے کے لئے ڈھال ہے"۔ حضرت شماس بن عثمان قرشی مخزومی تلوار کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدافعت کر رہے تھے۔ دائیں بائیں جس طرف سے وار ہوتا تھا۔ وہ ڈھال کی طرح آپ کو بچا رہے تھے یہاں تک شہید ہو گئے۔ ابھی رمق حیات باقی تھا۔ کہ اُن کو اُٹھا کر مدینے میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس لے گئے۔ وہاں ایک دن رات زندہ رہ کر وفات پائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اُس دن ڈھال کے سوا مجھے کوئی ایسی چیز نہ سوجھی کہ جس سے شماس کو تشبیہ دوں۔ اسی طرح سہل بن حنیف انصاری اوسی تیروں کے ساتھ مدافعت کر رہے تھے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے تھے: "سہل کو تیر دو"۔ حضرت قتادہ بن نعمان انصاری حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے مبارک کو بچانے کے لئے اپنا چہرہ سامنے

کٹے ہوئے تھے۔ آخر کار ایک تیر ان کی آنکھ میں ایسا لگا۔ کہ ڈیلا رخسارے پر آگرا۔ حضور نے اپنے دست مبارک سے اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ اور یوں دعا فرمائی "خدایا تو قتادہ کو بچا۔ جیسا کہ اس نے تیرے نبی کے چہرے کو بچایا ہے۔" پس وہ آنکھ دوسری آنکھ سے بھی تیز اور خوبصورت ہوگئی۔

اثنائے جنگ میں مشرکین کی عورتیں شہداء عظام کو مثلہ کرنے میں مشغول تھیں۔ عتبہ کی بیٹی ہند نے اپنے پاؤں کے کڑے بالیاں اور ہار حضرت امیر حمزہ کے قاتل وحشی کو دے دیئے۔ اور خود شہداء کے کانوں اور ناکوں سے اپنے واسطے کڑے، بالیاں اور ہار بنائے۔ اور حضرت حمزہ کے جگر کو پھاڑ کر چبایا۔ نگل نہ سکی۔ تو پھینک دیا۔[۵۱]

حضرت مصعب بن عمیر علم بردار لشکر اسلام نے بھی اپنے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ پر جان فدا کردی۔ جب ابن قمئہ لعین حضور کے قتل کے ارادے سے حملہ آور ہوا۔ تو حضرت مصعب نے مدافعت کی۔ مگر شہید ہو گئے۔ حضرت محمد بن شرحبیل عبدری روایت کرتے ہیں۔ کہ حضرت مصعب کا داہنا ہاتھ کٹ گیا تو انہوں نے جھنڈا بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ اور وہ کہہ رہے تھے۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ الآیہ۔ پھر بایاں ہاتھ بھی کٹ گیا۔ تو جھک کر جھنڈے کو دونوں بازوؤں کے ساتھ سینہ سے لگالیا اور آیہ مذکورہ زبان پر تھی۔ راوی کا قول ہے۔ کہ یہ آیت بعد میں نازل ہوئی۔ مگر اس دن اللہ تعالےٰ نے بجواب قول قائل قَدْ قُتِلَ مُحَمَّدٌ ان کی زبان پر جاری کر دی تھی۔[۵۲] حضرت مصعب کے بعد اسلامی جھنڈا حضرت علی مرتضیٰ کو دیا گیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعب پر چڑھے۔ تو ابی بن خلف سامنے آکر کہنے لگا۔ "اے محمدؐ! اگر تم بچ گئے۔ تو میں نہ بچوں گا۔" صحابہ کرام نے عرض کیا۔ اگر اجازت ہو۔ تو ہم میں سے ایک اس کا فیصلہ کر دے۔ حضور نے اجازت نہ دی۔ اور بذاتِ شریف حضرت حارث بن صمہ سے نیزہ لے کر اس کی گردن پر مارا۔ جس سے فقط خراش آئی۔ اور لہو نہ نکلا۔ اُبی مذکور مکہ میں حضور سے کہا کرتا تھا۔ کہ میرے پاس ایک گھوڑا ہے۔ جسے میں ہر روز آٹھ یا دس سیر پختہ ذرہ (جوار) کھلاتا ہوں۔ اس پر سوار ہو کر آپ کو قتل کروں گا۔ آپ فرماتے۔ بلکہ میں انشاء اللہ تم کو قتل کروں گا۔ جب وہ قریش میں

---

۵۱ سیرت ابن ہشام۔

۵۲ تفسیر درمنثور للسیوطی بحوالہ طبقات ابن سعد۔

واپس گیا۔ تو کہنے لگا۔ اللہ کی قسم مجھے محمدؐ نے قتل کر دیا۔ وہ کہنے لگے۔ تو بے دل ہو گیا ہے۔ اس خراش کا کچھ ڈر نہیں۔ اس نے کہا۔ کہ مکہ میں محمدؐ نے مجھ سے کہا تھا۔ کہ مَیں تجھے قتل کروں گا۔ سو اللہ کی قسم اگر وہ مجھ پر صرف تھوک دے۔ تو میں مر جاؤں گا۔ چنانچہ قریش اس دشمنِ خدا کو مکہ کی طرف لے جا رہے تھے۔ کہ راستے میں مقام سرف میں مر گیا۔[1]

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شعب کے دہانے پر پہنچے۔ تو حضرت علی مرتضیٰؓ مہراس (کنڈ) سے اپنی ڈھال پانی سے بھر لائے۔ تاکہ حضور پئیں۔ مگر آپ نے اُس میں بُو پائی اور نہ پیا۔ حضرت علیؓ نے اُس سے حضور کے چہرے سے خون دھویا۔ اور سر مبارک پر گرایا۔ اس وقت حضور نے فرمایا

اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰی مَنْ دَمّٰی وَجْهَ نَبِیِّهٖ[2]

مشرکین اب تک تعاقب میں تھے۔ چنانچہ جب آپ اصحاب مذکورہ بالا کے ساتھ شعب میں تھے۔ تو ان کے سواروں کا ایک دستہ بسر کردگی خالد بن ولید پہاڑ پر چڑھا۔ آپ نے دعا فرمائی۔ کہ خدایا یہ ہم پر غالب نہ آئیں۔ پس حضرت عمر فاروق اور مہاجرین کی ایک جماعت نے قتال کیا۔ یہاں تک کہ اُن کو پہاڑ سے اُتار دیا۔ یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چٹان پر چڑھنے لگے تو ناتوانی اور دوہری زرہ کے سبب سے نہ چڑھ سکے۔ یہ دیکھ کر حضرت طلحہ آپ کے نیچے بیٹھ گئے۔ اور آپ اس کی پشت پر سے چڑھ گئے۔ اس وقت حضور نے فرمایا۔ اوجب طلحہؓ (یعنی حضرت طلحہ نے وہ کام کیا۔ کہ جس سے وہ بہشت کے مستحق ہو گئے) اُس روز زخموں کی وجہ سے حضور نے نمازِ ظہر بیٹھ کر ادا کی اور مقتدیوں نے بھی بیٹھ کر پڑھی!

جب ابو سفیان نے میدان سے واپس ہونے کا ارادہ کیا۔ تو سامنے کی ایک پہاڑی پر چڑھ کر پکارا۔ کیا تم میں محمدؐ ہیں؟ حضور نے فرمایا۔ کہ اس کو جواب نہ دو۔ وہ پھر پکارا۔ کیا تم میں ابن ابی قحافہ ہے؟ آپ نے فرمایا۔ اس کا جواب نہ دو۔ اس نے پھر پکار کر کہا۔ کیا تم میں ابن خطاب ہے؟ جب جواب نہ ملا تو کہنے لگا۔ کہ یہ سب مارے گئے۔ کیونکہ اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔ حضرت عمر سے رہا نہ گیا۔ بول اُٹھے" او دشمن خدا! تو نے جھوٹ کہا۔ وہ سب زندہ ہیں۔ اللہ نے تیرے

---

[1] سیرت ابن ہشام!

[2] اللہ کا غضب سخت ہے اُس پر جس نے اس کے پیغمبر کا چہرہ خون آلودہ کر دیا (سیرت ابن ہشام)!

واسطے وہ باقی رکھا ہے۔ جو تجھے غمگین کرے گا (فتح کے دن)۔" ابو سفیان بولا۔

اُعْلُ ہُبَل	اے ہبل تو اونچا رہ

صحابہ کرام نے حسب ارشاد حضور جواب دیا۔

اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلّ	اللہ اونچا اور بڑا ہے۔

ابو سفیان نے کہا۔

لنا العزّٰی ولا عزّٰی لکُمْ	ہمارے پاس عزّٰی ہے اور تمہارے پاس نہیں۔

صحابہ کرام نے حسب ارشاد نبوی جواب دیا۔

اَللّٰہُ مولانا ولا مولیٰ لکم	اللہ ہمارا ناصر و مددگار ہے اور تمہارا کوئی ناصر نہیں۔

ابو سفیان نے کہا۔ آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے۔ لڑائی میں کبھی جیت کبھی ہار ہوتی ہے تم اپنی قوم میں ناک کان کٹے پاؤ گے۔ میں نے اپنی فوج کو یہ حکم نہیں دیا۔ مگر اس پر کچھ رنج بھی نہیں ہوا[1]۔ اس کے بعد ابو سفیان یہ کہہ کر واپس ہوا۔ کہ ہمارا اور تمہارا مقابلہ آئندہ سال موسم بدر میں ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمادیا۔ کہ کہہ دیجئے ہاں بدر ہمارا اور تمہارا موعد ہے۔ اس طرح جب مشرکین مکہ کو لوٹے۔ تو صحابہ کرام کو خدشہ ہوا کہ مبادا وہ مدینہ کا قصد کریں۔ اس لئے حضور انور نے حضرت علی مرتضیٰ کو دریافت حال کے لئے بھیجا۔ اور فرمادیا۔ کہ اگر وہ اونٹوں پر سوار ہوں۔ اور گھوڑوں کو پہلو میں خالی لے جارہے ہوں۔ تو سمجھنا کہ وہ مکہ کو جاتے ہیں۔ اگر اس کا عکس کریں۔ تو مدینہ کا قصد رکھتے ہیں۔ حضرت مرتضیٰ خبر لائے۔ کہ وہ اونٹوں پر سوار گھوڑوں کو خالی لے جارہے ہیں۔ اور مکہ کی طرف متوجہ ہیں۔ سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ الآیۃ (آل عمران ع ۱۶) مشرکین کے اسی فرار کی طرف اشارہ ہے۔ جیسا کہ پہلے آچکا ہے۔

خواتین اسلام نے بھی اس غزوہ میں حصہ لیا۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور ام سلیمؓ (والدہ انسؓ) پائنچے چڑھائے ہوئے کہ جس سے ان کے پاؤں کی جھانجیں نظر آتی تھیں مشکیں بھر بھر کر لاتی تھیں۔ اور مسلمانوں کو پانی پلاتی تھیں۔ جب مشکیں خالی ہو جاتیں۔ تو پھر بھر لاتیں اور پلاتیں۔ حضرت ام سلیطؓ (والدہ حضرت ابو سعید خدری) بھی یہی خدمت بجا لا رہی تھیں۔ حضرت ام ایمن

[1] صحیح بخاری غزوۂ اُحد۔

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ) اور حمنہ بنت جحش (ام المومنین زینب کی بہن) پانی پلاتیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ حضرت ام عمارہ نسیبہ بنت کعب انصاریہ (زوجہ زید بن عاصم انصاری مازنی) اپنے شوہر اور دونوں بیٹوں کے ساتھ مشک لے کر نکلیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف چند جانباز رہ گئے۔ تو یہ حضور کے پاس پہنچیں۔ اور تیر اور تلوار سے کافروں کو روکتی رہیں۔ جب ابن قمئہ لعین حضور کی طرف بڑھا۔ تو حضرت مصعب بن عمیر اور چند اور مسلمان مقابل ہوئے۔ ان میں ام عمارہ بھی تھیں۔ ابن قمئہ نے ان کے کندھے پر ایسی ضرب لگائی۔ کہ غار پڑ گیا۔ ام عمارہ نے بھی کئی وار کئے مگر وہ دشمن خدا دُہری زرہ پہنے ہوئے تھا۔ اس لئے کارگر نہ ہوئے۔ حضرت صفیہ (حضرت امیر حمزہؓ کی بہن) مسلمانوں کی شکست پر اُحد میں نیزہ ہاتھ میں لئے آئی۔ اور بھاگنے والوں کے منہ پر مار کر کہتی تھیں۔ کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگے ہو۔ پھر بھائی کی لاش دیکھ کر بڑے استقلال سے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا۔ اور دعائے مغفرت کی۔

جب مشرکین میدان کارزار سے چلے گئے۔ تو مدینہ کی عورتیں صحابہ کرام کی مدد کو نکلیں۔ ان میں حضرت فاطمۃ الزہرا بھی تھیں۔ جب حضرت فاطمہؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ تو خوشی کے مارے حضور کے گلے لپٹ گئیں۔ اور آپ کے زخموں کو دھونے لگیں۔ حضرت علی مرتضیٰ ڈھال سے پانی گرا رہے تھے۔ جب حضرت زہرا نے دیکھا۔ کہ پانی سے خون زیادہ نکل رہا ہے۔ تو چٹائی کا ایک ٹکڑا جلا کر لگا دیا۔ جس سے خون[1] بند ہو گیا۔ پھر حضور نے فرمایا۔ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰہِ عَلٰی قَوْمٍ دَمُّوْا وَجْہَ رَسُوْلِہٖ پھر تھوڑی دیر کے بعد فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہ کو حضرت سعد بن ربیع کا حال معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے حضرت سعد کو مقتولین میں زخمی پایا۔ (ان پر تیر و تلوار اور نیزے کے ستر زخم تھے) اُن میں فقط رمق حیات باقی تھا۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے کہا۔ کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔ کہ میں دیکھوں کہ تم زندوں میں ہو یا مُردوں میں۔ حضرت سعد نے دھیمی آواز سے جواب دیا۔ "میں مردوں میں ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میرا اسلام

---

[1] صحیح بخاری۔ غزوہ اُحد۔

پہنچانا۔ اور عرض کرنا۔ کہ سعد بن ربیع آپ سے گزارش کرتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ آپ کو ہماری طرف سے اچھی سے اچھی جزاء دے۔ جو اُس نے کسی نبی کو اس کی امت کی طرف سے دی ہے۔ اور اپنی قوم کو میرا اسلام پہنچانا۔ اور ان سے کہنا کہ اگر کوئی (دشمن) تمہارے پیغمبر تک (بارادۂ قتل) پہنچ جائے۔ اور تم میں سے ایک بھی زندہ ہو۔ تو خدا کی بارگاہ میں تمہارا کوئی عذر نہ ہوگا۔" حضرت سعد یہ کہہ کر واصل بحق ہو گئے۔ حضرت محمد بن مسلمہ نے حضور کی خدمت میں صورت حال عرض کر دی۔ حضور نے سُن کر فرمایا: "اللہ اس پر رحم کرے۔ اس نے حیات و موت میں خدا اور رسول خدا کی خیر خواہی کی"[1]

اس غزوہ میں مسلمانوں میں سے ستّر یا کچھ کم و بیش شہید ہوئے۔ ابن نجار نے ان سب کے نام دئے ہیں۔ جن میں سے چار مہاجرین میں سے اور باقی چھیاسٹھ انصار میں سے ہیں[2]۔ اختتام جنگ پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم شہدائے کرام کی لاشوں میں تشریف لے گئے۔ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاش مبارک کو دیکھ کر فرمایا۔ کہ ایسا دردناک منظر میری نظر سے کبھی نہیں گذرا۔ حضرت حمزہؓ ساتوں آسمانوں میں شیر خدا اور شیر رسول لکھے گئے۔ پھر تمام لاشوں پر نظر ڈالتے ہوئے فرمایا[3]

انا شھیدٌ علیٰ ھٰؤلاءِ یوم القیامۃ	میں قیامت کے دن ان کا شفیع ہوں۔

بعد ازاں حکم دیا کہ ان کو دفن کر دیا جائے۔ کپڑے کی قلت کا یہ عالم تھا کہ عموماً دو دو تین تین ملا کر ایک ہی کپڑے میں ایک ایک قبر میں دفن کر دئے گئے جس کو قرآن زیادہ یاد ہوتا۔ اس کو مقدم کیا جاتا۔ ان شہدا پر اُس وقت نماز جنازہ نہ پڑھی گئی۔ بلکہ بے غسل اُسی طرح خون میں لتھڑے ہوئے دفن کر دئے گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین؛

سیّد الشہداء امیر حمزہ رضہ کو ایک چادر میں دفن کیا گیا۔ مگر چادر کوتاہ تھی۔ اگر منہ ڈھانپتے۔ تو قدم ننگے رہتے۔ قدموں کو چھپاتے۔ تو منہ ننگا رہتا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ منہ کو ڈھانپ دو اور قدموں پر حرمل ڈال دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا[4]۔

---

[1] استیعاب و مواہب۔

[2] وفاء الوفا للسمہودی جز ثانی۔ صـ ۱۱۳

[3] صحیح بخاری غزوہ احد۔

[4] طبقات ابن سعد؛

حضرت مصعب بن عمیر جب شہید ہوئے۔ تو ان کے پاس صرف ایک کملی تھی۔ اُس سے سر ڈھانپتے۔ تو پاؤں ننگے رہتے۔ اور پاؤں چھپاتے۔ تو سر ننگا رہتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے سر کملی سے ڈھانپ دیا گیا اور پاؤں اذخر[1] گھاس سے چھپا دئے گئے[2]۔

حضرت وہب بن قابوس مزنی اور ان کا بھتیجا حارث بن عقبہ بن قابوس بکریاں چراتے مدینہ میں آئے۔ جب معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ احد پر تشریف لے گئے ہیں۔ تو اسلام لاکر حاضر خدمت اقدس ہوئے۔ خالد و عکرمہ کے حملہ کے وقت حضرت وہب بڑی بہادری سے لڑے مشرکین کا ایک دستہ آگے بڑھا۔ تو آپ نے تیروں سے ہٹا دیا۔ دوسرا آیا۔ تو اُسے تلوار سے بھگا دیا۔ تیسرا آیا۔ تو تلوار سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ ان کا بھتیجا بھی اِسی طرح لڑ کر شہید ہوا۔ مشرکین نے حضرت وہب کو بُری طرح سے مُثلہ کر دیا تھا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اگرچہ زخموں سے نڈھال تھے۔ مگر دونوں لاشوں پر کھڑے رہے۔ اور حضرت وہب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

رضی اللہ عنك فانّی عنك راضٍ	اللہ تجھ سے راضی ہو۔ میں تو تجھ سے راضی ہوں۔

حضرت وہب کو لحد میں رکھا گیا۔ تو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کا سر ان ہی کی چادر سے چھپا دیا۔ مگر وہ چادر ان کی نصف ساق تک پہنچی۔ اس لئے حضور کے ارشاد سے پاؤں پر حرمل ڈال دی گئی۔ حضرت عمر فاروق اور حضرت سعد بن ابی وقاص تمنا کیا کرتے تھے کہ کاش ہم خدا تعالیٰ سے مزنی کے حال میں ملیں[3]۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام کا جنازہ اُٹھایا گیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رونے والی عورت کی آواز سُنی اور دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے؟ عرض کیا گیا کہ مقتول کی بہن یا پھوپھی ہے۔ فرمایا کہ یہ کیوں روتی ہے یا فرمایا کہ نہ روئے۔ کیونکہ جنازہ اُٹھنے تک فرشتے اسے اپنے بازوؤں سے سایہ کرتے رہے ہیں[4]۔ ترمذی (ابواب تفسیر القرآن) میں حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے ملے۔ فرمایا کہ تو غمگین کیوں ہے؟ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ!

---

[1] فارسی گورگیا۔ ہندی گندھیس۔ گند بیل۔
[2] بخاری بغزوہ احد۔
[3] طبقات ابن سعد۔
[4] بخاری۔ باب مایکرہ من النیاحۃ علی المیت۔

میرا باپ اُحد کے دن شہید ہوگیا اور قرض و عیال چھوڑ گیا۔ آپ نے فرمایا۔ کیا میں تجھے بشارت نہ دوں کہ خدا تیرے باپ سے کس طرح ملا ہے؟ اللہ تعالےٰ نے کبھی (شہدائے احد میں سے) کسی سے بے پردہ کلام نہیں کیا۔ مگر تیرے باپ سے روبرو کلام کیا۔ اور کہا کہ مجھ سے مانگ کہ تجھے عطا کروں۔ تیرے باپ نے کہا۔ اے میرے پروردگار! تو مجھے حیات دنیوی عطا کرتا کہ میں دوبارہ تیری راہ میں شہید ہو جاؤں۔ رب عزّوجلّ نے کہا کہ میری طرف سے وعدہ ہوچکا ہے کہ وہ (مر کر) دنیا کی طرف نہ لوٹیں گے۔ پس یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا الآية
حضرت عبداللہ[1] بن عمرو بن حرام بھی ایک کملی میں دفن ہوئے تھے۔ پاؤں حرمل سے چھپا دیئے گئے تھے۔

حضرت عبداللہ بن جبیر تیر اندازوں کے امیر تھے۔ جب اُن کے ساتھ صرف چند آدمی رہ گئے۔ تو مشرکین نے ان پر حملہ کیا۔ وہ سب شہید ہو گئے۔ مگر اپنی جگہ کو نہ چھوڑا۔ حضرت عبداللہ پہلے دشمنوں پر تیر پھینکتے رہے۔ جب تیر ختم ہو گئے۔ تو نیزہ سے کام لینے لگے۔ جب نیزہ بھی ٹوٹ گیا۔ تو تلوار سے لڑتے رہے یہانتک کہ شہید ہو گئے۔ کفار نے آپ کو بُری طرح سے مُثلہ کر دیا تھا۔ آپ کے بھائی حضرت خوات بن جبیر نے کمانوں سے گڑھا کھود کر آپ کو دفن کر دیا۔[2]

حضرت عمرو بن جموح لنگڑے تھے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ معذور ہیں۔ آپ پر جہاد فرض نہیں۔ مگر وہ مسلّح ہو کر نکلے اور کہنے لگے کہ مجھے امید ہے کہ میں اِسی طرح بہشت میں ٹہلا کروں گا۔ پھر قبلہ رو ہو کر یوں دعا کی۔ "خدایا! مجھے شہادت نصیب کر اور اپنے اہل کی طرف محروم واپس نہ لا۔" چنانچہ اُحد میں شہید ہو گئے۔[3]

اثنائے جنگ میں ایک مسلمان کھڑا ہوا کھجوریں کھا رہا تھا۔ اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں مارا گیا۔ تو کہاں ہوں گا؟ آپ نے فرمایا۔ "بہشت میں"۔ یہ سُن کر اُس نے کھجوریں ہاتھ سے پھینک دیں اور لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔[4]

شہدائے کرام کی تدفین کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کو واپس آئے۔ راستے میں جو عورتیں

---

[1] زاد المعاد۔ غزوہ احد۔
[2] طبقات ابن سعد۔
[3] استیعاب لابن عبدالبر۔
[4] بخاری۔ غزوہ احد۔

اپنے اہل واقارب کا حال دریافت کرتی تھیں۔ حضور بتلاتے جاتے تھے۔ آپ بنو دینار کی ایک عورت کے برابر سے گزرے۔ جس کا شوہر اور بھائی اور باپ اُحد میں شہید ہو گئے تھے۔ لوگوں نے اُسے تینوں کی شہادت کی خبر دی۔ تو اُس نے کچھ پروا نہ کی۔ اور پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ بخیر ہیں۔ کہنے لگی کہ مجھے دکھا دو تاکہ میں آنکھوں سے دیکھ لوں۔ چنانچہ اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔ اُس نے جب حضور انور بابی ہو وامی کو دیکھا۔ تو پکار اٹھی۔[1]

کُلُّ مُصِیْبَۃٍ بَعْدَکَ جَلَلٌ	آپ کے ہوتے ہر ایک مصیبت ہیچ ہے؛

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے محلہ بنی عبد الاشہل میں پہنچے۔ تو ان کی عورتوں کو دیکھا کہ اپنے مقتولین پر رو رہی ہیں۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور زبان مبارک سے نکلا۔

اما حمزۃ فلا بواکی لہ	لیکن حمزہ کے لئے کوئی رونے والیاں نہیں؛

یہ سُن کر حضرت سعد بن معاذ ان عورتوں کے پاس گئے اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ دولت پر جا کر ماتم کرو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ہم بھی شامل گریہ ہو گئیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سو گئے اور ہم رو رہی تھیں۔ آپ نے جاگ کر نماز عشا پڑھی اور سو گئے۔ پھر جو آنکھ کھلی اور رونے کی آواز سُنی۔ تو فرمایا۔ کیا تم اب تک رو رہی ہو؟ یہ فرما کر آپ نے رونے والیوں کو رخصت کیا۔ اور ان کے لئے اور اُن کے ازواج و اولاد کے لئے دعائے خیر فرمائی۔ جب صبح ہوئی۔ تو آپ نے نوحہ سے منع فرما دیا۔[2]

اس واقعہ سے آٹھ برس کے بعد ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس طرف کو نکلے۔ اور شہدائے اُحد پر نماز جنازہ پڑھی۔ اس کے بعد آپ نے منبر منیف پر رونق افروز ہو کر یہ خطبہ دیا۔[3]

اِنِّیْ فَرَطٌ لَکُمْ وَاِنِّیْ وَاللّٰہِ لَاَنْظُرُ اِلٰی حَوْضِیْ اَلْاٰنَ وَاِنِّیْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ	بے شک میں تمہارے واسطے فرط[4] (پیشرو) ہوں۔ اللہ کی قسم میں اِس وقت اپنے حوض کو دیکھ رہا ہوں بے شک مجھے زمین کے

[1] سیرت ابن ہشام؛

[2] طبقات ابن سعد؛

[3] بخاری۔ کتاب الجنائز۔ باب الصلوٰۃ علی الشہید۔

[4] فرط آنکہ پیش قوم رود تا اسباب آبخور را درست کند۔ منتہی الارب۔

خَزَائِنِ الْاَرْضِ اَوْمَفَاتِحَ الْاَرْضِ وَاِنِّیْ وَاللّٰہِ مَا اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْا بَعْدِیْ وَلٰکِنْ اَخَافُ عَلَیْکُمْ اَنْ تَنَافَسُوْا فِیْھَا۔	خزانوں کی کنجیاں یا زمین کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں خدا کی قسم! مجھے یہ ڈر نہیں کہ تم میرے بعد مشرک بن جاؤگے۔ لیکن یہ ڈر ہے کہ تم دنیا میں نہ پھنس جاؤ۔

ہجرت کا چوتھا سال

غزوۂ بنی نضیر یہ غزوہ ماہ ربیع الاول میں ہوا۔ جس کی وجہ نقض عہد سابق تھی۔ بنو عامر کے دو شخص جن کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد تھا مدینہ منورہ سے اپنے اہل کی طرف نکلے۔ راستے میں عمرو بن امیہ ضمری ان سے ملا۔ اُسے معلوم نہ تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوار میں ہیں۔ اُس نے دونوں کو قتل کر دیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مطالبہ دیت کے لئے بنو نضیر سے مدد مانگی۔ انہوں نے جواب دیا کہ آپ تشریف رکھئے۔ ہم باہم مشورہ کرتے ہیں۔ پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حضرات ابوبکر و عمر و علی وغیرہ کے ساتھ ان کی ایک دیوار تلے بیٹھ گئے۔ یہود نے بجائے مدد دینے کے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ بےخبری میں دیوار پر سے آپ پر چکی کا پاٹ پھینک دیں۔ حضرت جبرئیل نے آپ کو اطلاع کر دی۔ آپ فوراً وہاں سے مدینہ منورہ میں تشریف لائے اور جنگ کے لئے تیار ہو کر اُن پر حملہ آور ہوئے۔ بنو قریظہ بھی برسر پیکار تھے۔ آخر کار آپ نے بنو نضیر کو جلاوطن کر دیا۔ بدیں شرط کہ اُن کو اجازت دی کہ جو مال وہ اونٹوں پر لے جا سکیں لے جائیں۔ چنانچہ وہ اپنے اموال لے کر خیبر میں اور بعضے اذرعات واقع شام میں چلے گئے۔ مگر بنو قریظہ پر آپ نے احسان کیا کہ ان کو امن دے دیا[1]۔ جمادی الاولیٰ میں غزوہ ذات الرقاع ہوا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بنو محارب اور بنو ثعلبہ کے قصد سے نجد کی طرف نکلے۔ مگر قتال وقوع میں نہ آیا۔ امام بخاری نے اس غزوہ کو غزوہ خیبر کے بعد بتایا ہے۔ ممکن ہے کہ یہ غزوہ دو دفعہ ہوا ہو۔ صلوٰۃ الخوف سب سے پہلے اسی غزوہ میں پڑھی گئی۔ اسی میں غورث بن حارث کا قصہ پیش آیا۔

ہجرت کا پانچواں سال

غزوۂ دومۃ الجندل ماہ ربیع الاول میں غزوۂ دومۃ الجندل[2] پیش آیا۔ مگر قتال وقوع میں نہ آیا۔

[1] صحیح بخاری مع قسطلانی باب حدیث بنی نضیر۔
[2] یہ موضع دمشق و مدینہ منورہ کے درمیان دمشق سے سات منزل پر ہے۔

شعبان میں غزوہ مُریسیع یا غزوہ بنی المصطلق ہوا جس میں بنو المصطلق مغلوب ہوئے قصہ افک یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا پر منافقوں نے جو تہمت لگائی تھی وہ اِسی غزوہ سے واپسی پر پیش آیا۔

غزوۂ احزاب | ماہ ذیقعدہ میں غزوہ احزاب یا غزوہ خندق واقع ہوا۔ بنو نضیر جلا وطن ہو کر خیبر میں آ رہے تھے۔ ان کے سرداروں حیی بن اخطب وغیرہ نے مکہ میں جا کر قریش کو مسلمانوں سے لڑنے پر اُبھارا۔ اور دیگر قبائل عرب کو بھی اپنے ساتھ متفق کر لیا۔ بنو قریظہ پہلے شامل نہ تھے۔ مگر حیی بن اخطب نے آخر کار اُن کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا۔ غرض قریش و یہود و قبائل عرب بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدینہ کی طرف بڑھے۔ چونکہ اس غزوہ میں تمام قبائل عرب و یہود شامل تھے۔ اس واسطے اس کو غزوہ احزاب (حزب بمعنی طائفہ) کہتے ہیں۔ کفار کی تیاری کی خبر سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کرام سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسی نے عرض کیا کہ کھلے میدان میں لڑنا مصلحت نہیں۔ مدینہ اور دشمن کے درمیان ایک خندق کھود کر مقابلہ کرنا چاہئے۔ سب نے اس رائے کو پسند کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مستورات اور بچوں کو شہر کے محفوظ قلعوں میں بھیج دیا۔ اور بذات شریف تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ شہر سے نکلے۔ اور شامی طرف میں سلع کی پہاڑی کو پس پشت رکھ کر خندق کھودی۔ اِس واسطے اس غزوہ کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں خندق کھودنے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی بغرض ترغیب شامل تھے۔ کفار نے ایک ماہ محاصرہ قائم رکھا۔ وہ خندق کو عبور نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے دور سے تیر اور پتھر برساتے تھے۔ ایک روز قریش کے کچھ سوار عمرو بن عبد ود وغیرہ ایک جگہ سے جہاں اتفاقاً عرض کم رہ گیا تھا خندق کو عبور کر گئے۔ عمرو مذکور نے مبارز طلب کیا۔ حضرت علی مرتضیٰ آگے بڑھے اور تلوار سے اُس کا فیصلہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر باقی ہمراہی بھاگ گئے۔ آخر کار قریظہ و قریش میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور[۱] باوجود سردی کے موسم کے ایک رات باد صرصر کا ایسا طوفان آیا کہ خیموں کی طنابیں اکھڑ گئیں اور گھوڑے چھوٹ گئے کھانے کے دیگچے چولھوں پر الٹ الٹ جاتے تھے۔ امتداد محاصرہ کے سبب سے سامان رسد بھی ختم ہو چکا تھا

[۱] کفار کا بڑے زور شور سے مدینہ پر حملہ کرنا۔ مخلصوں کا ثابت قدم رہنا اور منافقوں سے کلمات نفاق کا سرزد ہونا اور طوفان باد سے لشکر کفار کا برباد ہونا۔ یہ سب کچھ سورہ احزاب میں مذکور ہے:

اس لئے قریش و دیگر قبائل محاصرہ اُٹھانے پر مجبور ہو گئے۔ اور بنو قریظہ اپنے قلعوں میں چلے آئے اس غزوہ میں اوس کے سردار سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رگ اکحل تیر لگنے سے کٹ گئی۔ مسجد میں رفیدہ انصاریہ کا خیمہ تھا جو زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی تھیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سعد کو علاج کے لئے اسی خیمہ میں بھیج دیا۔ مگر وہ اس زخم سے جانبر نہ ہوئے۔ اور ایک ماہ کے بعد انتقال فرما گئے۔ اس غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد معجزے ظہور میں آئے۔

غزوۂ بنی قریظہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خندق سے واپس تشریف لائے۔ تو نماز ظہر کے بعد بنو قریظہ سے جنگ کا حکم آیا۔ بنو قریظہ نقض عہد کر کے احزاب کے ساتھ مل گئے تھے۔ اس لئے حضور تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے۔ اور پچیس دن ان کو محاصرہ میں رکھا۔ آخرکار انہوں نے حضرت سعد بن معاذ کو حَکَم منظور کر لیا۔ حضرت سعد نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کے مرد قتل کئے جائیں۔ عورتیں اور بچے گرفتار کر لئے جائیں اور ان کا مال و اسباب غنیمت سمجھا جائے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

قضیت بحکم اللہِ | تو نے اللہ کے حکم (استثناء، باب ۲۰ - آیہ ۱۰) کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ مردوں کی تعداد چھ سو یا سات سو تھی۔ اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہوا جن کا قصہ قرآن کریم میں مذکور ہے؛

ہجرت کا چھٹا سال

بیعت رضوان ماہ جمادی الاولیٰ میں غزوہ بنی لحیان پیش آیا۔ مگر مقابلہ نہ ہوا۔ ماہ ذیقعدہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار چار سو صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ کے ارادے سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں قریش نے آپ کو روک دیا۔ آپ نے حضرت عثمان غنی کو گفتگوئے صلح کے لئے مکہ میں بھیجا۔ بعد ازاں یہ غلط خبر اُڑی کہ حضرت عثمان غنی قتل کر دئے گئے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ببول کے درخت کے نیچے صحابہ کرام سے جاں نثاری کی بیعت لی۔ جسے بیعت الرضوان کہتے ہیں۔ آخرکار ہر دو فریق کے درمیان معاہدہ صلح لکھا گیا۔ جسے صلح حُدَیْبِیَہ[1] کہتے ہیں۔

ہجرت کا ساتواں سال

والیانِ ملک کو دعوتِ اسلام جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ذی الحجہ ۶ھ میں) حدیبیہ سے واپس

[1] یہ بستی مکہ مشرفہ سے ایک منزل ہے۔

تشریف لائے۔ تو آپ نے شروع ۷ھ میں والیان ملک کو دعوت اسلام کے خطوط ارسال فرمائے۔ جن کا ذکر کسی قدر تفصیل سے یہاں درج کیا جاتا ہے:

(۱) جو نامہ مبارک قیصر روم کے نام لکھا گیا اُس کے الفاظ یہ تھے:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد عبد اللہ ورسولہ الیٰ ھرقل عظیم الروم سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ اما بعد فانی ادعوک بدعایۃ الاسلام اسلم تسلم یؤتک اللہ اجرک مرتین فان تولیت فان علیک اثم الاریسین ویاھل الکتٰب تعالوا الیٰ کلمۃ سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئًا ولا یتخذ بعضنا بعضًا اربابًا من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے بندے اور رسول محمدؐ کی طرف سے ہرقل امیر روم کے نام۔ سلام اُس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اما بعد میں تجھ کو دعوت اسلام کی طرف بلاتا ہوں تو اسلام لا۔ سلامت رہے گا۔ خدا تجھ کو دوہرا ثواب دے گا۔ اگر تو نے روگردانی کی۔ تو تیری رعایا کا گناہ تجھ پر ہوگا۔ اے اہل کتاب! آؤ ایسی بات کی طرف جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے کہ ہم خدا کے سوا کسی کی پوجا نہ کریں اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر دوسرے کو خدا نہ بنائے۔ اگر وہ نہیں مانتے تو کہہ دو۔ تم گواہ رہو کہ ہم ماننے والے ہیں۔"

رومیوں اور ایرانیوں میں دیر سے لڑائی چلی آتی تھی۔ ایرانیوں نے ملک شام فتح کر لیا تھا۔ ہرقل کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ اُسے اپنے پایہ تخت قسطنطنیہ پر ایرانی حملہ کا اندیشہ ہوگیا تھا۔ اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں خبر دی کہ رومی جو شام میں مغلوب ہوگئے ہیں چند سال میں وہ ایرانیوں پر غالب آئیں گے۔ یہ پیشین گوئی صلح حدیبیہ سے نو سال پیشتر ہوئی تھی اور حرف بحرف پوری ہوئی۔ چنانچہ حدیبیہ کے دن مسلمانوں کو رومیوں کی فتح کی خبر پہنچی۔ ہرقل اس فتح کے شکرانہ کے لئے حمص سے بیت المقدس میں پیادہ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نامہ مبارک حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی کے ہاتھ روانہ کیا تھا۔ حضرت دحیہ نے وہ خط ہرقل کے گورنر شام حارث غسانی کو بصرے میں دیدیا۔ اُس نے قیصر کے پاس بیت المقدس میں بھیج دیا قیصر نے حکم دیا کہ اِس مدعی نبوت کی قوم کا کوئی آدمی یہاں ملے۔ تو لاؤ۔ اتفاق یہ کہ ابو سفیان جو اس وقت تک ایمان نہ لائے تھے تاجران قریش کے ساتھ غزہ[۱] میں آئے ہوئے تھے۔ قیصر کا قاصد ان سب کو

[۱] یہ شہر انتہائے شام میں مصر کی طرف واقع ہے؛

بیت المقدس میں لے گیا۔ ابوسفیانؓ کا بیان ہے۔ کہ جب ہم کو قیصر کے پاس لے گئے۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ تاج پہنے ہوئے دربار میں تخت پر بیٹھا ہے۔ اور اُس کے گرداگرد امرائے روم ہیں۔ اُس نے اپنے ترجمان سے کہا کہ ان (قریشیوں) سے پوچھو۔ کہ تم میں بلحاظ نسب اِس مدعی نبوّت سے کون اقرب ہے؟ (قول ابو سفیان) میں نے کہا کہ میں اقرب ہوں۔ قیصر نے رشتہ دریافت کیا۔ میں نے کہا۔ وہ میرا چچیرا بھائی ہے۔ قافلہ میں اُس وقت عبد مناف کی اولاد میں سے میرے سوا کوئی نہ تھا۔ قیصر کے حکم سے مجھے نزدیک بلایا گیا اور میرے ساتھیوں کو میری پیٹھ پیچھے بٹھایا گیا۔ پھر قیصر نے اپنے ترجمان سے کہا۔ کہ اس کے ساتھیوں سے کہہ دو کہ میں اِس (ابوسفیان) سے اُس مدعی نبوت کا حال دریافت کرتا ہوں۔ اگر یہ جھوٹ بولے۔ تو کہہ دینا کہ یہ جھوٹ بولتا ہے۔ ابوسفیان کا قول ہے کہ اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ میرے ساتھی میرا جھوٹ اوروں سے نقل کیا کریں گے۔ تو میں اُس کا حال بیان کرنے میں جھوٹ بولتا۔ مگر اس ڈر سے میں سچ ہی بولا۔ اس کے بعد قیصر و ابوسفیان میں بذریعہ ترجمان یہ گفتگو ہوئی:۔

قیصر۔ اِس مدعی نبوت کا نسب تم میں کیسا ہے؟۔

ابوسفیان۔ وہ شریف النسب ہے۔

قیصر۔ کیا اس سے پہلے تم میں سے کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟

ابوسفیان۔ نہیں:۔

قیصر۔ کیا اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟

ابوسفیان۔ نہیں:۔

قیصر۔ اِس کے پیرو اکابر ہیں یا کمزور لوگ؟

ابوسفیان۔ کمزور لوگ ہیں:۔

قیصر۔ اس کے پیرو زیادہ ہو رہے ہیں یا کم ہوتے جاتے ہیں؟

ابوسفیان۔ زیادہ ہو رہے ہیں:۔

قیصر۔ کیا اس کے پیروؤں میں سے کوئی اس کے دین سے ناخوش ہو کر اُس دین سے پھر بھی جاتا ہے؟

ابوسفیان۔ نہیں:۔

قیصر۔ کیا دعوے نبوت سے پہلے تمہیں اس پر جھوٹ بولنے کا گمان ہوا ہے؟

ابو سفیان۔ نہیں۔

قیصر۔ کیا وہ عہد شکنی کرتا ہے؟

ابو سفیان۔ نہیں۔ لیکن اب جو ہمارا اُس کے ساتھ معاہدہ صلح ہے۔ دیکھئے اُس میں کیا کرتا ہے۔

قیصر۔ کیا تم نے کبھی اس سے جنگ بھی کی؟

ابو سفیان۔ ہاں۔

قیصر۔ جنگ کا نتیجہ کیا رہا؟

ابو سفیان۔ کبھی ہم غالب رہے اور کبھی وہ۔

قیصر۔ وہ تمہیں کیا تعلیم دیتا ہے؟

ابو سفیان۔ کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو۔ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ تمہارے آباؤ اجداد جو کچھ کہتے ہیں وہ چھوڑ دو۔ نماز پڑھو۔ سچ بولو۔ پاکدامن رہو۔ صلۂ رحم کرو۔

اس گفتگو کے بعد قیصر نے ترجمان کی وساطت سے ابو سفیان سے کہا۔ کہ تم نے اُس کو شریف النسب بتایا۔ پیغمبر اپنی قوم کے اشراف میں سے مبعوث ہوا کرتے ہیں۔ تم نے کہا کہ ہم میں سے کسی نے اُس سے پہلے نبوت کا دعوٰے نہیں کیا۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو میں سمجھ لیتا کہ اُس نے اپنے سے پہلے کے قول کا اقتداء کیا ہے۔ تم نے کہا کہ اُس کے خاندان میں کوئی بادشاہ نہیں گزرا۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو میں خیال کرتا کہ وہ اپنے آبائی ملک کا طالب ہے۔ تم نے کہا کہ دعوٰی نبوت سے پہلے وہ کبھی متہم بالکذب نہیں ہوا۔ اس سے میں نے پہچان لیا کہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ لوگوں پر تو جھوٹ نہ باندھے۔ اور خدا پر جھوٹ باندھے۔ تم نے بتایا کہ کمزور لوگ اُس کے پیرو ہیں۔ پیغمبروں کے پیرو (غالباً) کمزور لوگ ہی ہوا کرتے ہیں۔ تم نے ذکر کیا کہ اُس کے پیرو زیادہ ہو رہے ہیں۔ دین و ایمان کا یہی حال ہوتا ہے یہانتک کہ وہ تمام و کامل ہو جاتا ہے۔ تم نے بتایا کہ اُس کے پیروؤں میں سے کوئی مرتد نہیں ہوتا۔ ایمان کا یہی حال ہے کہ جب اُس کی بشاشت و لذت دل میں سرایت کر جاتی ہے۔ تو وہ دل سے نہیں نکلتا۔ تم نے کہا کہ وہ عہد شکنی نہیں کرتا۔ پیغمبر عہد نہیں توڑا کرتے۔ تم نے بیان کیا کہ جنگ میں کبھی ہم غالب رہتے ہیں اور کبھی وہ۔ پیغمبروں کا یہی حال ہوتا ہے کہ اعدائے دین کے سبب سے ان کو ابتلا ہوا کرتا ہے۔ مگر آخر کار فتح پیغمبروں ہی کو ہوتی ہے۔ تم نے اُس کی تعلیمات بیان کیں۔ اگر تم سچ کہتے ہو۔ تو میرے

قدمگاہ تک اُس کا قبضہ ہو جائے گا۔ میں جانتا تھا کہ وہ آنے والا ہے۔ مگر مجھے یہ خیال نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہو گا۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ اُس تک پہنچ جاؤں گا۔ تو مَیں اُس کی خدمت میں حاضر ہونے کی تکلیف گوارا کرتا۔ اور اگر میں اُس کے پاس ہوتا۔ تو اُس کے پاؤں دھوتا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پڑھا گیا۔ اُسے سُن کر امرائے روم نے بڑا شور و شغب برپا کیا۔ ابو سفیان اور اُس کے ہمراہی رخصت کر دئے گئے؛

قیصر حمص[1] میں چلا آیا۔ اور امرائے روم کو قصر شاہی میں جمع کر کے حکم دیا کہ دروازے بند کر دئے جائیں۔ پھر یوں خطاب کیا "اے گروہ روم! اگر تم فلاح و رُشد کے طالب ہو اور چاہتے ہو کہ تمہارا ملک برقرار رہے۔ تو اس نبی پر ایمان لاؤ" یہ سُن کر وہ خرانِ وحشی کی طرح دروازوں کی طرف بھاگے۔ مگر اُن کو بند پایا۔ جب ہرقل نے ان کی نفرت دیکھی اور ان کے ایمان سے مایوس ہو گیا۔ تو کہا کہ اُن کو میرے پاس لاؤ۔ اور اُن سے یوں خطاب کیا کہ میں تمہیں آزماتا تھا۔ کہ تم اپنے دین میں کیسے مستحکم ہو سو میں نے تم کو مستحکم پایا۔ یہ سُن کر انہوں نے قیصر کو سجدہ کیا اور اُس سے خوش گئے؛

(۲) خسرو پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں شاہ ایران کو یوں[2] لکھا گیا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد رسول اللہ الی کسریٰ عظیم فارس سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ وامن باللہ ورسولہ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمدا عبدہ ورسولہ ادعوک بدعایۃ اللہ عزوجل فانی رسول اللہ الی الناس کلھم لینذر من کان حیا و یحق القول علی الکافرین اسلم تسلم فان تولیت فعلیک اثم المجوس	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے رسول محمد کی طرف سے کسریٰ امیر فارس کے نام۔ سلام اُس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لایا اور گواہی دی کہ کوئی معبود بحق نہیں مگر خدا ایک جس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد اس کا بندہ اور رسول ہے۔ میں تجھے دعوت خدائے عزوجل کی طرف بلاتا ہوں کیونکہ میں تمام لوگوں کی طرف خدا کا رسول ہوں تا کہ ڈرا دے اُس کو جو زندہ ہو اور ثابت ہو جائے کلمۂ عذاب کافروں پر۔ تو اسلام لا۔ سلامت رہے گا۔ پس اگر تو نے نہ مانا۔ تو مجوسیوں کا گناہ تجھ پر ہے؛

[1] یہ شہر دمشق و حلب کے وسط میں واقع ہے۔

[2] مواہب لدنیہ؛

علاقہ بحرین کسرے کے زیر فرمان تھا۔ وہاں اُس کی طرف سے منذر بن ساوی عبدی تمیمی نائب السلطنت تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نامہ مبارک حضرت عبداللہ بن حذافہ قرشی سہمی کو دے کر حکم دیا[۱] کہ اسے حاکم بحرین کے پاس لے جاؤ۔ حاکم موصوف نے وہ نامہ خسرو پرویز کے پاس بھیج دیا۔ جب وہ پڑھا گیا۔ تو پرویز نے اُسے پھاڑ ڈالا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی۔ تو آپ نے پرویز اور اُس کے معاونین پر بد دعا فرمائی۔ کہ "وہ ہر طرح پارہ پارہ کئے جائیں" چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آیا۔ ان کی سلطنت جاتی رہی۔ دولت و اقبال نے منہ پھیر لیا۔ اور وہ ہلاک ہو گئے اس بربادی کی کیفیت یوں[۲] ہے۔ کہ پرویز نے نامہ مبارک کو چاک کرنے کے بعد اپنے گورنر یمن باذان کو لکھا کہ اپنے دو دلیر آدمیوں کو حجاز میں بھیجو تاکہ اِس مدعی نبوت کو پکڑ کر میرے پاس لائیں۔ باذان نے اپنے قہرمان بابویہ اور ایک شخص خرخسرہ نام کو اِس غرض کے لئے مدینہ میں بھیجا۔ اور بابویہ سے کہہ دیا کہ اس مدعی نبوت سے کلام کرنا اور اُس کے حال سے اطلاع دینا۔ یہ دونوں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے۔ بابویہ نے حقیقت حال عرض کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل میرے پاس آؤ۔ جب وہ دوسرے دن حاضر خدمت ہوئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ فلاں مہینے کی فلاں رات کو خدا نے کسرے کو قتل کر دیا اور اُس کے بیٹے شیرویہ کو اُس پر مسلط کر دیا۔ وہ بولے۔ آپ یہ کیا فرما رہے ہیں۔ کیا ہم اپنے بادشاہ (باذان) کو یہ اطلاع کر دیں؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہاں۔ میری طرف سے اُسے یہ خبر دے دو اور کہہ دو کہ میرا دین اور میری حکومت کسرے کے ملک کی انتہا تک پہنچ جائے گی۔ اور (باذان سے) یہ بھی کہہ دو کہ اگر تم اسلام لاؤ۔ تو تمہارا ملک تم ہی کو دیا جائے گا۔ دونوں نے واپس آ کر باذان سے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اِس پر کچھ عرصہ نہ گزرا تھا کہ شیرویہ کا خط باذان کے نام آیا۔ جس میں لکھا تھا کہ میں نے اپنے باپ پرویز کو قتل کر ڈالا۔ کیونکہ وہ اشرافِ فارس کا قتل جائز سمجھتا تھا۔ اِس لئے تم لوگوں سے میری طاعت کا عہد لو۔ اور اس مدعی نبوت کو جس کے بارے میں کسرے نے تم کو کچھ لکھا تھا۔ بُرا بھلا مت کہو۔ یہ دیکھ کر باذان مسلمان ہو گیا اور ایرانی جو یمن میں تھے وہ سب ایمان لے آئے۔ اس کے چھ ماہ بعد شیرویہ بھی مر گیا۔ فارس کا اخیر

---

[۱] صحیح بخاری۔ کتاب العلم وکتاب الجہاد۔

[۲] اصابہ ترجمہ جد جبیرہ۔

بادشاہ یزدجرد بن شہریار بن شیرویہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں قتل ہوا۔

(۳) اصحمہ نجاشی شاہ حبشہ کو جو نامہ مبارک[1] لکھا گیا۔ اُس کے الفاظ یہ ہیں:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد رسول اللہ الی النجاشی ملک الحبشۃ سلم انت فانی احمد الیک اللہ الذی لاالٰہ الاھو الملک القدوس السلام المؤمن المھیمن واشھد ان عیسی بن مریم روح اللہ وکلمتہ القاھا الی مریم البتول والطیبۃ الحصینۃ حملت بعیسیٰ فخلقہ من روحہ ونفخہ کما خلق اٰدم بیدہ وانی ادعوک الی اللہ وحدہ لاشریک لہ والموالاۃ علیٰ طاعتہ وان تتبعنی و تؤمن بالذی جاءنی فانی رسول اللہ الیک وانی ادعوک وجنودک الی اللہ عزوجل وقد بلغت ونصحت فاقبلوا نصیحتی۔ والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے رسول محمد کی طرف سے نجاشی شاہ حبشہ کے نام۔ تو سلامتی والا ہے۔ میں تیرے پاس خدا کا شکر کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود بحق نہیں۔ وہ بادشاہ ہے پاک ذات۔ سلامت سب عیب سے۔ امان دینے والا نگہبان۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ عیسیٰ بن مریم روح اللہ ہیں اور اللہ کا کلمہ جسے اُس نے القاء کیا مریم بتول طیبہ عفیفہ کی طرف۔ وہ بارور ہوئی عیسیٰ کے ساتھ۔ پس خدا نے اُسے پیدا کیا اپنی روح سے اور اُس کے پھونکنے سے جیسا کہ پیدا کیا آدم کو اپنے ہاتھ سے۔ اور میں تجھے بلاتا ہوں اللہ کی طرف جو وحدہ لاشریک ہے اور اس کی اطاعت پر موالات کی طرف۔ اور یہ کہ تو میری پیروی کرے اور ایمان لائے اُس چیز پر جو مجھے ملی۔ کیونکہ میں تیری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ اور میں تجھ کو اور تیرے لشکروں کو اللہ عزوجل کی طرف بلاتا ہوں۔ میں نے پہنچا دیا اور نصیحت کر دی۔ تم میری نصیحت کو قبول کرو۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

جب یہ نامہ مبارک حضرت عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ اصحمہ نجاشی کو ملا۔ تو اُس نے اسے اپنی آنکھوں پر رکھا۔ اور تخت سے اُتر کر زمین پر بیٹھ گیا۔ پھر اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ اور نامہ مبارک کو ہاتھی دانت کے ڈبے میں رکھ لیا۔ اور یہ جواب لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الی محمد رسول اللہ من النجاشی اصحمۃ سلام علیک یارسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکات اللہ	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے رسول محمد کے نام نجاشی اصحمہ کی طرف سے۔ یا رسول اللہ! آپ پر سلام اور اللہ کی رحمت اور اللہ کی برکتیں جس کے سوا کوئی معبود بحق نہیں۔ اُس نے

[1] ہدایۃ الحیاری لابن قیم۔ مواہب لدنیہ۔

الذی لا اله الا ھو الذی ھدانی للاسلام
امابعد فقد بلغنی کتابك یا رسول الله
فیما ذکرت من امر عیسیٰ فورب السماء والارض
ان عیسےٰ علیه الصلوٰة والسلام لا یزید علیٰ
ما ذکرت تفروقا انه کما ذکرت وقد عرفنا
ما بعثت به الینا فاشھد انك رسول الله
صادقا مصدقا وقد بایعتك وبایعت ابن
عمك واسلمت علیٰ یدیه لله رب العٰلمین
وقد بعثت الیك بابنی وان شئت اتیتك
بنفسی فعلت فانی اشھد ان ما تقوله
حق والسلام علیك ورحمة الله وبرکاته

مجھے اسلام کی طرف ہدایت کی۔ اما بعد یا رسول اللہؐ
مجھے آپ کا نامہ ملا۔ آپ نے جو حضرت عیسیٰؑ کا حال
بیان کیا ہے۔ سو آسمان و زمین کے رب کی قسم کہ حضرت
عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اُس سے ذرہ بھی زیادہ نہیں ہیں۔
وہ بے شک ایسے ہی ہیں جیسا کہ آپنے ذکر کیا ہے اور ہم نے
پہچان لیا جو کچھ آپنے ہماری طرف لکھ کر بھیجا ہے۔ پس میں گواہی
دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول صادق مصدق ہیں۔ اور میں نے
آپ کی بیعت کی۔ اور آپکے چچیرے بھائی کی بیعت کی۔ اور اُس کے
ہاتھ پر اللہ رب العالمین کے لئے اسلام لایا۔ اور میں آپ کی خدمت میں
اپنے بیٹے کو بھیج رہا ہوں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں خود حاضر ہو جاؤں
تو تیار ہوں پس میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں حق ہے۔ والسلام علیک

اصحمہ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ نے عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ ایک اور نامہ بھیجا تھا کہ ام حبیبہ (امیر معاویہ کی بہن) کو نکاح کا پیغام دو۔ اور مہاجرین میں سے جو ابتک حبشہ میں ہیں ان کو یہاں پہنچا دو۔ ارشاد مبارک کی تعمیل کی گئی۔ حضرت ام حبیبہ نے حضرت خالد بن سعید بن العاص کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ اور نجاشی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح ام حبیبہ سے کر دیا۔ اور مہر جو چار سو دینار تھا وہ بھی خود ہی ادا کر دیا۔ ام حبیبہ کا پہلا خاوند عبید اللہ بن جحش اسدی تھا۔ دونوں ہجرت کر کے حبشہ میں چلے آئے تھے۔ مگر عبید اللہ نصرانی ہو کر مر گیا تھا۔ اس طرح ام حبیبہ بیوہ رہ گئی تھیں؛

نجاشی نے حضرت جعفرؓ[1] طیار اور حضرت ام حبیبہ اور دیگر مہاجرین حبشہ کو ایک جہاز میں مدینہ منورہ کی طرف روانہ کیا۔ اس کے بعد دوسرے جہاز میں اپنے بیٹے کو ساٹھ مصاحبوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک خط دے کر بھیجا جس میں اپنے ایمان لانے کا حال لکھا تھا

[1] جب حضرت ابو موسیٰ اشعری کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کی خبر پہنچی۔ تو وہ اور ان کے دو بھائی اور ان کی قوم کے باون یا ترپین آدمی یمن سے ہجرت کر کے ایک کشتی میں مدینہ کو روانہ ہوئے۔ مگر باد مخالف کے سبب سے ان کی کشتی ساحل حبشہ پر جا لگی۔ اس لئے وہ حبشہ میں حضرت جعفر طیار کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس سفر میں وہ بھی حضرت جعفرؓ کے ساتھ مدینہ چلے آئے؛

پہلا جہاز صحیح و سالم منزل مقصود پر پہنچ گیا۔ اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر میں تشریف رکھتے تھے۔ مگر دوسرا جہاز سمندر میں ڈوب گیا اور سوار سب ہلاک ہو گئے۔

اصحمہ نجاشی نے ۹ھ میں وفات پائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے جنازے کی نماز غائبانہ پڑھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے نجاشی کو بھی جو اصحمہ کے بعد بادشاہ ہوا۔ دعوت اسلام کا خط لکھا تھا۔ اِس دوسرے نجاشی کے ایمان کا حال معلوم نہیں!

(۴) مقوقس والیٔ مصر ہرقل قیصر روم کا باجگزار تھا۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کے ہاتھ اُس کو یہ نامہ مبارک بھیجا گیا:۔

بسم الله الرحمٰن الرحيم من محمد عبد الله ور
سوله الى المقوقس عظيم القبط سلام علىٰ
من اتبع الهدىٰ اما بعد فانى اد
عوك بدعاية الاسلام اسلم تسلم
يؤتك الله اجرك مرتين
فان توليت فعليك اثم القبط
يٰاهل الكتٰب تعالوا الى كلمة
سوآء بيننا وبينكم الا نعبد الا الله
ولا نشرك به شيئًا ولا يتخذ بعضنا
بعضًا اربابًا من دون الله فان
تولوا فقولوا اشهدوا بانا مس
لمون۔

(الله رسول محمد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد کی طرف سے
مقوقس امیر قبط کے نام۔ سلام اُس پر
جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ امابعد میں بلاتا ہوں
تجھ کو دعوت اسلام کی طرف۔ تو اسلام لا۔ سلامت رہے گا۔
دے گا تجھ کو اللہ ثواب دوہرا
اگر تو نے نہ مانا۔ تو تجھ پر ہو گا گناہ قبطیوں کا
اے اہل کتاب! تم آؤ طرف ایسی بات کی
جو یکساں ہے ہم میں اور تم میں کہ ہم عبادت نہ کریں مگر اللہ کی
اور شریک نہ ٹھہرائیں اُس کے ساتھ کسی کو۔ اور نہ بنائے ہم میں سے کوئی
دوسرے کو رب سوائے اللہ کے۔ سو اگر
وہ نہ مانیں۔ تو کہو۔ تم گواہ رہو کہ ہم ہیں
ماننے والے۔

(الله رسول محمد)

حسن اتفاق سے یہ اصل نامہ مبارک ایک فرانسیسی سیاح کو اخمیم کے گرجا میں ایک راہب سے ملا۔ اُس نے خرید کر سلطان عبدالمجید خان مرحوم والیٔ سلطنت عثمانیہ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا۔ اور اب قسطنطنیہ میں محفوظ ہے۔ اِس کے دو فوٹو اس وقت ہمارے زیر نظر ہیں۔ ہم نے اسے تبرکًا مطابق اصل لفظ بلفظ سطر وار نقل کیا ہے۔ اِس کے اخیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مُہر

ثبت ہے جس کی اوپر کی سطر میں اللہ۔ دوسری میں رسول اور تیسری میں محمدؐ ہے۔ دیگر خطوط کے آخر میں بھی یہی مہر مبارک ثبت تھی۔ یہ نامہ مبارک مقوقس کو سکندریہ میں ملا۔ اُس نے ہاتھی دانت کے ڈبّے میں رکھ لیا اور اُس پر اپنی مُہر لگادی۔ اور جواب میں عربی زبان میں یوں لکھوایا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ لمحمد بن عبد اللہ من المقوقس عظیم القبط سلام علیک اما بعد فقد قرات کتابک و فھمت ماذکرت فیہ وما تدعو الیہ وقد علمت ان نبیاً بقی وکنت اظن انہ یخرج بالشام وقد اکرمت رسولک وبعثت الیک بجاریتین لھما مکان فی القبط عظیم وبکسوۃ واھدیت الیک بغلۃ لترکبھا والسلام علیک۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم محمد بن عبد اللہ کے نام مقوقس امیر قبط کی طرف سے سلام آپ پر۔ اما بعد میں نے آپ کا خط پڑھا اور سمجھ گیا جو کچھ آپنے اس میں ذکر کیا ہے اور جس کی طرف آپ بلاتے ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ ایک نبی آنے والا ہے۔ میرا گمان تھا کہ وہ شام میں ظاہر ہوگا۔ میں نے آپکے قاصد کی عزت کی۔ اور آپ کی طرف دو کنیزیں جن کی قبطیوں میں بڑی عزت ہے اور کپڑے بھیجتا ہوں۔ اور آپ کی سواری کے لئے ایک خچر ہدیہ بھیجتا ہوں۔ والسلام علیک۔

یہ دو کنیزیں ماریہ و سیرین نام سگی بہنیں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دعوت اسلام دی۔ تو ماریہ نے فوراً اور سیرین نے کچھ توقف کے بعد کلمہ شہادت پڑھا۔ اس واسطے حضرت ماریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حرم نبوی میں داخل کرلی گئیں۔ اور سیرین حضرت حسان بن ثابت شاعر کو عنایت ہوئی۔ خچر کا نام دُلدل تھا۔ حضرت حاطب نے مقوقس کا حال جو ذکر کیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اُس خبیث کو ملک کی طمع نے اسلام سے محروم رکھا۔ حالانکہ اُس کا ملک باقی نہ رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا:

(۵) ہوذہ بن علی الحنفی صاحب یمامہ کی طرف یوں لکھا گیا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد رسول اللہ الی ھوذۃ بن علی سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ واعلم ان دینی سیظھر الی منتھی الخف والحافر فاسلم تسلم اجعل لک ما تحت یدیک۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے رسول محمد کی طرف سے ہوذہ بن علی کے نام۔ سلام اُس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی تجھے معلوم رہے کہ میرا دین عنقریب اُس حد تک پہنچے گا جہانتک کہ اونٹ اور خچر جاتے ہیں۔ تو اسلام لا۔ سلامت رہے گا۔ میں تیرا ملک تجھ کو دے دوں گا:

جب حضرت سلیط بن عمرو عامری یہ نامہ مبارک ہوذہ کے پاس لے گئے۔ تو ارکون دمشق جو امرائے نصاریٰ میں سے تھا اُس وقت حاضر تھا۔ ہوذہ نے مضمون نامہ بیان کرکے اُس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت دریافت کیا۔ ارکون نے کہا۔ تم اُس کی دعوت قبول کیوں نہیں کرتے۔ ہوذہ نے کہا۔ میں اپنی قوم کا بادشاہ ہوں۔ اگر میں اُس کا پیرو بن گیا۔ تو ملک جاتا رہے گا۔ ارکون نے کہا۔ خدا کی قسم اگر تو اُس کا پیرو بن جائے۔ تو وہ ضرور تیرا ملک تجھ کو دیدے گا۔ تیری بہبودی اُس کے اتباع میں ہے۔ وہ بے شک نبی عربی ہے۔ جس کی بشارت حضرت عیسیٰ بن مریم نے دی ہے۔ اور یہ بشارت ہمارے پاس انجیل میں موجود ہے۔ بایں ہمہ ہوذہ ایمان نہ لایا۔ ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہوذہ ہلاک ہو گیا اور اُس کا ملک جاتا رہا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکّہ سے واپس تشریف لائے۔ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حاضر خدمت اقدس ہو کر خبر دی کہ ہوذہ مر گیا؛

(۶) قیصر روم کی طرف سے حارث بن ابی شمر غسانی حدود شام کا گورنر تھا۔ غوطہ دمشق اُس کا پایہ تخت تھا۔ اُس کو یہ نامہ مبارک بھیجا گیا:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم من محمد رسول اللہ الی الحارث بن ابی شمر سلام علیٰ من اتبع الھدیٰ وآمن به وصدق فانی ادعوك الی ان تؤمن باللہ وحدہ لاشریك له یبقیٰ ملكك	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اللہ کے رسول محمد کی طرف سے حارث بن ابی شمر کے نام۔ سلام اُس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اور اُس پر ایمان لایا اور تصدیق کی۔ میں تجھے اِس بات کی طرف بلاتا ہوں کہ تو اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لائے۔ تیری حکومت قائم رہے گی؛

حضرت شجاع بن وہب یہ نامہ مبارک لے کر روانہ ہوئے۔ جب یہ دمشق پہنچے تو دیکھا کہ قیصر روم جو حمص سے بیت المقدس کو ایرانیوں پر فتح کے شکرانہ کے لئے آ رہا تھا اُس کے استقبال کے لئے تیاریاں ہو رہی ہیں۔ اُن کا بیان[1] ہے کہ میں نے حارث کے دروازے پر دو تین دن قیام کیا۔ میں نے اُس کے رومی دربان سے کہا کہ میں حارث کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں۔ اُس نے کہا کہ فلاں روز باریابی ہو گی۔ وہ دربان جس کا نام مری تھا مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور

---

[1] ہدایۃ الحیارے لابن القیم۔

اور آپ کی دعوت کا حال پوچھتا رہتا تھا۔ میں بیان کرتا۔ تو اُس پر رقت طاری ہو جاتی یہانتک کہ رو پڑتا اور کہتا کہ میں نے انجیل میں پڑھا ہے۔ بعینہٖ اِسی نبی کی صفت اُس میں مذکور ہے۔ میرا خیال تھا کہ وہ شام میں ظاہر ہوگا۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ وہ زمین عرب میں ظاہر ہوا ہے۔ میں اس پر ایمان لاتا ہوں اور اُس کی تصدیق کرتا ہوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ حارث مجھے قتل کردے گا۔ آخرکار حارث ایک روز دربار میں تاج پہن کر تخت پر بیٹھا۔ میں باریاب ہوا۔ تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک پیش کیا۔ اُس نے پڑھ کر پھینک دیا۔ کہنے لگا۔ مجھ سے میرا ملک کون چھین سکتا ہے؟ وہ خواہ یمن میں ہو میں اُس کے پاس جاتا ہوں۔ اور حکم دیا کہ فوج تیار ہو جائے اور گھوڑوں کی نعلبندی کی جائے۔ پھر مجھ سے کہا۔ تم جو کچھ دیکھ رہے ہو اُس کو بتا دینا۔ حارث نے میری آمد کا حال قیصر کو لکھا۔ وہ عرضداشت قیصر کو بیت المقدس میں ملی۔ وحیہ کلبی ابھی وہاں تھا۔ جب قیصر نے حارث کا خط پڑھا۔ تو اُسے لکھا کہ اُس مدعی نبوت کے پاس مت جاؤ۔ اُس سے دُور رہو۔ اور مجھ سے بیت المقدس میں ملو۔ یہ جواب میرے ایام قیام میں آگیا۔ حارث نے مجھے بلا کر دریافت کیا کہ کب جانے کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا کہ کل۔ یہ سُن کر اُس نے حکم دیا کہ مجھے سو مثقال سونا دیدیا جائے۔ حضرت مری نے نفقہ و لباس سے میری مدد کی اور کہا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعد سلام عرض کر دینا کہ میں آپ کے دین کا پیرو ہوں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حارث کا حال عرض کیا۔ تو فرمایا کہ اُس کا ملک جاتا رہا۔ اور حضرت مری کا حال عرض کیا۔ تو فرمایا کہ وہ سچا ہے؛

(۷) سنہ ۶ھ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علاء بن الحضرمی کے ہاتھ منذر بن ساوے حاکم بحرین کے نام ایک تبلیغی خط بھیجا جس کے مطالعہ سے منذر کے ساتھ وہاں کے تمام عرب اور بعض عجم ایمان لائے۔ مگر یہود و مجوس ایمان نہ لائے۔ حضرت منذر نے بذریعہ عرضداشت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حالات کی اطلاع دی اور دریافت کیا کہ کیا کیا جائے۔ اِس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منذر کو یہ خط لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ من محمد رسول اللہ الی المنذر بن ساوی سلام علیک فانی	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اللہ کے رسول محمد کی طرف سے منذر بن ساوی کے نام۔ سلام تجھ پر۔ میں تیرے پاس خدا کا

احمد الله الیك الذی لا اله الا هو و اشهد ان لا اله الا الله وان محمدًا عبده ورسوله اما بعد فانی اذکر الله عزوجل فانه من ینصح فانما ینصح لنفسه وانه من یطع رسلی ویتبع امرهم فقد اطاعنی ومن نصح لهم فقد نصح لی وان رسلی قد اثنوا علیك خیرا وانی قد شفعتك فی قومك فاترك للمسلمین ما اسلموا علیه وعفوت عن اهل الذنوب فاقبل منهم وانك مهما تصلح فلن نعزلك عن عملك ومن اقام علی یهودیته او مجوسیته فعلیه الجزیة۔

شکر کرتا ہوں کہ جس کے سوا کوئی معبود بحق نہیں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود بحق نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کا بندہ اور رسول ہے۔ اما بعد میں تجھے یاد دلاتا ہوں اللہ عزوجل (کے احکام)، بے شک جو خیر خواہی کرتا ہے وہ اپنے لئے کرتا ہے۔ اور جو میرے قاصدوں کی اطاعت کرے اور ان کا حکم مانے۔ اُس نے بے شبہ میری اطاعت کی۔ اور جو ان کی خیر خواہی کرے۔ اُس نے بے شک میری خیر خواہی کی۔ میرے قاصدوں نے تمہاری تعریف کی ہے۔ میں نے تمہاری سفارش تمہاری قوم کے بارے میں قبول کی پس مسلمانوں کے لئے چھوڑ دو وہ (مال وغیرہ) جس پر وہ مسلمان ہوئے ہیں۔ نے گنہگاروں کو (پہلے گناہ) معاف کر دئے۔ تم اُن سے (اسلام) قبول کرو۔ جب تک تم کام اچھا کرتے رہوگے۔ ہم تم کو تمہارے عہدے سے معزول نہ کریں گے۔ اور جو شخص یہودیت یا مجوسیت پر قائم رہے۔ اُس پر

یہ اصل نامہ مبارک بھی ایک فرانسیسی سیاح نے اطراف بلاد مصر سے ایک قبطی راہب سے خرید کر سلطان عبدالمجید خان مرحوم کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا تھا۔ اب وہ خزانہ شاہی میں محفوظ ہے۔ اِس کے اخیر میں یہ مُہر ہے۔ (محمد رسول الله)

(۸) ذیقعدہ سنہ ۸ھ میں والیان عمان کے نام یہ نامہ مبارک لکھا گیا:

بسم الله الرحمٰن الرحیم من محمد بن عبد الله الی جیفر وعبد ابنی الجلندی سلام علی من اتبع الهدی اما بعد فانی ادعوکما بدعایة الاسلام اسلما تسلما فانی رسول الله الی الناس کافة لانذر من کان حیًا ویحق القول علی الکفرین وانکما ان اقررتما بالاسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ محمد بن عبد اللہ کی طرف سے جیفر و عبد پسران جلندی کے نام سلام اُس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی۔ اما بعد میں تم دونوں کو دعوت اسلام کی طرف بلاتا ہوں۔ تم اسلام لاؤ سلامت رہوگے۔ کیونکہ میں تمام لوگوں کی طرف اللہ کا رسول ہوں تاکہ ڈراؤں اُس کو جو زندہ ہو اور کافروں پر حجت ثابت ہو جائے۔ اگر تم اسلام کا اقرار کر لو۔ تو میں تم کو تمہارا ملک دیدوں گا۔ اگر تم اقرار اسلام سے انکار کرو۔ تو

ولیتکما مکانکما وان ابیتما ان تقرا بالاسلام فان ملککما زائل عنکما وخیلی تحل بساحتکما وتظهر نبوتی علیٰ ملککما۔	تمہارا ملک تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اور میرے سوار تمہارے مکانات کی فضا میں اتریں گے۔ اور میری نبوت تمہارے ملک پر غالب آئے گی۔

یہ نامہ مبارک حضرت عمرو بن العاص کے ہاتھ ارسال کیا گیا۔ جیفر و عبد دونوں ایمان لائے۔[1]

غزوہ ذی قرد ماہ محرم میں غزوہ غابہ یا غزوہ ذی قرد پیش آیا۔ موضع غابہ میں جو مدینہ سے چار میل ملک شام کی طرف واقع ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیاں چرا کرتی تھیں۔ حضرت ابوذر غفاری کا لڑکا چرایا کرتا اور شام کو اُن کا دُودھ دُوہ کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا کرتا تھا۔ ایک رات قبیلہ غطفان کے چالیس سواروں نے بسرگردگی عیینہ بن حصن فزاری چھاپہ مارا۔ وہ حضرت ابوذر کے صاحبزادے کو قتل کر کے بیس اونٹنیاں لے گئے۔ اور حضرت ابوذر کی بیوی کو بھی گرفتار کر کے ساتھ لے گئے۔ دوسرے روز فجر کی آذان سے پہلے حضرت سلمہ بن اکوع جو مشہور تیر انداز اور تیز رفتار صحابی تھے کمان حمائل کئے مدینہ سے غابہ کی طرف جو نکلے۔ تو حضرت عبدالرحمن بن عوف کے غلام نے ان کو اِس ماجرا کی خبر دی۔ انہوں نے کوہ سلع یا ثنیۃ الوداع پر کھڑے ہو کر مدینہ کی طرف منہ کر کے تین بار زور سے یا صباحاہ پکارا یہانتک کہ وہ آواز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئی۔ پھر وہ پیادہ دشمن کی طرف دوڑے اور ان کو جالیا۔ اور تیر اندازی سے وہ اونٹنیاں یکے بعد دیگرے چھڑا لیں۔ اِدھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پانسو کی جمعیت کے ساتھ تعاقب میں نکلے۔ غطفان ذو قرد کے قریب ایک تنگ درہ میں پہنچے۔ جہاں عیینہ ان کی مدد کو آیا۔ یہاں مقابلہ ہوا۔ غطفان بھاگ گئے۔ آفتاب غروب نہ ہوا تھا کہ وہ ذو قرد[2] میں پانی پینے لگے۔ حضرت سلمہ نے دوڑ کر ان پر تیر برسانے شروع کئے۔ اور ان کو پانی نہ پینے دیا۔ وہ بھاگ کر اپنے علاقہ میں جو ذو قرد سے ملحق تھا چلے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شام کو ذو قرد میں پہنچے۔ سوار و پیادہ سب آپ سے آملے۔ حضرت سلمہ نے عرض کیا کہ میں نے ان کو پانی پینے نہ دیا۔ اگر مجھے سو سوار مل جائیں۔ تو میں ان کو ایک ایک گرفتار کر لاتا ہوں۔ مگر حضور رحمۃ للعالمین نے جواب دیا:-

[1] تفصیل کے لئے دیکھو ہدایۃ الحیاری اور مواہب لدنیہ۔

[2] ذو قرد ایک جگہ کا نام ہے جو مدینہ منورہ اور خیبر کے درمیان مدینہ سے ایک دن (بقول بعض دو دن) کی مسافت پر ہے۔

اذا ملکت فاسجح	جب تو قابو پا جائے۔ تو نرمی سے کام لے۔

ذو قرد میں ایک دن رات قیام کر کے واپس ہوئے۔ حضرت ابوذر کی بیوی بھی اس کے بعد ناقہ پر آ پہنچی :

غزوہ خیبر غزوہ غابہ کے تین دن بعد جنگ خیبر[1] پیش آئی۔ خیبر کے یہود اسلام کے سخت دشمن تھے۔ غزوہ احزاب میں اگرچہ ان کو کامیابی نہ ہوئی۔ مگر وہ اسلام کو مٹانے کے لئے برابر سازش کر رہے تھے۔ غطفان ان کو مدد دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار چھ سو کی جمعیت کے ساتھ نکلے جن میں سے دو سو سوار اور باقی سب پیادہ تھے۔ رأس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول نے اہل خیبر کو کہلا بھیجا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) تم سے لڑنے آ رہے ہیں۔ مگر تم ان سے نہ ڈرنا۔ تمہاری تعداد بہت ہے۔ یہ تو مٹھی بھر آدمی ہیں جن کے پاس ہتھیار تک نہیں۔ اس سفر میں جب لشکر اسلام صہباء میں پہنچا جو خیبر سے بارہ میل پر ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر پڑھ کر کھانا طلب فرمایا۔ صرف ستو پیش کئے گئے۔ جو حسب الارشاد پانی میں گھول دئے گئے۔ آپ نے اور صحابہ کرام نے وہی کھائے۔ صہباء سے روانہ ہو کر خیبر کے قریب غطفان و یہود کے درمیان وادی رجیع میں اُترے تاکہ غطفان یہود کی مدد کو نہ جا سکیں۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ یہ مقام اسلامی کیمپ یا لشکر گاہ مقرر ہوا یہاں سے لڑائی کے لئے تیار ہو کر جایا کرتے اور زخمیوں کو علاج کے لئے یہاں لایا جاتا۔ غرض اسباب باربرداری اور مستورات کو یہاں چھوڑ دیا گیا۔ اور رات یہیں گذاری۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت[2] مبارک تھی کہ کسی قوم پر رات کو حملہ نہ کیا کرتے تھے۔ صبح کو نماز فجر اول وقت پڑھ کر آگے بڑھے۔ جب بستی نظر آئی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار یوں پکارا :

اَللّٰہُ اَکْبَرُ خَرِبَتْ خَیْبَرُ اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَۃِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِیْنَ	اللہ اکبر! خیبر ویران ہو گیا۔ ہم جب کسی قوم کی انگنائی میں اُترتے ہیں۔ تو ڈرائے گیوں کی صبح بُری ہوتی ہے!

جب آپ شہر میں داخل ہونے لگے۔ تو فرمایا۔ ٹھہرو۔ یہ سن کر تمام فوج نے تعمیل ارشاد کی۔ اور آپ نے یہ دعا مانگی :

---

[1] خیبر مدینہ سے شام کی طرف ۹۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔ اس بڑی بستی میں سات قلعے اور کھیت و باغات بکثرت تھے۔ قلعوں کے نام یہ ہیں۔ ناعم۔ قموص۔ شق۔ نطاۃ۔ سلالم۔ وطیح۔ کتیبہ ۱۲ معجم البلدان

[2] صحیح بخاری۔ غزوہ خیبر۔

اے پروردگار سات آسمانوں کے اور ان چیزوں کے جن پر آسمانوں نے سایہ ڈالا ہے۔ اور پروردگار سات زمینوں کے اور اُن چیزوں کے جن کو زمینوں نے اُٹھایا ہوا ہے۔ اور پروردگار شیطانوں کے اور اُن کے جن کو شیطانوں نے گمراہ کیا ہے۔ اور پروردگار ہواؤں کے اور اُن چیزوں کے جن کو ہوائیں اُڑائے جاتی ہیں۔ ہم تجھ سے اس بستی اور بستی والوں اور بستی کی چیزوں کی خیر مانگتے ہیں اور اس بستی اور بستی والوں اور بستی کی چیزوں کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں؛	اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ وَرَبَّ الْاَرَضِيْنَ السَّبْعِ وَمَا اَقْلَلْنَ وَرَبَّ الشَّيَاطِيْنِ وَمَا اَضْلَلْنَ وَرَبَّ الرِّيَاحِ وَمَا اَذْرَيْنَ فَاِنَّا نَسْاَلُكَ خَيْرَ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَخَيْرَ اَهْلِهَا وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ وَشَرِّ اَهْلِهَا وَشَرِّ مَا فِيْهَا

آپ کا معمول تھا کہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے۔ تو یہی دعا مانگتے۔ اس کے بعد شہر میں داخلہ ہوا۔ اور تمام قلعے یکے بعد دیگرے فتح ہو گئے؛

سب سے پہلے قلعہ ناعم فتح ہوا۔ حضرت محمود بن مسلمہ انصاری اَوسی اسی قلعہ کی دیوار تلے شہید ہوئے گرمی کی شدت تھی۔ وہ لڑتے لڑتے تھک کر دیوار کے سایہ میں آ بیٹھے۔ کنانہ بن ربیع بن ابی الحقیق نے اکیلے یا بشراکت مرحب فصیل پر سے چکی کا پاٹ ان کے سر پر گرا دیا جس کے صدمہ سے انہوں نے شہادت پائی؛

ناعم کے بعد قموص فتح ہوا۔ یہ بڑا مضبوط قلعہ تھا۔ جو اسی نام کی پہاڑی پر واقع تھا۔ ابن ابی الحقیق یہودی کا خاندان اسی قلعہ میں رہتا تھا۔ عرب کا مشہور پہلوان مرحب اسی قلعہ کا رئیس تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حضرت ابو بکر کو پھر حضرت عمر کو فوج دے کر بھیجا۔ مگر یہ قلعہ فتح نہ ہوا۔ جب محاصرے نے طول کھینچا۔ تو ایک روز آپ نے فرمایا کہ میں کل عَلم اُس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے گا اور جو اللہ اور اللہ کے رسول کو دوست رکھتا ہے۔ اور اللہ اور اللہ کے رسول بھی اُس کو دوست رکھتے ہیں۔ صحابہ کرام نے یہ رات انتظار و بیقراری میں گزاری کہ دیکھئے عَلم کسے عنایت ہوتا ہے۔ صبح کو ارشاد ہوا کہ علی کہاں ہیں؟ عرض کیا گیا کہ اُن کی آنکھوں میں آشوب ہے۔ فرمایا۔ ان کو بلاؤ۔ جب وہ حاضر خدمت ہوئے۔ تو آپ نے اپنا لعاب دہن مبارک اُن کی آنکھوں میں ڈالا اور دعا کی۔ فوراً آرام ہو گیا۔ اور عَلم ان کو عنایت ہوا۔ دشمن کی طرف سے پہلے مرحب کا بھائی حارث نکلا۔ جو شجاعت میں معروف تھا

وہ حضرت مرتضیٰ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ تو خود مرحب بڑے طمطراق سے نکلا۔ اس کو بھی بنا بر اصح الروایات حضرت علی مرتضیٰ نے قتل کیا۔ مرحب کے بعد یاسر نکلا۔ اُسے حضرت زبیر نے قتل کیا۔ اس طرح یہ محکم قلعہ بھی فتح ہوگیا۔ جو سبایا ہاتھ آئیں۔ وہ صحابہ کرام میں تقسیم کردی گئیں۔ اور صفیہ بنت حیی بن اخطب جو کنانہ بن ربیع کے تحت میں تھی اُس کو آزاد کر کے رسول اللہ علیہ وسلم اپنے نکاح میں لائے۔ حضرت صفیہ کا باپ رئیس خیبر تھا۔ ان کا شوہر قبیلہ نضیر کا رئیس تھا۔ باپ اور شوہر دونوں قتل کئے جا چکے تھے۔ وہ کنیز ہو کر بھی رہ سکتی تھیں۔ مگر حضور رحمۃ للعالمین نے حفظ مراتب اور رفع غم کے لئے ان کو آزاد کر کے اپنے عقد میں لے لیا اور وہ امہات المومنین میں شامل ہوئیں۔ اس سے بڑھ کر اور کیا حسن سلوک ہو سکتا تھا؟

قموص کے بعد باقی قلعے جلدی فتح ہوگئے۔ ان معرکوں میں ۹۳ یہود مارے گئے اور صحابہ کرام میں سے پندرہ نے شہادت پائی۔ فتح کے بعد زمین خیبر پر قبضہ کر لیا گیا۔ مگر یہود نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ زمین ہمارے قبضہ میں رہے۔ ہم پیداوار کا نصف آپ کو دیا کریں گے۔ آپ نے یہ درخواست منظور کی اور فرمایا۔ "ہم تمہیں برقرار رکھیں گے جب تک ہم چاہیں۔" جب غلہ کا وقت آیا۔ تو آپ نے حضرت عبداللہ بن رواحہ کو وہاں بھیج دیا۔ انہوں نے غلہ کو دو مساوی حصوں میں تقسیم کر کے یہود سے کہا کہ جو حصہ چاہو لے لو۔ اس پر وہ حیران ہو کر کہنے لگے۔ کہ "زمین و آسمان ایسے ہی عدل سے قائم ہیں[1]۔"

غزوہ وادی القریٰ | جنگ خیبر سے فارغ ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی القریٰ کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ وادی خیبر اور تیماء کے درمیان واقع ہے۔ اس میں دیہات کا لگاتار سلسلہ چلا گیا ہے۔ اس لئے اسے وادی القریٰ کہتے ہیں۔ وہاں پہنچ کر یہود کو دعوت اسلام دی گئی۔ انہوں نے قبول نہ کی۔ بلکہ برسر پیکار ہوئے۔ مگر جلدی مغلوب ہوگئے۔ خیبر کی طرح غنائم تقسیم کردی گئیں۔ اور زمین و باغات نصف پیداوار پر اُن کے قبضہ میں چھوڑ دئے گئے۔ تیماء کے یہود نے جب وادی القریٰ کا حال سُنا۔ تو قاصد بھیج کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جزیہ پر صلح کرلی۔ اور زمین اُن ہی کے قبضہ میں رہی۔

---

[1] فتوح البلدان بلاذری۔ ذکر خیبر۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے واپس تشریف لائے۔ تو آپ نے حضرت مُحیصہ بن مسعود کو اہل فدک کے پاس بھیجا۔ وہاں کا رئیس یوشع بن نون یہودی تھا۔ دعوت اسلام دی گئی۔ وہ خیبر کا حال سُن کر پہلے ہی ڈرے ہوئے تھے۔ اس لئے انہوں نے نصف زمین پر صلح[1] کرلی!

یہود خیبر کو اگرچہ امان دیا گیا تھا۔ مگر وہ اپنی شرارتوں سے باز نہ آتے تھے۔ چنانچہ ایک دن زینب نے جو سلام بن مشکم کی زوجہ اور مرحب کی بھاوج تھی ایک بکری کا گوشت بھون کر اس میں زہر ملادی۔ اور بطور ہدیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے اس میں سے بازو اُٹھالیا اور کھانے لگے۔ باقی کو چند صحابہ حاضرین نے تناول کیا۔ آپ نے کھاتے ہوئے فرمایا کہ یہ گوشت نہ کھاؤ۔ اور اُس یہودیہ کو بلا بھیجا۔ وہ حاضر خدمت ہوئی۔ تو فرمایا۔ کہ تم نے اس گوشت میں زہر ملایا ہے۔ وہ بولی۔ آپ کو کس نے خبر دی۔ آپ نے بازو کی طرف اشارہ کرکے فرمایا۔ کہ اس بازو نے جو میرے ہاتھ میں ہے۔ اُس نے کہا۔ ہاں۔ میں نے اِس میں زہر ملادی ہے بدیں خیال کہ اگر آپ پیغمبر ہیں تو زہر اثر نہ کرے گی۔ اور اگر آپ پیغمبر نہیں ہیں۔ تو ہم آپ سے آرام پائیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات شریف کے لئے کسی سے انتقام نہ لیتے تھے۔ اس لئے معاف[2] فرمادیا۔ وہ صحابہ کرام جنہوں نے کھایا تھا۔ انتقال فرماگئے۔ ان میں سے سب سے پہلے حضرت بشر بن براء نے انتقال فرمایا۔ تو اُن کے قصاص میں اُس یہودیہ کو قتل کردیا گیا!

اسی سال حضرت خالد بن ولید (فاتح شام) اور حضرت عمرو بن العاص (فاتح مصر) ایمان لائے۔

ہجرت کا آٹھواں سال

غزوہ موتہ جمادی الاولیٰ میں غزوہ مُوتہ وقوع میں آیا۔ حقیقت میں یہ سریہ تھا۔ مگر لشکر کی کثرت کے سبب سے اِسے غزوہ سے تعبیر کیا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حارث بن عمیر ازدی کے ہاتھ امیر بصرے یا قیصر روم کے نام اپنا نامہ مبارک بھیجا۔ جب قاصد موتہ میں پہنچا۔ تو شرجیل بن عمرو غسانی نے جو قیصر کی طرف سے شام میں ایک گورنر تھا۔ اُس کو شہید کردیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی۔ تو آپ نہایت غمگین ہوئے۔ اور تین ہزار فوج بسر کردگی زید بن حارثہ

---

[1] بلاذری۔ ذکر فدک!

[2] مشکوٰۃ شریف۔ باب فی المعجزات۔ فصل ثانی۔

(جو آپ کا آزاد کردہ غلام تھا) بھیجی۔ اور حکم دیا۔ کہ اگر زید شہید ہو جائیں۔ تو جعفر بن ابی طالب اور وہ بھی شہید ہوں۔ تو عبد اللہ بن رواحہ فوج کے سردار ہوں۔ اور ارشاد ہوا کہ اُس مقام پر جانا جہاں حارث بن عمیر شہید ہوئے ہیں۔ اور یہ بھی ہدایت کر دی گئی کہ پہلے اُن کو دعوت اسلام دینا۔ اگر وہ قبول کریں۔ تو جنگ کی ضرورت نہیں۔ خود جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ثنیۃ الوداع تک فوج کی مشایعت فرمائی۔ شرجیل کو خبر پہنچی۔ تو اُس نے ایک لاکھ فوج تیار کی۔ اُدھر قیصر روم و عرب کی ایک لاکھ فوج لے کر زمین بلقاء[1] میں خیمہ زن ہوا۔ جب لشکر اسلام شہر معان میں پہنچا۔ تو اُن کو دشمن کی تعداد کثیر کی اطلاع ملی۔ انہوں نے چاہا کہ دربار رسالت کو حالات کی اطلاع دی جائے اور حکم کا انتظار کیا جائے۔ مگر حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے کہا کہ فتح و شہادت میں سے ایک ہمیں ضرور حاصل ہو جائیگی۔ اس لئے آگے بڑھے۔ جب بلقاء کی حد پر پہنچے۔ تو مشارف میں قیصر کا لشکر نظر آیا۔ مسلمان بچ کر موتہ کی طرف چلے گئے۔ اور یہاں جنگ ہوئی۔ حضرات زید و جعفر و عبد اللہ بن رواحہ یکے بعد دیگرے بڑی بہادری سے پیدل ہو کر لڑے اور شہید ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ان واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ اور بیان فرما رہے تھے۔ حضرت جعفر نے پہلے اپنے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں۔ پھر حملہ کیا۔ ان کا دایاں بازو کٹ گیا۔ تو علم بائیں ہاتھ میں لے لیا۔ بایاں بھی کٹ گیا۔ تو بغل میں لے لیا یہانتک کہ شہید ہو گئے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر کا بیان ہے کہ میں نے اُن کی لاش دیکھی۔ تو اُس پر نوّے سے کچھ اوپر زخم تلواروں اور برچھیوں کے تھے۔ جو سب کے سب سامنے کی جانب تھے۔ پشت پر ایک بھی نہ تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر کو شہادت کے بعد بہشت میں فرشتوں کے ساتھ اُڑتے دیکھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ بشکل فرشتہ دو خون آلودہ بازوؤں کے ساتھ دیکھا۔ اسی واسطے ان کو جعفر طیار یا جعفر ذو الجناحین کہتے ہیں حضرت عبد اللہ بن رواحہ کے بعد بالاتفاق حضرت خالد بن ولید امیر لشکر ہوئے۔ وہ بھی نہایت شجاعت سے لڑے۔ خود ان کا بیان ہے کہ اُس دن نو تلواریں میرے ہاتھ سے ٹوٹ ٹوٹ کر گر پڑیں۔ لشکر کفار میں تزلزل پڑ گیا۔ آخر کار لشکر اسلام پسپا ہو گیا۔ اسے مسلمانوں کی فتح کہنا چاہئے۔ کہ دو لاکھ کے مقابلہ میں صرف بارہ شہید ہوئے۔ باقی سب صحیح و سالم مدینہ منورہ میں واپس آ گئے؛

---

[1] یہ مقام شام و وادی القریٰ کے درمیان واقع ہے۔ موتہ اور مشارف دیہات بلقاء میں سے ہیں۔ شہر معان بلقاء کے نواح میں ہے؛

غزوہ فتح مکہ | ماہ رمضان میں غزوہ فتح مکہ وقوع میں آیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ قریش نے معاہدۂ حدیبیہ توڑ دیا۔ بغرض توضیح ہم یہاں کسی قدر تفصیل سے کام لیتے ہیں۔ عبد المطلب بن ہاشم کو ان کے چچا مطلب سات یا آٹھ سال کی عمر میں مدینہ سے مکہ میں لائے تھے جیسا کہ اِس کتاب میں پہلے مذکور ہوا۔ ادھر ہاشم کے مکانات پر ان کو قابض کر دیا تھا۔ جب مطلب نے وفات پائی۔ تو عبد المطلب کے چچا نوفل نے وہ مکانات چھین لئے۔ عبد المطلب نے قریش سے مدد مانگی۔ قریش نے کہا کہ ہم تو دونوں میں دخل نہیں دیتے۔ عبد المطلب نے اپنے ننہال یعنے بنو نجار کو مدینہ میں لکھا۔ اس لئے ابو سعید بن عدس نجاری اسی سوار لے کر مدد کو آیا۔ جب وہ مکہ میں پہنچا۔ تو نوفل حطیم میں قریش کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا۔ ابو سعید نے وہاں پہنچ کر نوفل کے سر پر تلوار کھینچ لی۔ اور کہنے لگا کہ ہمارے بھانجے کے مکانات واپس کر دو۔ ورنہ اس تلوار سے فیصلہ کر دیتا ہوں۔ یہ دیکھ کر نوفل نے قریش کے سامنے مکانات تو واپس کر دئے۔ مگر اپنی کمزوری کو محسوس کر کے آیندہ کے لئے عبد شمس کے بیٹوں کو بنو ہاشم کے خلاف اپنا حلیف بنا لیا۔ اس پر عبد المطلب نے خزاعہ سے کہا کہ تم بنو نوفل اور بنو عبد شمس کے خلاف میرے حلیف بن جاؤ۔ عبد مناف کی ماں خزاعہ کے سردار حلیل کی بیٹی تھی۔ اس لئے وہ کہنے لگے کہ تمہاری مدد کرنا ہم پر واجب ہے۔ چنانچہ دار الندوہ میں یہ معاہدہ لکھا گیا۔

حدیبیہ کے دن از روئے معاہدہ ہر ایک قبیلہ فریقین میں سے جس کا چاہا حلیف بن گیا۔ چنانچہ خزاعہ اپنا پُرانا معاہدہ دکھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف بن گئے۔ اور بنو بکر قریش کے معاہدے میں شامل ہوئے۔ یہ دونوں قبیلے (خزاعہ و بنو بکر) ایک دوسرے کے حریف تھے۔ اور ان میں مدت سے لڑائی چلی آتی تھی۔ جس کا سبب یہ تھا کہ زمانہ جاہلیت میں بنو الحضرمی میں سے ایک شخص جو اسود بن رزن دئلی بکری کا حلیف تھا بغرض تجارت گھر سے نکلا۔ جب وہ خزاعہ کے علاقہ میں پہنچا تو انہوں نے اُسے قتل کر ڈالا اور مال لے لیا۔ اس پر بنو بکر نے خزاعہ کا ایک آدمی قتل کر ڈالا۔ پھر خزاعہ نے بنو الاسود یعنی سلمی و کلثوم و ذویب کو عرفات میں قتل کر ڈالا۔ اسی حالت میں اسلام کے ظہور نے عرب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور وہ لڑائیاں رُک گئیں۔ جب صلح حدیبیہ کے سبب سے اسلام وکفر میں لڑائی کا سلسلہ بند ہو گیا۔ تو بنو بکر (کی ایک شاخ بنو نفاثہ) سمجھے کہ اب انتقام کا وقت ہے۔ اس لئے نوفل بن معاویہ دئلی بکری بنو نفاثہ کو ساتھ لے کر آب وتیر میں جو اسفل مکہ میں خزاعہ کے

علاقہ میں ہے رات کو حملہ آور ہوا۔ قریش نے حسب معاہدہ بنو بکر کی مدد کی۔ چنانچہ صفوان بن امیہ حویطب بن عبد العزیٰ۔ عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو وغیرہ صورتیں بدل بدل کر خزاعہ سے لڑے یہاں تک کہ خزاعہ نے مجبور ہو کر حرم مکہ میں پناہ لی۔ بنو بکر حرم کا احترام ملحوظ رکھ کر رُک گئے۔ مگر نوفل نے کہا کہ یہ موقع پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ چنانچہ حرم میں خزاعہ کا خون بہایا گیا!

جب بنو بکر و قریش نے وہ عہد توڑ دیا جو ان کے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے درمیان تھا۔ تو عمرو بن سالم خزاعی چالیس سوار لے کر مدینہ پہنچا۔ اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اپنے اصحاب میں تشریف رکھتے تھے۔ عمرو مذکور حاضر خدمت ہو کر یوں گویا ہوا!

يَا رَبِّ إِنِّي نَاشِدٌ مُحَمَّدَا	اے خدا میں محمدؐ کو یاد دلاتا ہوں۔
حِلْفَ أَبِينَا وَأَبِيهِ الْأَتْلَدَا	وہ پرانا معاہدہ جو ہمارے باپ اور اُس کے باپ (عبد المطلب) کے درمیان
فَانْصُرْ رَسُولَ اللّٰهِ نَصْرًا عَتِدَا	یارسول اللہ! ہماری پوری مدد کیجئے۔
وَادْعُ عِبَادَ اللّٰهِ يَأْتُوا مَدَدَا	اور خدا کے بندوں کو بلائیے جو ہماری مدد کو آئیں۔
إِنَّ قُرَيْشًا أَخْلَفُوكَ الْمَوْعِدَا	قریش نے آپ سے وعدہ کے خلاف کیا۔
وَنَقَضُوا مِيثَاقَكَ الْمُؤَكَّدَا	اور آپ کا محکم معاہدہ توڑ ڈالا۔
هُمْ بَيَّتُونَا بِالْوَتِيرِ هُجَّدَا	انہوں نے وتیر میں ہم پر بحالت خواب حملہ کیا۔
وَقَتَلُونَا رُكَّعًا وَسُجَّدَا	اور ہمیں رکوع و سجدے کی حالت میں قتل کر ڈالا!

یہ سُن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عمرو! تجھے مدد مل جائے گی۔ ایک روایت[۵] میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں قریش سے دریافت کرتا ہوں۔ پس آپ نے حضرت ضمرہ کو بھیجا۔ اور یہ تین شرطیں پیش کیں کہ قریش ان میں سے ایک اختیار کریں!

(۱) خزاعہ کے مقتولین کا خونبہا دیں!

(۲) بنو نفاثہ کی حمایت سے دست بردار ہو جائیں!

(۳) اعلان کر دیں کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا!

قرطہ بن عمرو نے کہا کہ ہمیں صرف تیسری شرط منظور ہے!

۵؎ زرقانی علی المواہب۔ بحوالہ مغازی ابن عائذ بروایت ابن عمر۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ پر حملہ کی پوشیدہ تیاری شروع کر دی حضرت حاطب بن ابی بلتعہ لخمی نے جو بنو اسد بن عبد العزٰی کے حلیف تھے بنو ہاشم کی کنیز سارہ کے ہاتھ قریش کو ایک خط لکھ بھیجا۔ جس میں اس جنگی تیاری کا حال درج تھا۔ سارہ نے وہ خط اپنے سر کے بالوں میں چھپا لیا اور روانہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معاملہ کی خبر دیدی۔ آپ نے حضرات علی و زبیر و مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھیجا اور ان سے فرمایا کہ روضہ خاخ میں تم کو ایک سانڈنی سوار عورت ملے گی۔ اُس کے پاس قریش مکہ کے نام ایک خط ہے۔ وہ لے آؤ۔ وہ سوار ہو کر چل پڑے۔ اور سارہ سے روضہ خاخ میں جا ملے۔ اُس کو نیچے اُتار لیا اور کہا کہ تیرے پاس ایک خط ہے۔ اُس نے انکار کیا۔ اُس کے کجاوے کی تلاشی لی گئی۔ مگر کچھ برآمد نہ ہوا حضرت علی مرتضٰے نے اُس سے کہا: میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹ نہیں فرمایا۔ تو خط نکال۔ ورنہ ہم تیرے کپڑوں کی تلاشی لیں گے۔ یہ سُن کر اُس نے اپنے سر کے بالوں میں سے وہ خط نکال کر حوالہ کیا۔ جب یہ خط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ تو آپ نے حضرت حاطب کو طلب فرمایا۔ اور پوچھا "حاطب! تو نے یہ کیا حرکت کی؟" حاطب نے یوں عرض کیا "یا رسول اللہ! میرے بارے میں جلدی نہ کیجئے۔ میں دین سے نہیں پھرا۔ میرے بال بچے مکہ میں قریش کے درمیان ہیں۔ آپ کے ساتھ جو مہاجرین ہیں۔ قریش میں ان کے رشتے ہیں جن کے سبب سے وہ ان کے بال بچوں کی حفاظت کریں گے۔ مگر میرا قریش میں کوئی رشتہ نہیں۔ اپنے اہل و عیال کے بچاؤ کے لئے میں نے یہ حیلہ کیا کہ قریش پر یہ احسان کروں۔ تاکہ اس کے صلہ میں وہ میرے بال بچوں کی حفاظت کریں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے سچ کہا ہے۔ حضرت عمر فاروق نے بیتاب ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کا سر اُڑا دوں۔ آپ نے فرمایا کہ حاطب اصحاب بدر میں سے ہے۔ عمر! تجھے کیا معلوم ہے بے شک اللہ تعالیٰ اہل بدر پر مطلع ہے کہ فرما دیا اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم[1] غرض باوجود ایسے سنگین جرم کے آپ نے حضرت حاطب کو معاف فرما دیا۔

قصہ کوتاہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بتاریخ ۱۰ ماہ رمضان ۸ھ دس ہزار آراستہ فوج لے کر مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حضرت عباس جو اب تک مکہ میں مقیم تھے اپنے اہل و عیال سمیت ہجرت کر کے مدینہ نبوی کو آ رہے تھے۔ وہ مقام جحفہ[2] میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حسب ارشاد

---

[1] تم کرو جو چاہو۔ البتہ میں نے تم کو معاف کر دیا۔ صحیح بخاری۔ باب غزوۃ الفتح وما بعث حاطب بن ابی بلتعہ الی اہل مکۃ۔

[2] یہ مقام مکہ شریف سے چار منزل ہے۔

انہوں نے اہل وعیال کو تو مدینہ بھیج دیا اور خود لشکر اسلام میں شامل ہو گئے۔ قدید میں قبائل کو جھنڈے دئے گئے۔ اخیر پڑاؤ مرّالظہران تھا۔ جہاں سے مکہ ایک منزل یا اس سے بھی کم تھا۔ یہاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تمام فوج نے الگ الگ آگ روشن کی۔ قریش کو لشکر اسلام کی روانگی کی افواہ پہنچ چکی تھی۔ مزید تحقیق کے لئے انہوں نے ابو سفیان بن حرب اور حکیم بن حزام اور بُدیل بن ورقاء کو بھیجا۔ اس تجسس میں ان کا گزر مرّالظہران پر ہوا۔ ابو سفیان بولا یہ اس قدر جا بجا آگ کیسی ہے؟ یہ تو شب عرفہ کی آگ کی مانند ہے۔ بُدیل خزاعی نے کہا۔ یہ خزاعہ کی آگ ہے۔ ابو سفیان نے کہا خزاعہ گنتی میں اتنے نہیں کہ ان کی اس قدر آگ ہو۔ خیمہ نبوی کی حفاظت پر جو دستہ متعین تھا۔ انہوں نے ابو سفیان وغیرہ کو دیکھ لیا۔ اور پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے۔ ابو سفیان ایمان لائے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے مکہ کی طرف روانہ ہونے لگے۔ تو حضرت عباس سے فرمایا کہ ابو سفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر کھڑا کر دو تا کہ افواج الٰہی کا نظارہ آنکھوں سے دیکھ لیں۔ قبائل عرب کی فوجیں ابو سفیان کے سامنے سے گزرنے لگیں۔ پہلے غفار پھر جہینہ۔ سعد بن ہذیل۔ سلیم۔ نعرہ تکبیر بلند کرتے ہوئے یکے بعد دیگرے گزرے۔ ان کے بعد ایک فوج آئی کہ جس کی مثل دیکھنے میں نہیں آئی۔ ابو سفیان نے پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ حضرت عباس نے جواب دیا کہ یہ انصار ہیں۔ سردارِ انصار حضرت سعد بن عبادہ علَم ہاتھ میں لئے ہوئے برابر سے گزرے۔ تو ابو سفیان سے کہا۔

الیوم یوم الملحمۃ الیوم تستحل الکعبۃ	آج گھمسان کے معرکہ کا دن ہے۔ آج کعبہ حلال کر دیا جائے گا۔

بعد ازاں وہ مبارک دستہ آیا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب (مہاجرین) تھے۔ حضرت زبیر بن العوام علمبردار تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام برابر سے گزرے۔ تو ابو سفیان نے کہا۔ "حضور نے سنا۔ سعد بن عبادہ کیا کہتے گزرے ہیں؟" آپ نے فرمایا سعد نے غلط کہا۔ آج کعبہ کی عزت کی جائے گی اور غلاف چڑھایا جائے گا۔ پھر حکم دیا کہ علم سعد سے لے کر ان کے صاحبزادے قیس کو دیدیا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں حصہ بالائی کی طرف سے داخل ہوئے۔ اعلان کر دیا گیا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے گا یا ابو سفیان کے گھر پناہ لے گا۔ یا مسجد میں داخل ہوگا۔ یا دروازے بند کرلے گا۔ اُس کو امن دیا جائے گا حصہ بالائی میں (خیف بنی کنانہ یعنی محصّب میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے

خیمہ نصب کیا گیا۔ اور حضرت زبیر نے حسب الارشاد محصب کی حد یعنی حجون کی پہاڑی پر علم کھڑا کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو حکم دیا کہ قبائل عرب کے ساتھ بائیں شہر کی طرف سے داخل ہوں اور صفا میں ہم سے آملیں۔ اور کسی سے جنگ نہ کریں۔ مگر صفوان بن امیہ۔ عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو قریش کی ایک جماعت ساتھ لے کر خندمہ میں سدراہ ہوئے۔ اور حضرت خالد کی فوج پر تیر برسانے لگے۔ چنانچہ حضرت حبیش بن اشعر اور کرز بن جابر فہری نے شہادت پائی۔ حضرت خالد نے مجبور ہو کر ان پر حملہ کیا اور وہ تیرہ یا زیادہ لاشیں چھوڑ کر گھروں کو بھاگ گئے اور بعضے پہاڑی پر چڑھ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تلواروں کی چمک دیکھی۔ تو پوچھا کہ یہ جنگ کیسی ہے؟ عرض کیا گیا کہ شاید مشرکین نے پیشدستی کی ہے۔ جس کی وجہ سے خالد کو لڑنا پڑا ہے۔ بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد سے بازپرس کی۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ ابتداء مشرکین کی طرف سے تھی۔ فرمایا۔ "قضائے الٰہی بہتر ہے"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمہ میں ذرا آرام فرمایا۔ پھر غسل کیا اور ہتھیاروں سے سج کر ناقہ قصواء پر سوار ہوئے اور اپنے غلام کے لڑکے اسامہ کو اپنے پیچھے سوار کر لیا۔ کوکبہ نبوی بڑی شان و شوکت سے کعبہ کی طرف روانہ ہوا۔ آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے مہاجرین و انصار تھے۔ جو اس طرح سراپا آہن پوش تھے کہ بجز سیاہی چشم ان کے بدن کا کوئی حصہ نظر نہ آتا تھا۔ بیت اللہ شریف میں داخل ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ پھر اپنی ناقہ پر طواف کیا۔ بیت اللہ کے گرد اور اوپر تین سو ساٹھ بُت تھے۔ جن کے سبب سے وہ خانۂ خدا بتخانہ بنا ہوا تھا۔ آپ کے دست مبارک میں ایک لکڑی تھی۔ اس سے آپ ایک ایک بُت کو ٹھوکے دیتے جاتے اور یہ پڑھتے جاتے تھے:۔

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ	سچ آگیا اور باطل مٹ گیا۔ بے شک باطل مٹنے والا ہے۔ سچ آگیا۔ اور باطل نہ پہلی بار پیدا کرتا ہے اور نہ دوبارہ کرتا ہے۔

اور وہ مُنہ کے بل گرتے جاتے تھے۔ جب اس طرح بیت اللہ شریف بتوں سے پاک ہو گیا۔ تو آپ نے حضرت عثمان بن طلحہ سے کنجی لے کر دروازہ کھولا۔ اندر داخل ہوئے۔ تو حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے مجسّم نظر پڑے۔ جن کے ہاتھوں میں جوا کھیلنے کے تیر دئے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ "خدا ان کو غارت کرے۔ اللہ کی قسم ان دونوں نے کبھی تیروں سے جوا نہیں کھیلا"۔ کعبہ کے اندر ہی

لکڑیوں کی ایک کبوتری بنی ہوئی تھی۔ جسے آپ نے اپنے دست مبارک سے توڑ ڈالا۔ اور تصویریں جو تھیں وہ مٹادی گئیں۔ پھر دروازہ بند کر دیا گیا۔ اور حضرت اسامہ و بلال و عثمان بن طلحہ آپ کے ساتھ اندر رہے۔ آپ نے نماز پڑھی اور ہر طرف تکبیر کہی۔ پھر دروازہ کھول دیا گیا۔ مسجد حرام قریش کی صفوں سے بھری ہوئی تھی۔ آپ نے دروازے کے بازوؤں کو پکڑ کر یہ خطبہ پڑھا:۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ صَدَقَ اللّٰہُ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ اَلَا کُلُّ مَاْثُرَۃٍ اَوْ دَمٍ اَوْ مَالٍ یُدْعٰی فَھُوَ تَحْتَ قَدَمَیَّ ھَاتَیْنِ اِلَّا سِدَانَۃَ الْبَیْتِ وَسِقَایَۃَ الْحَاجِّ اَلَا وَقَتْلُ الْخَطَاِ شِبْہِ الْعَمَدِ بِالسَّوْطِ وَ الْعَصَا فِیْہِ الدِّیَۃُ مِائَۃٌ مِّنَ الْاِبِلِ مِنْھَا اَرْبَعُوْنَ فِیْ بُطُوْنِھَا اَوْلَادُھَا یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَذْھَبَ عَنْکُمْ نَخْوَۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ وَتَعَظُّمَھَا بِالْاٰبَاءِ۔ اَلنَّاسُ مِنْ اٰدَمَ وَ اٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ

ایک خدا کے سوا اور کوئی معبود بحق نہیں۔ اُس کا کوئی شریک نہیں۔ خدا نے اپنا وعدہ سچا کیا اور اپنے بندے کی مدد کی۔ اور کافروں کے گروہوں کو تنہا شکست دی۔ آگاہ رہو کہ تمام مفاخر یا خون یا مال ہر قسم کا سوائے کعبہ کی تولیت اور حاجیوں کی سقایت کے میرے ان دو قدموں کے نیچے ہیں۔ آگاہ رہو کہ قتل خطا جو عمد کے مشابہ ہو تازیانہ سے ہو یا عصا سے۔ اُس کا خونبہا ایک سو اونٹ ہیں جن میں سے چالیس کے پیٹوں میں بچے ہوں۔ اے گروہ قریش! خدا نے تم سے جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار دور کر دیا۔ تمام لوگ آدمؑ کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے ہیں!

پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ

اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا۔ اور تم کو کنبے اور قبیلے بنایا تاکہ ایک دوسرے کو پہچانو۔ بے شک تم میں اللہ کے نزدیک زیادہ بزرگ وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے تحقیق اللہ جاننے والا خبردار ہے۔

خطبہ کے بعد آپ قریش کی طرف متوجہ ہوئے جن سے مسجد بھری ہوئی تھی۔ اعلان دعوت سے اب تک ساڑھے سترہ سال میں قریش نے آپ سے اور آپ کے اصحاب سے جو جو سلوک کئے تھے وہ سب ان کے پیش نظر تھے۔ اور خوف زدہ اس انتظار میں تھے کہ دیکھئے کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم اب اُس شہر میں ہیں جہاں سے نکلے تھے تو اندھیری رات اور فقط صدیق اکبر ساتھ تھے۔ آج آپ داخل ہوتے ہیں۔ تو دس ہزار جاں نثار ساتھ ہیں اور بدلہ لینے پر پوری قدرت حاصل ہے۔ بالآخر آپ نے یوں خطاب فرمایا۔ "اے گروہ قریش! تم اپنے گمان میں مجھ سے کیسے سلوک کی توقع رکھتے ہو؟"

وہ بولے

خَیْرًا اَخٌ کَرِیْمٌ وَّ ابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ | نیکی کی توقع رکھتے ہیں۔ آپ شریف بھائی اور شریف برادر زادہ ہیں۔

یہ سُن کر حضور رحمۃ للعالمین نے فرمایا۔

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ۔ اِذْھَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ | آج تم پر کوئی الزام نہیں۔ جاؤ۔ تم آزاد ہو۔

اعلانِ عفو کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں بیٹھ گئے۔ بیت اللہ شریف کی کنجی آپ کے دست مبارک میں تھی۔ حضرت علی اور حضرت عباس میں سے ہر ایک نے عرض کیا کہ کنجی ہمیں عنایت ہو۔ مگر آپ نے حضرت عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ کو عطا فرمائی۔

حضرت عثمان بن طلحہ کا بیان ہے۔ کہ "ہجرت سے پہلے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں ملے۔ آپ نے مجھے دعوت اسلام دی۔ میں نے کہا۔ اے محمدؐ! تجھ سے تعجب ہے، کہ تو چاہتا ہے کہ میں تیری پیروی کروں۔ حالانکہ تو نے اپنی قوم کے دین کی مخالفت کی ہے اور ایک نیا دین لایا ہے۔ ہم جاہلیت میں کعبہ کو دو شنبہ اور پنجشنبہ کے دن کھولا کرتے تھے۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ کعبہ میں داخل ہونے کے ارادے سے آئے۔ میں نے آپ سے درشت کلامی کی اور آپ کو بُرا بھلا کہا۔ مگر آپ نے درگزر کیا۔ اور فرمایا۔ عثمان! تو یقیناً عنقریب ایک دن اس کنجی کو میرے ہاتھ میں دیکھے گا کہ جہاں چاہوں رکھ دوں۔ میں نے کہا۔ اُس دن بے شک قریش ہلاک ہو جائیں گے اور ذلیل ہو جائیں گے۔ اِس پر آپ نے فرمایا۔ بلکہ زندہ رہیں گے۔ اور عزت پائیں گے۔ اور آپ کعبہ میں داخل ہوئے۔ آپ کے اس ارشاد نے مجھ پر اثر کیا۔ میں نے گمان کیا کہ جیسا آپ نے مجھ سے فرمایا عنقریب ویسا ہی ہو جائے گا۔ اور ارادہ کیا کہ مسلمان ہو جاؤں۔ مگر میری قوم مجھ سے نہایت درشت کلامی کرنے لگی۔ جب فتح مکہ کا دن آیا۔ تو آپ نے مجھ سے فرمایا۔ عثمان! کنجی لاؤ۔ آپ نے کنجی مجھ سے لے لی۔ پھر وہی کنجی مجھے دیدی اور فرمایا۔ لو یہ پہلے سے تمہاری ہے اور تمہارے ہی پاس

ہمیشہ رہے گی۔ ظالم کے سوا اسے کوئی تم سے نہ چھینے گا۔ عثمان! اللہ نے تم کو اپنے گھر کا امین بنایا ہے۔ پس اِس گھر کی خدمت کے سبب سے جو کچھ تمہیں ملے۔ اُسے دستورِ شرعی کے موافق کھاؤ۔ جب میں نے پیٹھ پھیری۔ آپ نے مجھے پکارا۔ میں پھر حاضر ہوا۔ فرمایا۔ کیا وہ بات نہ ہوئی جو میں نے تجھ سے کہی تھی۔ اِس پر مجھے ہجرت سے پہلے مکہ میں آپ کا وہ قول یاد آ گیا۔ میں نے عرض کیا۔ "ہاں (وہ بات ہو گئی) میں گواہی[1] دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں"[2]۔ اس حدیث میں تین پیشگوئیاں ہیں۔ وہ تینوں پوری ہو گئیں؛

اُس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک مسجد میں رونق افروز رہے۔ نماز کا وقت آیا۔ تو آپ کے حکم سے حضرت بلال رضؓ نے کعبہ کی چھت پر اذان کہی۔ ابو سفیان بن حرب اور عتّاب بن اسید اور حارث بن ہشام کعبہ کے صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اذان کی آواز سُن کر عتاب بولا۔ کہ خدا نے اسید کو یہ عزت بخشی کہ اُس نے یہ آواز نہ سُنی۔ ورنہ اُسے رنج پہنچتا۔ حارث بولا۔ خدا کی قسم اگر یہ حق ہوتا۔ تو میں اُس کی پیروی کرتا۔ حضرت ابو سفیان نے کہا۔ میں تو کچھ نہیں کہتا۔ اگر کہوں۔ تو یہ کنکریاں اُن کو میرے قول کی خبر دیں گی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے پاس ہو کر نکلے۔ تو فرمایا۔ کہ تمہاری باتیں مجھے معلوم ہو گئیں۔ تم نے ایسا ایسا کہا ہے۔ حارث و عتاب یہ سنتے ہی کہنے لگے: "ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ خدا کے رسول ہیں۔ ان باتوں کی اطلاع کسی اور کو نہ تھی۔ ورنہ ہم کہہ دیتے کہ اُس نے آپ کو بتا دیں[3]"۔

مسجد سے آپ کوہ صفا پر تشریف لے گئے۔ وہاں مردوں اور عورتوں نے اسلام قبول کر کے آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ مردوں میں حضرت معاویہ اور مستورات میں ان کی والدہ ہند بھی تھی جو حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کلیجہ چبا گئی تھی؛

عفو عام سے نو یا دس اشخاص مستثنےٰ تھے۔ جن کی نسبت حکم دیا گیا کہ جہاں ملیں قتل کر دیئے جائیں۔ اس حکم کی وجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی انتقام نہ تھا۔ بلکہ اور مختلف جرم تھے۔ اُن میں سے صرف تین یعنی ابن خطل۔ مقیس بن ضبابہ اور ابن خطل کی کنیز قریبہ قتل ہوئے۔ ابن خطل اور مقیس قصاص میں مارا

---

[1] حضرت عثمان نے یہ معجزہ دیکھ کر تجدید شہادت کی۔ ورنہ یہ معلوم ہے کہ آپ سال فتح سے پہلے اسلام لا چکے تھے۔
[2] طبقات ابن سعد (متوفی ۲۳۰ھ)
[3] سیرت ابن ہشام؛

قتل کئے گئے۔ قریبہ اسلام کی ہجو گایا کرتی تھی۔ باقی سب کو امن دیا گیا۔ اور ایمان لائے۔ ایک دشمنِ اسلام عیسائی مصنف ان دس اشخاص کی تفصیل دے کر یوں[1] لکھتا ہے:۔

"اس طرح عفو کے مقابلہ میں حکم قتل کی صورتیں کالعدم تھیں۔ اور سزائے موت جہاں فی الواقع عمل میں آئی۔ (شاید باستثنائے مغنیہ) محض پولیٹیکل مخالفت کے سوا اور جرموں کی وجہ سے غالباً روا تھی جس عالی حوصلگی سے (حضرت) محمدؐ نے اس قوم سے سلوک کیا جس نے اتنی دیر آپ سے دشمنی رکھی اور آپ کا انکار کیا۔ وہ ہر طرح کی تحسین و آفرین کے قابل ہے۔ حقیقت میں گذشتہ کی معافی اور اس کی گستاخیوں اور اذیتوں کی فراموشی آپ ہی کے فائدے کے لئے تھی۔ مگر تاہم اس کے لئے ایک فراخ و فیاض دل کی کچھ کم ضرورت نہ تھی۔"

فتح مکہ کے دوسرے روز خزاعہ نے ہذیل کے ایک شخص کو جو مشرک تھا قتل کر ڈالا۔ اس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حمد و ثناء کے بعد یوں خطاب[2] فرمایا:۔

اِنَّ مَكَّةَ حَرَّمَهَا اللّٰهُ وَلَمْ يُحَرِّمْهَا النَّاسُ لَا يَحِلُّ لِامْرِئٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يَّسْفِكَ بِهَا دَمًا وَّلَا يَعْضِدَ بِهَا شَجَرًا فَاِنْ اَحَدٌ تَرَخَّصَ لِقِتَالِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْهَا فَقُوْلُوْا لَهُ اِنَّ اللّٰهَ اَذِنَ لِرَسُوْلِهٖ وَلَمْ يَاْذَنْ لَكُمْ وَاِنَّمَا اَذِنَ لِيْ فِيْهَا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ وَقَدْ عَادَتْ حُرْمَتُهَا الْيَوْمَ كَحُرْمَتِهَا بِالْاَمْسِ وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ	تحقیق مکہ کو اللہ نے حرام کر دیا اور لوگوں نے حرام نہیں کیا۔ جو شخص خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے جائز نہیں کہ اس میں خون بہائے اور نہ اس کا درخت کاٹے۔ اگر کوئی اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگ کے سبب سے قتال کو رخصت کہے۔ تو اس سے کہہ دو کہ خدا نے اپنے رسول کو اجازت دی۔ تم کو اجازت نہیں دی مجھے بھی دن کی ایک ساعت اجازت دی گئی۔ اور آج پھر اس کی حرمت ایسی ہو گئی جیسا کہ کل (فتح سے پہلے) تھی۔ چاہئے کہ جو یہاں حاضر ہے وہ غائب کو یہ پیام پہنچا دے۔

جب مکہ بتوں سے پاک ہو چکا۔ تو مکہ کے گرد جو بت (منات۔ لات۔ عزّےٰ۔ سواع) تھے۔ وہ سرایا کے ذریعہ سے منہدم کر دئے گئے۔

[1] لائف آف محمدؐ مولفہ سر ولیم میور صاحب۔ [2] صحیح بخاری و سیرت ابن ہشام۔

غزوہ حنین | فتح مکہ کا اثر قبائل عرب پر نہایت اچھا پڑا۔ وہ اب تک منتظر تھے اور کہا کرتے تھے۔ کہ (حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اور اُن کی قوم کو آپس میں نپٹ لینے دو۔ اگر وہ قریش پر غالب آ گئے۔ تو سچے پیغمبر ہیں۔ اس لئے جب مکہ فتح ہوا۔ تو ہر ایک قوم نے اسلام قبول کرنے میں پیشدستی کی۔ مگر ہوازن کا زبردست قبیلہ جو مکہ و طائف کے درمیان سکونت پذیر تھا اس فتح پر بہت برافروختہ ہوا۔ وہ اس سے پہلے ہی جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اس لئے فتح کی خبر سُنتے ہی حملہ کے لئے تیار ہو گئے۔ ہوازن (باستثنائے کعب و کلاب) کے ساتھ ثقیف تمام اور نصر و جُشم تمام اور سعد بن بکر اور کچھ بنو ہلال شامل ہوئے۔ جشم کا رئیس دُرید بن صمتہ تھا جس کی عمر سو سال سے متجاوز تھی۔ اُسے محض مشورے کے لئے ہودج میں بٹھا کر ساتھ لے گئے۔ تمام فوج کا سپہ سالار اعظم مالک بن عوف نصری تھا جس کے حکم سے بچے اور عورتیں اور اموال بھی ساتھ تھے تاکہ لڑائی میں پیچھے نہ ہٹیں۔ درید نے اس حکم کو پسند نہ کیا۔ مگر اُس کی کچھ پیش نہ گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی۔ تو آپ نے حضرت عبداللہ بن حدرد اسلمی کو بطور جاسوس دریافت حال کے لئے بھیجا۔ وہ دشمن کے لشکر میں آئے اور انہوں نے وہاں کے تمام حالات دربار رسالت میں عرض کئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تیاری شروع کر دی۔ دس ہزار درہم سے زائد عبداللہ بن ابی ربیعہ سے جو ابوجہل کے بے مات بھائی تھے قرض لئے گئے۔ اور صفوان بن امیہ سے جو اب تک ایمان نہ لائے تھے سو زرہیں مع لوازم مستعار لی گئیں۔ غرض شوال ۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے جن میں سے دو ہزار طلقاء (اہل مکہ) تھے۔ لشکر کی کثرت کو دیکھ کر بعضوں کی زبان سے بے اختیار نکلا "آج ہم پر کون غالب آ سکتا ہے؟" جب حنین[۵۱] میں پہنچے۔ تو صبح کے وقت کہ ابھی اُجالا بھی اچھی طرح نہ ہوا تھا حملہ کے لئے آگے بڑھے۔ دشمن نے اُن کے پہنچنے سے پہلے ہی اس طرح صف آرائی کر رکھی تھی کہ سب سے آگے سوار۔ سواروں کے پیچھے پیادہ۔ پیادوں کے پیچھے عورتیں اور عورتوں کے پیچھے بکریاں اور اونٹ تھے۔ اور کچھ فوج پہاڑ کی گھاٹیوں اور دروں میں کمین میں مقرر کر دی تھی۔ اسلامی فوج نے پہلے ایسی شجاعت سے دھاوا کیا کہ کفار بھاگ[۵۲] نکلے مسلمان

[۵۱] ایک وادی کا نام ہے جو مکہ سے طائف کی طرف تقریباً بارہ میل کے فاصلہ پر ہے۔
[۵۲] صحیح بخاری۔ باب قول اللہ تعالیٰ ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم الآیہ۔

غنیمت لوٹنے میں مشغول ہو گئے۔ کفار نے ایک دوسرے کو پکارا کہ یہ کیا ذلت و فضیحت ہے۔ اور مڑکر حملہ کیا۔ اب کثرت پر نازش اپنا رنگ لائی۔ لشکر اسلام کے مقدمہ میں بہت سے ایسے نوجوان تھے جو سلاح و زرہ سے خالی تھے۔ ہوازن و بنو نصر کی جماعت نے جو قدر انداز ی میں مشہور تھے تیروں کا مینہ برسانا شروع کیا۔ ذرا سی دیر میں مقدمۃ الجیش کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس طرح باقی فوج بھی بھاگ نکلی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف چند اصحاب ثابت قدم رہے۔ مگر اکیلے آپ تھے کہ اس حالت میں بھی دشمن کی طرف بڑھنا چاہتے تھے اور وہ اصحاب بمقتضائے شفقت آپ کو روک رہے تھے۔ چنانچہ حضرت عباس آپ کی خچر کا لگام اور حضرت ابو سفیانؓ رکاب تھامے ہوئے تھے کہ آگے نہ بڑھ جائیں۔ اور آپ فرما رہے تھے۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب	میں پیغمبر ہوں۔ اس میں جھوٹ نہیں
اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِب	میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔

حضرت عباسؓ نہایت بلند آواز تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ مہاجرین و انصار کو آواز دو۔ چنانچہ وہ یوں پکارنے لگے:۔

یَا مَعْشَرَ الْاَنْصَار	او گروہ انصار!
یَا اَصْحَابَ السَّمُرَة	او بیعت رضوان والو!
یَا اَصْحَابَ سُوْرَةِ الْبَقَرَة	اے سورہ بقرہ والو!

اس آواز کا کان میں پڑنا تھا کہ لبیک لبیک کہتے ہوئے سب جمع ہو گئے۔ آپ نے صف آرائی کے بعد حملہ کا حکم دیا چنانچہ وہ نہایت بہادری سے لڑنے لگے۔ شدت جنگ کو دیکھ کر آپ نے فرمایا۔ اَلْاٰنَ حَمِیَ الْوَطِیْسُ (اب تنور خوب گرم ہو گیا) لڑائی کا نقشہ بدل چکا تھا۔ مسلمانوں پر طمانیت کا نزول ہوا۔ کفار کو ملاء اعلیٰ کا لشکر چتکبرے گھوڑوں پر سواروں کی شکل میں نظر آ رہا تھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خچر سے اتر کر ایک مشت خاک لی۔ اور شاھت الوجوہ پڑھتے ہوئے کفار کی طرف پھینک دی۔ دشمن میں سے کوئی ایسا نہ تھا کہ جس کی آنکھوں میں وہ خاک نہ پڑی ہو۔ لشکر کفار کو شکست ہوئی۔ اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام پاک میں جنگ حنین کا ذکر اس طرح کیا ہے:۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ وَّ	البتہ تحقیق اللہ نے تم کو مدد دی بہت میدانوں میں اور

يَوْمَ حُنَيْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (سورہ توبہ۔ ع ۴)	حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر اترائے۔ پس وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی۔ اور زمین باوجود فراخی کے تم پر تنگ ہوگئی۔ پھر تم پیٹھ پھیر کر ہٹے۔ پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی۔ اور وہ فوجیں اتاریں جو تم نے نہ دیکھیں اور کافروں کو عذاب کیا۔ اور یہی سزا ہے کافروں کی۔ پھر خدا اس کے بعد توبہ دے گا جسے چاہے۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے!

جنگ اوطاس شکست خوردہ فوج ٹوٹ پھوٹ کر کچھ تو اوطاس میں اور کچھ طائف میں جمع ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ فوج بسر کردگی حضرت ابو عامر اشعری اوطاس بھیجی۔ جو دیار ہوازن میں ایک وادی کا نام ہے۔ درید بن صمہ یہاں مارا گیا۔ قبیلہ جشم کے ایک شخص نے حضرت ابو عامر کی ران میں تیر مارا حضرت ابو موسیٰ اشعری نے اس جشمی کو قتل کر ڈالا اور حضرت ابو عامر کو اطلاع دی حضرت ابو عامر کچھ دیر کے بعد واصل بحق ہوئے۔ مگر شہادت سے پہلے انہوں نے حضرت ابو موسیٰ سے کہا کہ سلام کے بعد میرا یہ پیام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا دینا کہ آپ میرے حق میں دعائے مغفرت فرمائیں!

حضرت ابو عامر کے بعد حضرت ابو موسیٰ نے علم ہاتھ میں لیا۔ اور خوب جنگ کی۔ دشمن کو شکست ہوئی۔ اسیران جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن شیماء سعدیہ بھی تھیں۔ جب گرفتار ہو کر آئیں۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگیں کہ میں آپ کی بہن ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اس کی علامت کیا ہے۔ اس پر انہوں نے اپنی پیٹھ کھول کر دکھائی۔ کہ ایک دفعہ بچپن میں میں آپ کو گود میں لئے بیٹھی تھی۔ آپ نے دانت سے کاٹا تھا۔ یہ اس کا نشان ہے۔ آپ نے وہ نشان پہچان لیا۔ اور اپنی چادر مبارک بچھا کر ان کو اس پر بٹھایا اور مرحبا کہا۔ پھر فرمایا۔ "جی چاہے تو میرے ہاں عزت سے رہو۔ اور اپنی قوم میں جانا چاہو۔ تو وہاں پہنچا دیا جائے"۔ انہوں نے اپنی قوم میں رہنا پسند کیا۔ اور ایمان لائیں۔ آپ نے ان کو غلام و کنیز اور ایک اونٹ دے کر بڑے احترام سے ان کی قوم میں

پہنچا دیا۔

جب حضرت ابوموسیٰ اشعری اوطاس سے واپس آئے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابوعامر کا پیغام پہنچا دیا۔ آپ نے یوں دعا فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعُبَيْدٍ اَبِيْ عَامِرٍ۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَوْقَ كَثِيْرٍ مِّنْ خَلْقِكَ وَمِنَ النَّاسِ	اے خدا! ابوعامر عبید کو بخش دے۔ اے خدا اُسے قیامت کے دن اپنی مخلوق اور اپنے لوگوں میں سے بہتوں کے اوپر رکھنا!

یہ دیکھ کر حضرت ابوموسے نے اپنے واسطے دعا کی التجا کی۔ آپ نے یوں دعا فرمائی:۔

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ ذَنْبَهٗ وَاَدْخِلْهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مُدْخَلًا كَرِيْمًا	اے خدا! عبداللہ بن قیس کا گناہ بخش دے اور اُسے قیامت کے دن عزت کے مقام میں داخل کرنا!

محاصرہ طائف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غنائم واسیران جنگ کی نسبت حکم دیا کہ سب کو جمع کر کے جعرانہ[1] میں بھیج دیا جائے۔ اور بذات اقدس طائف[2] کی طرف روانہ ہوئے۔ روانگی کے وقت حضرت طفیل بن عمرو دوسی کو بت ذوالکفین کے منہدم کرنے کے لئے بھیجا اور حکم دیا کہ اپنی قوم سے مدد لے کر ہم سے طائف میں آملو جحضرت طفیل اپنی قوم کے رئیس تھے۔ انہوں نے بت کو جلا دیا۔ اور قبیلہ دوس کے چار سو آدمی اور دبابہ ومنجنیق لے کر طائف میں حاضر خدمت اقدس ہوئے؛

ثقیف اوطاس سے بھاگ کر طائف میں چلے آئے تھے۔ یہاں ایک قلعہ تھا۔ اُس کی مرمت کر کے ایک سال کا سامان رسد لے کر اُس میں پناہ گزیں تھے۔ لشکر اسلام اُس قلعہ کے قریب اُترا۔ اسلام میں یہ پہلا موقع تھا کہ قلعہ شکن آلات استعمال میں لائے گئے۔ مسلمانوں نے منجنیق[3] نصب کیا۔ تو اہل قلعہ نے تیروں کا مینہ برسانا شروع کیا۔ بارہ غازی شہید ہو گئے۔ دبابہ[4] استعمال کیا گیا۔ تو ثقیف نے لوہے کی گرم سلاخیں برسائیں۔ جن سے دبابہ جل گیا اور نقصان جان بھی ہوا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ

[1] جعرانہ یا جعرانہ مکہ و طائف کے درمیان مکہ سے ایک برید (۱۲ میل) ہے!

[2] طائف ایک بڑا شہر ہے جو مکہ سے دو یا تین منزل مشرق کی طرف واقع ہے!

[3] منجنیق ایک قسم کا بڑا گوپھیا تھا جس میں بڑے بڑے پتھر رکھ کر دیوار قلعہ پر پھینکا کرتے تھے تاکہ دیوار ٹوٹ جائے۔

[4] دبابہ ایک آلہ جنگ تھا جو چڑے اور لکڑی سے بنایا جاتا تھا۔ اس کی اوٹ میں دشمن کے قلعہ کی طرف جاتے تاکہ دیوار قلعہ میں نقب لگائیں!

علیہ وسلم کی طرف سے منادی کردی گئی۔ کہ کفار کا جو غلام قلعہ سے ہمارے پاس آئے گا۔ وہ آزاد کر دیا جائے گا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تیئیس غلام قلعہ سے اُتر کر حاضر خدمت ہوئے۔ وہ سب آزاد کردئے گئے۔ اور ایک ایک کرکے مسلمانوں کے حوالہ کردئے گئے کہ ان کی ضروریات کے متکفل ہوں اور ان کو تعلیم اسلام دیں۔ ان غلاموں میں حضرت نفیع بن حارث تھے۔ جو چرخِ چاہ پر لٹک کر قلعہ کی دیوار سے اُترے تھے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنیت ابوبکرہ رکھ دی۔

دو ہفتہ بلکہ زیادہ محاصرہ قائم رہا۔ مگر قلعہ فتح نہ ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت نوفل بن معاویہ دئلی سے مشورہ کیا۔ انہوں نے عرض کیا۔ کہ "لومڑی بھٹ میں ہے۔ اگر آپ کوشش جاری رکھیں گے۔ تو اُسے پکڑ لیں گے۔ اور اگر اُسے چھوڑ جائیں۔ تو آپ کو مضر نہیں"۔ غرض محاصرہ اٹھا لیا گیا۔ جب واپس آنے لگے۔ تو صحابہ کرام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! ثقیف کے تیروں نے ہم کو جلا دیا۔ آپ ان پر بد دعا فرمائیں"۔ اس پر آپ نے یوں دعا فرمائی:۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثَقِیْفًا وَاْتِ بِھِمْ	اے خدا تو ثقیف کو ہدایت دے اور اُن کو (مسلمان بنا کر) لا۔

اس دعائے رحمۃ للعالمین کا نتیجہ یہ ہوا کہ سنہ ۹ھ میں ثقیف کے وفد نے حاضر خدمت اقدس ہو کر اظہار اسلام کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے جعرانہ میں تشریف لائے۔ یہاں غنائم حنین واوطاس جمع تھیں جن کی تفصیل یہ ہے:۔

اسیرانِ جنگ (زنان و اطفال)۔ ۶۰۰۰

اونٹ۔ ۲۴۰۰۰

بکریاں۔ ۴۰۰۰۰ سے زائد

چاندی ۴۰۰۰۔ اوقیہ۔

آپ نے دس دن سے کچھ زیادہ ہوازن کا انتظار کیا۔ وہ نہ آئے۔ تو آپ نے مال غنیمت میں سے عطایا مہاجرین کو دیا اور انصار کو کچھ نہ دیا۔ اس پر انصار کو رنج ہوا۔ اُن میں سے بعضے کہنے لگے۔ "خدا رسول اللہ کو معاف کرے۔ وہ قریش کو عطا فرماتے ہیں اور ہم کو محروم رکھتے ہیں حالانکہ ہماری تلواروں سے قریش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں"۔ اور بعض بولے:۔ جب مشکل پیش آتی ہے۔

تو ہمیں بلایا جاتا ہے۔ اور غنیمت اوروں کو دی جاتی ہے"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چرچا سُنا۔ تو انصار کو طلب فرمایا۔ ایک چرمی خیمہ نصب کیا گیا۔ جس میں آپ نے انصار کے سوا کسی اور کو نہ رہنے دیا۔ جب انصار جمع ہو گئے تو آپ نے پوچھا۔ کہ "وہ کیا بات ہے جو تمہاری نسبت میرے کان میں پہنچی ہے" انصار جھوٹ نہ بولا کرتے تھے کہنے لگے کہ سچ ہے جو آپ نے سُنا۔ مگر ہم میں سے کسی دانا نے ایسا نہیں کہا۔ نوخیز جوانوں نے ایسا کہا تھا۔ یہ سُن کر آپ نے حمد و ثناء کے بعد یوں خطاب فرمایا:۔

يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ اَلَمْ اَجِدْكُمْ ضُلَّالًا فَهَدَاكُمُ اللّٰهُ بِيْ وَكُنْتُمْ مُتَفَرِّقِيْنَ فَاَلَّفَكُمُ اللّٰهُ بِيْ وَكُنْتُمْ عَالَةً فَاَغْنَاكُمُ اللّٰهُ بِيْ

اے گروہ انصار! کیا یہ سچ نہیں کہ تم گمراہ تھے۔ خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو ہدایت دی۔ اور تم پراگندہ تھے۔ خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو جمع کر دیا۔ اور تم مفلس تھے۔ خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو دولتمند کر دیا"

آپ یہ فرماتے جاتے تھے اور انصار ہر فقرے پر کہتے جاتے تھے۔ کہ "خدا و رسول کا احسان اس سے بڑھ کر ہے"

آپ نے فرمایا کہ تم مجھے جواب کیوں نہیں دیتے۔ انصار نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم کیا جواب دیں۔ خدا و رسول کا احسان و فضل ہے۔ آپ نے فرمایا۔ بخدا اگر تم چاہو۔ تو یہ جواب دو میں ساتھ ساتھ تمہاری تصدیق کرتا جاؤں گا۔

اَتَيْتَنَا مُكَذَّبًا فَصَدَّقْنَاكَ وَمَخْذُوْلًا فَنَصَرْنَاكَ وَطَرِيْدًا فَاٰوَيْنَاكَ وَعَائِلًا فَوَاسَيْنَاكَ

تو ہمارے پاس اس حال میں آیا کہ لوگوں نے تیری تکذیب کی تھی۔ ہم نے تیری تصدیق کی۔ لوگوں نے تیرا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ ہم نے تیری مدد کی۔ لوگوں نے تجھ کو نکال دیا تھا۔ ہم نے تجھے پناہ دی۔ تو مفلس تھا ہم نے جان و مال سے تیری ہمدردی کی۔

پھر فرمایا کہ میں نے تالیف قلوب کے لئے اہل مکہ کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے" اے انصار! کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ بکریاں لے کر جائیں اور تم رسول اللہ کو لے کر گھر جاؤ۔ اللہ کی قسم! تم جو کچھ لے جا رہے ہو وہ اس سے بہتر ہے جو وہ لے جا رہے ہیں۔ اگر لوگ کسی وادی یا درہ میں چلیں تو میں انصار کی وادی یا درہ میں چلوں گا" یہ سُن کر انصار پکار اُٹھے۔ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَضِيْنَا۔

(یا رسول اللہ! ہم راضی ہیں)۔ اور ان پر اس قدر رقّت طاری ہوئی کہ روتے روتے ڈاڑھیاں تر ہو گئیں[1]

جب جعرانہ میں اسیران جنگ کی تقسیم بھی ہو چکی۔ تو ہوازن کی سفارت (وفد) حاضر خدمت اقدس ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ماں حلیمہ قبیلہ سعد بن بکر بن ہوازن سے تھیں۔ اس سفارت میں آپ کا رضاعی چچا ابو ثروان (یا ابو برقان) بن عبد العزےٰ سعدی بھی تھا۔ سفارت کا رئیس زہیر بن صرد سعدی جُشمی تھا۔ وفد نے پہلے اپنی طرف سے اور اپنی قوم کی طرف سے اظہار اسلام کیا اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ پھر حضرت زہیر بن صرد نے یوں[1] تقریر کی:۔

"یا رسول اللہ! اسیران جنگ میں سے جو عورتیں چھپروں میں ہیں وہ آپ کی پھوپھیاں اور خالائیں اور دایہ ہیں۔ جو آپ کی پرورش کی کفیل تھیں۔ اگر ہم نے حارث بن ابی شمر (امیر شام) یا نعمان بن منذر (شاہ عراق) کو دودھ پلایا ہوتا۔ پھر اس طرح کی مصیبت ہم پر آپڑتی تو ہمیں اُس سے مہربانی و فائدہ کی توقع ہوتی۔ مگر آپ سے تو زیادہ توقع ہے۔ کیونکہ آپ فضل و شرف میں ہر مکفول سے بڑھ کر ہیں۔"

اس کے بعد حضرت ابو ثروان نے یوں[2] عرض کیا:۔

"یا رسول اللہ! اِن چھپروں میں آپ کی پھوپھیاں خالائیں اور بہنیں ہیں۔ جو آپ کی پرورش کی کفیل تھیں۔ ہم نے آپ کو اپنی گودوں میں پالا۔ اور اپنے پستان سے دودھ پلایا۔ میں نے آپ کو دودھ پیتے دیکھا۔ کوئی دودھ پیتا بچہ آپ سے بہتر نہ دیکھا۔ میں نے آپ کو دودھ چھڑایا ہوا دیکھا۔ کوئی دودھ چھڑایا بچہ میں نے آپ سے بہتر نہ دیکھا۔ پھر میں نے آپ کو نوجوان دیکھا۔ کوئی نوجوان آپ سے بہتر نہ دیکھا۔ آپ میں خصال خیر کامل طور پر موجود ہیں اور باوجود اِس کے ہم آپ کے اہل و کنبہ ہیں۔ آپ ہم پر احسان کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ پر احسان کرے گا۔"

یہ تقریر سُن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں نے انتظار کے بعد تقسیم کی ہے۔ اب تم اسیران جنگ و غنائم میں ایک اختیار کر لو۔ انہوں نے کہا کہ ہم اسیران جنگ کی رہائی چاہتے ہیں

---

[1] سیرت حلبیہ و اصابہ۔

[2] اصابہ۔ ترجمہ ابو ثروان۔

آپ نے فرمایا۔ کہ مجھے اپنے خاندان کے حصہ کا اختیار ہے۔ باقی کے لئے اوروں کی اجازت درکار ہے۔ تم نماز ظہر کے بعد اپنی درخواست پیش کرنا۔ چنانچہ نماز ظہر کے بعد انہوں نے اظہار مطلب کیا۔ پھر آپ نے حمد و ثنا کے بعد یوں خطاب[۵۱] فرمایا:۔

"تمہارے بھائی مسلمان ہو کر آئے ہیں۔ میری رائے ہے کہ اسیران جنگ ان کو واپس کر دوں تم میں سے جو بغیر عوض واپس کرنا چاہتے ہیں کر دیں۔ اور جو عوض لینا چاہتے ہیں۔ ہم پہلی غنیمت میں سے جو ہاتھ آئے گی ادا کر دیں گے۔"

قصہ کوتاہ تمام مہاجرین و انصار نے بغیر عوض واپس کر دینا منظور کیا۔ اس طرح چھ ہزار رہا کر دئے گئے۔

ہجرت کا نواں سال

اس سال کے اوائل میں واقعہ ایلاء پیش آیا۔ ازواج مطہرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مقدور سے زیادہ نفقہ و کسوت طلب کیا۔ اس پر آپ نے ایلاء کیا۔ یعنی سوگند کھائی کہ ایک ماہ تک ان کے ساتھ مخالطت نہ کروں گا۔ جب ۲۹ دن گزرنے پر مہینہ پورا ہوا تو آیۂ تخییر (سورہ احزاب) نازل ہوئی۔ مگر سب نے زینت دنیا پر اللہ اور رسول کو اختیار کیا۔

غزوہ طائف اور غزوہ تبوک کے درمیانی زمانہ میں حضرت کعب بن زہیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ایمان لائے اور انہوں نے اپنا مشہور قصیدہ پڑھا۔

غزوہ تبوک یہ غزوہ ماہ رجب میں پیش آیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ مدینہ میں یہ خبر پہنچی کہ رومیوں اور عیسائی عربوں نے مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے بڑی فوج تیار کر لی ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ اور قبائل عرب سے جانی و مالی امداد طلب کی۔ اُس وقت سخت قحط اور شدت کی گرمی تھی۔ اسی وجہ سے اس غزوہ کو غزوۃ العسرۃ بھی کہتے ہیں۔ سورہ توبہ میں ہے۔ اَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ۔ جو لشکر اس غزوہ کے لئے تیار کیا گیا۔ اُسے جیش العسرۃ کہتے ہیں۔ اس جیش کی تیاری میں حضرت عثمان غنی نے خصوصیت سے حصہ لیا۔ حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق نے بھی بڑے ایثار کا ثبوت دیا۔ غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ راستہ میں

---

۵۱ صحیح بخاری۔ غزوہ حنین۔

۵۲ یہ شہر مدینہ و دمشق کے قریباً وسط میں ہے۔

جب سرزمین ثمود میں اُترے۔ تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا[۱] کہ یہاں کے کوؤں کا پانی نہ لینا اور نہ وہ پانی پینا۔ انہوں نے عرض کیا۔ کہ ہم نے پانی لیا ہے۔ اور اس سے آٹا گوندھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پانی گرا دو اور آٹا اونٹوں کو کھلا دو۔ جب آپ حجر یعنی ثمود کے مکانات میں سے گزرے جو پہاڑوں کو تراش کر بنائے ہوئے تھے۔ تو فرمایا[۲] کہ اِن معذبین کے مکانات سے روتے ہوئے گزرنا چاہئے کہ مبادا ہم پر بھی وہی عذاب آئے۔ پھر آپ نے اپنی چادر سے منہ چھپایا اور اُس وادی سے جلدی گزر گئے!

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجر سے روانہ ہوئے۔ تو راستے میں ایک جگہ آپ کا ناقہ گم ہو گیا[۳] زید بن لصیت قینقاعی منافق کہنے لگا" محمد نبوت کا دعوےٰ کرتا ہے۔ اور تم کو آسمان کی خبر دیتا ہے۔ حالانکہ وہ اتنا بھی نہیں جانتا کہ اُس کا ناقہ کہاں ہے"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باطلاعِ الٰہی یہ معلوم ہو گیا۔ آپ نے فرمایا" ایک منافق ایسا ایسا کہتا ہے۔ خدا کی قسم! میں وہی جانتا ہوں جو اللہ نے مجھے بتا دیا ہے۔ چنانچہ خدا نے مجھے ناقہ کا حال بتا دیا ہے۔ وہ فلاں درہ میں ہے۔ اُس کی نکیل ایک درخت میں پھنسی ہوئی ہے۔ اس سبب سے وہ رُکا ہوا ہے۔ تم جا کر لے آؤ"۔ بتعمیل ارشاد مبارک ناقہ اُس درہ میں سے لایا گیا۔ حضور کے ارشاد مبارک کے وقت حضرت عمارہ موجود تھے۔ منافق مذکور حضرت عمارہ ہی کے ڈیرے میں تھا۔ حضرت عمارہ اپنے ڈیرے میں واپس آ کر کہنے لگے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی ہم سے بتعلیم الٰہی عجیب ماجرا بیان فرمایا کہ ایک شخص ایسا ایسا کہتا ہے۔ عمارہ کے بھائی عمرو بن حزم نے کہا کہ تمہارے آنے سے پہلے زید بن لصیت نے ایسا ہی کہا ہے۔ یہ سُن کر حضرت عمارہ نے زید کی گردن لکڑی سے ٹھکا دی اور کہا" او دشمنِ خدا! میرے ڈیرے سے نکل جا۔ میرے ساتھ نہ رہ"۔ کہا گیا ہے کہ زید مذکور بعد میں تائب ہو گیا تھا۔

حجر سے تبوک چار منزل ہے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی۔ تبوک میں بیس روز

---

[۱] صحیح بخاری کتاب الانبیاء۔ باب قول اللہ والیٰ ثمود اخاھم صالحًا۔ الآیہ۔

[۲] صحیح بخاری کتاب المغازی۔ باب نزول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحجر۔

[۳] زرقانی علی المواہب بحوالہ ابن اسحاق وواقدی وغیرہ۔ غزوہ تبوک۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام رہا۔ اہل تبوک نے جزیہ پر آپ سے صلح کر لی۔ ایلہ[1] کا نصرانی سردار یوحنہ بن رؤبہ حاضر خدمت اقدس ہوا۔ اُس نے تین سو دینار سالانہ جزیہ پر آپ سے صلح کر لی۔ اور ایک سفید خچر پیشکش کی۔ آپنے ایک چادر اُسے عطا فرمائی۔ جَرباء و اذرُح کے یہودیوں نے بھی جزیہ پر صلح کر لی۔

تبوک ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید کو چار سو سواروں کا دستہ دے کر اکیدر بن عبدالملک کندی نصرانی سردار دومۃ الجندل کے زیر کرنے کے لئے بھیجا۔ اور فرمایا۔ کہ تم اکیدر کو نیل گائے کا شکار کرتے پاؤ گے۔ اکیدر دومۃ الجندل کے قلعہ میں رہا کرتا تھا۔ جب حضرت خالد قلعہ کے پاس پہنچے۔ تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ چاندنی رات تھی کہ ایک نیل گائے جنگل سے آکر قلعہ کے دروازے پر سینگ مارنے لگی۔ اکیدر اُس کے شکار کے لئے قلعہ سے اُتر آیا۔ اثنائے شکار میں حضرت خالد کے دستہ نے اُس پر حملہ کیا اور گرفتار کر کے مدینہ میں لے آئے۔ اُس نے بھی جزیہ پر صلح کی۔

مسجد ضرار منافق ہمیشہ اس امر کے درپے تھے۔ کہ کسی طرح مسلمانوں میں پھوٹ ڈال دیں۔ اس غرض سے انہوں نے اپنی علیحدہ مسجد بنانے کا ارادہ کیا۔ ابو عامر فاسق جو انصار میں سے تھا عیسائی ہو گیا تھا۔ وہ غزوہ خندق تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتا رہا۔ جب ہوازن بھاگ گئے۔ تو وہ شام میں چلا گیا تھا۔ اُس نے وہاں سے ان منافقین کو کہلا بھیجا۔ کہ تم مسجد قباء کے متصل اپنی مسجد بنا لو اور سامان حرب تیار کر لو۔ میں قیصر روم کے پاس جاتا ہوں اور رومیوں کی فوجیں لاتا ہوں۔ تاکہ محمدؐ اور اُس کے اصحاب کو ملک سے نکال دیں۔ چنانچہ منافقوں نے مسجد قباء کے پاس ایک مسجد بنائی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر درخواست کی۔ کہ ہم نے بیماروں اور معذوروں کے لئے ایک مسجد بنائی ہے۔ آپ قدم رنجہ فرما کر اُس میں نماز پڑھائیں۔ اور دعائے برکت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں اب غزوہ تبوک پر جا رہا ہوں۔ واپس آکر انشاءاللہ تعالیٰ حاضر ہوں گا۔ چنانچہ جب آپ مہم تبوک سے واپس ہو کر موضع ذواوان میں پہنچے جو مدینہ طیبہ سے ایک

[1] یہ شہر بحیرہ قلزم کے کنارے پر شام سے ملحق واقع ہے۔ وہ یہود جن پر اللہ تعالےٰ نے مچھلی کا شکار سبت کے دن حرام کر دیا تھا اسی شہر میں رہا کرتے تھے۔

گفتنہ کی راہ ہے۔ تو یہ آیتیں نازل ہوئیں:۔

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّکُفْرًا وَّتَفْرِیْقًا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَیَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰی ؕ وَاللّٰهُ یَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَکٰذِبُوْنَ ○ لَا تَقُمْ فِیْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی مِنْ اَوَّلِ یَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِیْهِ ؕ فِیْهِ رِجَالٌ یُّحِبُّوْنَ اَنْ یَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُطَّهِّرِیْنَ ○ (توبہ ۔ ع ۱۳)

اور وہ لوگ جنھوں نے ایک مسجد بنائی ضرر پہنچانے اور کفر کرنے اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے اور کمینگاہ بننے کے لئے اُس شخص کے واسطے جو پہلے سے خدا و رسول سے لڑ رہا ہے۔ اور البتہ وہ ضرور قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے تو بھلائی ہی چاہی تھی۔ اللہ گواہ ہے کہ وہ لوگ جھوٹے ہیں۔ تو اُس مسجد میں ہرگز کھڑا نہ ہونا۔ البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ تو اس میں کھڑا ہو۔ اُس میں ایسے مرد ہیں جو پاک رہنے کو دوست رکھتے ہیں۔ اور اللہ پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے؛

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مالک بن دخشم اور معن بن عدی عجلانی کو حکم دیا کہ جاکر اُس مسجد ضرار کو گرادو اور جلادو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا[1]۔

اس سال مختلف قبائل کے وفود اِس کثرت سے دربار رسالت میں حاضر ہوئے کہ اسے سال وفود کہا جاتا ہے۔ یہ وفود بالعموم نعمت ایمان سے مالامال ہو کر واپس گئے۔ اس مختصر میں ان کی تفصیل کی گنجائش نہیں؛

ہجرت کا دسواں سال

اس سال بھی وفود عرب پے درپے حاضر خدمت اقدس ہوتے رہے۔ اہل یمن و ملوک حمیر ایمان لائے۔ اسی سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کیا جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔ الآیہ عرفہ میں نازل ہوئی؛

ہجرت کا گیارھواں سال

اس سال کے ماہ ربیع الاول میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال شریف ہو گیا۔ جس کا ذکر آئندہ باب میں آتا ہے؛

[1] تفسیر درمنثور اور وفاء الوفا۔

پانچواں باب

وفات شریف و حلیہ مبارک کا بیان

ماہ صفر ۱۱ھ کے اخیر عشرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے۔ اور ماہ ربیع الاول میں وصال فرما گئے۔ وصال شریف کی تاریخ میں اختلاف ہے۔ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ وفات شریف ماہ ربیع الاول میں دوشنبہ کے دن ہوئی۔ جمہور کے نزدیک ربیع الاول کی بارہویں تاریخ تھی۔ ماہ صفر کی ایک یا دو راتیں باقی تھیں کہ مرض کا آغاز ہوا۔ بعضے تاریخ وصال یکم ربیع الاول بتاتے ہیں۔ بنا بر قول حضرت سلیمان تیمی ابتدائے مرض یوم شنبہ ۲۲ ماہ صفر کو ہوئی اور وفات شریف یوم دوشنبہ ۲ ربیع الاول کو ہوئی۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ ابو مخنف کا قول ہی معتمد ہے کہ وفات شریف ۲ ربیع الاول کو ہوئی۔ دوسروں کی غلطی کی وجہ یہ ہوئی کہ ثانی کو ثانی عشر خیال کر لیا گیا۔ پھر اسی وہم میں بعضوں نے بعض کی پیروی کی۔[1]

حضرت زید بن حارثہ جنگ موتہ میں شہید ہو گئے تھے۔ ان کے انتقام کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام مرض ہی میں فوج تیار کی اور اپنے دست مبارک سے جھنڈا تیار کیا۔ اور حضرت زید کے صاحبزادے حضرت اسامہ کو اس فوج کا سردار مقرر کر کے حکم دیا کہ مقام اُبنیٰ میں پہنچ کر رومیوں سے جہاد کرو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایام مرض ہی میں حضرت فیروز دیلمی نے اسود عنسی مدعی نبوت کو قتل کر ڈالا۔ حضور نے مدینہ میں اس حال کی خبر دی اور فرمایا۔ فاز فیروز (فیروز کامیاب ہو گیا)۔

وفات شریف سے پہلے جو پنجشنبہ تھا اس میں قصہ قرطاس وقوع میں آیا۔ جس کو فقیر نے تحفہ شیعہ میں بالتفصیل لکھا ہے۔ اسی روز حضور نے اپنے اصحاب کرام کو تین چیزوں کی وصیت فرمائی:

[1] وفاء الوفا۔ جزء اول۔ ص ۲۱۰

(۱) مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دینا؛

(۲) ملوک و امراء کے ایلچی جو تمہارے پاس آیا کریں۔ اُن کو جائزہ و انعام دیا کرنا جیسا کہ میں دیا کرتا تھا؛

تیسری چیز کا ذکر حضور نے نہ فرمایا۔ یا راوی (سلیمان احول) بھول گیا۔[۱] اُسی روز حضور نے حضرت صدیق اکبر کو اپنا خلیفہ نماز مقرر فرمایا۔ اور وہ وفات شریف تک نماز پڑھاتے رہے؛

چھ یا سات دینار جو حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس تھے۔ وہ بھی حضور نے ایام مرض میں تقسیم فرما دئے اور کچھ باقی نہ چھوڑا۔[۲] وفات شریف کا وقت عین قریب آپہنچا۔ تو آپ اکثر یوں وصیت فرماتے تھے۔[۳]

الصلوٰۃ وماملکت ایمانکم	نماز اور غلام۔

جب روح پاک نے جسم اطہر سے اعلیٰ علیین کی طرف پرواز کی۔ تو الفاظ اللھم الرفیق الاعلیٰ زبان مبارک پر تھے۔ مزید حالات خصائص میں آئیں گے۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

حلیہ شریف

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ شریف کے بیان میں عرض مدعا سے پیشتر قارئینِ کرام کی آگاہی کے لئے امور ذیل کا بتا دینا ضروری ہے:۔

(۱) ہمارا عقیدہ ہے کہ کمالِ خُلق کی طرح کمالِ خِلقت میں بھی اللہ تعالیٰ نے کسی مخلوق کو حضور کا مثل پیدا نہیں کیا اور نہ کرے گا؛

لَمْ یَخْلُقِ الرَّحْمٰنُ مِثْلَ مُحَمَّدٍ	نہیں پیدا کیا اللہ نے مثل محمدؐ کا
اَبَدًا وَّعِلْمِیْ اَنَّہٗ لَا یَخْلُقُ	کبھی اور مجھے علم ہے کہ وہ نہ پیدا کرے گا؛

(۲) جن بزرگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بیان کیا ہے۔ انہوں نے اگرچہ حضور کے اوصاف کے بیان میں حسب طاقتِ بشری ابلغ انواع بلاغت اور اکمل قوانینِ

---

[۱] مشکوٰۃ شریف بحوالہ صحیحین۔ باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

[۲] مشکوٰۃ شریف۔ باب الانفاق وکراہیۃ الامساک۔

[۳] ابن ماجہ۔ ابواب الوصایا۔

[۴] حیٰوۃ الحیوان للعلامہ کمال الدین الدمیری الشافعی المتوفی ۸۰۸ھ۔ جزو اول۔ ص ۴۲

فصاحت سے کام لیا ہے۔ مگر غایت جسے وہ پہنچے ہیں یہی ہے۔ کہ انہوں نے حضور کی صفات کی صرف ایک جھلک کا ادراک کیا ہے۔ اور حقیقت وصف کے ادراک سے عاجز رہ گئے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے۔ کہ وہ صورت وصف کو پیش کر سکے ہیں نہ حقیقتِ وصف کو۔ کیونکہ حقیقتِ وصفِ حضور کو خالقِ بیچون کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ چنانچہ امام بوصیری رح ہمزیہ میں فرماتے ہیں ؎

اِنَّمَا مَثَّلُوْا صِفَاتِكَ لِلنَّا	انہوں نے صرف صورت دکھائی ہے تیری صفات کی لوگوں کو
سِ كَمَا مَثَّلَ النُّجُوْمَ الْمَاءُ	جیسا پانی صورت دکھا دیتا ہے ستاروں کی۔

امام قرطبی رح (متوفی سنہ ۶۷۱ھ) نے کتاب الصلوٰۃ میں کسی عارف کا کیا اچھا قول [1] نقل کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل حُسن ہمارے لئے ظاہر نہیں ہوا۔ کیونکہ اگر ظاہر ہو جاتا۔ تو ہماری آنکھیں آپ کے دیدار کی تاب نہ لا سکتیں۔

(۳) حضور کے اوصاف کے بیان میں جو تشبیہات وارد ہوئی ہیں۔ وہ صرف لوگوں کے سمجھانے کے لئے حسب عرف وعادت شعراء استعمال ہوئی ہیں۔ کیونکہ حقیقت میں مخلوقات میں سے کوئی شئے آپ کی صفات خَلقیہ وخُلقیہ کے مماثل ومعادل نہیں۔

(۴) اعضائے شریف کے اوصاف میں توسط واعتدال جو حُسن وجمال کا مدار اور فضل وکمال کا مبنےٰ ہے۔ بطور کلیہ ہر جگہ ملحوظ ہے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاَصْحَابِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ بِقَدْرِ حُسْنِهٖ وَجَمَالِهٖ وَكَمَالِهٖ كُلَّمَا ذَكَرَكَ وَذَكَرَهُ الذَّاكِرُوْنَ وَغَفَلَ عَنْ ذِكْرِكَ وَذِكْرِهِ الْغَافِلُوْنَ۔

روئے مبارک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا روئے مبارک جو جمال الٰہی کا آئینہ اور انوار تجلی کا مظہر تھا پر گوشت اور کسی قدر گول تھا۔ اسی روئے مبارک کو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ دیکھتے ہی پکار اٹھے تھے:۔

وَجْهُهٗ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ	ان کا چہرہ دروغ گو کا چہرہ نہیں۔

اور ایمان لائے تھے [2]

[1] مواہب لدنیہ۔ کتاب شمائل النبویہ۔
[2] مشکوٰۃ شریف۔ باب فضل الصدقہ۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالٰے عنہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے بڑھ کر خوبرو اور خوشخو تھے[1]۔ حضرت ہند[2] بن ابی ہالہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ آپ کا چہرہ مبارک چودھویں رات کے چاند کی مانند چمکتا تھا[3]۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاندنی رات میں دیکھا۔ آپ سُرخ دھاری دار حُلہ[4] پہنے ہوئے تھے۔ میں کبھی چاند کی طرف دیکھتا اور کبھی آپ کی طرف۔ بے شک میرے نزدیک آپ چاند سے زیادہ خوبصورت تھے[5]۔

ابن عساکر (متوفی ۵۷۱ھ) نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا ہے۔ کہ میں سحر کے وقت سی رہی تھی۔ مجھ سے سوئی گر پڑی۔ میں نے ہر چند تلاش کی۔ مگر نہ ملی۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ کے روئے مبارک کے نور کی شعاع میں وہ سوئی نظر آئی۔ میں نے یہ ماجرا آپ سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا: "اے حمیراء[6] سختی و عذاب ہے (تین دفعہ فرمایا) اُس شخص کے لئے جو میرے چہرے کی طرف دیکھنے سے محروم کیا گیا[7]"۔

حافظ ابونعیم (متوفی ۴۳۰ھ) نے بروایت عباد بن عبدالصمد نقل کیا ہے۔ کہ اس نے کہا۔ کہ ہم حضرت انس بن مالک کے ہاں آئے۔ آپ نے کنیز سے کہا۔ کہ دستر خوان لا۔ تاکہ ہم چاشت کا کھانا کھائیں۔ وہ لے آئی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ رومال لا۔ وہ ایک میلا رومال لائی۔ آپ نے فرمایا کہ تنور گرم کر۔ اُس نے تنور گرم کیا۔ پھر آپ کے حکم سے رومال اس میں ڈال دیا گیا۔ وہ ایسا سفید نکلا۔ گویا کہ دودھ ہے۔ ہم نے حضرت انس سے پوچھا۔ کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ رومال ہے۔ جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روئے مبارک کو مسح فرمایا کرتے تھے جب یہ میلا ہو جاتا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری۔ باب صفۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم۔

[2] یہ حضور کے ربیب تھے کیونکہ خدیجۃ الکبریٰ حضور سے پہلے ابو ہالہ کے نکاح میں تھیں جس سے ہند مذکور پیدا ہوئے۔ یہ ایمان لائے اور ہجرت کی اور ۳۶ھ میں یوم جمل میں حضرت علی رضؓ کی طرف لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

[3] شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

[4] حلہ دو کپڑوں کو کہتے ہیں۔ یعنی چادر اور شلوار۔

[5] دیکھو شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

[6] حمیراء لقب ام المومنین حضرت عائشہ رضؓ۔ گویند کہ حمرہ بمعنی سفیدی نیز آمدہ و ایشاں را حمیراء ازاں گویند کہ ایشاں سفید رنگ بودند کذا فی المنتخب۔ [7] خصائص کبریٰ للسیوطی مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن۔ جزو اول۔ صـ ۶۲

تو اسے ہم یوں صاف کر لیتے ہیں۔ کیونکہ آگ اس شئے پر اثر نہیں کرتی جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے روئے مبارک پر سے گزری ہو[1]۔ کسی شاعر نے کیا اچھا کہا ہے:۔

ہر چہ اسباب جمال است رُخِ خوب ترا ہمہ بر وجہِ کمال است کما لا یخفٰی

چشم مبارک آپ کی مبارک آنکھیں بڑی[2] اور قدرت الٰہی سے سرگیں اور پلکیں دراز تھیں۔ آنکھوں کی سفیدی میں باریک سُرخ ڈورے تھے۔ اور کتب سابقہ میں یہ بھی آپ کی ایک علامت نبوت تھی۔ یہی وجہ تھی۔ کہ جب آپ نے ۲۵ سال کی عمر شریف میں خدیجۃ الکبرٰے رضی اللہ عنہا کی طرف سے ان کے غلام میسرہ کے ساتھ تجارت کے لئے ملک شام کا سفر کیا۔ اور بصرے میں نسطور راہب کے عبادت خانہ کے قریب ایک درخت کے نیچے اُترے۔ تو راہب مذکور نے میسرہ سے حضور کی نسبت یہ سوال کیا۔ "کیا اُن کی دونوں آنکھوں میں سرخی ہے؟"[3] میسرہ نے جواب دیا۔ ہاں۔ اور وہ سرخی آپ سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے بصر شریف کا وصف قرآن مجید میں یوں مذکور فرمایا۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی[4] (سورہ نجم) یعنی شب معراج میں آپ کی آنکھ مبارک نے ان آیات کے دیکھنے سے عدول و تجاوز نہ کیا۔ کہ جن کے دیکھنے کے لئے آپ مامور تھے۔ اس سے یہ پایا جاتا ہے کہ آپ کو ایسی غایت درجہ کی قوت بصارت عطا ہوئی تھی۔ کہ آپ جس شئے کو دیکھتے خواہ وہ غایت درجۂ خفا میں ہو اُسے یوں ادراک فرماتے تھے۔ کہ جس طرح وہ واقع اور نفس الامر میں ہوا کرتی۔

امام بیہقی (متوفی ۴۵۸ھ) نے بروایت[5] ابن عباس رضی اللہ عنہما نقل کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اندھیری رات میں روشن دن کی طرح دیکھتے تھے[6]۔ حدیث صحیح[7] میں آیا ہے۔ کہ رسول اللہ

---

[1] خصائص کبرٰے۔ جزء ثانی۔ صفحہ ۸۰۔

[2] یعنی نہ چھوٹی اور نہ اتنی بڑی کہ باہر نکلی ہوئی معلوم ہوں۔

[3] دلائل حافظ ابی نعیم۔ مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد دکن۔ صفحہ ۵۴۔ ابونعیم کے علاوہ ابن سعد اور ابن عساکر نے بھی اسے روایت کیا ہے (خصائص کبرٰے۔ جزء اول صفحہ ۹۱)۔

[4] ترجمہ۔ بہکی نہیں نگاہ اور حد سے نہیں بڑھی۔

[5] زرقانی علی المواہب۔ جزء رابع۔ صفحہ ۸۳۔

[6] خصائص کبرٰے۔ جزء اول۔ صفحہ ۶۱۔

[7] صحیح بخاری۔ باب عظۃ الامام الناس فی اتمام الصلوٰۃ وذکر القبلہ۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ مجھ سے تمہارا رکوع اور خشوع پوشیدہ نہیں ہیں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے دیکھتا ہوں۔ امام مجاہد (متوفی ۱۰۴ھ) نے اَلَّذِیْ یَرٰکَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیْنَ (شعراء۔ ع۱۱) کی تفسیر میں فرمایا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں پچھلی صفوں کو یوں دیکھتے تھے جیسا کہ اپنے سامنے والوں کو۔ احادیث مذکورہ بالا میں رؤیت سے مراد رؤیت عینی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور خرق عادت عطا فرمائی تھی۔ جس طرح باری تعالیٰ نے آپ کے قلب شریف کو معقولات کے ادراک میں احاطہ اور وسعت بخشی تھی۔ اسی طرح آپ کے حواس لطیف کو محسوسات کے احساس میں توسیع عنایت فرمائی تھی۔ آپ کا فرشتوں اور شیاطین کو دیکھنا اور شب معراج کی صبح کو مکہ مشرفہ میں قریش کے آگے بیت المقدس کو دیکھ کر اس کا حال بیان فرمانا اور مسجد نبوی کے بننے کے وقت آپ کا مدینہ منورہ سے کعبہ مشرفہ کو دیکھنا یہ تمام امور آپ کی قوت بینائی پر دلالت کرتے ہیں۔ جنگ اُحد کے آٹھ سال بعد جب آپ نے شہدائے اُحد پر نماز جنازہ پڑھی۔ تو منبر پر رونق افروز ہو کر فرمایا کہ میں اِس جگہ سے اپنے حوض کو دیکھ رہا ہوں[۳]۔

ابرو مبارک آپ کی بھویں دراز و باریک تھیں۔ اور درمیان میں دونوں اس قدر متصل تھیں کہ دور سے ملی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ ان دونوں کے درمیان ایک رگ تھی۔ جو غصہ کے وقت حرکت میں آجاتی اور خون سے بھر جاتی۔

بینی مبارک آپ کی ناک مبارک خوبصورت اور دراز تھی اور درمیان میں اُبھراؤ نمایاں تھا۔ اور بن بینی (ع منی) پر ایک نور درخشاں تھا۔ جو شخص بغور تامل نہ کرتا اُسے معلوم ہوتا کہ بلند ہے۔

---

[۱] ترجمہ۔ جو دیکھتا ہے تجھ کو جب تو اُٹھتا ہے۔ اور تیرا پھرنا نمازیوں میں۔ اس آیت کے تحت میں تفسیر خازن میں لکھا ہے وقیل معناہ یری تقلب بصرك فی المصلین فانہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یبصر من خلفه کما یبصر من قدامه۔ انتہی۔

[۲] اس حدیث مرسل کو امام حمیدی (متوفی ۲۱۹ھ) نے اپنی مسند میں اور ابن منذر (متوفی ۳۱۸ھ) نے اپنی تفسیر میں اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔ دیکھو مواہب لدنیہ۔ جزء اول۔ صفحہ ۲۵۲۔ اور خصائص کبریٰ جزء اول صفحہ ۶۱۔

[۳] مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین۔ باب وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

[۴] شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

حالانکہ بلند نہ تھی۔ بلندی تو وہ نور تھا جو اسے گھیرے ہوئے تھا؛

پیشانی مبارک | آپ کی پیشانی مبارک کشادہ تھی۔ اور چراغ کی مانند چمکتی تھی۔ چنانچہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا ہے:۔[1]

مَتٰی یَبْدُ فِی اللَّیْلِ الْبَہِیْمِ جَبِیْنُہٗ | جب اندھیری رات میں آپ کی پیشانی ظاہر ہوتی۔
یَلُحْ مِثْلَ مِصْبَاحِ الدُّجَی الْمُتَوَقِّدِ | تو تاریکی کے روشن چراغ کی مانند چمکتی

گوش مبارک | آپ کے ہر دو گوش مبارک کامل وتام تھے۔ قوت بصر کی طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو قوت سمع بھی بطریق خرقِ عادت غایت درجہ کی عطا کی تھی۔ اسی واسطے آپ صحابہ کرامؓ[2] سے فرماتے کہ جو میں دیکھتا ہوں۔ تم نہیں دیکھ سکتے۔ اور جو میں سنتا ہوں۔ تم نہیں سن سکتے میں تو آسمان کی آواز بھی سُن لیتا ہوں؛

آوازِ آسمان کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کے دروازے کے کھلنے کی آواز بھی سُن لیتے تھے۔ چنانچہ ایک روز حضرت جبرئیل علیہ السلام خدمت اقدس میں حاضر تھے۔ کہ ناگاہ حضور نے اپنے اوپر کی طرف سے ایک آواز سُنی۔ آپ نے سر مبارک اُٹھایا۔ تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا۔ کہ یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے۔ جو آج ہی کھلا ہے۔ آج سے پہلے کبھی نہیں کھلا الحدیث[3]

دہان مبارک | منہ مبارک فراخ۔ رخسارے مبارک ہموار۔ دندان ہائے پیشیں کشادہ اور روشن وتاباں۔ جب آپ کلام فرماتے۔ تو دندان ہائے پیشین میں سے نور نکلتا دکھائی دیتا تھا۔ بزار (متوفی ۲۹۲ھ) وبیہقی نے بروایت ابوہریرہ نقل کیا ہے۔ کہ جب[4] آپ ضحک فرماتے۔ تو دیواریں روشن ہو جاتیں۔ آپ کو کبھی جمائی[5] نہیں آئی۔

حضرت عمیرہ بنت مسعود انصاریہ روایت کرتی ہیں۔ کہ میں اور میری پانچ بہنیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ قدید (خشک کیا ہوا گوشت) کھا رہے تھے۔ آپ نے

---

[1] زرقانی علی المواہب۔ جزء رابع۔ صفحہ ۹۱
[2] خصائص کبرےٰ بحوالہ ترمذی وابن ماجہ وابی نعیم۔ جزء اول۔ صفحہ ۶۵۔
[3] مشکوٰۃ شریف۔ بحوالہ صحیح مسلم۔ کتاب فضائل القرآن۔
[4] خصائص کبرےٰ۔ جزء اول۔ صفحہ ۰۰۰
[5] جب کسی شخص کو نماز میں جمائی آئے۔ تو وہ صرف ذہن میں اتنا یاد کرلے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی جمائی نہیں آئی تھی۔ اس کے بعد نہ آئے گی؛

چبا کر ایک ٹکڑا اُن کو دیا۔ انہوں نے بانٹ کر کھالیا۔ مرتے دم تک ان میں سے کسی کے منہ میں بوئے ناخوش پیدا نہ ہوئی اور نہ کوئی منہ کی بیماری ہوئی[۱]۔

غزوۂ خیبر[۲] کے روز حضرت سلمہ بن الاکوع کی پنڈلی میں ایسی ضرب شدید لگی۔ کہ لوگوں کو گمان ہوا کہ شہید ہو گئے۔ حضور نے تین بار اُس پر دم کر دیا[۳]۔ پھر پنڈلی میں کبھی درد نہ ہوا۔

ایک روز ایک بدزبان عورت آپ کی خدمت میں آئی۔ آپ قدید تناول فرما رہے تھے۔ اُس نے سوال کیا کہ مجھے بھی دیجئے۔ آپ نے جو قدید سامنے پڑا ہوا تھا۔ اس میں سے دیا۔ اس نے عرض کیا۔ کہ اپنے مُنہ میں سے دیجئے۔ آپ نے مُنہ سے نکال کر اُسے دیا۔ وہ کھا گئی۔ اس روز سے فحش اور کلام قبیح اس سے سننے میں نہ آیا[۴]۔

مذکورہ بالا کے علاوہ وہ بیشمار پیشگوئیاں اور دعوات جو پوری اور قبول ہوئیں۔ وہ اسی منہ مبارک سے نکلی ہوئی تھیں۔

یوم حدیبیہ میں چاہ حدیبیہ کا تمام پانی لشکرِ اسلام نے (جو بقول حضرت براء بن عازب چودہ سو تھے) نکال لیا۔ اس میں ایک قطرہ بھی نہ رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کا ایک برتن طلب فرمایا۔ اور وضو کر کے پانی کی ایک کلّی کوئیں میں ڈال دی۔ اور فرمایا۔ کہ ذرا ٹھیرو۔ اس کوئیں میں اس قدر پانی جمع ہو گیا۔ کہ حدیبیہ میں قریباً بیس روز قیام رہا۔ تمام فوج اور ان کے اونٹ اُسی سے سیراب ہوتے رہے[۵]۔

لعاب دہن مبارک حضور کے منہ مبارک کا لعاب زخمی اور بیماروں کے لئے شفاء تھا۔ چنانچہ فتح خیبر کے دن آپ نے اپنا لعاب دہن حضرت علی مرتضیٰ کی آنکھوں میں ڈال دیا۔ تو وہ فوراً تندرست ہو گئے۔ گویا درد چشم کبھی ہوا ہی نہ تھا۔

غار ثور میں حضرت صدیق اکبر کے پاؤں کو کسی چیز نے کاٹ کھایا۔ حضور نے اپنا لعاب دہن

---

[۱] اصابہ۔ ترجمہ عمیرہ بنت مسعود۔
[۲] دیکھو صحیح بخاری۔ باب غزوۂ خیبر۔
[۳] حضرت فدیک بن عمرو السلامانی۔ اور حضرت جرہد کا قصہ معجزات میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔
[۴] خصائص کبرٰے للسیوطی۔ جزء اول۔ صہ ۶۲۔
[۵] مشکوٰۃ شریف۔ بحوالہ صحیح بخاری۔ باب فی المعجزات۔

زخم پر لگا دیا اُسی وقت درد جاتا رہا۔

حضرت رفاعہ بن رافع کا بیان ہے کہ بدر کے دن میری آنکھ میں تیر لگا اور وہ پھوٹ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں اپنا لعاب مبارک ڈال دیا اور دعا فرمائی۔ پس مجھے ذرا بھی تکلیف نہ ہوئی اور آنکھ بالکل درست ہوگئی[1]

حضرت محمد بن حاطب کے ہاتھ پر ہنڈیا گر پڑی اور وہ جل گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب مبارک اس پر ڈالا اور دعا کی۔ وہ ہاتھ چنگا ہوگیا۔

حضرت عمرو بن معاذ بن جموح انصاری کا پاؤں کٹ گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا لعاب مبارک لگا دیا۔ وہ اچھا ہوگیا[2] حضرت ابو قتادہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ غزوہ ذی قرد (محرم ۷ھ) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کہ تمہارے چہرے میں یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا۔ کہ ایک تیر لگا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ نزدیک آؤ۔ میں نزدیک ہوا تو آپ نے اس پر لعاب دہن لگا دیا۔ اس روز سے مجھے کبھی تیر و تلوار نہیں لگی۔ اور نہ خون نکلا[3]

ایک دفعہ حضور کے پاس پانی کا ڈول لایا گیا۔ آپ نے اس میں سے پیا۔ پس خوردہ کوئیں میں ڈال دیا گیا۔ پس اس میں سے کستوری کی سی خوشبو نکلی۔ آپ کے خادم حضرت انس رضی اللہ تعالٰے عنہ کے گھر میں ایک کوآں تھا۔ آپ نے اپنا لعاب دہن اس میں ڈال دیا۔ اس کا پانی ایسا شیریں ہوگیا۔ کہ تمام مدینہ منورہ میں اس سے بڑھ کر میٹھا کوئی کوآں نہ تھا؛

عاشورا کے روز حضور بچوں کو بلا کر ان کے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال دیتے۔ اور اُن کی ماؤں سے فرما دیتے۔ کہ شام تک ان کو دودھ نہ دینا۔ پس وہی لعاب دہن اُن کو کافی ہوتا[4]

حضرت عامر بن کریز قرشی عبشمی اپنے صاحبزادے عبداللہ کو بچپن میں رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں لائے۔ حضور عبداللہ کے منہ میں اپنا لعاب مبارک ڈالنے لگے۔ اور وہ اُسے نگلنے لگے۔ اس پر حضور نے فرمایا۔ کہ یہ مُسْقی (سیراب) ہے۔ حضرت عبداللہ جب

---

[1] زاد المعاد۔ غزوہ بدر۔
[2] اصابہ۔ ترجمہ عمرو بن معاذ انصاری۔
[3] اصابہ ترجمہ ابو قتادہ انصاری۔
[4] خصائص کبرےٰ بروایت ابو نعیم جزء اول۔ صفحہ ۹۱

کسی زمین (یا پتھر) میں شگاف کیا کرتے۔ تو پانی نکل آیا کرتا[1]

عتبہ بن فرقد جنہوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد مبارک میں موصل کو فتح کیا۔ اُن کی بیوی ام عاصم بیان کرتی ہے۔ کہ عتبہ کے ہاں ہم چار عورتیں تھیں۔ ہم میں سے ہر ایک خوشبو لگانے میں کوشش کرتی تھی۔ تاکہ دوسری سے اطیب ہو۔ اور عتبہ کوئی خوشبو نہ لگاتا تھا۔ مگر اپنے ہاتھ سے تیل مل کر ڈاڑھی کو مل لیتا تھا۔ اور ہم سب سے زیادہ خوشبودار تھا۔ جب وہ باہر نکلتا۔ تو لوگ کہتے۔ کہ ہم نے عتبہ کی خوشبو سے بڑھ کر کوئی خوشبو نہیں سونگھی۔ ایک دن مَیں نے اُس سے پوچھا۔ کہ ہم استعمال خوشبو میں کوشش کرتی ہیں۔ اور تو ہم سے زیادہ خوشبودار ہے۔ اس کا سبب کیا ہے؟۔ اُس نے جواب دیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں میرے بدن پر آبلہ ریزے نمودار ہوئے۔ میں خدمت نبویؐ میں حاضر ہوا۔ آپ سے اس بیماری کی شکایت کی۔ آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ کپڑے اتار دو۔ مَیں نے کپڑے اُتار دئیے۔ اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے اپنا لعاب مبارک اپنے دست مبارک پر ڈال کر میری پیٹھ اور پیٹ پر مل دیا۔ اُس دن سے مجھ میں یہ خوشبو پیدا ہو گئی۔ اس حدیث کو طبرانی (متوفی ۳۶۰ھ) نے اوسط میں روایت کیا ہے۔

زبان مبارک آپ افصح الخلق تھے۔ اور فصاحت میں خارقِ عادت حد کو پہنچے ہوئے تھے۔ آپ کے جوامع کلم۔ بدائع حِکم۔ امثالِ سائرہ۔ درر منثورہ۔ قضایا محکمہ۔ وصایا مبرمہ۔ اور مواعظ و مکاتیب و مناشیر مشہور آفاق ہیں۔ ان کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام تمہارے کلام کی مانند نہ تھا۔ کہ بوجہ عجلت سامع پر ملتبس ہو۔ بلکہ آپ کا کلام واضح اور مبین ایسا تھا۔ کہ پاس بیٹھنے والا اسے یاد کر لیتا[2]۔ حضرت ام معبد نے جو آپ کا حلیہ شریف بیان کیا ہے۔ اُس میں یوں ہے: "آپ کا کلام[3] شیریں۔ حق و باطل میں فرق کرنے والا نہ حد سے کم نہ حد سے زیادہ۔ گویا آپ کا کلام لڑی کے موتی ہیں جو گر رہے ہیں۔" حافظ ابن حجر

---

[1] استیعاب و اصابہ و خصائص کبریٰ بحوالہ بیہقی و حاکم۔

[2] شمائل ترمذی۔ باب کیف کان کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

[3] استیعاب لابن عبد البر۔ فصل سے یہ مراد بھی ہو سکتی ہے۔ کہ آپ کا کلام مبین و ظاہر ہوتا تھا۔ جیسا کہ حدیث عائشہ رضی میں وارد ہے۔

رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۸۵۲ھ) فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف میں صحابہ کرام میں سے کوئی اصم یعنی بہرا نہ تھا۔ اور یہ آپ کی کرامات میں سے ہے۔ کیونکہ آپ ان کے لئے احکام الٰہی کے مبلّغ تھے۔ اور بہراپن اس کام کے سہولت کے ساتھ ہونے سے مانع ہوتا ہے۔ برعکس نابینائی کے کہ وہ مانع نہیں ہوتی[۵۱]۔

آواز مبارک | تمام انبیائے کرام خوبرو اور خوش آواز تھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن سب سے زیادہ خوبرو[۵۲] اور خوش آواز تھے۔ آپ کی آواز میں ذرا گرانی پائی جاتی تھی۔ جو اوصاف حمیدہ میں شمار ہوتی ہے۔ خوش آواز ہونے کے علاوہ آپ بلند آواز اتنے تھے۔ کہ جہاں تک آپ کی آواز شریف پہنچتی اور کسی کی آواز نہ پہنچتی تھی۔ بالخصوص خطبوں میں آپ کی آواز شریف گھروں میں پردہ نشین عورتوں تک پہنچ جاتی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر رونق افروز ہوئے۔ آپ نے حاضرین سے فرمایا۔ کہ خطبہ سننے کے لئے بیٹھ جاؤ۔ اس آواز کو حضرت عبداللہ بن رواحہ نے جو شہر مدینہ میں قبیلہ بنی غنم میں تھے سُن لیا۔ اور ارشاد نبوی کی تعمیل میں وہیں اپنے مکان میں دوزانو ہو بیٹھے[۵۳]۔ حضرت عبدالرحمٰن بن معاذ فرماتے ہیں کہ حضور نے منیٰ میں خطبہ پڑھا۔ جس سے ہمارے کان کھل گئے۔ یہاں تک کہ ہم اپنی اپنی جگہ پر آپ کا کلام مبارک سنتے تھے۔ حضرت ام ہانی فرماتی ہیں۔ کہ ہم آدھی رات کے وقت حضور کی قراءت سنا کرتے تھے۔ حالانکہ میں مکان کے اندر چارپائی پر ہوا کرتی تھی۔

خندہ وگریہ مبارک | حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عموماً تبسم فرمایا کرتے تھے۔ تبسم مبادیٔ ضحک سے ہے۔ اور ضحک کے معنی چہرہ کا انبساط ہے۔ یہاں تک کہ خوشی سے دانت ظاہر ہو جائیں۔ اگر آواز کے ساتھ ہو اور دُور سے سنا جائے۔ اُسے قہقہہ کہتے ہیں۔ اگر آواز تو ہو۔ اور دور سے نہ سنا جائے۔ تو اُسے ضحک کہتے ہیں۔ اگر بالکل آواز نہ پائی جائے۔ تو اُسے تبسم بولتے ہیں۔ پس یوں سمجھئے کہ حضور اکثر اوقات تبسم کی حد سے تجاوز نہ فرماتے۔ شاذ و نادر ضحک کی حد تک پہنچتے۔ کیونکہ کثرت ضحک دل کو ہلاک کر دیتی ہے۔ اور قہقہہ کبھی نہ مارتے کیونکہ یہ مکروہ ہے۔

---

[۵۱] نسیم الریاض جلد اول۔ صفحہ ۳۹۷۔
[۵۲] زرقانی علی المواہب بحوالہ ترمذی۔ جزء رابع۔ صفحہ ۱۴۸۔
[۵۳] دیکھو مواہب لدنیہ اور خصائص کبرےٰ۔

آپ کا گریہ شریف ضحک کی جنس سے تھا۔ کہ آواز بلند نہ ہوتی تھی۔ مگر آنسو آنکھوں مبارک سے گر پڑتے تھے۔ آپ کے سینہ شریف سے دیگ ہستی کے جوش کی سی آواز سنی جاتی تھی۔ آپ کا گریہ مبارک صفت جلال الٰہی کی تجلی اور امت پر شفقت اور میت پر رحمت کے باعث ہوا کرتا اور اکثر قرآن شریف کے سننے سے اور کبھی کبھی نماز شب میں بھی ہوا کرتا۔ آپ نے انگڑائی کبھی نہیں لی۔

سر مبارک | سر مبارک بڑا تھا۔ یہ وہی سر مبارک ہے۔ کہ جس پر قبل بعثت بطریق ارہاص وکرامت گرما میں بادل سایہ کئے رہتا تھا۔ چنانچہ جب آپ مائی حلیمہ کے ہاں پرورش پارہے تھے۔ تو وہ آپ کو کسی دور جگہ نہ جانے دیتی تھیں۔ ایک روز وہ غافل ہوگئیں۔ اور حضور اپنی رضاعی بہن شیماء کے ساتھ دوپہر کے وقت مویشیوں میں تشریف لے گئے۔ مائی حلیمہ تلاش میں نکلی۔ آپ کو شیماء کے ساتھ پایا۔ کہنے لگیں۔ ایسی تپش میں؟ شیماء بولی۔ "اماں جان! میرے بھائی نے تپش محسوس نہیں کی۔ میں نے دیکھا۔ کہ بادل آپ پر سایہ کرتا تھا۔ جب آپ ٹھہر جاتے۔ تو بادل بھی ٹھہر جاتا۔ اور جب آپ چلتے تو وہ بھی چلتا۔ یہی حال رہا یہاں تک کہ ہم اس جگہ آپہنچے ہیں۔" مائی حلیمہ نے پوچھا۔ بیٹی! کیا یہ سچ ہے۔ شیماء نے جواب دیا۔ "ہاں خدا کی قسم۔" اسی طرح جب آپ بارہ برس کی عمر شریف میں اپنے چچا ابو طالب اور دیگر شیوخ قریش کے ساتھ ملک شام میں تشریف لے گئے۔ تو بحیرا راہب کے عبادت خانے کے قریب اترے۔ اس راہب نے آپ کو پہچان لیا۔ اور کھانا تیار کرکے لایا۔ اور آپ کو بلوایا۔ پس آپ تشریف لائے اور آپ پر بادل سایہ کئے ہوئے تھا۔[۱]

گردن مبارک | گردن مبارک کیا تھی گویا بت عاج کی گردن تھی۔ چاندی کی مانند صاف۔[۲]

دست مبارک | کف دست اور بازو مبارک پُر گوشت تھے۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے کسی ریشم یا دیبا کو آپ کے کف مبارک سے نرم نہیں پایا۔ اور نہ کسی خوشبو کو آپ کی خوشبو سے بڑھ کر پایا۔[۳]

جس شخص سے آپ مصافحہ کرتے۔ وہ دن بھر اپنے ہاتھ سے خوشبو پاتا۔ اور جس بچہ کے سر پر

---

[۱] خصائص کبرے للسیوطی بروایت ابن سعد وابی نعیم وغیرہ
[۲] ترمذی۔ باب ماجاء فی بدء نبوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔
[۳] صحیح بخاری۔ باب صفۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم۔

آپ اپنا دست مبارک رکھ دیتے وہ خوشبو میں دوسرے بچوں سے ممتاز ہوتا۔ چنانچہ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ظہر پڑھی۔ پھر آپ اپنے اہل خانہ کی طرف نکلے۔ میں بھی آپ کے ساتھ نکلا۔ بچے آپ کے سامنے آئے۔ تو آپ ان میں سے ہر ایک کے رخسارے کو اپنے ہاتھ مبارک سے مسح فرمانے لگے۔ میرے رخسارے کو بھی آپ نے مسح فرمایا۔ پس میں نے آپ کے دستِ مبارک کی ٹھنڈک یا خوشبو ایسی پائی۔ کہ گویا آپ نے اپنا ہاتھ عطار کے صندوقچہ سے نکالا تھا۔[1]

حضرت وائل بن حُجر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کرتا تھا۔ یا میرا بدن آپ کے بدن سے مس کرتا تو میں اس کا اثر بعد ازاں اپنے ہاتھ میں پاتا۔ اور میرا ہاتھ کستوری سے زیادہ خوشبودار ہوتا۔ حضرت یزید بن اسود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک میری طرف بڑھایا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ برف سے ٹھنڈا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے۔[2]

حضور کا ہاتھ وہ مبارک ہاتھ تھا۔ کہ ایک مشت خاک کفار پر پھینک[3] دی اور اُن کو شکست ہوئی۔ یہ وہی دست کرم تھا کہ کبھی کوئی سائل آپ کے دروازے سے محروم نہیں پھرا۔ یہ وہی دست شفا تھا کہ جس کے محض چھونے سے وہ بیماریاں جاتی رہیں کہ جن کے علاج سے اطبّاء عاجز ہیں۔ اسی مبارک ہاتھ میں سنگ ریزوں[4] نے کلمہ شہادت پڑھا۔ اسی مبارک ہاتھ کے اشارے سے فتح مکہ کے روز تین سو ساٹھ[5] بت یکے بعد دیگرے منہ کے بل گر پڑے۔ اسی مبارک ہاتھ کی ایک انگلی کے اشارے سے چاند دو پارہ[6] ہوگیا۔ اسی مبارک ہاتھ کی انگلیوں سے متعدد[7] دفعہ چشمہ کی طرح پانی جاری ہوا۔

---

[1] صحیح مسلم۔ باب طیب ریحہ صلی اللہ علیہ وسلم ولین مسّہ۔
[2] دیکھو مواہب لدنیہ۔
[3] قرآن کریم میں ہے وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ۔ ترجمہ اور نہیں پھینکا تو نے جس وقت کہ پھینکا تو نے لیکن اللہ تعالیٰ نے پھینکا تھا۔
[4] خصائص کبریٰ۔ جزء ثانی۔ ص۷۵
[5] دلائل حافظ ابو نعیم۔ جزء ثانی۔ ص۱۸۸
[6] قرآن مجید میں ہے۔ اقتربت الساعۃ وانشق القمر۔ ترجمہ نزدیک آئی قیامت اور پھٹ گیا چاند۔
[7] صحیح بخاری۔ باب علامات النبوۃ فی الاسلام۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی مزید برکات کی تشریح کے لئے ذیل میں چند مثالیں اور درج کی جاتی ہیں :۔

(۱) حضرت ابیض بن حمال کے چہرے پر داد تھی۔ جس سے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلایا۔ اور ان کے چہرے پر اپنا دست شفاء پھیرا۔ شام نہ ہونے پائی۔ کہ داد کا کوئی نشان نہ رہا۔

(۲) حضرت شرجیل جعفی کی ہتھیلی میں ایک گلٹی سی تھی جس کے سبب سے وہ تلوار کا قبضہ اور گھوڑے کی باگ نہیں پکڑ سکتے تھے۔ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شکایت کی۔ آپ نے اپنی ہتھیلی سے اُس گلٹی کو رگڑا۔ پس اُس کا نشان تک نہ رہا۔

(۳) ایک عورت اپنے لڑکے کو خدمت اقدس میں لائی۔ اور عرض کیا۔ کہ اس کو جنون ہے حضور نے اس کے سینے پر ہاتھ پھیرا۔ لڑکے کو قے ہوئی اور اس میں سے ایک کالا کتے کا پلا نکلا اور فوراً آرام ہو گیا۔

(۴) جنگ اُحد میں حضرت قتادہ کی آنکھ کو صدمہ پہنچا اور ڈیلا رخسارے پر آپڑا۔ تجویز ہوئی۔ کہ کاٹ دیا جائے۔ حضور سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو۔ اور اسے بلا کر اپنے دست مبارک سے ڈیلے کو اُس کی جگہ پر رکھ دیا۔ آنکھ فوراً ایسی درست ہو گئی۔ کہ کوئی یہ نہ بتا سکتا تھا۔ کہ دونوں میں سے کس آنکھ کو صدمہ پہنچا تھا۔

(۵) حضرت عبداللہ بن عتیک جب ابو رافع یہودی کو قتل کر کے اس کے گھر سے نکلے۔ تو زینے سے گر کر ان کی ساق ٹوٹ گئی۔ انہوں نے اپنے عمامہ سے باندھ لی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ تو آپ نے فرمایا کہ پاؤں پھیلاؤ۔ حضرت عبداللہ نے پاؤں پھیلایا۔ حضور نے اس پر اپنا دستِ شفاء پھیرا۔ اسی وقت ایسی تندرست ہو گئی۔ کہ گویا کبھی وہ ٹوٹی ہی نہ تھی۔

(۶) حضرت عائذ بن سعید جسری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ! آپ میرے چہرے پر اپنا مبارک ہاتھ پھیر دیجئے۔ اور دعائے برکت فرمائیے۔ حضور انور نے ایسا ہی کیا۔ اس وقت سے حضرت عائذ کا چہرہ تروتازہ اور نورانی رہا کرتا تھا

(۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد الرحمٰن و عبد اللہ پسران عبد کے لئے دعائے برکت فرمائی۔ اور دونوں کے سروں پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا۔ وہ دونوں جب سر منڈوایا کرتے۔ تو جس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک رکھا تھا۔ اس پر باقی حصے سے پہلے بال اُگ آتے۔

(۸) جب حضرت عبد الرحمٰن بن زید بن خطاب قرشی عدوی پیدا ہوئے۔ تو نہایت ہی کوتاہ قد تھے۔ ان کے نانا حضرت ابو لبابہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں لے گئے۔ حضور نے تحنیک کے بعد ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ اور دعائے برکت فرمائی۔ اس کا یہ اثر ہوا۔ کہ حضرت عبد الرحمٰن جب کسی قوم میں ہوتے۔ تو قد میں سب سے بلند نظر آتے۔

(۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قتادہ بن ملحان قیسی کے چہرے پر اپنا دستِ مبارک پھیرا۔ جب وہ عمر رسیدہ ہو گئے۔ تو ان کے تمام اعضاء پر کہنگی کے آثار نمایاں تھے۔ مگر چہرہ بدستور تر و تازہ تھا۔

(۱۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت قیس بن زید بن حباب جذامی کے سر پر اپنا دستِ مبارک پھیرا۔ اور دعائے برکت فرمائی۔ حضرت قیس نے سو برس کی عمر میں وفات پائی۔ ان کے سر کے بال سفید ہو گئے تھے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک کی جگہ کے بال سیاہ ہی رہے۔

(۱۱) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے کی طرف ہجرت فرمائی۔ تو راستے میں ایک غلام چرواہے سے آپ نے دودھ طلب کیا۔ اس نے جواب دیا۔ کہ میرے پاس کوئی دودھ دینے والی بکری نہیں۔ آپ نے ایک بکری پکڑلی اور اس کے تھن پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی نے اس کا دودھ دوہا اور دونوں نے پیا۔ غلام نے حضور سے پوچھا۔ کہ آپ کون ہیں؟ حضور نے فرمایا۔ کہ میں خدا کا رسول ہوں۔ یہ سن کر وہ ایمان لایا۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ام معبد کی بکری کے تھن پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا۔ اور اس نے دودھ دیا۔ جیسا کہ اس کتاب میں پہلے آچکا ہے۔

(۱۲) حضرت مالک بن عمیر سلمی شاعر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ میں شاعر ہوں۔ آپ شعر کے بارے میں کیا فتوےٰ دیتے ہیں؟ آپ نے

فرمایا۔ کہ اگر تیرے سر سینہ سے کندھے تک پیپ سے بھر جائے۔ تو یہ اس سے بہتر ہے۔ کہ شعر سے بھرا ہو۔ میں نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ! میری خطا کو بطریق مسح دور کر دیجئے۔ یہ سُن کر حضور نے میرے سر اور چہرے پر اپنا مبارک ہاتھ پھیرا۔ پھر میرے جگر پر۔ پھر پیٹ پر پھیرا۔ یہاں تک کہ میں حضور کے دست مبارک کے مبلغ سے شرمندہ ہوتا تھا۔ راوی کا بیان ہے۔ کہ حضرت مالک بن عمیر بوڑھے ہو گئے۔ یہاں تک کہ ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال سفید ہو گئے۔ مگر سر اور ڈاڑھی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک کی جگہ کے بال سفید نہ ہوئے؛

(۱۳) حضرت مدلوک فزاری کا بیان ہے۔ کہ میرا آقا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا۔ میں اسلام لایا۔ تو حضور نے مجھے دعائے برکت دی۔ اور میرے سر پر اپنا دستِ مبارک پھیرا۔ میرے سر کا وہ حصہ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک نے مس کیا تھا۔ سیاہ ہی رہا۔ باقی تمام سر سفید ہو گیا؛

(۱۴) حضرت معاویہ بن ثور بن عبادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ان کے صاجزادے بشر بن معاویہ ساتھ تھے۔ حضرت معاویہ نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ! بشر کے چہرے پر اپنا دست مبارک پھیر دیجئے۔ چنانچہ حضور انور نے بشر کے چہرے کو مسح کیا۔ حضور کے مسح کا نشان حضرت بشر کی پیشانی میں غرہ کی مانند تھا۔ اور وہ جس بیمار پر اپنا ہاتھ پھیر دیتے چنگا ہو جاتا۔ حضرت بشر کے صاجزادے محمد بن بشر اس بات پر فخر کیا کرتے تھے۔ کہ میرے باپ کے سر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک پھیرا تھا۔ چنانچہ یوں کہا کرتے تھے۔

وَاَبِی الَّذِیْ مَسَحَ النَّبِیُّ بِرَاْسِہٖ وَدَعَالَہٗ بِالْخَیْرِ وَالْبَرَکَاتِ	میرا باپ وہ ہے کہ پیغمبر خدا نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ اور ان کے لئے دعائے خیر و برکت فرمائی۔

(۱۵) حضرت یزید بن قنافہ طائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ اقرع (گنجے) تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرا۔ اُسی وقت بال اُگ آئے۔ اسی واسطے ان کا لقب ہلب (بسیار مو) ہو گیا۔ ابن درید کا قول ہے۔ کہ وہ اقرع تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت سے افرع (مرد تمام مو) ہو گئے۔

(۱۶) یسار بن ازیہر جہنی ذکر کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سر پر اپنا

دست مبارک پھیرا۔ اور مجھے دو چادریں پہنائیں۔ اور ایک تلوار عطا فرمائی۔ حضرت یسار کی صاحبزادی عمرہ کا بیان ہے۔ کہ میرے باپ کے سر میں سفید بال نہ آئے۔ یہاں تک کہ انہوں نے وفات پائی؛

(۱۷) حضرت ابوزید بن اخطب انصاری خزرجی کے سر اور چہرے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مبارک ہاتھ پھیرا۔ سو سال سے زائد ان کی عمر ہوگئی مگر سر اور ڈاڑھی میں کوئی سفید بال نہ تھا؛

(۱۸) حضرت ابوسنان ابن عبدی صباحی کے چہرے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک پھیرا۔ ان کی عمر نوّے برس کی ہوگئی۔ مگر چہرہ بجلی کی طرح چمکتا تھا؛

(۱۹) حضرت ابوغزوان حالت کفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے پوچھا۔ کہ تمہارا کیا نام ہے؟ انہوں نے عرض کیا۔ کہ ابوغزوان۔ آپ نے ان کے لئے سات بکریوں کا دودھ دوہا۔ اور وہ سب پی گئے۔ آپ نے ان کو دعوت اسلام دی۔ وہ مسلمان ہوگئے۔ پھر آپ نے ان کے سینے پر اپنا ہاتھ مبارک پھیر دیا۔ دوسرے روز صبح کے وقت صرف ایک بکری دوہی گئی۔ وہ اس کا بھی تمام دودھ نہ پی سکے؛

(۲۰) حضرت سہل بن رافع دو صاع کھجوریں بطور زکوٰۃ اور اپنی لڑکی عمیرہ کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا۔ کہ آپ میرے حق میں اور میری لڑکی کے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔ اور اس لڑکی کے سر پر اپنا مبارک ہاتھ پھیر دیں۔ عمیرہ کا قول ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ مبارک مجھ پر رکھا۔ میں اللہ کی قسم کھاتی ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھ کی ٹھنڈک بعد میں میرے کلیجے پر رہی؛

(۲۱) حضرت سائب بن یزید کا آزاد کردہ غلام عطاء بیان کرتا ہے۔ کہ میں نے حضرت سائب کو دیکھا۔ کہ اُن کی ڈاڑھی کے بال سفید تھے۔ مگر سر کے بال سیاہ تھے۔ میں نے پوچھا آقا! آپ کے سر کے بال سفید کیوں نہیں ہوتے؟ انہوں نے جواب دیا۔ کہ ایک روز میں لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لڑکوں کو سلام کہا۔ ان میں سے میں نے سلام کا جواب دیا۔ آپ نے مجھے بلایا اور اپنا مبارک ہاتھ میرے سر پر رکھ کر فرمایا: اللہ تجھ میں

برکت دے" پس حضور کے دست مبارک کی جگہ پر سفید بال کبھی نہ آئیں گے۔

(۲۲) حضرت عبداللہ بن مسعود کا بیان ہے۔ کہ میں عقبہ بن ابی معیط کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیق تھے۔ آپ نے فرمایا۔ لڑکے! کیا تیرے پاس دودھ ہے؟ میں نے کہا۔ کہ ہاں لیکن میں امین ہوں۔ آپ نے فرمایا کیا تیرے پاس کوئی ایسی بکری ہے۔ جس پر نر نہ کودا ہو؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں۔ پس میں نے ایک بکری پیش کی۔ جس کا تھن نہ تھا۔ آپ نے تھن کی جگہ پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ ناگاہ ایک دودھ بھرا تھن نمودار ہوا۔ آپ نے دودھ دوہا اور حضرت ابو بکر اور مجھ کو پلایا۔ پھر تھن سے ارشاد فرمایا کہ سکڑ جا۔ پس وہ ویسا ہی ہو گیا۔ جیسا کہ پہلے تھا۔ یہ دیکھ کر میں نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ مجھے تعلیم دیجئے۔ آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعائے برکت دے کر فرمایا۔ کہ تو تعلیم یافتہ لڑکا ہے۔ پس میں اسلام لایا۔

(۲۳) حضرت محمد بن انس بن فضالہ انصاری اوسی ذکر کرتے ہیں۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں تشریف لائے۔ تو میں دو ہفتے کا تھا۔ مجھے حضور کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے میرے سر پر دست مبارک پھیرا اور دعائے برکت فرمائی۔ اور ارشاد فرمایا۔ کہ اس کا نام میرے نام پر رکھو۔ مگر میری کنیت نہ رکھو۔ اُن کے صاحبزادے یونس کا قول ہے۔ کہ میرے والد بوڑھے ہو گئے۔ اور ان کے تمام بال سفید ہو گئے۔ مگر سر کے بال جن پر دست مبارک پھرا تھا سفید نہ ہوئے

(۲۴) حضرت عبادہ بن سعد بن عثمان زرقی کے سر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک پھیرا اور دعا فرمائی۔ انہوں نے اسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ اور کوئی بال سفید نہ ہوا۔

(۲۵) حضرت بشر (یا بشیر) بن عقربہ جہنی کا بیان ہے۔ کہ میرے والد مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے! حضور نے پوچھا کہ یہ کون ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ میرا بیٹا بحیر ہے۔ حضور نے مجھ سے فرمایا۔ کہ نزدیک آؤ۔ میں آپ کے دائیں ہاتھ بیٹھ گیا۔ آپ نے میرے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا۔ اور مجھ سے پوچھا۔ کہ تمہارا کیا نام ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرا نام بحیر ہے۔ حضور نے فرمایا۔ نہیں بلکہ تمہارا نام بشیر ہے۔ میری زبان میں لکنت تھی۔ آپ نے میرے منہ میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا۔ لکنت جاتی رہی۔ میرے سر کے

تمام بال سفید ہو گئے۔ مگر جن بالوں پر حضور کا دست مبارک پھرا تھا وہ سیاہ ہی رہے ؛

(۲۶) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خذیمہ بن عاصم عکلی کے چہرے پر اپنا دستِ مبارک پھیرا۔ ان کے چہرے پر پیری کے آثار نمودار نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ وفات پائی۔

(۲۷) حضرت فراس بن عمرو کنانی لیثی اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور درد سر کی شکایت کی۔ حضور نے فراس کو اپنے سامنے بٹھایا۔ اور ان کی آنکھوں کے درمیانی چمڑے کو پکڑ کر کھینچا۔ آپ کی مبارک انگلیوں کی جگہ میں بال اُگ آئے اور درد جاتا رہا۔ انہوں نے حروراء کے دن خوارج کے ساتھ نکلنا چاہا۔ ان کے والد نے ان کو کوٹھڑی میں بند کر دیا۔ وہ بال گر گئے۔ جب توبہ کی۔ تو پھر اُگ آئے ؛

(۲۸) حضرت عمرو بن تغلب کے چہرے اور سر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک پھیرا۔ انہوں نے سو برس کی عمر میں وفات پائی۔ مگر چہرے اور سر کے وہ بال جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک نے چھوا تھا۔ سفید نہ ہوئے ؛

(۲۹) حضرت اسید بن ابی ایاس کنانی دئلی کے سینے پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا دست مبارک رکھا۔ اور چہرے پر پھیرا۔ وہ تاریک گھر میں داخل ہوتے۔ تو روشن ہو جاتا۔[۱]

(۳۰) حضرت انس روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت زینب بنت جحش سے ہوا۔ تو میری ماں ام سُلیم نے خرما اور گھی اور پنیر سے حَیس تیار کیا۔ اور اُسے ایک تَور[۲] میں ڈال دیا۔ پھر کہا۔ انس! اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جا۔ وہاں عرض کرنا کہ یہ میری ماں نے آپ کے لئے بھیجا ہے۔ وہ سلام کہتی ہے اور عرض کرتی ہے۔ کہ یا رسول اللہ! یہ تھوڑا سا کھانا ہماری طرف سے آپ کے لئے ہے۔ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اور ماں نے جو کچھ کہا تھا عرض کر دیا۔ حضور نے فرمایا کہ اس کو رکھ دو۔ اور فلاں فلاں فلاں (تین شخصوں) کو بلا لاؤ۔ اور جو اور ملیں اُن کو بھی لے آؤ۔ میں نے تعمیل ارشاد کی۔ واپس آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ گھر اہل خانہ سے بھرا ہوا ہے۔ حضور نے اپنا دست مبارک اُس حَیس پر رکھا اور دعائے برکت

---

[۱] اسناد مذکورہ بالا میں سے ۲۱ و ۲۲ معجم صغیر۔ طبرانی میں سے ہیں اور ۲۳ و ۲۸ و ۲۹ خصائص کبریٰ للسیوطی سے اور باقی تمام اصابہ للعسقلانی میں سے ہیں ؛

[۲] تَور پیالہ کی شکل کا ایک برتن ہوتا ہے۔

فرمائی۔ پھر آپ حاضرین میں سے دس دس کو بلاتے رہے اور فرماتے رہے۔ کہ اللہ کا نام لے کر کھاؤ اور ہر ایک اپنے سامنے سے کھاؤ۔ اس طرح ایک گروہ نکلتا اور دوسرا آجاتا۔ یہاں تک کہ سب نے سیر ہو کر کھایا۔ حضور نے مجھ سے فرمایا۔ انس! اُٹھاؤ۔ میں نے اُٹھا لیا۔ میں یہ نہیں بتا سکتا کہ جب تَور رکھا گیا۔ تو اُس وقت کھانا زیادہ تھا یا جب اُٹھایا گیا۔ بقول انس حاضرین کی تعداد تین سو تھی[۱]

(۳۱) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینے میں رونق افروز ہوئے۔ تو اس وقت حضرت سلمان فارسی ایک یہودی کے ہاں بطور غلام کام کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے انہوں نے اس یہودی سے اس امر پر مکاتبت کرلی۔ کہ وہ اس یہودی کو چالیس اوقیہ سونا ادا کریں۔ اور اُس کے لئے کھجوروں کے تین سو پودے لگا کر پرورش کریں۔ یہاں تک کہ وہ بارآور ہوں۔ جب حضرت سلمان نے حضور کو یہ خبر دی۔ تو آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا۔ کہ سلمان کی مدد کرو۔ چنانچہ صحابہ کرام نے پودے دے دیئے۔ اور حضور نے اپنے مبارک ہاتھ سے اُن کو لگایا۔ وہ سب لگ گئے۔ اور اُسی سال پھل لائے۔ ایک روایت میں ہے۔ کہ تین سو میں سے ایک کسی[۲] اور نے لگایا۔ وہ پھل نہ لایا۔ تو حضور نے اُسے اکھاڑ کر اپنے دستِ مبارک سے پھر لگا دیا وہ بھی دوسروں کے ساتھ ہی پھل لایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کسی کان سے مرغی کے انڈے کے برابر سونا آیا تھا۔ وہ آپ نے سلمان کو عطا فرمایا۔ سلمان نے عرض کیا۔ کہ اس کو چالیس اوقیہ کے ساتھ کیا نسبت ہے؟ آپ نے فرمایا۔ کہ یہی لے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ اسی کے ساتھ تمہارا قرض ادا کردے گا۔ چنانچہ وہ لے گئے اور اسی میں سے چالیس اوقیہ تول کر یہودی کو دے دیئے[۳]۔ اس طرح حضرت سلمان فارسی آزاد ہو گئے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بغل شریف سفید تھی۔ اور اس سے کسی قسم کی ناخوش بو نہ آتی تھی۔ بلکہ کستوری کی مانند خوشبو آیا کرتی تھی۔

سینہ مبارک و قلب شریف

آپ کا سینہ مبارک کشادہ تھا۔ آپ کا قلب شریف پہلا قلب شریف ہے جس میں اسرارِ الٰہیہ اور معارف ربانیہ ودیعت رکھے گئے۔ کیونکہ آپ بوجود صورتِ نوری

---

[۱] مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین۔ باب فی المعجزات۔

[۲] ایک روایت ترمذی میں ہے کہ وہ حضرت عمر فاروق تھے (شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی خاتم النبوۃ)۔

[۳] استیعاب لابن عبد البر وغیرہ۔

سب سے پہلے پیدا کئے گئے۔ صدرِ معنوی کی شرح اور قلب اقدس کی وسعت کا بیان طاقتِ بشری سے خارج ہے۔ چار دفعہ فرشتوں نے آپ کے صدر مبارک کو شق کیا۔ اور قلب شریف کو نکال کر دھویا۔ اور اُسے ایمان و حکمت سے بھر دیا۔ اسی کی طرف اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے قرآن پاک میں یوں اشارہ فرماتا ہے۔ اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ صَدۡرَكَ (کیا ہم نے تیرا سینہ نہیں کھول دیا) یہی وجہ ہے کہ جو اسرار آپ کے قلب شریف کو عطا ہوئے۔ وہ کسی اور مخلوق کو عطا نہیں ہوئے۔ اور نہ کسی اور مخلوق کا قلب اس کا متحمل ہو سکتا تھا حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم اپنے قلب شریف کی نسبت یوں ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ میری آنکھ سوجاتی ہے۔ مگر میرا دل نہیں سوتا۔[۱]

شکم مبارک آپ سواء البطن والصدر تھے۔ یعنی آپ کا شکم اور سینہ مبارک ہموار و برابر تھے۔ نہ تو شکم سینہ سے اور نہ سینہ شکم سے بلند تھا۔ حضرت ام ہانی فرماتی ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شکم مبارک کو دیکھا۔ گویا کاغذ ہیں ایک دوسرے پر رکھے ہوئے اور تہ کئے ہوئے۔[۲]

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا بول و براز بلکہ تمام فضلات پاک تھے۔ جیسا کہ احادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔[۳]

پشت مبارک آپ کی پشت مبارک ایسی صاف وسفید تھی۔ کہ گویا پگھلائی ہوئی چاندی ہے۔[۴] ہر دو شانہ کے درمیان ایک نورانی گوشت کا ٹکڑا تھا جو بدن شریف کے باقی اجزاء سے اُبھرا ہوا تھا۔ اسے مُہر نبوت یا خاتم نبوت کہتے تھے۔ کتب سابقہ میں آپ کی علامات نبوت میں ایک یہ بھی مذکور تھی۔ حلیہ مبارک بیان کرنے والوں نے اس کی ظاہر شکل و صورت کے بیان کرنے میں اسے کئی چیزوں (مثلاً بیضہ کبوتر یا تکمہ چھپر کھٹ یا گرہ گوشت سرخ وغیرہ) سے تشبیہ دی ہے۔ تاکہ لوگ سمجھ لیں۔ سچ پوچھو۔ تو یہ ایک سرِّ عظیم اور نشانِ عجیب تھا۔ جو آنحضرت ؐ سے مختص تھا۔ کہ جس کی حقیقت کو رب العزت کے سوا اور کوئی نہیں جانتا ؎

نبوت را توئی آں نامہ در پشت کہ از تعظیم دارد مُہر بر پشت

۱؎ تَنَامُ عَيْنِيْ وَلَا يَنَامُ قَلْبِيْ۔ صحیح بخاری۔
۲؎ خصائص کبریٰ بحوالہ ابن سعد و طبرانی۔ جزء اول۔ صـ ۶۳۔
۳؎ تفصیل کے لئے دیکھو رسالہ حلیۃ النبی مؤلفہ خاکسار۔
۴؎ خصائص کبریٰ بحوالہ احمد و بیہقی۔ جزء اول۔ صـ ۶۳۔

پائے مبارک ہر دو پائے مبارک سطبر و پُر گوشت اور خوبصورت ایسے کہ کسی انسان کے نہ تھے۔ اور نرم و صاف ایسے کہ اُن پر پانی ذرا بھی نہ ٹھہرتا بلکہ فوراً گر جاتا۔ ایڑیاں کم گوشت۔ ہر دو ساق مبارک باریک و سفید و لطیف گویا شحم النخل[1] یعنے کھجور کا گابھا ہیں۔ جب آپ چلتے۔ تو قدم مبارک کو قوت و تثبت اور وقار و تواضع سے اُٹھاتے۔ جیسا کہ اہلِ ہمت و شجاعت کا قاعدہ[2] ہے حضرت ابو ہریرہ[3] رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ چلنے میں مَیں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا۔ گویا آپ کے لئے زمین لپیٹی جاتی تھی۔ ہم دوڑا کرتے اور تیز چلنے میں مشقت اُٹھاتے۔ اور آپ بآسانی و بے تکلف چلتے۔ مگر پھر بھی سب سے آگے رہتے۔ بعض دفعہ حضور اپنے اصحاب کے ساتھ چلنے کا قصد فرماتے۔ تو اس صورت میں اصحاب آپ کے آگے ہوتے۔ اور آپ عمداً ان کے پیچھے[4] ہوتے۔ اور فرماتے کہ میری پیٹھ فرشتوں کے لئے خالی چھوڑ دو۔[5] حضور کے پاؤں مبارک وہ قدم مبارک ہیں۔ کہ جب آپ پتھر پر چلتے۔ تو وہ نرم[6] ہو جاتا۔ تاکہ آپ بآسانی اِس پر سے گزر جائیں۔ اور جب ریت پر چلتے۔ تو اس میں پائے مبارک کا نشان نہ ہوتا۔ یہ وہی قدم مبارک ہیں جن کی محبت میں کوہ احد و کوہ ثبیر حرکت میں آئے۔ یہ وہی قدم مبارک ہیں۔ کہ قیام شب میں ورم کر آتے تھے۔ یہ وہی قدم مبارک ہیں کہ مکہ اور بیت المقدس کو

---

[1] مدارج النبوۃ۔ مطبوعہ نولکشور۔ جلد اول صفحہ ۲۵۔

[2] اس طرح کی رفتار ممدوح و مستحسن ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (سورہ فرقان۔ ع ۶)	اور بندے رحمان کے وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر دبے پاؤں اور جب بات کرنے لگیں ان سے بے سمجھ لوگ۔ کہیں صاحب سلامت۔

[3] شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی مشیہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

[4] حضور اپنے اصحاب کے مربّی و نگہبان تھے۔ اس لئے ان کے حالات کے ملاحظہ کے لئے آپ پیچھے ہو جاتے تاکہ حسب حال ان کی تربیت و تادیب و تکمیل فرمادیں۔ یا آپ کا یہ فعل تواضع پر مبنی تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[5] فرشتے بقول حافظ ابو نعیم آپ کی نگہبانی کرتے تھے۔ یہ امر کسی طرح وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ الآیہ (اور اللہ تجھ کو لوگوں سے بچائیگا) کے منافی نہیں۔ کیونکہ اگر یہ حالت اس آیت کے نزول سے پہلے تھی۔ تو عدم منافات ظاہر ہی ہے۔ اور اگر نزول کے بعد ہو۔ تو یوں سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں سے آپ کی حفاظت کا یوں انتظام کر دیا کہ اظہار شرف کے لئے فرشتوں کی ایک جماعت اس کام پر متعین فرمادی (دیکھو زرقانی علی المواہب۔ جزء رابع۔ صفحہ ۲۱۹)۔

[6] خصائص کبرٰے و شرح ہمزیہ لابن حجر ہیتمی۔

ان سے شرف زائد حاصل ہوا۔[1]

قد مبارک آپ نہ بہت دراز تھے نہ کوتاہ قد بلکہ میانہ قد مائل بہ درازی تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بہت دراز قد نہ تھے۔ اور مائل بہ درازی ہونے کے سبب اوسط قد سے زیادہ تھے۔ مگر جب لوگوں کے ساتھ ہوتے۔ تو سب سے بلند و سرفراز ہوتے۔[1] حقیقت میں یہ آپ کا معجزہ تھا۔ کہ جب علیحدہ ہوتے تو میانہ قد مائل بہ درازی ہوتے۔ اور جب اوروں کے ساتھ چلتے یا بیٹھتے۔ تو سب سے بلند[2] دکھائی دیتے۔ تاکہ باطن کی طرح ظاہر و صورت میں بھی کوئی آپ سے بڑا معلوم نہ ہو۔

آپ کے قامت زیبا کا سایہ نہ تھا۔ اس کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ آپ کے اسمائے مبارک میں سے ایک اسم شریف نور ہے۔ چنانچہ قرآن مجید سورۂ مائدہ میں ہے۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ (البتہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور اور کتاب واضح آئی)۔ اور ظاہر ہے۔ کہ نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ حکیم ترمذی (متوفی ۲۵۵ھ) نے نوادر الاصول میں بروایت ذکوان (تابعی) نقل کیا ہے۔ کہ دھوپ اور چاندنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نظر نہ آتا تھا۔ امام ابن سبع کا قول ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہے کہ آپ کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا۔ اور آپ نور تھے۔ لہذا جب آپ دھوپ یا چاند کی روشنی میں چلتے۔ تو آپ کا سایہ نظر نہ آتا تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کی شاہد وہ حدیث ہے۔ کہ جس میں مذکور ہے۔ کہ جب آپ نے یہ دعا[3] مانگی۔ کہ یا اللہ میرے تمام اعضاء اور جہات میں نور کر دے۔ تو دعا کو اس قول پر ختم فرمایا۔ وَاجْعَلْنِیْ نُوْرًا (اور مجھ کو نور بنا دے) زرقانی[4] میں مذکور ہے۔ کہ حدیث ذکوان مرسل ہے۔ مگر ابن مبارک اور ابن جوزی نے بروایت ابن عباس نقل کیا ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ جب آپ دھوپ میں کھڑے ہوتے۔ تو آپ کی روشنی سورج کی روشنی پر غالب آتی۔ اور جب چراغ کے

---

[1] مواہب لدنیہ بحوالہ عبداللہ ابن الامام احمد وغیرہ۔
[2] آپ کا ارتفاع معنوی دیکھنے والوں کے لئے ممثل ہو جاتا۔ اور آپ ان سب کو بلند نظر آتے (دیکھو زرقانی علی المواہب۔ جزء رابع۔ صفحہ ۱۹۹)۔
[3] خصائص کبرٰی۔ جزء اول۔ صفحہ ۶۸
[4] زرقانی علی المواہب۔ جزء رابع۔ صفحہ ۲۲۰۔

سامنے کھڑے ہوتے تو چراغ کی روشنی پر غالب آتی۔ بعض کا قول ہے۔ کہ آپ کا سایہ نہ ہونے میں یہ حکمت تھی، کہ آپ کے سایہ کو کوئی کافر پامال نہ کرے۔ ۵۱

ماہ فرو ماند از جمالِ محمدؐ سرو نروید باعتدالِ محمدؐ

رنگ مبارک رنگ مبارک گورا اور روشن وتاباں۔ مگر اس میں کسی قدر سرخی ملی ہوئی تھی۔ بعض روایتوں میں جو آپ کو اسمر اللون یعنی گندم گون لکھا ہے۔ اس سے بھی یہی مراد ہے؛

جلد مبارک و بوئے خوش آپ کا جلد مبارک نرم تھا۔ ایک وصف ذاتی حضور میں یہ تھا۔ کہ خوشبو لگائے بغیر آپ سے ایسی خوشبو آتی تھی۔ کہ کوئی خوشبو اُس کو نہ پہنچ سکتی تھی۔ آپ کی والدہ ماجدہ فرماتی ہیں۔ کہ جب آپ پیدا ہوئے۔ تو میں نے غور سے آپ کی طرف نگاہ کی۔ کیا دیکھتی ہوں کہ آپ چودھویں رات کے چاند کی مانند ہیں۔ اور آپ سے تیز بو کستوری کی طرح خوشبو آ رہی ہے۔ ۵۱ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے کسی کستوری یا عبیر ۵۲ کو بوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خوشتر نہ پایا۔ ۵۳

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آیا۔ اور عرض کیا۔ کہ یارسول اللہ میں نے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا ہے۔ میں اُسے اس کے خاوند کے گھر بھیجنا چاہتا ہوں۔ میرے پاس کوئی خوشبو نہیں۔ آپ کچھ عنایت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میرے پاس موجود نہیں۔ مگر کل صبح ایک چوڑے منہ والی شیشی اور کسی درخت کی لکڑی میرے پاس لے آنا۔ دوسرے روز وہ شخص شیشی اور لکڑی لے کر حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے اپنے دونوں بازوؤں سے اس میں اپنا پسینہ ڈالنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ وہ بھر گئی۔ پھر فرمایا۔ کہ اسے لے جا۔ اپنی بیٹی سے کہہ دینا۔ کہ اس لکڑی کو شیشی میں تر کرکے مل لیا کرے۔ پس جب وہ آپ کے پسینہ مبارک کو لگاتی۔ تمام اہل مدینہ کو اس کی خوشبو پہنچتی۔ یہاں تک کہ ان کے گھر کا نام ہی بیت المطیبین (خوشبو والوں کا گھر) ہو گیا۔ ۵۴

---

۵۱ زرقانی علی المواہب۔ جزو رابع۔ صفحہ ۲۲۳۔

۵۲ عبیر ایک خوشبو ہے جو صندل و گلاب و مشک سے بناتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے۔ کہ یہ ایک خوشبو ہے جس میں زعفران ملا ہوتا ہے؛

۵۳ صحیح بخاری کتاب الصیام۔ باب ما یذکر من صوم النبی صلے اللہ علیہ وسلم و افطارہ۔

۵۴ یہ ایک حدیث کا مضمون ہے۔ جسے ابو یعلیٰ اور طبرانی اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔ دیکھو مواہب لدنیہ اور خصائص کبریٰ؛

حضور کے خادم حضرت انس ؓ فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے اور قیلولہ فرمایا۔ حالتِ خواب میں آپ کو پسینہ آگیا۔ میری ماں ام سلیم نے ایک شیشی لی۔ اور آپ کا پسینہ مبارک اس میں ڈالنے لگی۔ آپ جاگ اُٹھے۔ اور فرمانے لگے۔ ام سلیم! تو یہ کیا کرتی ہے؟ اس نے عرض کیا۔ "یہ آپ کا پسینہ ہے۔ ہم اس کو اپنی خوشبو میں ڈالتے ہیں۔ اور وہ سب خوشبوؤں سے خوشبودار بن جاتی ہے۔"[1] دوسری روایت مسلم میں ہے۔ کہ ام سلیم نے یوں عرض کیا۔ "یا رسول اللہ ہم اپنے بچوں کے لئے آپ کے عرق مبارک کی برکت کے امیدوار ہیں۔" آپ نے فرمایا۔ "تو نے سچ کہا۔"[2] اس سے معلوم ہوا۔ کہ حضور کے عرق مبارک کو بچوں کے چہرے اور بدن پر مل دیا کرتے تھے۔ اور وہ تمام بلاؤں سے محفوظ رہا کرتے تھے؛

حضرت انس سے روایت ہے۔[3] کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے کسی کوچہ میں سے گزرتے۔ تو گزر جانے کے بعد بھی آنے جانے والوں کو اس کوچہ سے خوشبو آتی۔ اور وہ سمجھ جاتے۔ کہ اس کوچہ میں سے آپ کا گزر ہوا ہے۔ باقی حال لعاب مبارک اور دست مبارک میں آچکا ہے۔ یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں؛

اب بھی مدینہ منورہ کے در و دیوار سے خوشبوئیں آرہی ہیں۔ جنہیں محبان و عاشقانِ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شامہ محبت سے محسوس کرتے ہیں۔ ابن بطال[4] کا قول ہے۔ کہ جو شخص مدینہ منورہ میں رہتا ہے۔ وہ اس کی خاک اور دیواروں سے خوشبو محسوس کرتا ہے۔ اور اشبیلی رہ نے فرمایا ہے کہ خاک مدینہ میں ایک عجیب مہک ہے۔ جو کسی خوشبو میں نہیں۔ اور یاقوت نے کہا ہے۔ کہ منجملہ خصائص مدینہ اس کی ہوا کا خوشبودار ہونا ہے۔ اور وہاں کی بارش میں بوئے خوش ہوتی ہے۔ جو کسی اور جگہ کی بارش میں نہیں ہوتی۔ ابو عبداللہ عطار رحمہ اللہ نے کیا خوب کہا ہے ؎

بِطِیبِ رَسُولِ اللّٰهِ طَابَ نَسِیمُهَا	رسول اللہ کی خوشبو سے نسیم مدینہ خوشبودار ہو گئی۔
فَمَا الْمِسْکُ وَالْکَافُورُ وَالْمَنْدَلُ الرَّطِبُ	پس کیا ہے کستوری۔ کیا ہے کافور۔ کیا ہے عطر مندل تر و تازہ

---

[1] صحیح مسلم۔ باب طیب عرقہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

[2] صحیح مسلم۔ باب طیب عرقہ صلی اللہ علیہ وسلم والتبرک بہ۔

[3] اس کو بزاز اور ابو یعلیٰ نے باسناد صحیح روایت کیا ہے۔ دیکھو مواہب لدنیہ اور خصائص کبریٰ۔

[4] دیکھو وفاء الوفا باخبار دار المصطفےٰ لشیخ الاسلام السمہودی۔ ج۔ جزو اول۔ ص۱۲

امام ابن سبع[1] نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں شمار کیا ہے۔ کہ آپ کے کپڑوں پر مکھی نہ بیٹھتی۔ اور آپ کو جوں ایذاء نہ دیتی۔ یعنی آپ کے کپڑوں میں جوں نہ ہوتی۔ کہ آپ کو ایذاء دے۔ کیونکہ جوں عفونت اور پسینے سے پیدا ہوتی ہے۔ اور حضور تو نور اور اطیب الناس تھے۔ اور آپ کا پسینہ خوشبودار ہوتا تھا۔ اسی طرح بوجہ نظافت آپ کے بدن مبارک پر کپڑا میلا نہ ہوتا تھا؛

علامہ دمیری نے اپنے منظومہ فی الفقہ میں لکھا ہے۔ کہ جن چوپایوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوار ہوئے۔ آپ کی سواری کی حالت میں انہوں نے کبھی پیشاب نہ کیا۔ اور جس چوپایہ پر آپ سوار ہوئے۔ وہ آپ کی حیات میں کبھی بیمار نہ ہوا؛

موئے مبارک سر مبارک کے بال نہ تو بہت گھونگر والے تھے۔ اور نہ بہت سیدھے۔ بلکہ دونوں کے بین بین تھے۔ ان بالوں کی درازی میں مختلف روایتیں آئی ہیں۔ کانوں تک۔ کانوں کے نصف تک۔ کانوں کی لَو تک۔ شانہ مبارک کے نزدیک تک۔ شانوں تک۔ یہ سب مختلف روایتیں ہیں۔ تطبیق کا طریق یوں ہے۔ کہ ان کو مختلف اوقات و احوال پر محمول کیا جائے۔ یعنی جب آپ کٹوا دیتے تو کان تک رہ جاتے۔ پھر بڑھ کر نصف گوش یا نرمہ گوش یا شانہ مبارک تک پہنچ جاتے۔ اگر موئے مبارک خود بخود پراگندہ ہو جاتے۔ تو آپ ان کو دو حصے بطور مانگ کر لیتے۔ اور اگر از خود نہ بکھرتے تو بحال خود رہنے دیتے۔ اور بہ تکلف مانگ نہ نکالتے؛

ڈاڑھی مبارک گھنی تھی۔ اسے کنگھی کرتے اور آئینہ دیکھتے۔ اور سونے سے پہلے آنکھوں[2] میں تین تین بار سرمہ ڈالتے۔ موچھوں مبارک کو کٹوایا کرتے۔ اور فرماتے تھے[3]۔ کہ مشرکین کی مخالفت کرو۔ یعنی ڈاڑھیوں کو بڑھاؤ اور موچھوں کو خوب کٹواؤ۔ اخیر عمر شریف میں آپ کی ریش مبارک اور سر مبارک میں قریباً بیس بال سفید تھے۔ گلے اور ناف کے درمیان بالوں کا ایک باریک خط تھا۔ اس کے سوا شکم مبارک اور پستان مبارک پر بال نہ تھے۔ دونوں بازوؤں اور شانوں اور

---

[1] خصائص کبرٰے۔ جزء اول۔ صفحہ ۶۸

[2] نظر بریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں قدرتی طور پر سرگیں تھیں اور بدن مبارک سے خوشبو آیا کرتی تھی آپ کو سرمہ یا خوشبو کے استعمال کی حاجت نہ تھی۔ مگر با ایں ہمہ آپ کا سرمہ اور خوشبو کو استعمال کرنا بغرض تعلیم امت ہوگا۔ فافہم۔

[3] مشکوٰۃ المصابیح۔ باب الترجیل۔

سینہ مبارک کے بالائی حصہ میں بال زیادہ تھے۔ موئے مبارک کا باقی حال آثار شریفہ کی تعظیم کے تحت میں آئے گا انشاءاللہ تعالےٰ؛

لباس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عام لباس[1] چادر قمیص اور تہ بند تھا۔ یمن کی دھاری دار چادریں جن کو عربی میں حِبَرَۃ کہتے ہیں سب سے زیادہ پسند فرماتے تھے۔ بعض اوقات آپ نے اونی جبہ شامیہ استعمال فرمایا ہے۔ جس کی آستینیں اس قدر تنگ تھیں کہ وضوء کے وقت ہاتھ آستینوں سے نکالنے پڑتے تھے۔ جبہ کسروانی بھی پہن لیتے تھے۔ جس کی جیب اور دونوں چاکوں پر دیبا کی سنجاف تھی۔ ایسی اُونی چادر بھی آپ نے پہنی ہے جس پر کجاوہ کی شکل بنی ہوئی تھی۔ سفید لباس پسند اور سرخ ناپسند فرماتے تھے۔ پاجامہ آپ نے کبھی نہیں پہنا؛

عمامہ کا شملہ چھوڑا کرتے اور کبھی نہ چھوڑا کرتے۔ شملہ اکثر دونوں شانوں کے بیچ میں اور کبھی شانہ مبارک پر پڑا رہتا۔ بعض وقت عمامہ میں تحنیک فرماتے۔ یعنی دستار مبارک کا ایک پیچ بائیں جانب سے ٹھوڑی مبارک کے نیچے سے گزار کر سر مبارک پر لپیٹ لیتے۔ عمامہ اکثر سیاہ رنگ کا ہوتا تھا۔ عمامہ کے نیچے سر سے لپٹی ہوئی ٹوپی ہوا کرتی۔ اونچی ٹوپی آپ نے استعمال نہیں فرمائی۔

نعلین شریفین چپلی کی شکل کی تھیں۔ ہر ایک کے دو دو تسمے دُہری تہ والے تھے۔ ایک تسمہ انگوٹھے اور متصل کی انگلی مبارک کے بیچ میں اور دوسرا انگشت میانہ اور بنصر کے بیچ میں ہوا کرتا۔ یہ وہی نعلین شریفین ہیں کہ شب معراج میں جب حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم عرش پر تشریف لے گئے۔ تو بقول صوفیہ کرام باریتعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ نعلین سمیت عرش کو شرف بخشئے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

لَدَی الطُّوْرِ مُوْسیٰ نُوْدِیَ اخْلَعْ وَاَحْمَدُ	طور کے پاس حضرت موسیٰ کو آواز آئی کہ پاپوش اتار لیجئے اور
عَلَی الْعَرْشِ لَمْ یُؤْذَنْ بِخَلْعِ نِعَالِہٖ	حضرت احمدؐ کو عرش پر پاپوش اتارنے کی اجازت نہ ملی؛

ہر ایک مسلمان کی یہ آرزو ہوتی ہے۔ اور ہونی چاہئے۔ کہ اس دنیا میں بھی حالت خواب یا حالت بیداری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو۔ لہٰذا ہم ذیل میں ایک درود شریف درج کرتے ہیں۔ جو شخص اس درود شریف کو ہر روز سونے سے پہلے باوضوء باادب اور حضور قلب سے

[1] لباس کے متعلق دیکھو مشکوٰۃ شریف۔ کتاب اللباس؛

تین بار پڑھے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ چالیس دن کے اندر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوگا۔

درود شریف

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى نُوْرِ مُحَمَّدٍ فِى الْاَنْوَارِ وَصَلِّ عَلٰى رُوْحِ مُحَمَّدٍ فِى الْاَرْوَاحِ وَصَلِّ عَلٰى جَسَدِ مُحَمَّدٍ فِى الْاَجْسَادِ وَصَلِّ عَلٰى رَأْسِ مُحَمَّدٍ فِى الرُّءُوْسِ وَصَلِّ عَلٰى وَجْهِ مُحَمَّدٍ فِى الْوُجُوْهِ وَصَلِّ عَلٰى جَبِيْنِ مُحَمَّدٍ فِى الْاَجْبُنِ وَصَلِّ عَلٰى جَبْهَةِ مُحَمَّدٍ فِى الْجِبَاهِ وَصَلِّ عَلٰى عَيْنِ مُحَمَّدٍ فِى الْعُيُوْنِ وَصَلِّ عَلٰى حَاجِبِ مُحَمَّدٍ فِى الْحَوَاجِبِ وَصَلِّ عَلٰى جَفْنِ مُحَمَّدٍ فِى الْاَجْفَانِ وَصَلِّ عَلٰى اَنْفِ مُحَمَّدٍ فِى الْاُنُوْفِ وَصَلِّ عَلٰى خَدِّ مُحَمَّدٍ فِى الْخُدُوْدِ وَصَلِّ عَلٰى صُدْغِ مُحَمَّدٍ فِى الْاَصْدَاغِ وَصَلِّ عَلٰى اُذُنِ مُحَمَّدٍ فِى الْاٰ ، اِنِ وَصَلِّ عَلٰى فَمِ مُحَمَّدٍ فِى الْاَفْوَاهِ وَصَلِّ عَلٰى شَفَةِ مُحَمَّدٍ فِى الشِّفَاهِ وَصَلِّ عَلٰى سِنِّ مُحَمَّدٍ فِى الْاَسْنَانِ وَصَلِّ عَلٰى لِسَانِ مُحَمَّدٍ فِى الْاَلْسِنَةِ وَصَلِّ عَلٰى ذَقْنِ مُحَمَّدٍ فِى الْاَذْقَانِ وَصَلِّ عَلٰى عُنُقِ مُحَمَّدٍ فِى الْاَعْنَاقِ وَصَلِّ عَلٰى صَدْرِ مُحَمَّدٍ فِى الصُّدُوْرِ وَصَلِّ عَلٰى قَلْبِ مُحَمَّدٍ فِى الْقُلُوْبِ وَصَلِّ عَلٰى يَدِ مُحَمَّدٍ فِى الْاَيْدِىْ وَصَلِّ عَلٰى كَفِّ مُحَمَّدٍ فِى الْاَكُفِّ وَصَلِّ عَلٰى اِصْبَعِ مُحَمَّدٍ فِى الْاَصَابِعِ وَصَلِّ عَلٰى زَنْدِ مُحَمَّدٍ فِى الْاَزْنَادِ وَصَلِّ عَلٰى ذِرَاعِ مُحَمَّدٍ فِى الْاَذْرُعِ وَصَلِّ عَلٰى مِرْفَقِ مُحَمَّدٍ فِى الْمَرَافِقِ وَصَلِّ عَلٰى عَضُدِ مُحَمَّدٍ فِى الْاَعْضَادِ وَصَلِّ عَلٰى اِبْطِ مُحَمَّدٍ فِى الْاٰبَاطِ وَصَلِّ عَلٰى مَنْكِبِ مُحَمَّدٍ فِى الْمَنَاكِبِ وَصَلِّ عَلٰى كَتِفِ مُحَمَّدٍ فِى الْاَكْتَافِ وَصَلِّ عَلٰى تَرْقُوَةِ مُحَمَّدٍ فِى التَّرَاقِىْ وَصَلِّ عَلٰى كَتَدِ مُحَمَّدٍ فِى الْاَكْتَادِ وَصَلِّ عَلٰى ظَهْرِ مُحَمَّدٍ فِى الظُّهُوْرِ وَصَلِّ عَلٰى فَخِذِ مُحَمَّدٍ فِى الْاَفْخَاذِ وَصَلِّ عَلٰى رُكْبَةِ مُحَمَّدٍ فِى الرُّكَبِ وَصَلِّ عَلٰى سَاقِ مُحَمَّدٍ فِى السُّوْقِ وَصَلِّ عَلٰى كَعْبِ مُحَمَّدٍ فِى الْاَكْعُبِ وَصَلِّ عَلٰى عَقِبِ مُحَمَّدٍ فِى الْاَعْقَابِ وَصَلِّ عَلٰى قَدَمِ مُحَمَّدٍ فِى الْاَقْدَامِ وَصَلِّ عَلٰى شَعْرِ مُحَمَّدٍ فِى الشُّعُوْرِ وَصَلِّ عَلٰى لَحْمِ مُحَمَّدٍ فِى اللُّحُوْمِ وَصَلِّ عَلٰى عِرْقِ مُحَمَّدٍ فِى الْعُرُوْقِ وَصَلِّ عَلٰى دَمِ مُحَمَّدٍ فِى الدِّمَاءِ وَصَلِّ عَلٰى عَظْمِ مُحَمَّدٍ فِى الْعِظَامِ وَصَلِّ عَلٰى جِلْدِ مُحَمَّدٍ

فِی الْجُلُوْدِ وَصَلِّ عَلٰی لَوْنِ مُحَمَّدٍ فِی الْاَلْوَانِ وَصَلِّ عَلٰی قَامَةِ مُحَمَّدٍ فِی الْقَامَاتِ وَ بَارِكْ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّاتِهٖ اَفْضَلَ صَلٰوةٍ وَّاَكْمَلَ بَرَكَةٍ وَّاَزْكٰی سَلَامٍ بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّكَ وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ كُلَّمَا ذَكَرَكَ وَذَكَرَهُ الذَّاكِرُوْنَ وَغَفَلَ عَنْ ذِكْرِكَ وَذِكْرِهِ الْغَافِلُوْنَ۔

چھٹا باب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلقِ عظیم کا بیان

افرادِ انسان میں سے انبیائے کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین کو مکارمِ اخلاق کی زیادہ ضرورت ہے۔ کیونکہ اُن کا کام تبلیغ و تزکیہ ہے۔ اسی واسطے بعنایاتِ الٰہی اُنہیں اوّل خلقت و فطرت ہی میں محاسنِ اخلاق حاصل تھے جن کا ظہور حسبِ موقع اُن کی عمر شریف میں ہوتا رہا۔ مگر دیگر فضائل کی طرح اس کمال میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دیگر انبیائے کرام علیہم السلام سے ممتاز ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے خُلقِ عظیم کو آپ کی ذاتِ شریف میں حصر فرمایا ہے۔

وَاِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِيْمٍ (سورہ قلم)	اور تحقیق تو بڑے خُلق پر پیدا ہوا ہے!

اور خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ (موطا امام مالک)	میں محاسنِ اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

انبیائے سابقین علیہم السلام میں سے ہر ایک حُسنِ اخلاق کی ایک نوع سے مختص تھے۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس حُسنِ اخلاق کے تمام انواع کی جامع تھی۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو تمام انبیائے سابقین علیہم الصلوات کی سیرت کے اتباع کا حکم دیا۔ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ[1]۔ لہٰذا خصالِ کمال و صفاتِ شرف و فضائل جو اُن میں متفرق طور پر پائے جاتے تھے۔

---

[1] پس تو اُن کی روش کی پیروی کر (انعام ۔ غ ۱۰)۔

وہ تمام آپ کی ذات شریف میں جمع تھے۔ چنانچہ حلم وسخاوت ابراہیم۔ صدق وعدہ اسماعیل۔ شکر داؤد وسلیمان۔ صبر ایوب۔ معجزات قاہرہ موسیٰ۔ مناجات زکریا۔ تضرع یحییٰ۔ دم عیسیٰ وغیرہ سب آپ میں موجود تھے۔ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات۔ ؎

آنچہ بناز ندزاں دلبراں　　جملہ تراہست وزیادت براں

حضرت سعد بن ہشام بن عامر نے جب حضرت عائشہ صدیقہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلق کی بابت دریافت کیا۔ تو حضرت صدیقہ نے جواب میں فرمایا۔ کیا تو قرآن نہیں پڑھتا؟۔ حضرت سعد نے جواب دیا کہ ہاں۔ یہ سُن کر حضرت صدیقہ نے فرمایا۔ کہ "نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا خُلق قرآن تھا"[1]۔ کتب سابقہ الہامیہ میں جو آداب وفضائل واوصاف حمیدہ مذکور تھے۔ قرآن کریم اُن سب کا جامع ہے۔ ارشاد صدیقہ کا مطلب یہ ہے۔ کہ قرآن مجید میں جس قدر محامد اخلاق مذکور ہیں۔ وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں پائے جاتے تھے۔ غرض دیگر کمالات کی طرح محاسن اخلاق میں بھی آپ کا مرتبہ دیگر انبیائے کرام علیہم التسلیمات سے بڑھا ہوا ہے۔ صاحب قصیدہ بردہ شریف فرماتے ہیں۔

فَاقَ النَّبِيِّيْنَ فِيْ خَلْقٍ وَّفِيْ خُلُقٍ	لے گیا فوق انبیاء پر خَلق میں اور خُلق میں
وَلَمْ يُدَانُوْهُ فِيْ عِلْمٍ وَّلَا كَرَمٍ	کس میں تھا اُس کا سا علم اور کس میں اُس کا سا کرم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی اور نیا نبی نہ ہوگا۔ اس لئے آپ کے اخلاق وعادات بطریق اسناد نہایت صحت کے ساتھ محفوظ ہیں۔ تاکہ قیامت تک ہر زمانے میں ان کا اقتداء کیا جائے اور اُن ہی کو دستور العمل بنایا جائے۔ اس مختصر میں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ اس لئے ذیل میں چند جزئیات پیش کی جاتی ہیں۔ واللہ الموفق والمعین۔

صبر وحلم وعفو نبوت کا بوجھ ان اوصاف[2] کے بغیر برداشت نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم میں کئی جگہ ان اوصاف کا ذکر آیا ہے۔

[1] صحیح مسلم۔ باب صلوٰۃ اللیل۔

[2] مصیبت وایذا کے وقت اپنے آپ کو روکنا اور متاثر نہ ہونا صبر کہلاتا ہے۔ اپنی طبیعت کو غصہ سے ضبط کرنے کا نام حلم ہے۔ خطا پر مواخذہ نہ کرنے کو عفو کہتے ہیں۔

فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (مائدہ۔ ع)	پس معاف کر اُن سے اور درگزر کر۔ بے شک اللہ نیکی والوں کو چاہتا ہے۔
وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰي مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓي اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا (انعام۔ ع)	اور البتہ بہت رسول تجھ سے پہلے جھٹلائے گئے۔ پس وہ جھٹلانے اور ایذا پر صبر کرتے رہے یہانتک کہ اُن کو ہماری مدد پہنچی۔
خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ۔ (اعراف۔ اخیر رکوع)	خو پکڑ معاف کرنا۔ اور کہہ نیک کام کو۔ اور کنارہ کر جاہلوں سے۔
فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ (احقاف۔ اخیر رکوع)	پس تو صبر کر جیسے صبر کرتے رہے الوالعزم رسول اور شتابی نہ کر اُن کے واسطے۔
اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ (توبہ۔ ع)	تحقیق ابراہیم تھا البتہ دردمند علم والا۔

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے حق کے لئے کبھی انتقام نہ لیا۔ ہاں جب آپ کسی حرمت اللہ کی بیحرمتی دیکھتے۔ تو اللہ کے واسطے اُس کا انتقام لیتے[1]۔

نبوّت کے دسویں سال جیسا کہ پہلے آچکا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ ثقیف کو دعوت اسلام دینے کے لئے طائف تشریف لے گئے۔ مگر بجائے روبراہ ہونے کے اُنہوں نے آپ کو اس قدر اذیت دی کہ نعلین مبارک خون آلودہ ہو گئے۔ جب آپ وہاں سے واپس ہوئے۔ تو راستے میں پہاڑوں کے فرشتے نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی۔ یا محمد! آپ جو چاہیں حکم دیں۔ اگر اجازت ہو۔ تو اخشبین کو اُن پر اُلٹ دوں۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ ہلاک ہو جائیں۔ بلکہ مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی پشتوں سے ایسے بندے پیدا کرے گا جو صرف خدا کی عبادت کریں گے۔ اور اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے[2]۔

ہجرت سے پہلے مکہ میں کفار نے مسلمانوں کو اس قدر اذیت دی کہ ان کا پیمانہ صبر لبریز

[1] صحیح بخاری باب صفۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم۔

[2] مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین۔ باب البعث وبدء الوحی۔

ہو گیا۔ چنانچہ حضرت خباب بن الارت بیان کرتے ہیں۔ کہ ہمیں مشرکین سے شدت وسختی پہنچی
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ سر مبارک کے نیچے چادر رکھ کر
کعبہ کے سایہ میں لیٹے ہوئے تھے۔ میں نے عرض کیا۔ آپ مشرکین پر بددعا کیوں نہیں کرتے؟
یہ سن کر آپ اُٹھ بیٹھے۔ چہرہ مبارک سرخ ہو گیا تھا۔ فرمایا۔ تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں۔
اُن پر لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتیں جس سے گوشت پوست سب علیحدہ ہو جاتا۔ اور اُن کے
سر پر آرے رکھے جاتے اور چیر کر دو ٹکڑے کر دئے جاتے۔ مگر یہ اذیتیں اُن کو دین سے برگشتہ نہ
کر سکتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ دین اسلام کو کمال تک پہنچائے گا۔ یہانتک کہ ایک سوار صنعاء سے
حضر موت تک سفر کرے گا اور اُسے خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہو گا۔[1]

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر (رمضان ۲ھ) سے واپس تشریف لائے۔ تو
راستے میں مقام صفراء میں آپ کے حکم سے حضرت علی مرتضیٰ نے نضر بن حارث بن علقمہ بن کلدہ
بن عبد مناف بن عبد الدار بن قصی کو قتل کر ڈالا۔ نضر مذکور اُن امرائے قریش میں سے تھا جن کا
شغل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی اور اسلام کو مٹانے کی کوشش کرنا تھا۔ اسی نضر کی بیٹی
قتیلہ نے جو بعد میں اسلام لائی اپنے باپ کا مرثیہ لکھا۔ جس کے اخیر میں یہ شعر ہیں:۔

امحمد ولانت ضنء نجیبة	اے محمدؐ! بے شک آپ اُس ماں کے بیٹے ہیں۔
من قومها والفحل فحل معرق	جو اپنی قوم میں شریف ہے اور آپ شریف اصل والے مرد ہیں۔
ما کان ضرك لو مننت وربما	آپ کا کچھ نہ بگڑتا تھا اگر آپ احسان کرتے۔ اور بعض وقت
منّ الفتیٰ وهو المغیظ المحنق	جوان احسان کرتا ہے حالانکہ وہ غضبناک اور نہایت خشمناک ہوتا ہے۔
والنضر اقرب من اسرت قرابةً	اور نضر آپ کے تمام قیدیوں میں قرابت میں سب سے قریب تھا۔
واحق ان کان عتق یعتق	اور آزادی کا زیادہ مستحق تھا۔ اگر ایسی آزادی پائی جائے کہ جس سے آزاد کیا جائے۔

جب یہ شعر حضور سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچے۔
تو ان کو پڑھ کر آپ اتنا روئے کہ ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی۔[2] اور فرمایا کہ اگر یہ اشعار نضر کے

[1] صحیح بخاری۔ باب مالقی النبی صلے اللہ علیہ وسلم واصحابہ من المشرکین بمکۃ۔

[2] استیعاب لابن عبد البر۔ ترجمہ قتیلہ بنت نضر۔

قتل سے پہلے میرے پاس پہنچ جاتے۔ تو میں ضرور اُسے قبیلہ کے حوالہ کر دیتا۔

جنگ بدر کے کچھ دن بعد ایک روز عمیر بن وہب بن خلف قرشی جمجی اور صفوان بن امیہ بن خلف قرشی جمجی خانہ کعبہ میں حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عمیر مذکور شیاطین قریش میں سے تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو اذیت دیا کرتا تھا۔ اُس کا بیٹا وہب بن عمیر اسیران جنگ میں تھا۔ عمیر و صفوان کے درمیان یوں گفتگو ہوئی:-

عمیر۔ بدر میں ہمارے ساتھیوں نے مسلمانوں کے ہاتھوں سے کیا کیا مصیبتیں اُٹھائیں۔ ظالموں نے کس بے رحمی سے اُن کو گڑھے میں پھینک دیا۔

صفوان۔ اللہ کی قسم! اُن کے بعد اب زندگی کا لطف نہ رہا۔

عمیر۔ اللہ کی قسم! تو نے سچ کہا۔ اللہ کی قسم! اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا جسے میں ادا نہیں کر سکتا۔ اور عیال نہ ہوتا۔ جس کے تلف ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ تو میں سوار ہو کر محمدؐ کو قتل کرنے جاتا۔ کیونکہ اب تو ایک بہانہ بھی ہے کہ میرا بیٹا ان کے ہاتھ میں گرفتار ہے۔

صفوان۔ آپ کا قرض میں ادا کر دیتا ہوں۔ آپ کا عیال میرے عیال کے ساتھ رہے گا۔ میں آپ کے بال بچوں کا متکفل ہوں جب تک وہ زندہ ہیں!

عمیر۔ بس میرے اور آپ کے درمیان؟

صفوان۔ بسر و چشم۔ (عمیر کی روانگی کے بعد لوگوں سے) تم شاد ہو کہ چند روز میں تمہارے پاس ایک واقعہ کی خبر آئے گی۔ جس سے تم جنگ بدر کی سب مصیبتیں بھول جاؤ گے؟

(عمیر زہر میں بُجھی ہوئی تیز تلوار لے کر مدینہ میں آتا ہے۔ اُس وقت حضرت عمرؓ فاروق مسلمانوں کی ایک جماعت میں بیٹھے ہوئے جنگ بدر میں مسلمانوں پر خدا کی عنایات کا ذکر کر رہے ہیں۔ عمیر تلوار آڑے لٹکائے ہوئے اپنی اونٹنی کو مسجد کے دروازے میں بٹھا دیتا ہے)۔

عمر فاروق۔ (عمیر کو دیکھ کر) یہ کتا دشمن خدا عمیر کسی شرارت کے لئے آیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اُسے میرے پاس لاؤ۔ (عمیر سے) آگے آؤ۔

عمیر۔ آپ کی صبح بخیر ہو؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ عمیر! تو نے جاہلیت کا تحیہ کہا۔ مگر اللہ عزوجل نے ہمیں تیرے تحیہ سے

بہتر عطا فرمایا ہے۔ اور وہ سلام ہے جو اہل بہشت کا تحیہ ہے۔

عمیر۔ یا محمد! اللہ کی قسم! یہ تحیہ آپ کو تھوڑے دنوں سے ملا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ عمیر! کیونکر آنا ہوا؟

عمیر۔ اپنے بیٹے کے لئے جو آپ کے پاس اسیران جنگ میں ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ پھر گلے میں تلوار آڑے کیوں لٹکائی ہے؟

عمیر۔ خدا ان تلواروں کا بُرا کرے۔ انہوں نے ہمیں کچھ فائدہ نہ دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سچ بتاؤ کس لئے آئے ہو؟

عمیر۔ فقط اپنے بیٹے کے لئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نہیں بلکہ تو اور صفوان دونوں حطیم میں بیٹھے ہوئے تھے۔ تو نے مقتولین بدر کا ذکر کیا جو گڑھے میں پھینکے گئے۔ پھر تو نے کہا کہ اگر مجھ پر قرض اور بارِ عیال نہ ہوتا۔ تو میں محمدؐ کو قتل کرنے نکلتا۔ یہ سُن کر صفوان نے بارِ قرض و عیال اپنے ذمہ لیا بدیں غرض کہ تو مجھے قتل کردے۔ مگر اللہ تیرے اور اُس غرض کے درمیان حائل ہے۔

عمیر۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے رسول ہیں۔ یا رسول اللہ! ہم اُس آسمانی وحی کو جو آپ پر نازل ہوتی تھی جھٹلا دیا کرتے تھے۔ آپ نے جو بات بتلائی۔ وہ میرے اور صفوان کے سوا کسی کو معلوم نہ تھی۔ اللہ کی قسم! میں خوب جانتا ہوں کہ خدا کے سوا آپ کو کسی نے نہیں بتائی۔ حمد ہے اللہ کی جس نے مجھے اسلام کی توفیق بخشی۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہٗ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (اپنے اصحاب سے) تم اپنے بھائی عمیر کو مسائل دینی سکھاؤ اور قرآن پڑھاؤ۔ اور اس کے بیٹے کو بھی چھوڑ دو۔[۵]

حضرت رافع بن خدیج بیان کرتے ہیں۔ کہ غزوہ انمار (ربیع الاول ۳ھ) میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ آپ کی آمد کی خبر سن کر اعراب پہاڑوں کی چوٹیوں پر چلے گئے۔ غطفان نے دعثور بن حارث کو جو اُن کا سردار تھا کہا۔ کہ محمدؐ اس وقت اپنے اصحاب سے

---

۵ سیرت ابن ہشام۔

علیحدہ ہے۔ تمہیں ایسا موقع نہ ملے گا۔ دعثور تیز تلوار لے کر اُتر آیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لیٹے ہوئے ہیں۔ وہ تلوار کھینچ کر آپ کے سر پر آ کھڑا ہوا۔ آپ بیدار ہوئے۔ تو کہنے لگا "تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا؟" آپ نے فرمایا۔ اللہ۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے اُسے ہٹا دیا اور وہ گر پڑا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار لے کر کہا۔ "تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا؟" وہ بولا۔ کوئی نہیں۔ غرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس سے کچھ تعرض نہ کیا۔ اور وہ ایمان لے آیا۔[1]

غزوہ اُحد (شوال ۳ھ) میں کفار نے آپ کا دانت مبارک شہید کر دیا۔ اور سر اور پیشانی مبارک بھی زخمی کر دی۔ اُس حالت میں آپ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے[2]:۔

خدایا میری قوم کا یہ گناہ معاف کرے۔ کیونکہ وہ نہیں جانتے۔	اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

حضرت جابر بن عبد اللہ کا بیان ہے۔ کہ غزوہ نجد (غزوہ ذات الرقاع جمادی الاولی ۴ھ) میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ واپس آتے ہوئے ایک گھنے جنگل میں آپ کو دوپہر ہو گئی۔ آپ ایک درخت کے سایہ میں اُترے۔ اور اپنی تلوار اُس درخت سے لٹکا دی۔ اور آپ کے اصحاب بھی ایک ایک کر کے درختوں کے سایہ میں اُتر پڑے۔ اسی اثناء میں آپ نے ہمیں آواز دی۔ ہم حاضر ہوئے۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بدّو آپ کے سامنے بیٹھا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں سو رہا تھا۔ اس نے آ کر میری تلوار کھینچ لی۔ میں بیدار ہوا۔ تو یہ تلوار کھینچے میرے سر پر کھڑا تھا۔ کہنے لگا۔ "تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا؟" میں نے کہا۔ اللہ۔ یہ سُن کر اس نے تلوار نیام میں کر لی۔ آپ نے اُس کو کچھ سزا نہ دی[3]۔ اس اعرابی کا نام غورث بن حارث تھا۔

حضرت جابر بن عبد اللہ راوی ہیں کہ ایک غزوہ (غزوہ مریسع شعبان ۵ھ) میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے۔ ایک مہاجر نے ایک انصاری کے تھپڑ مارا۔ انصاری نے انصار کو اور مہاجر نے مہاجرین کو مدد کے لئے پکارا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا۔ تو پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟

---

[1] اصابہ بحوالہ واقدی۔ ترجمہ دعثور بن حارث غطفانی۔

[2] مواہب لدنیہ و شفا شریف۔

[3] صحیح بخاری۔ کتاب الجہاد و کتاب المغازی۔

جب سارا ماجرا عرض کیا گیا۔ تو فرمایا کہ یہ دعوے جاہلیت اچھا نہیں۔ اس طرح رفع فساد ہو گیا۔ رأس المنافقین عبداللہ بن ابیّ خزرجی نے سنا۔ تو کہنے لگا۔ کہ "اگر ہم اس سفر سے مدینہ میں پہنچ گئے تو جس کا اُس شہر میں زور ہے۔ وہ بیقدر شخص کو نکال دے گا"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی۔ تو حضرت عمر فاروق نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ مجھے اجازت دیں کہ اس منافق کی گردن اُڑا دوں۔ مگر حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اُسے جانے دو۔ کیونکہ لوگ یہی کہیں گے کہ محمدؐ اپنے اصحاب کو قتل کرتا ہے۔[1] جائے غور ہے کہ آپ کا یہ سلوک اُس شخص کے ساتھ ہے جو عمر بھر منافق رہا۔ جس نے آپ کو اذلّ بتایا۔ جو جنگ اُحد میں عین موقع پر تین سو کی جمعیت لے کر راستہ میں سے واپس آگیا۔ اور ہمیشہ آپ کی مخالفت و توہین میں سرگرم رہا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ مریسیع سے واپس ہوئے۔ تو راستے میں واقعہ افک پیش آیا۔ جس کا بانی یہی رأس المنافقین تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم تھا۔ مگر معاملہ گھر کا تھا۔ اس لئے فیصلہ کو خدا پر چھوڑا۔ تاکہ منافقین کو چون وچرا کی گنجائش نہ رہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کی تکذیب اپنے کلام پاک میں کر دی۔ با اینہمہ جب یہ منافق مرا۔ تو آپ کو نماز جنازہ کے لئے بلایا گیا۔ جب آپ اس پر نماز پڑھنے لگے۔ تو حضرت عمر فاروق نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا آپ ابن ابیّ پر نماز پڑھتے ہیں جس نے فلاں فلاں روز ایسا ایسا کہا۔ اس پر آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ عمر! ہٹو۔ جب اصرار کیا۔ تو فرمایا کہ استغفار و عدم استغفار کا مجھے اختیار دیا گیا ہے۔ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ ستّر سے زیادہ بار استغفار سے اُس کی مغفرت ہو سکتی ہے۔ تو میں ویسا ہی کرتا جب آپ نماز جنازہ سے فارغ ہو کر واپس تشریف لائے۔ تو آیندہ کے لئے حکم ممانعت نازل ہوا۔[2]

فرات بن حیان جو انصار میں سے ایک شخص کا حلیف تھا ابو سفیان کی طرف سے مسلمانوں کی جاسوسی پر مامور تھا۔ غزوہ خندق (ذیقعدہ ۵ھ) میں وہ جاسوسی کرتا ہوا پکڑا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے قتل کا حکم دیا۔ لوگ اُس کو پکڑ کر لے چلے۔ راستے میں اس کا گزر انصار کے ایک حلقہ پر ہوا۔ تو کہنے لگا کہ میں مسلمان ہوں۔ ایک انصاری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو

---

[1] صحیح بخاری کتاب التفسیر۔ سورہ اذا جاءك المنافقون۔

[2] صحیح بخاری۔ کتاب الجنائز۔ باب ما یکرہ من الصلوٰۃ علی المنافقین۔

اطلاع دی کہ فرات کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں۔ جن کو ہم ان کے ایمان پر چھوڑتے ہیں۔ اُن میں سے ایک فرات ہے۔ حضرت فرات بعد میں صدق دل سے ایمان لائے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمامہ میں ایک قطعہ زمین عطا فرمایا۔ جس کی آمدنی چار ہزار دو سو تھی۔[۱]

ثمامہ بن آثال الیمامی جو اہل یمامہ کا سردار تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ آپ نے دعا فرمائی تھی کہ خدایا اُس کو میرے قابو میں کر دے۔ حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سواروں کا ایک دستہ نجد کی طرف بھیجا۔ وہ بنو حنیفہ میں سے ایک شخص ثمامہ بن آثال کو پکڑ لائے۔ اور اُسے مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس کی طرف نکلے۔ تو پوچھا۔ ثمامہ! کیا کہتے ہو؟ ثمامہ نے کہا۔ یا محمد! اگر آپ مجھے قتل کریں گے۔ تو ایک خونی کو قتل کریں گے۔ اور اگر احسان کریں گے۔ تو ایک شکر گذار پر احسان کریں گے۔ اگر آپ زر فدیہ چاہتے ہیں۔ تو جس قدر مانگیں دے دوں گا۔ آپ نے یہ سُن کر کچھ جواب نہ دیا۔ دوسرے روز بھی یہی گفتگو ہوئی۔ تیسرے روز آپ نے اُس کا وہی جواب سُن کر حکم دیا کہ ثمامہ کو کھول دو۔ یہ عنایت دیکھ کر اُس نے مسجد کے قریب ایک درخت کی آڑ میں غسل کیا اور مسجد میں آ کر کلمہ شہادت پڑھا۔ اور کہنے لگا۔ "اے محمد! خدا کی قسم میرے نزدیک روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرے سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ اب وہی چہرہ میرے نزدیک سب چہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ کی قسم میرے نزدیک کوئی دین آپ کے دین سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ اب وہی دین میرے نزدیک سب دینوں سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ کی قسم میرے نزدیک کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ اب وہی شہر میرے نزدیک سب شہروں سے زیادہ محبوب ہے۔"[۲] وفاء الوفا میں ہے کہ حضرت ثمامہ کی گرفتاری شروع سنہ ۶ھ میں ہوئی۔

حضرت انس[۳] روایت کرتے ہیں۔ کہ اہل مکہ میں سے اسّی مرد کوہ تنعیم[۴] سے رسول اللہ صلی اللہ

---

[۱] ابوداؤد۔ کتاب الجہاد۔ باب فی الجاسوس الذمی۔ اصابہ ترجمہ فرات بن حیان۔
[۲] صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب وفد بنی حنیفہ۔
[۳] مشکوٰۃ بحوالہ صحیح مسلم۔ کتاب الجہاد۔ باب حکم الاسراء۔
[۴] مکہ مشرفہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک مشہور مقام ہے۔ جہاں سے عمرہ بجا لاتے ہیں۔

علیہ وسلم پر آپڑے۔ وہ ہتھیار لگائے ہوئے تھے اور چاہتے تھے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو غافل پائیں۔ آپ نے اُن کو لڑائی کے بغیر پکڑ لیا۔ اور زندہ رکھا۔ ایک روایت میں ہے کہ اُن کو چھوڑ دیا۔ پس اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم بِبَطْنِ مَكَّةَ (فتح۔ ع۳)	اور خدا وہ ہے۔ جس نے مکہ کے نواح میں اُن کے ہاتھوں کو تم سے اور تمہارے ہاتھوں کو اُن سے باز رکھا۔

یہ واقعہ قضیہ حدیبیہ (ذیقعدہ ۶ھ) میں ہوا تھا۔

جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم غزوہ خیبر (محرم ۷ھ) سے واپس تشریف لائے۔ تو ایک روز سلاّم بن مشکم یہودی کی زوجہ زینب بنت حارث نے بکری کا گوشت بھون کر زہر آلودہ کر کے آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجا۔ جسے آپ نے اور آپ کے چند اصحاب نے کھایا۔ باوجود اعتراف کے آپ نے اس یہودیہ کو اپنی طرف سے معاف کر دیا۔ مگر جب اُس کے سبب سے ایک صحابی نے انتقال فرمایا۔ تو قصاص میں اُس کو قتل کر دیا گیا۔ جیسا کہ اس کتاب میں پہلے بیان ہو چکا ہے۔ اسی سال ماہ محرم[۱] ہی میں لبید بن اعصم یہودی منافق نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جادو کر دیا۔ معلوم ہو جانے پر آپ نے اُس سے بھی کچھ تعرض نہ فرمایا۔[۲]

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ میری ماں مشرکہ تھیں۔ میں اُن کو دعوت اسلام دیا کرتا تھا۔ ایک دن میں نے ان کو دعوت اسلام دی۔ تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں مجھے مکروہ الفاظ سُنائے۔ میں روتا ہوا آپ کی خدمت اقدس میں گیا اور واقعہ عرض کر کے دعائے ہدایت کی درخواست کی۔ آپ نے یوں دعا فرمائی "خدایا! ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت دے"۔ میں اس دعا سے خوش ہو کر گھر آیا۔ تو دیکھا کہ کواڑ بند ہیں۔ میری ماں نے میرے قدم کی آہٹ سُن کر کہا۔ ابوہریرہ! یہیں ٹھیرو۔ میں نے پانی کی آواز سُنی۔ انہوں نے غسل کر کے جلدی کپڑے پہنے۔ اور دروازہ کھولتے ہی کلمہ شہادت پڑھا۔[۳]

---

[۱] وفاء الوفا۔ جزء اول صفحہ ۲۲۵۔ جزء ثانی صفحہ ۲۵۲۔

[۲] صحیح بخاری۔ کتاب الطب۔ باب ہل یستخرج السحر۔

[۳] صحیح مسلم۔ باب من فضائل ابی ہریرہ۔

جن دنوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ (رمضان ۸ھ) کے لئے پوشیدہ تیاریاں کر رہے تھے۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ نے بغرض اطلاع قریش ایک خط لکھا اور ایک عورت کی معرفت مکہ روانہ کیا۔ وہ خط راستے میں پکڑا گیا۔ باوجود ایسے سنگین جرم کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاطب کو معاف کر دیا۔ اور اُس عورت سے بھی کسی قسم کا تعرض نہ کیا۔

ابو سفیان بن حرب جو اسلام لانے سے پہلے غزوہ اُحد و غزوہ احزاب میں رأس المشرکین تھے غزوہ فتح میں مقام مرّالظہران میں مسلمانوں کی جاسوسی کرتے ہوئے گرفتار ہوئے حضرت عباس اُن کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپ ابو سفیان سے مروّت سے پیش آئے اور وہ اسلام لائے۔

قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مذمّم کہہ کر گالیاں دیا کرتے تھے۔ مگر آپ فرمایا کرتے "کیا تم تعجب نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ قریش کی دشنام و لعنت کو کس طرح مجھ سے باز رکھتا ہے۔ وہ مذمّم کہہ کر گالی دیتے اور لعنت کرتے ہیں حالانکہ میں محمد ہوں"[۱]۔

اعلان دعوت سے ساڑھے سترہ سال تک قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کو جو جو اذیتیں دیں۔ اُن کی داستان دُہرانے کی ضرورت نہیں۔ فتح مکہ کے دن وہی قریش مسجد حرام میں نہایت خوف و بیقراری کی حالت میں آپ کے حکم کے منتظر ہیں۔ آپ ان اذیتوں کا ذکر تک زبان مبارک پر نہیں لاتے۔ اور یہ حکم سناتے ہیں۔ اذھبوا فانتم الطلقاء (جاؤ تم آزاد ہو) اس عالی حوصلگی کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں پائی جاتی۔ اس عفو عام کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنگ حنین میں دو ہزار طلقاء لشکر اسلام میں شامل تھے۔

ہند بنت عتبہ (زوجۂ ابو سفیان بن حرب) جو حضرت امیر حمزہ کا کلیجہ چبا گئی تھیں فتح مکہ کے دن نقاب پوش ہو کر ایمان لائیں تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہچان نہ لیں۔ بیعت کے موقع پر بھی گستاخی سے باز نہ رہیں۔ ایمان لا کر نقاب اُٹھا دیا اور کہنے لگیں کہ میں ہند بنت عتبہ ہوں۔ مگر حضور رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی امر کا ذکر تک نہ کیا۔ یہ دیکھ کر ہند نے کہا "یارسول اللہ! روئے زمین پر کوئی اہل خیمہ میری نگاہ میں آپ کے اہل خیمہ سے زیادہ مبغوض نہ تھے۔ لیکن آج

[۱] صحیح بخاری کتاب المناقب۔ باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

میری نگاہ میں روئے زمین پر کوئی اہل خیمہ آپ کے اہل خیمہ سے زیادہ محبوب نہیں رہے[۱]۔"

عکرمہ بن ابی جہل قرشی مخزومی اپنے باپ کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت دشمن تھے۔ فتح مکہ کے دن وہ بھاگ کر یمن چلے گئے۔ اُن کی بیوی جو مسلمان ہو چکی تھی وہاں پہنچی۔ اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر صلہ رحم و احسان کرنے والے ہیں۔ غرض وہ عکرمہ کو بارگاہ رسالت میں لائی۔ عکرمہ نے آپ کو سلام کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے۔ اور ایسی جلدی سے اُن کی طرف بڑھے کہ چادر مبارک گر پڑی اور فرمایا[۲]۔

مرحبا بالراکب المهاجر	ہجرت کرنے والے سوار کو آنا مبارک ہو!

صفوان بن امیہ جاہلیت میں اشراف قریش میں سے تھے۔ اور اسلام کے سخت دشمن تھے۔ فتح مکہ کے دن بھاگ گئے تھے۔ حضرت عمیر بن وہب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ صفوان میری قوم کے سردار ہیں۔ وہ بھاگ گئے ہیں تاکہ اپنے آپ کو سمندر میں ڈال دیں۔ احمر و اسود کو آپ نے امان دی ہے۔ ان کو بھی امان دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ تو اپنے چچیرے بھائی کو لے آ۔ اُسے امان ہے۔ حضرت عمیر نے عرض کیا کہ امان کی کوئی نشانی چاہیئے۔ جو میں اُسے دکھا دوں۔ آپ نے اپنا عمامہ جو فتح مکہ کے دن پہنے ہوئے تھے عطا فرمایا۔ صفوان جدہ میں جہاز پر سوار ہونے کو تھے کہ حضرت عمیر جا پہنچے۔ اور ان کو مژدۂ امان سنایا۔ صفوان نے کہا کہ مجھے اپنی جان کا ڈر ہے۔ حضرت عمیر نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلم و کرم اِس سے برتر ہے۔ غرض صفوان حاضر خدمت اقدس ہوئے۔ اور عرض کیا کہ یہ عمیر کہتا ہے کہ آپ نے مجھے امان دی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ عمیر سچ کہتا ہے۔ یہ سُن کر صفوان نے کہا۔ یا رسول اللہ! دو ماہ کی مہلت دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ تجھے چار ماہ کی مہلت ہے[۳]۔ حضرت صفوان غزوہ طائف کے بعد برغبت ورضا ایمان لائے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محاصرہ طائف (شوال ۸ھ) سے واپس آنے لگے۔ تو صحابہ کرام نے عرض کیا۔ کہ آپ ثقیف پر بد دعا فرمائیں۔ مگر آپ نے یوں دعا فرمائی۔ اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثَقِیْفًا (خدایا! ثقیف کو ہدایت دے)۔ چنانچہ وہ دعا قبول ہوئی۔ اور ثقیف ۹ھ میں ایمان لائے۔

---

[۱] صحیح بخاری۔ باب ذکر ہند بنت عتبہ۔
[۲] اصابہ و سیرت حلبیہ۔
[۳] سیرت حلبیہ۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جعرّانہ میں غنائم حنین تقسیم فرمائیں۔ تو ایک منافق انصاری نے کہا کہ اس تقسیم سے رضائے خدا مطلوب نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے یہ ماجرا آپ سے عرض کیا۔ تو فرمایا "خدا موسیٰؑ پر رحم کرے۔ اُن کو اس سے زیادہ اذیت دی گئی۔ پس صبر کیا"[1]

جب ابوالعاص بن ربیع نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب کو مکّہ سے مدینہ میں بھیجا۔ تو راستے میں چند سفہائے قریش نے مزاحمت کی۔ ان میں سے ہبار بن اسود قرشی اسدی نے حضرت زینب کو اونٹ سے گرا دیا۔ وہ حاملہ تھیں۔ پتھر پر گریں۔ حمل ساقط ہو گیا اور اُن کو سخت چوٹ آئی۔ اور اسی میں جاں بحق ہوئیں۔ فتح مکّہ کے دن ہبار مذکور واجب القتل اشتہاریوں میں تھا۔ وہ مکّہ سے بھاگ گیا۔ اور چاہتا تھا کہ ایران چلا جائے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جعرّانہ سے واپس تشریف لائے۔ تو وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا۔ اور یوں عرض کرنے لگا۔ "یا نبی اللہ! میں آپ کے ہاں سے بھاگ کر شہروں میں پھرتا رہا۔ میرا ارادہ تھا کہ ایران چلا جاؤں پھر مجھے آپ کی نفع رسانی۔ صلہ رحمی اور عفو و کرم یاد آئے۔ مجھے اپنی خطا اور گناہ کا اعتراف ہے آپ درگزر فرمائیں"۔ یہ سُن کر آپ نے فرمایا "میں نے تجھے معاف کر دیا"[2]

کعب بن زہیر اور ان کے بھائی بُجیر ابرق عزاف میں بکریاں چراتے تھے۔ بجیر نے کعب سے کہا "تم یہاں ٹھیرو۔ میں اُس مدعی نبوت کے پاس جاتا ہوں۔ تاکہ دیکھوں وہ کیا کہتا ہے"۔ بجیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور آپ کا کلام سُن کر مسلمان ہو گئے۔ کعب کو یہ خبر لگی تو انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو اور اسلام کی توہین میں یہ اشعار بجیر کو لکھ بھیجے:-

الا ابلغا عنی بجیراً رسالة	آگاہ رہو۔ میری طرف سے بجیر کو یہ پیام پہنچا دو۔
فھل لک فیما قلت ویحک ھل لکا	کہ کیا تو نے دل سے کلمہ شہادت پڑھ لیا ہے۔ تجھ پر افسوس! کیا تو دل سے
سقاک ابو بکر بکأس رویة	ابوبکر نے تجھے سیراب کرنے والا پیالہ پلا دیا۔
فانھلک المامون منھا وعلکا	اور امین (حضرت محمدؐ) نے تجھے اس پیالے کا پہلی بار اور دوسری بار پلا دیا۔
ففارقت اسباب الھدی واتبعته	اس لئے تو اسباب ہدایت چھوڑ کر اُس کا پیرو بن گیا۔
علی ای شیٔ ویب غیرک دلکا	اُس نے تجھے کیا بتایا۔ تو اوروں کی طرح ہلاک ہو گیا۔

[1] صحیح بخاری۔ باب غزوۃ الطائف۔
[2] اصابہ۔ ترجمہ ہبار بن اسود۔

علیٰ خُلُقٍ لَمْ تلف امّاً ولا ابا	اُس نے ایسا مذہب بتایا۔ جس پر تو نے اپنے ماں باپ کو نہ پایا
عَلَیْہِ ولم تعرف علیہ اخالك	اور نہ اپنے بھائی کو اُس پر دیکھا۔
فان انت لم تفعل فلست بآسف	اگر تو نے میرا کہا نہ مانا۔ تو میں تجھ پر تاسف نہ کروں گا۔
ولا قائلٍ اما عثرت لعاً لك	اور تو ٹھوکر کھا کر گر پڑے۔ تو میں دعا نہ کروں گا کہ تو اٹھ کر کھڑا ہو جائے۔

حضرت بجیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ماجرا عرض کر دیا۔ آپ نے کعب کا خون ہدر فرما دیا۔ پھر حضرت بجیر نے کعب کو اطلاع دی اور ترغیب دی کہ حاضر خدمت اقدس ہو کر معافی مانگیں۔ چنانچہ وہ ۹ھ میں غزوہ تبوک سے پہلے حاضر خدمت ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت مسجد میں اپنے اصحاب میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ کعب سے واقف نہ تھے۔ کعب نے آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کعب بن زہیر مسلمان ہو کر امان طلب کرتا ہے اجازت ہو تو میں اُسے آپ کے پاس لے آؤں۔ آپ نے اجازت دی۔ پھر کعب نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کعب میں ہی ہوں۔ بعد ازاں اسلام لا کر انہوں نے اپنا قصیدہ پڑھا۔ جس میں اشعار تو طئہ کے بعد یہ شعر ہے:-

اُنْبِئْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ اَوْعَدَنِیْ	مجھے خبر دی گئی ہے کہ بارگاہ رسالت سے میری نسبت وعید قتل صادر ہوا ہے
وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ مَاْمُوْلُ	حالانکہ رسول اللہ سے عفو کی امید کی جاتی ہے۔

اِس قصیدے سے خوش ہو کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب کو اپنی چادر (بُردہ) عطا فرمائی۔ اور ان کی گذشتہ خطا کا ایک حرف بھی زبان پر نہ لائے۔[۱]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت امیر حمزہ کا قاتل وحشی بن حرب حبشی جنگ اُحد کے بعد مکہ میں رہا کرتا تھا۔ جب مکہ میں اسلام پھیلا۔ تو وہ بھاگ کر طائف چلا گیا۔ پھر وفد طائف کے ساتھ ماہ رمضان ۹ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور ایمان لایا۔ آپ نے اُن سے صرف اتنا فرمایا کہ مجھے اپنا چہرہ نہ دکھایا کرو۔[۲]

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاحش[۳] نہ تھے اور نہ متفحش۔

---

[۱] اصابہ وغیرہ۔
[۲] صحیح بخاری باب قتل حمزہ رضہ
[۳] فاحش کے معنی ہیں کلام میں بالطبع فحش کرنے والا۔ اور متفحش کے معنی تبکلف فحش کرنے والا ہیں۔

اور نہ بازار میں شور کرنے والے تھے۔ آپ بدی کا بدلہ بدی نہ دیا کرتے تھے بلکہ معاف کر دیتے اور درگزر فرماتے۔[۱]

اب ہم چند متفرق مثالیں اور پیش کرتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی نے مسجد نبوی میں پیشاب کر دیا۔ لوگ اُسے مار پیٹ کرنے کے لئے اُٹھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اُسے جانے دو۔ اور اس کے پیشاب پر ایک پانی کا ڈول بہا دو۔ کیونکہ تم نرم گیر بنا کر بھیجے گئے ہو سخت گیر بنا کر نہیں بھیجے گئے۔"[۲]

حضرت انس رضؓ کا بیان ہے۔ کہ ایک روز میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا۔ آپ سخت حاشیہ والی نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ ایک بدو آپ کے پاس آیا۔ اس نے آپ کی چادر کے ساتھ آپ کو ایسا سخت کھینچا کہ چادر پھٹ گئی۔ آپ کی گردن مبارک کو جو میں نے دیکھا۔ اس میں چادر کے حاشیہ نے اثر کیا ہوا تھا۔ پھر اس بدو نے کہا "اے محمد! آپ کے پاس جو خدا کا مال ہے اس میں سے کچھ میرے واسطے حکم کیجئے" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا۔ پھر ہنس کر اس کے لئے بخشش کا حکم دیا۔[۳]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خطا بخشی کا یہ عالم تھا کہ حسب بیان حضرت عائشہ صدیقہ آپ نے کبھی کسی عورت یا خادم کو اپنے دست مبارک سے نہیں مارا۔[۴]

حضرت زید بن سعنہ جو اجبار یہود میں سے تھے اپنے اسلام لانے کا قصہ یوں بیان کرتے ہیں۔ کہ میں نے تورات میں نبی آخرالزمان کی نبوت کی جو علامات پڑھی تھیں۔ وہ سب میں نے روئے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی پہچان لیں۔ صرف دو خصلتیں ایسی تھیں۔ جن کا آزمانا باقی رہا یعنی آپ کا حلم آپ کے غضب پر سبقت لے جاتا ہے۔ اور دوسرے کی شدت جہالت و ایذاء آپ کے حلم کو اور زیادہ کر دیتی ہے۔ ان دونوں کی آزمائش کے لئے میں موقع کا منتظر تھا اور آپ سے تلطف سے پیش آتا تھا۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولتخانہ سے نکلے۔ آپ کے

۱؎ شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
۲؎ صحیح بخاری۔ کتاب الادب۔ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسّروا ولا تعسّروا۔
۳؎ صحیح بخاری۔ کتاب الادب۔ باب التبسم والضحک۔
۴؎ ابوداؤد۔ کتاب الادب۔ باب فی التجاوز۔

ساتھ حضرت علی بن ابی طالب تھے۔ ایک سوار جو بظاہر کوئی بادیہ نشین تھا۔ آپ کی خدمت میں آیا۔ اور یوں عرض کرنے لگا۔ "یا رسول اللہ! فلاں قبیلے کے لوگ ایمان لائے ہیں۔ میں اُن سے کہا کرتا تھا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ۔ تو تمہیں رزق بکثرت ملے گا۔ اب اُن کے ہاں امساکِ باراں اور قحط ہے۔ یا رسول اللہ! مجھے اندیشہ ہے۔ کہیں وہ طمع کے سبب سے اسلام سے برگشتہ نہ ہو جائیں۔ کیونکہ طمع کے لئے ہی وہ اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ اگر آپ کی رائے مبارک ہو۔ تو کچھ ان کی دستگیری فرمائیے۔" یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پہلو میں ایک شخص (جو میرے گمان میں حضرت علی تھے) کی طرف دیکھا۔ اُس نے عرض کیا کہ اُس میں سے تو کچھ باقی نہیں رہا۔ یہ دیکھ کر میں آگے بڑھا۔ اور آپ سے کھجوروں کی مقدار معین میعاد معلوم پر خرید کی۔ اور اُس کی قیمت اسی مثقال سونا اپنی ہمیان سے نکال کر پیشتر دیدی۔ آپ نے وہ اسی مثقال اُس سوار کو دیدئے اور فرمایا کہ جلدی جاؤ اور اُس قبیلے کے لوگوں میں اسے تقسیم کر دو۔ جب میعاد کے ختم ہونے میں دو تین روز باقی رہ گئے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے جنازے کے ساتھ نکلے۔ آپ کے ہمراہ منجملہ دیگر اصحاب حضرت ابوبکر و عمر و عثمان تھے۔ جب آپ نمازِ جنازہ سے فارغ ہوئے۔ اور بیٹھنے کے لئے ایک دیوار کے قریب پہنچے۔ تو میں نے آگے بڑھ کر آپ کی قمیص اور چادر کے دامن پکڑ لئے۔ اور تند نگاہ سے آپ کی طرف دیکھ کر یوں کہا۔ "اے محمدؐ! کیا تو میرا حق ادا نہیں کرتا۔ اے عبدالمطلب کے خاندان والو! قسم بخدا تم ادائے حق سے گریز کرنے کے لئے حیلے حوالہ کیا کرتے ہو۔" حضرت عمر نے تیز نگاہ سے میری طرف دیکھ کر کہا۔ "او دشمن خدا! کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہتا ہے جو میں سن رہا ہوں۔ اور آپ کے ساتھ یہ سلوک کرتا ہے جو میں دیکھ رہا ہوں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے اگر مجھے مسلمانوں اور تیری قوم کے درمیان صلح کے فوت ہو جانے کا ڈر نہ ہوتا۔ تو اپنی تلوار سے تیرا سر اڑا دیتا۔" رسول اللہ علیہ وسلم نے آرام و آہستگی اور تبسم کی حالت میں حضرت عمر کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ "عمر! مجھے اور اُسے بجائے اس سختی کے اس بات کی زیادہ ضرورت تھی کہ تم مجھے حسنِ ادائے حق کا اور اُسے حسنِ تقاضا کا امر کرتے۔ اے عمر! اُس کو لے جاؤ۔ اور اُس کا حق ادا کر دو۔ اور اُسے جو تم نے دھمکایا ہے۔ اُس کے عوض میں بیس صاع کھجوریں اور دے دو۔"

حضرت عمر مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ اور میرا حق ادا کر دیا۔ اور بیس صاع کھجوریں علاوہ دیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ زائد کیسی ہیں۔ حضرت عمر نے اس کا جواب دیا۔ پھر میں نے کہا۔ عمر! کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟ جواب دیا کہ نہیں۔ میں نے کہا۔ کہ میں زید بن سعنہ ہوں۔ فرمایا۔ وہی زید جو یہودیوں کا عالم ہے؟ میں نے کہا۔ ہاں۔ پھر پوچھا کہ تو نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کیا؟ میں نے کہا۔ اے عمر! جس وقت میں نے روئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ وہ تمام علامات جو میں تورات میں پڑھا کرتا تھا موجود پائیں۔ اُن میں سے صرف دو علامتیں باقی تھیں جو میں نے اب آزما لیں"۔ اے عمر! میں تجھ کو گواہ بناتا ہوں کہ میں اللہ کو اپنا پروردگار اور اسلام کو اپنا دین اور محمدؐ کو اپنا پیغمبر ماننے پر راضی ہو گیا۔ اور میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ میرا آدھا مال امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر صدقہ ہے"۔ پھر حضرت عمر اور زید دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور حضرت زید نے بارگاہ رسالت میں اظہار اسلام کیا۔[1] اسلام لانے کے بعد حضرت زید بن سعنہ بہت سے غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے۔ اور غزوہ تبوک میں دشمن کی طرف بڑھتے ہوئے شہید ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

شفقت و رحمت اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ چنانچہ ارشاد باریتعالیٰ ہے:۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (انبیاء-ع۷) | اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ کو مگر رحمت بنا کر سارے جہان کے لئے۔

اِس لئے تمام مخلوقات آپ کی رحمت سے بہرہ ور ہے۔ جیسا کہ ذیل کے مختصر بیان سے واضح ہو گا۔

امت پر شفقت و رحمت اللہ تعالےٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں یوں فرماتا ہے:۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (توبہ۔ اخیر رکوع)

البتہ تحقیق تمہارے میں کا ایک پیغمبر تمہارے پاس آیا ہے۔ تمہاری تکلیف اس پر شاق گزرتی ہے۔ اس کو تمہاری ہدایت وصلاح کی حرص ہے۔ وہ ایمان والوں پر شفقت رکھنے والا اور مہربان ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ میں ذکر کر دیا کہ امت کی تکلیف ان پر شاق گذرتی ہے۔ ان کو شب و روز یہی خواہش دامنگیر ہے کہ اُمّت

---

[1] دلائل النبوۃ للحافظ ابی نعیم۔ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن۔

راہ راست پر آجائے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ آپ نے امت کی ہدایت و بہبودی کے لئے کیا کیا مصیبتیں جھیلیں۔ سخت سے سخت مصیبت میں بھی آپ نے بددعا نہ فرمائی بلکہ ہدایت کی دعا کی۔ ایمان والوں پر آپ کی شفقت و رحمت ظاہر ہے۔ اسی واسطے آپ نے کسی مقام پر امت کو فراموش نہیں فرمایا۔ بغرض توضیح چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:۔

جس روز آندھی یا آسمان پر بادل ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک میں غم و فکر کے آثار نمایاں ہوتے۔ اور آپ کبھی آگے بڑھتے اور کبھی پیچھے ہٹتے۔ جب بارش ہو جاتی۔ تو آپ خوش ہوتے اور حالت غم جاتی رہتی۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے آپ سے اس کا سبب دریافت کیا۔ تو فرمایا۔ کہ میں ڈرتا ہوں کہ مبادا (قوم عاد کی طرح) یہ عذاب ہو جو میری امت پر مسلط کیا گیا ہو۔[1]

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا مانگی:۔

اللھم من ولی من امر امتی شیئا فشق علیھم فاشقق علیه ومن ولی من امر امتی شیئا فرفق بھم فارفق به۔[2]	خدایا جو شخص میری امت کے کسی کام کا والی و متصرف بنایا جائے۔ پس وہ ان کو مشقت میں ڈالے۔ تو اس والی کو مشقت میں ڈال اور جو شخص میری امت کے کسی کام کا والی بنایا جائے پس وہ ان کے ساتھ نرمی کرے۔ تو اُس والی کے ساتھ نرمی کر:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کا اس قدر شوق تھا کہ آپ چاہتے تھے کہ میں بار بار شہید ہو کر زندہ ہوتا رہوں۔ مگر چونکہ امت میں سے ہر ایک پر واجب تھا کہ جہاد میں آپ کے ساتھ نکلے بفحوائے آیہ ذیل:۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ الآیہ (توبہ ع ۱۵)	نہ چاہئے مدینہ کے رہنے والوں کو اور اُن اعراب کو جو اُن کے گرد میں کہ پیچھے رہ جائیں رسول خدا سے اور نہ یہ کہ رسول کی جان سے اپنی جان کو زیادہ چاہیں:۔

اس لئے آپ سرایا میں لشکر اسلام کے ساتھ بدیں خیال تشریف نہ لے جایا کرتے تھے کہ اگر میں ہر فوج کے ہمراہ جاؤں۔ تو مسلمانوں کی ایک جماعت پیچھے رہ جائے گی۔ کیونکہ میرے

---

[1] صحیح مسلم۔ کتاب صلوٰۃ الاستسقاء۔

[2] مشکوٰۃ بحوالہ مسلم۔ کتاب الامارۃ والقضاء۔

پاس اِس قدر گھوڑے اونٹ نہیں کہ سب کو سوار کر کے ساتھ لے جاؤں اور نہ اُن میں استطاعت ہے کہ سوار ہو کر میرے ساتھ چلیں۔ اِس طرح پیچھے رہ جانے والے گنہگار اور ناخوش وشکستہ دل ہوں گے۔[1]

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ عزوجل کا قول حضرت ابراہیمؑ کی نسبت رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ الآیہ اور حضرت عیسیٰؑ کا قول اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ تلاوت فرمایا۔ پھر اپنے دونوں ہاتھ اُٹھا کر یوں دعا کی۔ اَللّٰهُمَّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ (خدایا میری اُمت میری اُمت)۔ اور رو پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیلؑ کو حکم دیا کہ محمدؐ کے پاس جاؤ اور (حالانکہ تیرا پروردگار خوب جانتا ہے) اُن سے رونے کا سبب دریافت کرو۔ حضرت جبرئیلؑ نے حاضر خدمت ہو کر رونے کا سبب پوچھا۔ آپ نے بتادیا۔ (حالانکہ خدا کو خوب معلوم ہے) اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ اے جبرئیلؑ! محمدؐ کے پاس جاؤ اور اُن سے کہہ دو کہ ہم آپ کو آپ کی اُمت کے بارے میں راضی کردیں گے اور غمگین نہ کریں گے![2]

حضرت ابو ہریرہ کا بیان ہے کہ جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو مومن مرجائے اور مال چھوڑ جائے۔ تو وہ اُس کے وارثوں کو خواہ کوئی ہوں ملنا چاہیئے۔ اور جو مومن قرض یا (محتاج) عیال چھوڑ جائے۔ تو چاہیئے کہ قرضخواہ یا عیال میرے پاس آئے۔ کیونکہ میں اُس کا ولی و متکفل ہوں۔[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رات نماز تراویح اپنے اصحاب کرام کو پڑھائی۔ چوتھی رات صحابہ کرام بکثرت مسجد میں جمع ہوئے اور انتظار کرتے رہے۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف نہ لائے۔ صبح کی نماز کے بعد آپ نے یوں تقریر فرمائی[4]:-

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّهُ لَمْ يَخْفَ عَلَيَّ مَكَانُكُمْ وَلٰكِنِّيْ	امابعد تمہارا مسجد میں جمع ہونا مجھ پر پوشیدہ نہ تھا لیکن میں

[1] صحیح مسلم۔ باب فضل الجہاد۔
[2] صحیح مسلم۔ باب دعاء النبی صلے اللہ علیہ وسلم لامتہ وبکائہ شفقۃ علیہم۔
[3] صحیح بخاری۔ کتاب فی الاستقراض۔ باب الصلوٰۃ علی من ترک دینا۔
[4] صحیح بخاری۔ کتاب الجمعۃ۔ باب من قال فی الخطبۃ بعد الثناء امابعد۔

خَشِیْتُ اَنْ تُفْرَضَ عَلَیْکُمْ فَتَعْجِزُوْا عَنْھَا	ڈر گیا کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض ہو جائے۔ اور تم اس کے ادا کرنے سے عاجز آ جاؤ۔

نماز تراویح کی طرح بعضے اور افعال کو آپ نے صرف اس ڈر سے ترک کر دیا کہ کہیں امت پر فرض نہ ہو جائیں۔ ہر نماز کے لئے مسواک کا ترک کرنا۔ تاخیر عشاء کا ترک کرنا۔ اور صوم وصال سے منع فرمانا اسی قبیل سے ہیں۔

یہ آپ کی شفقت ہی کا باعث تھا کہ دین و دنیا میں امت کے لئے تخفیف و آسانی ہی مدنظر رہی۔ چنانچہ جب آپ کو دو امروں میں اختیار دیا جاتا۔ تو آپ ان میں سے آسان کو اختیار فرماتے بشرطیکہ وہ آسان موجب گناہ نہ ہوتا۔ اور اگر ایسا ہوتا۔ تو آپ سب سے بڑھ کر اُس سے دُور رہنے والے تھے۔[1]

شبِ معراج میں پہلے پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ بارگاہ رب العزت سے واپس آتے ہوئے جب آپ آسمان ششم میں حضرت موسیٰؑ کے پاس سے گزرے۔ تو انہوں نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا حکم ملا ہے؟۔ آپ نے فرمایا کہ ہر روز پچاس نمازوں کا حکم ملا ہے حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا کہ آپ کی اُمت ہر روز پچاس نمازیں نہ پڑھ سکے گی۔ آپ اپنی امت سے بوجھ کو ہلکا کرائیں۔ چنانچہ آپ درگاہ رب العزت میں بار بار حاضر ہو کر تخفیف کراتے رہے۔ یہاں تک کہ پانچ رہ گئیں اور آپ اِس پر راضی ہو گئے۔ (صحیحین)۔

جب شب معراج میں حضور مقام قاب قوسین میں پہنچے۔ تو بار تیعالےٰ کی طرف سے آپ پر یوں سلام پیش ہوا:۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ	اے نبی! تم پر سلام اور اللہ کی رحمت اور برکتیں۔

اِس کے جواب میں آپ نے عرض کیا:۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ	سلام ہم پر اور اللہ کے نیک بندوں پر۔

اس جواب میں حضور نے عباد صالحین کو الگ ذکر کر کے گنہگاران امت کو غایت کرم سے سلام میں اپنے ساتھ شامل رکھا۔ اور اسی واسطے صیغہ جمع (علینا) استعمال فرمایا۔

---

[1] صحیح بخاری۔ باب قول النبی صلے اللہ علیہ وسلم یسروا ولا تعسروا۔

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میرا حال اور میری امت کا حال اُس شخص کی مثل ہے۔ جس نے آگ روشن کی۔ پس ٹڈیاں اور پروانے اُس میں گرنے لگے۔ اور وہ ان کو آگ سے ہٹاتا تھا۔ سو میں کمر سے پکڑ کر آگ سے بچانے والا ہوں۔ اور تم میرے ہاتھ سے چھوٹتے ہو[عٰہ] (اور آگ میں گرنا چاہتے ہو)۔

قیامت کے دن لوگ بغرض شفاعت یکے بعد دیگرے دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس جائیں گے۔ مگر وہ سب عذر پیش کریں گے۔ آخرکار حضور شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ آپ حمد و ثناء کے بعد سجدے میں گر پڑیں گے۔ باریتعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہو گا کہ سر سجدے سے اُٹھائیے۔ جو کچھ مانگئے۔ دیا جائے گا۔ شفاعت کیجئے۔ آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ اُس وقت آپ یوں عرض کریں گے۔ یَارَبِّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ۔ اے میرے پروردگار! میری امت میری امت (صحیحین)۔ اب عالم برزخ میں ہر روز آپ پر اُمت کے اعمال پیش ہوتے ہیں۔ اچھے عملوں کو دیکھ کر آپ خدا کا شکر اور بُرے عملوں کو دیکھ کر مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔ جیسا کہ آگے آئے گا۔

کافروں پر رحمت | پہلی اُمتوں میں نافرمانی پر عذاب الٰہی ہوتا تھا۔ مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وجود باجود کی برکت سے کفار عذاب دنیوی سے محفوظ رہے؛

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (انفال ع۴) | اور خدا اُن کو عذاب نہ کرے گا جب تک تو اُن میں ہے؛

بلکہ عذاب استیصال کفار سے تا قیامت مرفوع ہے؛

ایک دفعہ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ مشرکین پر بددعا کریں۔ آپ نے فرمایا۔ "میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ میں تو صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں[۱]"۔

حضرت طفیل بن عمرو دوسی کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ دَوس میں دعوت اسلام کے لئے بھیجا تھا۔ انہوں نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یوں عرض کیا "قبیلہ دَوس ہلاک ہو گیا۔ کیونکہ انہوں نے نافرمانی کی اور اطاعت سے انکار کر دیا۔ آپ اُن پر بددعا کریں"۔ لوگوں کو گمان ہوا کہ آپ بددعا کرنے لگے ہیں۔ مگر آپ نے یوں دعا[۲] فرمائی:۔

---

[۱] مشکوٰۃ بحوالہ صحیح مسلم۔ باب فی اخلاقہ و شمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

[۲] صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب قصۃ دوس؛

[عٰہ] صحیح مسلم۔ باب شفقتہ صلے اللہ علیہ وسلم علیٰ امتہ

اَللّٰھُمَّ اھْدِ دَوْسًا وَّائْتِ بِھِمْ	خدایا! قبیلہ دوس کو ہدایت دے اور ان کو مسلمان کر کے لا۔[1]

جب طائف سے محاصرہ اُٹھا لیا گیا۔ تو صحابہ کرام نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! ہم کو قبیلہ ثقیف کے تیروں نے جلا دیا۔ آپ اُن پر بد دعا کریں"۔ مگر آپ نے یوں دعا[1] فرمائی۔

اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثَقِیْفًا	خدایا! تو ثقیف کو ہدایت دے۔

جنگ اُحد میں دانت مبارک شہید ہو گیا تھا اور چہرہ مبارک خون آلودہ تھا۔ مگر زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے:۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ	خدایا! میری قوم کا یہ گناہ معاف کر دے کیونکہ وہ نہیں جانتے۔

جب قریش نے ازروئے تعنت وعناد ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا کی "یا اللہ! ان پر حضرت یوسفؑ کے سات سالوں کی طرح سات سال قحط لا"۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ قریش نے ہڈیاں اور مردار کھائے۔ اس حالت میں ابوسفیان نے حاضر خدمت ہو کر یوں عرض کیا "یا محمدؐ! آپ کی قوم ہلاک ہو گئی۔ اللہ سے دعا کیجئے کہ ان کی مصیبت دور ہو جائے"۔ پس حضور رحمۃ للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور وہ مصیبت دور ہو گئی۔[2]

حضرت ثمامہ بن اثال یمامی کے ایمان لانے کا قصہ پہلے آ چکا ہے۔ وہ اسلام لا کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے عمرہ کے لئے مکہ میں آئے۔ مشرکین میں سے کسی نے ان سے کہا کہ تم ہمارے دین سے برگشتہ ہو گئے۔ ثمامہ نے کہا کہ میں نے دین محمدی جو خیر الادیان ہے اختیار کر لیا ہے۔ "خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر غلہ کا ایک دانہ تم تک نہ پہنچے گا[3]۔ مکہ میں غلہ یمامہ سے آیا کرتا تھا۔ جب یمامہ سے غلہ کی آمد بند ہو گئی۔ تو قریش میں کال پڑ گیا۔ انہوں نے تنگ آ کر صلہ رحم کا واسطہ دے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لکھا۔ آپ نے حضرت ثمامہ کو لکھا کہ یہ بندش اُٹھا دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا[4]۔

---

[1] مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی۔ باب مناقب قریش وذکر القبائل۔
[2] صحیح بخاری۔ تفسیر سورہ دخان۔
[3] صحیح بخاری۔ باب وفد بنی حنیفہ۔
[4] سیرت ابن ہشام۔ اسر ثمامہ بن اثال الحنفی واسلامہ۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر بیان کرتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں میری ماں میرے پاس آئی۔ وہ مشرکہ تھی۔ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دریافت کیا کہ وہ کچھ مانگتی ہے۔ کیا میں اس سے صلہ رحم کروں؟ حضور نے فرمایا[۱]۔

نَعَمْ صِلِی اُمَّكِ | ہاں۔ تو اپنی ماں سے صلہ رحم کر۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک منافقین کے ساتھ قابل غور ہے۔ یہ لوگ سامنے تو چاپلوسی کیا کرتے تھے۔ مگر پیٹھ پیچھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اذیت دیا کرتے تھے۔ باوجود علم کے آپ ان کے ساتھ خُلق سے پیش آتے۔ اُن کے لئے استغفار فرماتے۔ اور اُن کے جنازے کی نماز پڑھا کرتے یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ نے منع فرمادیا۔

عورتوں پر شفقت و رحمت | اسلام سے پہلے یہ صنف نازک قعر مذلت میں گری ہوئی اور مردوں کے استبداد کا تختہ مشق بنی ہوئی تھی۔ عرب میں ازدواج کی کوئی حد نہ تھی۔ چنانچہ حضرت غیلان ثقفی ایمان لائے۔ تو اُن کے تحت میں دس عورتیں تھیں۔ جب کوئی شخص مرجاتا۔ تو اُس کا بیٹا اپنی سوتیلی ماں کو وراثت میں پاتا۔ وہ خود اس سے شادی کرلیتا۔ یا اپنے بھائی یا قریبی کو شادی کے لئے دے دیتا۔ ورنہ نکاح ثانی سے منع کرتا۔ اسی طرح اور خرابیاں بھی تھیں۔ جن کا ذکر پہلے آچکا ہے؛

ہندوستان میں کثرت ازدواج اور نیوگ کو جائز سمجھا جاتا تھا۔ شوہر مرجاتا۔ تو بیوہ نکاح ثانی نہ کرسکتی تھی۔ بلکہ اُسے دنیا میں زندہ رہنے کا کوئی حق نہ تھا۔ وہ شوہر کی چتا میں زندہ جل کر بھسم ہوجاتی۔ اور ستی کا پوتر لقب حاصل کرتی۔ طرفہ یہ کہ ایسا حکم صرف عورت ہی کے لئے تھا۔ شوہر عورت کی چتا میں نہ جلتا؛

بعض ملکوں مثلاً تبت میں کثرت ازدواج کا عکس پایا جاتا تھا۔ اگر عورت ایک مرد سے شادی کرتی۔ تو وہ اُس مرد کے دوسرے بھائیوں کی بھی زوجہ سمجھی جاتی تھی۔ مجوسیوں کے ہاں بیٹی اور ماں سے بھی نکاح جائز سمجھا جاتا تھا؛

مسیحی بیاض تعلیم میں عورت کی عزت و احترام کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ خود حضرت مسیح علیہ السلام

---

[۱] بخاری۔ باب الہدیۃ للمشرکین۔

اپنی والدہ ماجدہ کو اے عورت کہتے ہیں (یوحنا باب ۱۹۔ آیہ ۲۶)۔ اور ستم دیکھئے۔ شوہر عنین ہو۔ خصی ہو۔ مجبوب ہو۔ مجنون ہو یا سزا یافتہ حبس دوام ہو۔ ان حالات میں انجیل مقدس نے عورت کی خلاصی کی کوئی صورت نہیں بتائی مگر یہ کہ زنا جیسے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے (متی۔ باب ۵۔ آیہ ۳۲۔ باب ۱۹۔ آیہ ۹)۔

جزیرہ پاپوا (نیوگنی) کے قدیم باشندوں کے حالات جو اب معلوم کئے گئے ہیں اُن سے پایا جاتا ہے۔ کہ "اُن میں شوہر کو اپنی عورت پر پورا اختیار حاصل تھا۔ وہ اپنے شوہر کا مال تھی۔ کیونکہ خاوند اُس کے لئے ایک رقم ادا کیا کرتا تھا۔ بعض حالات میں شوہر اُس کو قتل کر سکتا تھا"[۱]

دنیا کے کسی مذہب میں والدین یا شوہر کے ترکہ میں عورت کا کوئی حق نہ تھا۔ اور اب تک بھی اسلام کے سوا کسی مذہب نے عورت کو ترکہ میں کسی کا حقدار نہیں ٹھہرایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے اس ذلیل و مظلوم گروہ کی وہ حق رسی ہوئی کہ دنیا کے کسی مذہب میں نہیں پائی جاتی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورت کو عزت و احترام کے دربار میں مردوں کے برابر جگہ دی۔ اور مذکورہ بالا مفاسد کا انسداد فرما دیا۔

اسلام سے پہلے کثرت ازدواج کی کوئی حد نہ تھی جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔ اسلام نے اُسے بصورت ضرورت چار تک محدود کر دیا۔ اور چار کو بھی شرط عدل پر معلق رکھا۔ بصورت فقدان عدل صرف ایک پر مقصور کر دیا۔ مرد عورت پر حاکم ہے۔ اس لئے رعیت کا تعدد ایک حد تک جائز رکھا گیا۔ مگر حاکم کا تعدد جائز نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ایک عورت کے متعدد شوہر نہیں ہو سکتے۔ قرآن مجید میں محرّمات کی تفصیل موجود ہے جن میں ماں اور بیٹی داخل ہیں۔ خودکشی خواہ کسی طرح ہو منع ہے۔ چنانچہ ارشاد باریتعالیٰ ہے:۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (نساء۔ ع ۵)	اور نہ مار ڈالو اپنے آپ کو

حُسنِ معاشرت کی تاکید

باریتعالیٰ عزّ اسمہ کا ارشاد ہے:۔

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (نساء۔ ع ۳)	عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے سے بود و باش رکھو۔

اگر عورت سرکشی اختیار کرے۔ تو مرد کو اُسے قتل کرنے کا اختیار نہیں۔ بلکہ پہلے اُسے سمجھائے۔ نہ سمجھے تو

[۱] نیلسن کی انسائیکلو پیڈیا۔ تحت لفظ women

گھر میں اُس سے جدا سوئے۔ پھر آخر درجہ مارے بھی۔ تو نہ ایسا کہ ضرب شدید پہنچے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے:۔

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ وَاھْجُرُوْھُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ ج (نساء۔ ع)

اور جن عورتوں کی سرکشی کا تم کو ڈر ہو تم ان کو نصیحت کرو۔ اور خوابگاہ میں اُن کو جدا کرو اور ان کو مارو۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ (ترمذی ودارمی وابن ماجہ)

تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے اہل کے لئے سب سے اچھا ہو اور میں اپنے اہل کے لئے تم سب سے اچھا ہوں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مردوں کو عورتوں کی کج خُلقی پر صبر کی وصیّت یوں فرماتے ہیں۔

اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَیْرًا فَاِنَّ الْمَرْأَۃَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ وَاِنَّ اَعْوَجَ شَیْءٍ فِی الضِّلَعِ اَعْلَاہُ فَاِنْ ذَھَبْتَ تُقِیْمُہٗ کَسَرْتَہٗ وَاِنْ تَرَکْتَہٗ لَمْ یَزَلْ اَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ

(بخاری باب خلق آدم وذریتہ)

میں جو تمہیں عورتوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کی وصیت کرتا ہوں۔ تم میری وصیت کو قبول کرو۔ کیونکہ عورت استخوانِ پہلو سے پیدا کی گئی ہے۔ اور استخوان پہلو میں سب سے ٹیڑھی چیز اس کا حصہ بالائی ہے۔ اگر تم اُس استخوان کو سیدھا کرنے لگو گے۔ تو اُسے توڑ دو گے۔ اور اگر اُسے چھوڑ دو گے تو وہ ٹیڑھی رہے گی۔ پس تم عورتوں کے بارے میں میری وصیت کو قبول کرو۔

عورتوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اس قدر تھی۔ کہ اگر آپ نماز کی حالت میں کسی بچہ کی آواز سُنتے۔ تو اُس کی ماں کی مشقّت کے خیال سے نماز میں تخفیف فرماتے (بخاری باب الایجاز فی الصلوٰۃ واکمالہا)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سیاہ فام غلام انجشہ نام تھے۔ وہ اونٹوں کے آگے حدی پڑھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ سفر میں ازواج مطہرات ساتھ تھیں۔ اونٹ تیز چلنے لگے۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔

وَیْحَكَ یَا اَنْجَشَۃُ رُوَیْدَكَ بِالْقَوَارِیْرِ (بخاری کتاب الادب)

انجشہ! دیکھنا۔ شیشوں کو آہستہ لے چل۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق مکّہ میں حضرت زبیر بن العوام کے نکاح میں آئیں حضرت زبیر کے پاس ایک گھوڑے اور ایک آبکش اونٹ کے سوا کوئی مال ومملوک نہ تھا۔ اس لئے حضرت اسماء گھر کے کام کے علاوہ گھوڑے کے لئے گھاس لاتیں۔ اور اونٹ کو کھجور کی گٹھلیاں

کوٹ کر کھلاتیں۔ چنانچہ آپ بیان فرماتی ہیں کہ میں اُس زمین سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہجرت کے بعد اموال بنی نضیر میں سے) حضرت زبیر کو عطا فرمائی تھی اور جو میرے مکان سے دو میل کے فاصلے پر تھی کھجور کی گٹھلیاں اپنے سر پر لاد کر لایا کرتی تھی۔ ایک روز میں آرہی تھی اور گٹھلیاں میرے سر پر تھیں۔ اس حالت میں میری نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی۔ آپ کے ساتھ انصار کی ایک جماعت تھی۔ آپ نے مجھے آواز دی۔ اور اونٹ کو بٹھا دیا تاکہ مجھے اپنے پیچھے سوار کر لیں۔ میں مردوں کے ساتھ چلنے سے شرما گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے تشریف لے گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت ابوبکر نے ایک خادمہ میرے پاس بھیج دی جو گھوڑے کی خدمت کیا کرتی تھی۔ اس طرح صدیق اکبر نے مجھ کو گویا غلامی سے آزاد کر دیا[۱]۔

صحیح مسلم کی دوسری روایت میں حضرت اسماء کا بیان ہے کہ میں حضرت زبیر کے ہاں گھر کا کام کیا کرتی تھی۔ ان کا ایک گھوڑا تھا جس کی نگہبانی میرے ذمہ تھی۔ گھوڑے کی نگہبانی سے زیادہ سخت اور کوئی خدمت نہ تھی۔ میں اُس کے لئے گھاس لاتی۔ اس کی خدمت و نگہبانی کرتی۔ کچھ عرصہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غلام آئے۔ آپ نے ایک خادمہ حضرت اسماء کو عطا فرمائی جو گھوڑے کی خدمت کیا کرتی تھی[۲]۔ ہر دو روایت میں وجہ تطبیق یوں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ باندی حضرت ابوبکر کے ہاں بھیج دی تاکہ وہ حضرت اسماء کے پاس بھیج دیں۔

عورتوں کے حقوق

اسلام میں از روئے قرآن و حدیث عورتوں کے حقوق ثابت ہیں۔ چنانچہ باریتعالےٰ عزاسمہٗ کا ارشاد ہے:۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (بقرہ۔ ع ۲۸)	اور عورتوں کا (مردوں پر) حق ہے جیسا کہ (مردوں کا) عورتوں پر ہے ساتھ انصاف کے اور مردوں کو اُن پر درجہ (فوقیت) ہے۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ عورتوں کے مردوں پر حقوق ہیں جیسا کہ مردوں کے عورتوں پر ہیں

۱؎ صحیح بخاری۔ کتاب النکاح۔ باب الغیرۃ۔
۲؎ صحیح مسلم۔ باب جواز ارداف المرأۃ الاجنبیۃ اذا اعیت فی الطریق۔

ازدواجی زندگی میں نباہ نہ ہونے کی صورت میں اگر مرد کو طلاق کا حق ہے۔ تو دوسری طرف عورت کو خُلع کا اختیار دیا گیا ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا۔ (نساء۔ ع)	مردوں کے لئے حصہ ہے اُس چیز سے کہ چھوڑ گئے ہیں ماں باپ اور قرابتی اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اُس چیز سے کہ چھوڑ گئے ہیں ماں باپ اور قرابتی تھوڑا ہو اُس میں سے یا بہت ہو۔ حصہ مقرر کیا ہوا۔

اس آیت کی رو سے عورتیں اپنے ماں باپ اور قرابتیوں کی وارث ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں یوں[1] ارشاد فرمایا:۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللّٰهِ۔	پس عورتوں کے معاملہ میں تم خدا سے ڈرو۔ کیونکہ تم نے اُن کو عہد خدا کے ساتھ لیا ہے۔

ایک روز عورتوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا۔ کہ آپ کے ہاں ہر روز مردوں کا ہجوم رہتا ہے۔ آپ ہمارے واسطے ایک خاص دن مقرر فرمائیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں کے لئے ایک دن خاص کر دیا۔ وہ اُس دن حاضر خدمت اقدس ہوتیں۔ آپ ان کو وعظ ونصیحت فرماتے۔[2]

حقوق النساء کی تفصیل کے لئے مطوّلات کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

یتامیٰ ومساکین وبیوگان پر شفقت ورحمت	یتیموں اور غریبوں پر آپ کی بڑی شفقت تھی۔ چنانچہ یتیم کی خبر گیری کرنے والے کا درجہ بتانے کے لئے آپ نے اپنی انگشت سبابہ ووسطیٰ

کے درمیان کچھ کشادگی رکھ کر فرمایا:۔ "میں اور یتیم کا متکفل خواہ یتیم اُس کے رشتہ داروں میں سے ہو یا اجنبیوں میں سے ہو بہشت میں یوں ہوں گے"۔[3]

حضرت ابوامامہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص محض رضائے خدا کے لئے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرتا ہے۔ اُس کے لئے ہر بال کے مقابلہ میں جس پر اُس کا ہاتھ پھرتا ہے

[1] مشکوٰۃ۔ باب قصۃ حجۃ الوداع۔
[2] بخاری۔ کتاب العلم۔ باب ھل یجعل للنساء یوم علی حدۃ فی العلم۔
[3] مشکوٰۃ۔ بحوالہ صحیح بخاری۔ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق۔

نیکیاں ہیں۔ اور جو کسی یتیم لڑکے یا لڑکی کے ساتھ (جو اُس کی کفالت میں ہو) نیکی کرتا ہے میں اور وہ بہشت میں اِن دو انگلیوں (آپ نے سبابہ و وسطےٰ کو ملا کر اشارہ فرمایا) کی مانند ہوں گے۔[1]

ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرا دل سخت ہے۔ اس کا علاج کیا ہے؟۔ آپ نے فرمایا کہ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔[2]

حضرت اسماء بنت عمیس (زوجہ حضرت جعفر طیار) بیان کرتی ہیں۔ کہ جس دن حضرت جعفر (غزوہ موتہ میں) شہید ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے ہاں قدم رنجہ فرمایا۔ میں اُس دن چالیس کھالوں کی دباغت کر چکی تھی اور آٹا پیس کر اپنے بچوں کو نہلا دھلا کر تیل مل چکی تھی کہ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ فرمایا۔ اسماء! جعفر کے بچے کہاں ہیں؟۔ میں نے ان کو حاضر خدمت کیا۔ آپ نے اُن کو سینہ سے لگا لیا۔ پھر آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ رو پڑے۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! شاید آپ کو جعفر کی طرف سے کچھ خبر آئی ہے۔ فرمایا۔ ہاں۔ وہ آج شہید ہو گئے۔ یہ سُن کر میں چلّانے لگی۔ عورتیں جمع ہو گئیں۔ فرمانے لگے۔ اسماء! لغو نہ بول اور سینہ نہ پیٹ۔ پھر آپ حضرت فاطمہ زہراء کے ہاں تشریف لے گئے۔ وہ بولیں ہائے چچا!۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جعفر جیسے پر عورتوں کو رونا چاہئے۔[3]

بیوگان و مساکین کی خبر گیری کا ثواب آپ نے یوں بیان فرمایا۔ "بیوگان و مساکین پر خرچ کرنے والا راہِ خدا (جہاد و حج) میں خرچ کرنے والے کی مانند ہے۔"[4]

حضرت انس روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا کی۔

اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْنِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ	خدایا! مجھے مسکین زندہ رکھ اور مجھے مسکین موت دے اور قیامت کے دن غریبوں کے گروہ میں میرا حشر کر۔

حضرت عائشہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ کیوں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ دولتمندوں سے چالیس سال پہلے بہشت میں جائیں گے۔ اے عائشہ! کسی مسکین کو اپنے دروازے سے نامراد نہ پھیرنا۔

---

[1] مشکوٰۃ بحوالہ احمد و ترمذی۔ باب الشفقۃ۔
[2] مشکوٰۃ بحوالہ احمد۔ باب الشفقۃ۔
[3] طبقات ابن سعد۔ جزو ثانی۔ ص ۱۲۸
[4] مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین۔ باب الشفقۃ۔

گو نصف خرما ہی کیوں نہ ہو۔ اے عائشہ! غریبوں سے محبت رکھ اور ان کو اپنے سے نزدیک کر۔ خدا تجھے قیامت کے دن اپنے سے نزدیک کرے گا۔[1]

بچوں پر شفقت و رحمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بچوں پر نہایت شفقت فرماتے تھے۔ بچے آپ کی خدمت میں بغرض دعا و تحنیک لائے جاتے تھے۔ ایک روز ام قیس بنت محصن اپنے شیر خوار بچہ کو خدمت اقدس میں لائی۔ آپ نے اُس بچہ کو اپنی گود میں بٹھالیا۔ اُس نے آپ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا۔ آپ نے اُس پر پانی بہادیا[2] اور کچھ نہ کہا۔

آپ بچوں کو چومتے اور پیار کرتے۔ ایک روز آپ حضرت حسن بن علی کو چوم رہے تھے۔ اقرع بن حابس تمیمی آپ کے پاس بیٹھے تھے۔ دیکھ کر کہنے لگے۔ کہ میرے دس لڑکے ہیں۔ میں نے اُن میں سے کسی کو نہیں چوما۔ آپ نے فرمایا۔ "جو رحم نہیں کرتا۔ اُس پر رحم نہیں کیا جاتا۔" ایک بدو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگا۔ کہ تم بچوں کو چومتے ہو۔ ہم نہیں چومتے۔ آپ نے فرمایا۔ "جب اللہ تمہارے دل سے رحمت نکال لے۔ تو میں کیا کر سکتا ہوں۔[3]"

حضرت جابر بن سمرہ بیان کرتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ظہر پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ دولتخانہ کو تشریف لے گئے۔ میں آپ کے ساتھ ہولیا۔ راستے میں بچے ملے۔ آپ نے ہر ایک کے رخساروں پر دست شفقت پھیرا۔ اور میرے رخساروں پر بھی پھیرا۔ میں نے آپ کے دست مبارک کی ٹھنڈک یا خوشبو ایسی پائی کہ گویا آپ نے اپنا ہاتھ مبارک عطار کے صندوقچہ میں سے نکالا تھا۔[4]

جب آپ کا گزر بچوں پر ہوتا۔ تو اُن کو سلام کہا کرتے تھے۔[5]

حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کا بیان ہے۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر سے تشریف لاتے۔ تو آپ کے اہلبیت کے بچے خدمت شریف میں لائے جاتے ایک دفعہ

---

[1] ترمذی۔ ابواب الزہد۔

[2] صحیح بخاری۔ کتاب الوضوء۔ باب بول الصبیان۔

[3] صحیح بخاری۔ کتاب الادب۔ باب رحمۃ الولد و تقبیلہ۔

[4] صحیح مسلم۔ طیب ریحہ صلے اللہ علیہ وسلم۔

[5] صحیح بخاری۔ کتاب الاستیذان۔ باب التسلیم علی الصبیان۔

آپ کسی سفر سے تشریف لائے۔ تو پہلے مجھے خدمت شریف میں لے گئے۔ آپ نے مجھے اپنے آگے سوار کرلیا۔ پھر حضرت فاطمہ زہراؓ کے دو لڑکوں میں سے ایک لائے گئے۔ آپ نے ان کو اپنے پیچھے سوار کرلیا۔ اس طرح تینوں ایک سواری پر داخل مدینہ ہوئے[1]۔

فتح مکّہ کے دن جب آپ مکّہ میں تشریف لائے۔ تو حضرت عباس کے صاحبزادوں قثم اور فضل کو اپنی سواری پر آگے پیچھے بٹھالیا[2]۔

حضرت ابو رافع بن عمرو غفاری کے چچا بیان کرتے ہیں۔ کہ میں لڑکپن میں انصار کے نخلستان میں جاتا۔ اور درختوں پر ڈھیلے مارتا۔ تب مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گئے۔ آپ نے پوچھا۔ لڑکے! تو درختوں پر ڈھیلے کیوں مارتا ہے؟ میں نے کہا کہ کھجوریں کھانے کے لئے۔ آپ نے فرمایا۔ ڈھیلے نہ مارا کرو۔ کھجوریں جو نیچے گری ہوں کھالیا کرو۔ پھر آپ نے میرے سر پر دست شفقت پھیرا اور یوں دعا فرمائی "خدایا! اس کا پیٹ بھر دے[3]۔"

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ فصل کا کوئی پھل پکتا۔ تو لوگ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا کرتے۔ آپ اس پر یہ دعا پڑھا کرتے "خدایا! ہمیں اپنے مدینہ میں اور اپنے پھل میں اور اپنے مُد میں اور اپنے صاع میں برکت دے۔" اس دعا کے بعد بچے جو حاضر خدمت ہوا کرتے اُن میں سے سب سے چھوٹے کو وہ پھل عنایت فرماتے[4]۔

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ایک عورت میرے پاس آئی۔ اس کے ساتھ دو لڑکیاں تھیں۔ اس نے مجھ سے کچھ مانگا۔ اُس وقت میرے پاس صرف ایک کھجور تھی۔ میں نے وہی اسے دے دی۔ اس نے دونوں لڑکیوں میں تقسیم کردی۔ پھر وہ چلی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے۔ تو میں نے یہ قصہ آپ سے عرض کردیا۔ آپ نے فرمایا "جس شخص کے ہاں لڑکیاں ہوں اور وہ اُن کی پرورش اچھی طرح کرے۔ تو وہ آتش دوزخ اور اُس کے درمیان حائل ہو جائیں گی[5]۔"

---

[1] مشکوٰۃ بحوالہ مسلم۔ باب آداب السفر۔
[2] صحیح بخاری۔ باب الثلاثۃ علی الدابۃ۔
[3] ابوداؤد۔ کتاب الجہاد۔ باب من قال انہ یاکل مما سقط۔
[4] صحیح مسلم۔ باب فضل المدینۃ۔
[5] صحیح بخاری۔ کتاب الادب۔ باب رحمۃ الولد وتقبیلہ۔

ام خالد بنت خالد بن سعید بن عاص قرشیہ امویہ کے والدین ہجرت کر کے حبشہ میں چلے گئے تھے۔ یہ وہیں پیدا ہوئیں۔ اور لڑکپن میں وہاں سے مدینہ آگئیں۔ حضرت زبیر بن العوام کے ساتھ بیاہی گئیں جن سے ایک لڑکا خالد نام پیدا ہوا۔ اس سبب سے ان کی کنیت ام خالد ہوئی۔ ان کا بیان ہے کہ ایک روز میں اپنے والد کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ زرد رنگ کا کرتہ میرے بدن پر تھا۔ آپ نے دیکھ کر فرمایا۔ سنہ سنہ (حبشی زبان میں حَسَنہ کو کہتے ہیں) میں خاتم نبوت سے کھیلنے لگی۔ میرے باپ نے مجھے جھڑک دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کھیلنے دو۔ پھر تین بار فرمایا۔ تو اس کو پہن کر پُرانا کرے[1]۔

ام خالد ہی بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کپڑے آئے۔ اُن میں ایک سیاہ چادر تھی۔ جس میں دونوں طرف آنچل تھے۔ آپ نے حاضرین سے پوچھا کہ یہ چادر کس کو اوڑھاؤں۔ کسی نے جواب نہ دیا۔ آپ نے فرمایا۔ ام خالد کو لاؤ۔ مجھے لے گئے۔ تو آپ نے اپنے دست مبارک سے وہ چادر مجھے اوڑھائی۔ اور دو دفعہ فرمایا" تو اسے پہن کر پُرانی کرے"۔ آپ چادر کی بوٹیاں دیکھ رہے تھے۔ اور ہاتھ مبارک سے میری طرف اشارہ کر کے فرماتے تھے۔ "ام خالد! یہ سنا ہے۔ ام خالد یہ سنا ہے" سنا حبشی زبان میں حسن (اچھے) کو کہتے ہیں[2]۔

غزوات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت تھی کہ بچوں عورتوں اور بوڑھوں کو قتل نہ کرنا۔ آپ کا وجود باجود لڑکیوں کے لئے خصوصیت سے رحمت تھا۔ زمانہ جاہلیت میں بعضے عرب افلاس کے ڈر سے لڑکیوں کو زندہ در گور کر دیتے تھے۔ چنانچہ ایک شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ کہ ہم اہل جاہلیت و بُت پرست تھے۔ اپنی اولاد کو مار ڈالتے تھے۔ میرے ہاں ایک لڑکی تھی۔ میں نے اُسے بلایا۔ وہ خوشی خوشی میرے پیچھے ہولی۔ جب میں نزدیک ہی اپنے اہل کے ایک کوئیں پر پہنچا۔ تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کوئیں میں گرا دیا۔ وہ ابا ابا کہتی تھی۔ یہ سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ یہ قصہ مجھے پھر سُناؤ۔ اُس شخص نے دُہرایا۔ تو آپ اتنا روئے کہ آنسوؤں سے

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الادب۔ باب من ترک صبیۃ غیرہ حتی تلعب بہ۔

[2] صحیح بخاری۔ کتاب اللباس۔ باب مایدعی لمن لبس ثوبا جدیدا۔

داڑھی مبارک تر ہو گئی۔[1]

عرب کی طرح ہند میں بھی دختر کشی پائی جاتی تھی۔ رومۃ الکبرےٰ میں بچہ کشی کی رسم زمانہ قدیم سے جاری تھی۔ چنانچہ ایڈورڈ گبن صاحب اپنی تاریخ میں یوں رقمطراز ہے :۔

"اپنے نئے پیدا ہوئے بچوں کے باہر پھینک آنے یا قتل کرنے کی خوفناک رسم جس سے قدماء خوب آشنا تھے رومۃ الکبرےٰ کے صوبجات بالخصوص اطالیہ میں روز بروز کثیر الوقوع ہوتی جاتی تھی۔ اس کا باعث افلاس تھا۔ اور افلاس کے بڑے اسباب ٹیکسوں کا ناقابل برداشت بوجھ اور مفلس مدیونوں کے خلاف محکمہ مال کے افسروں کے تکلیف دہ اور بے درد مقدمات تھے۔ نوع انسان کے کم مالدار یا کم محنت کش حصہ نے عیال میں اضافہ کی خوشی منانے کی بجائے شفقت پدری کا مقتضا یہ سمجھا تھا کہ اپنے بچوں کو ایسی زندگی کی آنے والی تکلیفوں سے چھڑا دیا جائے جسے وہ خود نباہنے کے قابل نہ تھے قسطنطین (متوفی ۲۲ مئی ۳۳۷ء) کی مروت شاید مایوسی کے بعض تازہ غیر معمولی واقعات سے حرکت میں آئی۔ کہ اس نے پہلے اطالیہ اور پھر افریقہ کے تمام شہروں کی طرف ایک فرمان بھیجا جس میں یہ ہدایت تھی کہ والدین اپنے ایسے بچے مجسٹریٹوں کی عدالتوں میں پیش کیا کریں جن کو ان کا افلاس تعلیم دلانے کی اجازت نہیں دیتا۔ ان کو فوری وکافی امداد دی جائے گی۔ لیکن یہ وعدہ ایسا فیاضانہ اور یہ بندوبست ایسا بے سرو پا تھا۔ کہ اس پر کوئی عام یا دائمی فائدہ مترتب نہ ہوا۔ یہ قانون اگرچہ کسی قدر قابل تحسین تھا۔ مگر افلاس عامہ کو کم کرنے کی بجائے یہ افلاس کے اظہار کا ذریعہ بنا"۔[2]

یہ رسم بد جس کا انسداد کسی دنیوی طاقت سے نہ ہو سکا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے عرب بلکہ آہستہ آہستہ تمام دنیا سے اٹھ گئی۔ ارشاد باریتعالیٰ عزاسمہ یوں ہوا :۔

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ (انعام ۔ ع ۱۹)	اور تم اپنے بچوں کو مفلسی کے ڈر سے ہلاک نہ کرو ہم تم کو اور ان کو رزق دیتے ہیں۔
وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىِٕلَتْ ۙ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ (تکویر)	اور جب زندہ در گور لڑکی پوچھی جائے گی۔ کہ تو کس گناہ کے بدلے ہلاک کی گئی۔

[1] مسند دارمی۔ صفحہ اول۔ [2] تنزل و زوال رومۃ الکبرےٰ۔ جلد اول۔ باب ۱۴۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَیْکُمْ عُقُوْقَ الْاُمَّھَاتِ وَوَأْدَ الْبَنَاتِ (مشکوٰۃ۔ باب البر والصلۃ)	اللہ نے تم پر حرام کر دیا ماؤں کی نافرمانی اور لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا۔

عورتیں جن چیزوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کیا کرتی تھیں اُن میں سے ایک یہ بھی:۔

وَلَا یَقْتُلْنَ اَوْلَادَھُنَّ (ممتحنہ۔ ع۲)	وہ اپنے بچوں کو ہلاک نہ کیا کریں گی۔

غلاموں پر شفقت ورحمت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کے آزاد کرنے کو موجب نجات فرمایا ہے۔ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے: "جو کوئی کسی مسلمان غلام کو آزاد کرتا ہے۔ اس غلام کے ہر عضو کے مقابلہ میں اللہ تعالےٰ اس کا ایک عضو دوزخ کی آگ سے آزاد کرتا ہے[1]" علاوہ ازیں کفّارات میں جابجا غلام آزاد کرنا واجب رکھا گیا ہے۔

اسلام میں غلاموں کے حقوق کا خاص لحاظ ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "تمہارے غلاموں میں سے جو تمہارے موافق ہو۔ اسے کھلاؤ اس میں سے جو تم کھاتے ہو اور پہناؤ اُس میں سے جو تم پہنتے ہو۔ اور ان میں سے جو تمہارے موافق نہ ہو۔ اسے بیچ دو۔ اور خلقِ خدا کو عذاب نہ دو[2]"

حضرت ابو مسعود انصاری بیان کرتے ہیں۔ کہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا۔ کہ میں نے اپنے پیچھے سے یہ آواز سُنی: "ابو مسعود! جان لے کہ تم کو جس قدر اس غلام پر اختیار ہے۔ اُس سے زیادہ خدا کو تم پر اختیار ہے۔" میں نے مڑکر جو دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں نے اس کو رضائے خدا کے لئے آزاد کر دیا۔ آپ نے فرمایا: "دیکھو! اگر تم ایسا نہ کرتے۔ تو دوزخ کی آگ تم کو جلاتی[3]"

حضرت ابوذر کا بیان ہے کہ میں نے ایک عجمی غلام کو بُرا بھلا کہا۔ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کر دی۔ آپ نے فرمایا: "ابوذر! تم میں جاہلیت ہے۔ وہ تمہارے بھائی ہیں

[1] مشکوٰۃ۔ کتاب العتق۔
[2] مشکوٰۃ بحوالہ احمد و ابوداؤد۔ باب النفقات وحق المملوک۔
[3] مشکوٰۃ بحوالہ مسلم۔ باب النفقات وحق المملوک۔

خدا نے تم کو ان پر فضیلت دی ہے۔ ان میں سے جو تمہارے موافق نہ ہو۔ اسے بیچ دو۔ اور خلق خدا کو عذاب نہ دو"۔[1]

حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے۔ کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا"۔ یا رسول اللہ! ہم خادم کو کتنی بار معاف کر دیا کریں"۔ آپ خاموش رہے۔ اس نے دوسری بار دریافت کیا۔ پھر بھی آپ خاموش رہے۔ تیسری بار دریافت کرنے پر فرمایا کہ ہر روز ستر بار معاف کر دیا کرو"۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اپنے غلام کے منہ پر تھپڑ مارے اس کا کفارہ یہ ہے کہ اسے آزاد کر دے۔ حضرت سوید بن مقرن بیان کرتے ہیں کہ ہم سات بھائی تھے ہمارے ہاں صرف ایک خادمہ تھی۔ ہم میں سے ایک نے اس کے منہ پر تھپڑ مارا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا کہ خادمہ کو آزاد کر دو۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے ہاں صرف یہی ایک خادمہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ خدمت کرتی رہے۔ یہاں تک کہ بے نیاز ہو جائیں۔ جب ضرورت نہ رہے تو اسے آزاد کر دیں۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غلاموں کی بہبودی کا اس قدر خیال تھا کہ جب وفات شریف کا وقت عین قریب آپہنچا۔ تو آپ یوں وصیت فرما رہے تھے:۔

الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم | نماز اور غلام۔

چوپایوں پر شفقت ورحمت | انسان تو در کنار چوپایوں پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت تھی۔ ایک روز آپ ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوئے کیا دیکھتے ہیں کہ وہاں ایک اونٹ ہے۔ جب اس اونٹ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو رو پڑا اور اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ آپ اس کے پاس آئے۔ اور اس کے پسِ گوش پر ہاتھ پھیرا۔ وہ چپ ہو گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ اس اونٹ کا مالک کون ہے؟۔ ایک انصاری نوجوان نے عرض کیا کہ یہ اونٹ میرا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تو اس چوپائے کے بارے میں جس کا اللہ نے تجھ کو مالک بنایا ہے خدا سے نہیں ڈرتا؟ اس نے میرے پاس شکایت کی ہے کہ تو اسے بھوکا رکھتا ہے۔

[1] دیکھو ابوداؤد۔ کتاب الادب۔ باب فی حق المملوک۔

اور کثرت استعمال سے تکلیف دیتا ہے[1]۔

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک اونٹ پر ہوا۔ جس کی پیٹھ (بھوک اور پیاس کے سبب سے) پیٹ سے لگی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ ان بے زبان چوپایوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو۔ تم ان پر سوار ہو درانحالیکہ لائق (سواری کے) ہوں۔ اور ان کو چھوڑو درانحالیکہ لائق (پھر سوار ہونے کے) ہوں[2]۔ ایک دفعہ ایک گدھے پر آپ کا گذر ہوا۔ جس کے چہرے پر داغ دیا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ "لعنت کرے اللہ اس شخص کو جس نے اسے داغ دیا ہے"[3]۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تم اپنے چوپایوں کی پیٹھوں کو منبر نہ بناؤ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے تابع کیا ہے۔ تاکہ وہ تم کو ایسے شہروں میں پہنچادیں۔ جہاں تم بغیر مشقتِ جان نہ پہنچتے اور تمہارے واسطے زمین بنائی۔ پس اس پر اپنی حاجتیں پوری کرو[4]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آداب سفر میں فرمایا ہے۔ کہ جب فراخ سالی ہو اور گھاس بکثرت ہو۔ تو تم سفر میں دن کو کسی وقت اونٹوں کو چھوڑ دیا کرو۔ تاکہ وہ چرلیں۔ اور جب قحط سالی ہو۔ تو اُن کو تیز چلاؤ تاکہ وہ اچھی حالت میں منزل مقصود پر پہنچ جائیں۔ ایسا نہ ہو کہ بصورت تاخیر وہ بھوک کے مارے کمزور ہو کر راستے ہی میں رہ جائیں۔ اور جب تم آخر شب میں کسی جگہ اترو۔ تو راستہ چھوڑ کر ڈیرا ڈالو۔ کیونکہ رات کے وقت چوپائے اور حشرات الارض راستوں میں پھرا کرتے ہیں[5]۔ اور کھانے کی گری پڑی چیزیں اور ہڈیاں وغیرہ جو راستے میں ہوں کھایا کرتے ہیں۔

حضرت ابو واقد لیثی روایت کرتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے۔ ور لوگ اونٹوں کی کوہان اور بھیڑ بکری کی سرین کا گوشت (کھانے کے لئے) کاٹ لیا کرتے تھے۔

---

[1] تیسیر الوصول الی جامع الاصول بحوالہ ابوداؤد۔

[2] مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد۔ باب النفقات وحق المملوک۔

[3] مشکوٰۃ بحوالہ مسلم۔ کتاب الصید والذبائح۔

[4] مشکوٰۃ بحوالہ ابوداؤد۔ باب آداب السفر۔

[5] صحیح مسلم۔ باب مراعات مصلحۃ الدواب فی السیر۔

آپ نے فرمایا کہ جو گوشت کسی زندہ چوپائے سے کاٹا جائے۔ وہ مردار ہے۔ کھانا نہ چاہئے۔[1]

حضرت ابن عمر روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک عورت ایک بلّی کے سبب سے دوزخ میں گئی۔ جسے اس نے باندھ رکھا۔ اور کھانا نہ کھلایا۔ اور نہ چھوڑا تاکہ حشرات الارض کو کھاتی۔[2]

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ ایک شخص راستے میں چل رہا تھا۔ اسے سخت پیاس لگی۔ ایک کوآں نظر پڑا۔ تو اس میں اتر کر اس نے پانی پیا پھر نکل آیا۔ ناگاہ اس نے ایک کُتا دیکھا۔ جو پیاس کے مارے زبان نکالے ہوئے تھا۔ اور مٹی کھا رہا تھا۔ اس شخص نے سوچا کہ اس کُتّے کو پیاس سے ویسی تکلیف ہے جیسی مجھے تھی۔ اِس لئے وہ کوئیں میں اُترا۔ اور اپنا موزہ پانی سے بھرا۔ پھر اسے اپنے منہ سے پکڑا۔ یہاں تک کہ اوپر چڑھ آیا۔ اور کُتّے کو پانی پلایا۔ خدا نے اس کی قدردانی کی اور اسے بخش دیا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا چوپایوں میں ہمارے واسطے کچھ اجر ہے؟۔ آپ نے فرمایا کہ ہر ذی روح میں اجر ہے۔[3]

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شفقت عامہ کا مقتضا تھا۔ کہ آپ نے چوپاؤں کو باہم لڑانے[4]۔ کسی جانور کو نشانہ[5] بنانے۔ کسی چوپائے یا حیوان کو ہلاک کرنے کے لئے حبس[6] کرنے اور حیوان کو مُثلہ[7] بنانے سے منع فرمادیا۔

پرندوں اور حشرات الارض پر شفقت ورحمت

حضرت عبدالرحمٰن کے والد عبداللہ بیان کرتے ہیں۔ کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔ ہم نے ایک پرندہ (زورک) کو دیکھا جس کے ساتھ اس کے دو بچّے تھے۔ ہم نے

---

[1] مشکوٰۃ۔ بحوالہ ترمذی و ابوداؤد۔ کتاب الصید والذبائح۔

[2] تیسیر الوصول بحوالہ بخاری و مسلم۔

[3] تیسیر الوصول بحوالہ مالک۔ و بخاری و مسلم و ابوداؤد۔

[4] مشکوٰۃ۔ بحوالہ ترمذی و ابوداؤد۔ باب ذکر الکلب۔

[5] مشکوٰۃ۔ بحوالہ بخاری و مسلم۔ کتاب الصید والذبائح۔

[6] مشکوٰۃ۔ بحوالہ صحیحین۔ کتاب الصید والذبائح۔

[7] مرقات۔ بحوالہ احمد و شیخین و نسائی۔ کتاب الصید والذبائح۔

دونوں بچوں کو پکڑ لیا۔ زور کی آئی اور اترنے کے لئے بازو پھیلانے لگی۔ اتنے میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے۔ آپ نے فرمایا۔ "اس کے بچوں کو پکڑ کر اسے کس نے دکھ دیا ہے۔ اس کے بچے اسے واپس دے دو"۔ پھر آپ نے ایک چیونٹیوں کا گھر دیکھا۔ جسے ہم نے جلا دیا تھا۔ آپ نے پوچھا کہ اسے کس نے جلایا ہے؟۔ ہم نے عرض کیا کہ ہم نے جلایا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ "جائز نہیں کہ خدا کے سوا کوئی کسی کو آگ کا عذاب دے"[1]۔

ایک روز حضرت عثمان بن حبان نے ایک پسو پکڑ کر آگ میں ڈال دیا۔ اس پر حضرت ام درداء نے کہا میں نے ابوالدرداء سے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "آگ کے مالک (خدا) کے سوا کوئی کسی کو آگ کا عذاب نہ دے"[2]۔

عامر تیرانداز سے روایت ہے۔ کہ ہم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھے۔ ناگاہ ایک شخص آیا۔ جس پر کمبل تھا۔ اور اس کے ہاتھ میں کوئی چیز تھی جس پر اس نے کمبل لپیٹا ہوا تھا۔ اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! درختوں کے جنگل میں میرا گزر ہوا۔ میں نے اس میں ایک پرندے کے بچوں کی آواز سنیں۔ میں نے ان کو پکڑ لیا اور اپنے کمبل میں رکھ لیا۔ ان کی ماں آئی اور میرے سر پر منڈلانے لگی۔ میں نے کمبل کو بچوں پر سے دور کر دیا۔ وہ ان پر گر پڑی۔ میں نے ان سب کو اپنے کمبل میں لپیٹ لیا اور وہ یہ میرے پاس ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ ان کو رکھ دے۔ میں نے ان کو رکھ دیا۔ مگر ان کی ماں نے ان کا ساتھ چھوڑنے سے انکار کیا۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تم بچوں پر ماں کے رحم کرنے پر تعجب کرتے ہو۔ اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق دے کر بھیجا ہے۔ تحقیق اللہ اپنے بندوں پر ان بچوں کی ماں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ تو ان کو واپس لے جا اور ان کو ماں سمیت وہیں رکھ دے۔ جہاں سے انہیں پکڑا ہے۔ بس وہ ان کو واپس لے گیا[3]۔

نباتات وجمادات پر رحمت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے جمادات ونباتات کو بھی حصہ ملا ہے۔ آپ کی بعثت سے زمین شرک وکفر کی نجاست سے پاک ہوئی۔ اور نور ایمان چاروں طرف پھیل گیا۔ مسجدیں تعمیر ہونے لگیں۔ اور اذان میں اللہ اور اس کے رسول کا نام پکارا جانے لگا۔

---

[1] مشکوٰۃ۔ بحوالہ ابوداؤد۔ باب قتل اہل الردۃ۔
[2] مرقات۔ بحوالہ مسند بزار۔ جزء رابع۔ ص ۲۳۶۔
[3] مشکوٰۃ۔ بحوالہ ابوداؤد۔

آپ کے تولد ہونے کے بعد آسمان پر شیاطین کا جانا بند ہوگیا۔

جب امساکِ باراں ہوتا۔ تو لوگ حضور کا وسیلہ پکڑ کر دعا کیا کرتے۔ اور وہ مستجاب ہوجاتی یا حضور خود دعا فرمایا کرتے اور بارانِ رحمت نازل ہوتا جس سے مردہ زمین پھر زندہ ہوجاتی۔ اور نباتات اگتی۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے دونوں عالم کو حصہ پہنچا ہے۔ انسان کے علاوہ جنات بھی آپ کی دعوت سے دولتِ ایمان سے مشرف ہوئے۔ فرشتے آپ پر درود بھیجنے کے سبب سے موردِ رحمتِ الٰہی بنے رہتے ہیں۔ کیونکہ حدیث مسلم میں ہے کہ حضور نے فرمایا "جو کوئی مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے۔"

تواضع و حُسنِ معاشرت باوجود علوِ مرتبت کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر متواضع تھے۔ آپ کی تواضع کا یہ عالم تھا کہ بارگاہِ الٰہی سے ایک فرشتے نے حاضرِ خدمت ہوکر عرض کیا کہ آپ کا پروردگار ارشاد فرماتا ہے۔ کہ اگر آپ چاہیں تو پیغمبری کے ساتھ بندگی و فقر کو اختیار کریں۔ اور اگر چاہیں تو نبوت کے ساتھ بادشاہت اور امیری لے لیں۔ آپ نے پیغمبری کے ساتھ بندگی کو پسند فرمایا۔ اس کے بعد حضور انور تکیہ لگا کر کھانا نہ کھاتے۔ اور فرماتے "میں کھانا کھاتا ہوں جیسے بندہ کھایا کرتا ہے۔ اور بیٹھا ہوں جیسے بندہ بیٹھا کرتا ہے۔"[۱]

حضرت ابوامامہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصا پر ٹیک لگائے نکلے۔ ہم آپ کے لئے کھڑے ہوگئے۔ آپ نے فرمایا کہ تم کھڑے مت ہو جیسا کہ عجمی ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں۔[۲]

حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی نے ایک دوسرے کو دشنام دی۔ مسلمان نے کہا۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے محمدؐ کو تمام جہان والوں پر برگزیدہ کیا۔ یہودی نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے موسیٰؑ کو تمام جہان والوں پر برگزیدہ کیا۔ اس پر مسلمان نے ہاتھ اُٹھا کر یہودی کے ایک تھپڑ مارا۔ یہودی جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور اپنا

---

[۱] مشکوٰۃ۔ بحوالہ شرح السنۃ۔ باب فی اخلاقہ و شمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

[۲] مشکوٰۃ۔ کتاب الآداب۔ باب القیام۔

اور مسلمان کا حال بیان کیا۔ آپ نے (مسلمان سے) فرمایا۔ کہ تم مجھے موسیٰؑ پر فضیلت نہ دو۔ کیونکہ لوگ (قیامت کے دن) بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے۔ میں سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا۔ ناگاہ موسیٰؑ عرش کی ایک طرف کو پکڑے ہوئے ہوں گے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ ان میں سے ہوں گے جو بے ہوش ہوئے اور پھر ہوش میں آئے۔ یا ان میں سے ہوں گے جو بے ہوش ہونے سے مستثنیٰ رہے[1]

حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کہنے لگا:۔

یاخیرالبریہ | اے بہترین خلق

آپ نے فرمایا کہ خیر البریہ تو ابراہیمؑ ہیں[2]۔

حضرت عبداللہ بن الشخیر بیان کرتے ہیں کہ میں بنو عامر کے وفد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہم نے کہا آپ ہمارے آقا ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ آقا خدا ہے۔ پس ہم نے کہا کہ آپ فضل و کرم میں ہم سب سے افضل و اعظم ہیں۔ آپ نے فرمایا تم یہ کہو یا اس سے بھی کم کہو۔ دیکھنا! شیطان تمہیں اپنا وکیل نہ بنالے[3]۔

عدی بن حاتم طائی پہلے عیسائی تھے۔ وہ اپنی قوم کے سردار تھے۔ اور غنیمت میں سے حسب قاعدۂ جاہلیت چوتھا حصہ لیا کرتے تھے۔ جب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر پہنچی۔ تو وہ بھاگ کر ملک شام کو چلے گئے۔ ان کی بہن پیچھے رہ گئی۔ اور گرفتار ہو کر بارگاہ رسالت میں آئی۔ اس نے عرض کیا کہ آپ مجھ پر احسان کیجئے۔ خدا تعالیٰ آپ پر احسان کرے گا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے خوراک و پوشاک اور سواری دے کر اُس کی قوم کے ایک قافلہ کے ساتھ روانہ فرمادیا۔ وہ شام میں اپنے بھائی کے پاس پہنچ گئی۔ عدی کو شک تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بادشاہ ہیں یا پیغمبر۔ بہن نے مشورہ دیا کہ تم خود حاضر خدمت ہو کر دیکھ آؤ۔ چنانچہ عدی یوں بیان کرتے ہیں۔ کہ جب میں مدینہ میں پہنچا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الانبیاء۔ باب واذ قال موسیٰ لقومہ ان اللہ یامرکم ان تذبحوا بقرۃ۔ الآیہ

[2] مشکوٰۃ بحوالہ مسلم۔ باب المفاخرۃ والعصبیۃ۔

[3] مشکوٰۃ۔ کتاب الآداب۔ باب المفاخرۃ والعصبیۃ۔

میں نے سلام عرض کیا۔ آپ نے پوچھا کہ تم کون ہو۔ میں نے عرض کیا کہ میں عدی بن حاتم طائی ہوں۔ یہ سُن کر آپ کھڑے ہو گئے اور مجھے اپنے گھر لے چلے۔ ناگاہ ایک مسکین بڑھیا کسی حاجت کے لئے حاضر خدمت ہوئی۔ وہ کہنے لگی۔ ٹھہریئے۔ چنانچہ آپ ٹھہر گئے اور وہ دیر تک کچھ عرض کرتی رہی۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ بادشاہ نہیں ہیں۔ پھر آپ مجھے اپنے گھر لے گئے۔ آپ نے ایک تکیہ جو کھجور کی چھال سے بھرا ہوا تھا میری طرف پھینکا۔ اور فرمایا کہ اس پر بیٹھ جاؤ۔ میں نے کہا۔ نہیں۔ آپ اس پر تشریف رکھئے۔ آپ نے فرمایا کہ تم ہی اس پر بیٹھو۔ چنانچہ حسب الارشاد میں اس پر بیٹھ گیا۔ اور آپ زمین پر بیٹھ گئے۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنے دل میں کہا کہ بادشاہ کا یہ حال نہیں ہوا کرتا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ عدی بن حاتم! کیا تم رکوسی[1] نہیں ہو؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ پھر فرمایا۔ کیا تم غنیمت کا چوتھا حصہ نہیں لیتے؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ تمہارے دین میں جائز نہیں۔ میں اس سے پہچان گیا کہ آپ پیغمبر مرسل ہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ عدی! شاید تم اِس لئے دین اسلام میں داخل نہیں ہوتے کہ مسلمان غریب اور تعداد میں تھوڑے ہیں۔ اور اُن کے دشمن بہت اور صاحب ملک و سلطنت ہیں۔ مگر عنقریب مسلمانوں میں مال کی وہ کثرت ہوگی کہ کوئی صدقہ لینے والا نہ ملے گا۔ اور تم عنقریب سُن لوگے کہ ایک عورت اونٹ پر سوار ہو کر قادسیہ سے مکّہ میں پہنچ کر بیت اللہ کا حج کیا کرے گی اور اُسے کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ اور تم عنقریب سرزمین بابل میں سفید محلات پر مسلمانوں کے قبضہ کی خبر سُن لوگے۔ یہ سُن کر میں اسلام لایا۔ حضرت عدی فرمایا کرتے تھے کہ ان تین پیشگوئیوں میں سے دوسری اور تیسری پوری ہو چکی ہے۔ اور پہلی پوری ہو کر رہے گی۔[2]

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو مدح میں مبالغہ کرنے سے روکتے اور فرماتے۔ "میری مدح میں تم مبالغہ نہ کرو۔ جیسا کہ نصاریٰ نے ابن مریم کی مدح میں کیا۔ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ مجھے اللہ کا بندہ اور اللہ کا رسول کہا کرو۔"[3]

آپ اپنے اہل خانہ و خدّام اور اصحاب سے نہایت تواضع سے پیش آیا کرتے۔ اپنے دولت خانہ

---

[1] رکوسیہ گروہے است میان ترسایان و صابئین۔ [2] سیرت ابن ہشام۔ امر عدی بن حاتم۔
[3] مشکوٰۃ۔ باب المفاخرۃ والعصبیۃ۔

میں اہل خانہ کے کاروبار کیا کرتے۔ آپ نے کبھی کھانے کو عیب نہ لگایا۔ خواہش ہوتی تو کھالیتے ورنہ چھوڑ دیتے۔ حضرت انس نے دس سال تک آپ کی خدمت کی۔ اس عرصہ میں آپ نے کبھی اس کو اُف نہ کہا اور نہ یوں فرمایا کہ فلاں کام کیوں کیا اور فلاں کیوں نہ کیا۔[1]

جب آپ نماز فجر سے[2] فارغ ہوتے۔ تو اہل مدینہ کے خادم پانی کے برتن لے کر حاضر ہوتے۔ آپ ان میں اپنا دست مبارک ڈبو دیتے۔ تاکہ ان کو شفا اور برکت ہو۔ آپ رانڈوں اور مسکینوں کے ساتھ چلتے۔ اور ان کی حاجت برآری فرماتے۔ اہل[3] مدینہ کی لونڈیاں آپ کا ہاتھ مبارک پکڑتیں۔ اور اپنے کاموں کے لئے جہاں چاہتیں لے جاتیں۔

آپ بیماروں کی عیادت فرماتے۔ جنازے کے پیچھے چلتے۔ غلاموں کی دعوت قبول فرماتے۔ دراز گوش پر سوار ہوتے۔ اور اپنے پیچھے اوروں کو بٹھا لیتے۔ چنانچہ بنی قریظہ کی لڑائی کے دن آپ دراز گوش پر سوار تھے۔ جس کی مہار اور پالان پوست خرما کا تھا۔[4] حجۃ الوداع میں جس کجاوے پر آپ سوار تھے۔ اس کی قیمت چار درہم تھی۔[5] فتح مکہ کے دن آپ حضرت اسامہ کو اپنے پیچھے سوار کئے ہوئے تھے۔[6] جب آپ شہر میں داخل ہوئے۔ تو از روئے تواضع سر مبارک کو اس قدر جھکا لیا۔ کہ کجاوے سے آلگا۔[7]

غزوہ بدر میں تین تین مجاہدین کے لئے ایک ایک اونٹ تھا۔ چنانچہ حضرات علی مرتضیٰ و ابو لبابہ انصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عدیل تھے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اترنے کی باری آتی۔ تو دونوں عرض کرتے۔ کہ آپ نہ اتریں۔ ہم آپ کے بدلے پیدل چلتے ہیں۔ مگر حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے۔ کہ تم مجھ سے زیادہ قوی نہیں ہو۔ اور میں تمہاری نسبت اجر و ثواب سے زیادہ بے نیاز نہیں ہوں۔[8]

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الادب۔ باب حسن الخلق والسخاء
[2] مشکوٰۃ۔ باب فی اخلاقہ وشمائلہ صلے اللہ علیہ وسلم۔
[3] صحیح بخاری۔ کتاب الادب۔ باب الکبر۔
[4] شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
[5] شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی تواضع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
[6] صحیح بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب الردف علی الحمار۔
[7] سیرت ابن ہشام۔
[8] طبقات ابن سعد۔ غزوۂ بدر۔ مشکوٰۃ۔ بحوالہ شرح السنہ۔ باب آداب السفر۔

آپ اپنے نعل مبارک کو آپ پیوند لگا لیتے۔ اپنے کپڑے آپ سی لیتے۔ اپنی بکری کا دودھ دُوہ لیتے۔ جب کوئی آپ سے ملنے آتا۔ تو اس کا اکرام کرتے۔ یہاں تک کہ بعض وقت اپنی چادر مبارک اس کے لئے بچھا دیتے۔ جب آپ کسی سے ملتے۔ تو پہلے سلام کہتے۔ جب مصافحہ کرتے۔ تو اپنا ہاتھ نہ ہٹاتے جب تک دوسرا شخص نہ ہٹاتا۔ اور اس سے اپنا روئے مبارک نہ پھیرتے یہاں تک کہ وہ پھیر لیتا۔ آپ اپنے زانو اپنے ہمنشین سے آگے بڑھا کر نہ بیٹھا کرتے۔[۱]

حضرت عائشہ صدیقہ کا بیان ہے۔ کہ ایک شخص اجازت لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اندر آیا۔ آپ نے اُسے دروازے میں دیکھتے ہی فرمایا۔ کہ قبیلہ کا یہ شخص بُرا ہے۔ جب وہ بیٹھ گیا۔ تو آپ نے اُس کے سامنے کشادہ روئی اور انبساط ظاہر کیا۔ جب وہ چلا گیا۔ تو حضرت صدیقہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! جب آپ نے اُس شخص کو دروازے میں دیکھا۔ تو ایسا فرمایا۔ مگر اُس کے روبرو تازہ روئی اور انبساط ظاہر کیا۔ آپ نے فرمایا۔ "اے عائشہ! تو نے مجھے فاحش کب پایا۔ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک منزلت کے لحاظ سے سب سے بُرا وہ شخص ہوگا۔ جس سے لوگ اُس کے فحش سے بچنے کے لئے کنارہ کرتے ہیں۔"[۲]

حضرت انس روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فحش کہنے والے نہ تھے اور نہ کسی پر لعنت کرنے والے اور نہ گالی دینے والے تھے۔ جب آپ کسی پر عتاب فرماتے۔ تو یوں ارشاد فرماتے۔ "اُسے کیا ہوا۔ اُس کی پیشانی خاک آلودہ ہو۔"[۳]

ایک سفر میں آپ نے اصحاب سے فرمایا کہ کھانے کے لئے ایک بکری درست کرلو۔ ایک نے کہا۔ اس کا ذبح کرنا میرے ذمے ہے۔ دوسرے نے کہا۔ کھال اُتارنا میرے ذمے ہے۔ ایک اور بولا۔ پکانا میرے ذمے ہے۔ آپ نے فرمایا۔ لکڑیاں چُن کر لانا میرے ذمے ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یہ کام ہم خود کر لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ میں جانتا ہوں کہ تم کر سکتے ہو۔ لیکن مجھے یہ پسند نہیں۔ کہ میں اپنے تئیں تم سے ممتاز کروں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ اس بندے کو پسند نہیں کرتا۔ جو اپنے ساتھیوں سے ممتاز بنتا ہے۔ اس کے بعد آپ لکڑیاں جمع کر کے لائے۔[۴]

۱؎ مشکوٰۃ۔ بحوالہ ترمذی۔ باب فی اخلاقہ وشمائلہ صلے اللہ علیہ وسلم۔
۲؎ صحیح بخاری۔ کتاب الادب۔ باب لم یکن النبی صلے اللہ علیہ وسلم فاحشًا ولا متفحشًا۔
۳؎ صحیح بخاری۔ باب لم یکن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فحاشًا ولا متفحشًا۔
۴؎ مواہب لدنیہ بحوالہ سیرت محب طبری۔

آپ اپنے اصحاب کرام کی دلجوئی اور تعہد میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ فرماتے۔ ایک روز ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا۔ اور اپنی حاجت عرض کی۔ وہ آپ کی ہیبت سے کانپنے لگا۔ آپ نے فرمایا۔ گھبراؤ مت۔ میں بادشاہ نہیں ہوں۔ میں ایک عورت کا بیٹا ہوں جو خشک کیا ہوا گوشت کھایا کرتی تھی۔[1]

ایک دفعہ نجاشی شاہ حبشہ کا وفد آپ کی خدمت میں آیا۔ آپ بذات خود ان کی خدمت کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ ہم آپ کی طرف سے خدمت کے لئے کافی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ انہوں نے اپنے ملک میں ہمارے اصحاب کا اکرام کیا تھا۔ اس لئے مجھے یہی پسند ہے۔ کہ اس اکرام کا بدلہ میں خود دوں۔[2]

حضرت قیس بن سعد بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے غریب خانہ پر تشریف لائے۔ میرے والد نے آپ کی خاطر تواضع کی۔ کھانا تناول فرمانے کے بعد جب آپ واپس آنے لگے۔ تو میرے والد نے آپ کے لئے ایک دراز گوش تیار کیا جس پر کمبل کا پالان تھا۔ آپ اس پر سوار ہو گئے۔ جب چلنے کو ہوئے۔ تو والد نے مجھ سے کہا۔ قیس! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا۔ اس لئے میں ساتھ ہو لیا۔ حضور انور نے فرمایا کہ تو میرے ساتھ سوار ہو جا۔ میں نے بپاس ادب انکار کر دیا۔ مگر آپ نے فرمایا۔ یا تو سوار ہو جا یا لوٹ جا۔ اس لئے میں واپس آ گیا۔[3]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم امّت کے اقتداء کے لئے کبھی کبھی خوش طبعی بھی فرمایا کرتے تھے۔ مگر وہ متضمن دروغ نہ ہوتی تھی۔ چنانچہ حضرت انس کا ایک چھوٹا اخیافی بھائی تھا۔ وہ جب حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتا۔ تو اس کے ہاتھ میں ایک چڑیا (ممولا) ہوتی جس سے وہ کھیلا کرتا تھا۔ اتفاقاً وہ چڑیا مر گئی۔ اس کے بعد جب وہ آپ کی خدمت میں آتا۔ تو آپ خوش طبعی کے طور پر فرماتے۔ یَا اَبَا عُمَیْرُ مَا فَعَلَ النُّغَیْرُ۔ یعنی اے ابو عمیر! وہ چڑیا کہاں گئی۔[4]

---

[1] ابن ماجہ۔ باب القدید۔
[2] مواہب لدنیہ۔
[3] ابو داؤد۔ کتاب الادب۔ باب کم مرۃ یسلم الرجل فی الاستیذان۔
[4] مشکوٰۃ۔ بحوالہ صحیحین۔ کتاب الآداب۔ باب المزاح۔

ایک[1] روز ایک شخص نے آپ سے درخواست کی کہ مجھے سواری عنایت کیجئے تاکہ میں اس پر سوار ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ میں تجھے اونٹنی کے بچے پر سوار کروں گا۔ وہ بولا۔ میں اونٹنی کے بچے کو کیا کروں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ اونٹنیاں ہی اونٹ جنتی ہیں۔ یعنی ہر ایک اونٹ اونٹنی کا بچہ ہوتا ہے۔ اس میں تعجب کیا ہے۔ اسی طرح ایک روز ایک عورت نے جو قرآن پڑھا کرتی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ دعا کریں کہ میں بہشت میں داخل ہوں۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ کوئی بوڑھی عورت بہشت میں داخل نہ ہو گی۔ اُس نے اس کا سبب پوچھا۔ آپ نے جواب دیا۔ کیا تو قرآن نہیں پڑھتی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:

اِنَّآ اَنْشَاْنٰھُنَّ اِنْشَآءً ۙ فَجَعَلْنٰھُنَّ اَبْكَارًا (واقعہ ۔ ع ۱)	یعنی بوڑھی عورتوں کو جو بہشت میں داخل کریں گے۔ تو کنواریاں بنا کر کریں گے۔

ایک بدوی صحابی زاہر نام جو بدشکل تھے جنگل کے پھل سبزی وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ لایا کرتے تھے۔ جب وہ آپ سے رخصت ہوتے تو آپ شہر کی چیزیں کپڑا وغیرہ ان کو دے دیا کرتے تھے۔ آپ کو ان سے محبت تھی اور فرمایا کرتے تھے کہ زاہر ہمارا روستائی ہے اور ہم اس کے شہری ہیں۔ ایک روز آپ بازار کی طرف نکلے۔ تو دیکھا کہ زاہر اپنی متاع بیچ رہے ہیں۔ آپ نے پیٹھ کی طرف سے جا کر ان کی آنکھوں پر اپنا دست مبارک رکھا اور ان کو گود میں لے لیا۔ وہ بولے۔ کون ہے؟ مجھے چھوڑ دو۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تھے۔ پس اپنی پیٹھ اور بھی حضور کے سینے سے (بغرض تبرک) لپٹانے لگے۔ حضور نے فرمایا۔ کوئی ہے جو ایسے غلام کو خریدے۔ وہ بولے یا رسول اللہ! اگر آپ بیچتے ہیں۔ تو آپ مجھے کم قیمت پائیں گے۔ حضور نے فرمایا "تو خدا کے نزدیک گراں قدر ہے"[2]

حضرت محمود بن ربیع انصاری خزرجی جو صغار صحابہ میں سے تھے۔ پانچ سال کے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے۔ جس میں ایک کنواں تھا۔ آپ نے ایک ڈول میں سے پانی پیا۔ اور پانی کی کلی (بطریق مزاح) حضرت محمود کے چہرے پر ماری[3]۔ اس کی

---

[1] دیکھو مشکوٰۃ۔ باب المزاح اور شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی مزاح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔
[2] شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی مزاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
[3] صحیح بخاری۔ کتاب العلم۔ باب متیٰ یصح سماع الصغیر۔

برکت سے ان کو وہ حافظہ حاصل ہو گیا۔ کہ اس قصے کو یاد رکھتے تھے۔ اسی وجہ سے صحابہ میں شمار ہوتے ہیں۔ اسی طرح حضرت زینب بنت ام سلمہ مخزومیہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ربیبہ تھیں۔ آپ کے پاس آئیں۔ آپ غسل خانے میں تھے۔ آپ نے ان کے چہرے پر پانی پھینک دیا۔ اس کی برکت سے ان کے چہرے میں شباب کی رونق قائم رہی۔ یہاں تک کہ نہایت بوڑھی ہو گئیں[1]۔

سخاوت و ایثار جُود حقیقی یہ ہے۔ کہ بغیر غرض و عوض کے ہو۔ اور یہ صفت ہے حق سبحانہٗ کی جس نے بغیر کسی غرض و عوض کے تمام ظاہری و باطنی نعمتیں اور تمام حسّی و عقلی کمالات خلائق پر افاضہ کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے بعد اجود الاجودین اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حدیث صحیح[2] میں وارد ہے کہ "آپ سے کبھی کسی چیز کا سوال نہ کیا گیا کہ اس کے مقابل آپ نے لا (نہیں) فرمایا ہو" یعنی آپ کسی کے سوال کو رد نہ فرماتے۔ اگر موجود ہوتا تو عطا فرماتے۔ اور اگر پاس نہ ہوتا۔ تو قرض لے کر دیتے یا وعدۂ عطا فرماتے۔ ایک دفعہ ایک سائل آپ کی خدمت شریف میں آیا۔ آپ نے فرمایا میرے پاس کوئی چیز نہیں مگر یہ کہ تو مجھ پر قرض کرلے۔ جب ہمارے پاس کچھ آجائے گا۔ ہم اسے ادا کر دیں گے۔ حضرت عمر فاروق نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! خدا نے آپ کو اُس چیز کی تکلیف نہیں دی جو آپ کی قدرت میں نہیں۔ حضرت فاروق اعظم کی یہ بات حضور کو پسند نہ آئی۔ انصار میں سے ایک شخص بولا۔ یارسول اللہ! عطا کیجئے اور عرش کے مالک سے تقلیل کا خوف نہ کیجئے۔ یہ سُن کر آپ نے تبسم فرمایا اور آپ کے روئے مبارک پر تازگی و خوش حالی پائی گئی۔ فرمایا۔ "اسی کا مجھے امر کیا گیا ہے[3]"۔

حضرت انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین سے مال لایا گیا۔ اور یہ زیادہ سے زیادہ مال تھا جو آپ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو مسجد میں ڈال دو۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے۔ تو اس مال کے پاس بیٹھ گئے اور تقسیم فرمانے لگے۔ آپ کے چچا حضرت عباس آپ کے پاس آئے اور عرض کرنے لگے۔ یارسول اللہ! مجھے اس مال میں سے دیجئے۔ کیونکہ

---

[1] استیعاب لابن عبدالبر۔ ترجمہ زینب بنت ابی سلمہ۔

[2] صحیح بخاری۔ کتاب الادب۔ باب حسن الخلق والسخاء۔

[3] شمائل ترمذی۔ باب ما جاء فی خلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

جنگ بدر کے دن میں نے فدیہ دے کر اپنے آپ کو اور عقیل بن ابی طالب کو آزاد کرایا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ لے لو۔ حضرت عباس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے کپڑے میں ڈال لیا۔ پھر اُٹھانے لگے تو نہ اُٹھا سکے۔ عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ کسی سے فرما دیں کہ اُٹھا کر مجھ پر رکھ دے۔ آپ نے فرمایا کہ میں کسی سے اُٹھانے کو نہیں کہتا۔ حضرت عباس بولے۔ آپ خود اُٹھا کر مجھ پر رکھ دیں حضور نے فرمایا۔ میں اسے نہیں اُٹھاتا۔ پس حضرت عباس نے اس میں سے کچھ گرا دیا۔ پھر اُٹھانے لگے۔ تو تب بھی نہ اُٹھا سکے۔ عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ کسی سے فرما دیں کہ اُٹھا کر مجھ پر رکھ دے۔ آپ نے فرمایا۔ میں کسی سے اُٹھانے کو نہیں کہتا۔ حضرت عباس بولے۔ آپ خود اُٹھا کر مجھ پر رکھ دیں حضور نے فرمایا۔ میں اسے نہیں اُٹھاتا۔ پس حضرت عباس نے اس میں سے بھی کچھ گرا دیا۔ پھر اسے اپنے کندھے پر اُٹھا لیا۔ اور روانہ ہوئے۔ حضور اقدس ان کی طرف دیکھتے رہے یہاں تک کہ وہ غائب ہو گئے۔ اور حضور ان کی طمع پر تعجب فرماتے تھے۔ غرض حضور انور وہاں سے اُٹھے۔ تو ایک درہم بھی باقی نہ تھا۔[1] ابن ابی شیبہ میں بروایت حمید بن ہلال بطریق ارسال مروی ہے کہ وہ مال ایک لاکھ درہم تھا۔ اور اسے علاء بن الحضرمی نے بحرین کے خراج میں سے بھیجا تھا۔ اور یہ پہلا مال تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔

غنائم حنین کی تفصیل پہلے آ چکی ہے۔ ان میں آپ کی سخاوت حد قیاس سے خارج تھی۔ آپ نے اعراب میں بہت سوں کو سو سو[2] اونٹ عطا فرمائے۔ مگر اس دن آپ کی سخاوت زیادہ تر مولفۃ القلوب کے لئے تھی۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص (صفوان بن امیہ) نے اس روز بکریوں کا سوال کیا جن سے دو پہاڑوں کا درمیانی جنگل پُر تھا۔ آپ نے وہ سب اس کو دے دیں۔ اس نے اپنی قوم میں جا کر کہا: "اے میری قوم! تم اسلام لاؤ۔ اللہ کی قسم! محمدؐ ایسی سخاوت کرتے ہیں کہ فقر سے نہیں ڈرتے۔"[3]

حضرت سعید بن مسیب روایت کرتے ہیں کہ صفوان بن امیہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حنین کے دن مجھے مال عطا فرمانے لگے۔ حالانکہ آپ میری نظر میں مبغوض ترین خلق تھے

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب ما اقطع النبی صلے اللہ علیہ وسلم من البحرین۔
[2] بخاری۔ باب غزوۃ طائف۔
[3] مشکوۃ۔ باب فی اخلاقہ وشمائلہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ فصل اول۔

پس آپ مجھے عطا فرماتے رہے یہاں تک کہ میری نظر میں محبوب ترین خلق ہو گئے[1]۔

حضرت جبیر بن مطعم بیان کرتے ہیں۔ کہ جب میں اور دیگر لوگ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین سے (بعد تقسیم غنائم) واپس آرہے تھے تو بادیہ نشینان عرب حضور انور سے لپٹ گئے وہ حنین کی غنیمت میں سے مانگتے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ آپ کو بحالت اضطرار ایک ببول کے درخت کی طرف لے گئے۔ اس درخت میں آپ کی چادر مبارک پھنس گئی۔ آپ ٹھہر گئے اور فرمایا" مجھے میری چادر دے دو۔ اگر میرے پاس اس جنگل کے درختان ببول جتنے چوپائے ہوتے تو البتہ میں ان کو تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا۔ پھر تم مجھ کو بخیل نہ پاتے۔ اور نہ دروغ گو اور بزدل پاتے[2]۔

حضرت ابوذر کا بیان ہے کہ ایک روز میں جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ جب آپ نے کوہ اُحد کو دیکھا۔ تو فرمایا" اگر یہ پہاڑ میرے لئے سونا بن جائے۔ میں پسند نہ کروں گا کہ اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس تین راتوں سے زیادہ رہ جائے۔ بجز اس دینار کے جسے میں ادائے قرض کے لئے رکھ چھوڑوں[3]"

ایک روز نماز عصر کا سلام پھیرتے ہی آپ دولت خانے میں تشریف لے گئے اور پھر جلدی نکل آئے۔ صحابہ کرام کو تعجب ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے نماز میں خیال آگیا کہ صدقہ کا کچھ سونا گھر میں پڑا ہے۔ مجھے پسند نہ آیا کہ رات ہو جائے اور وہ گھر میں پڑا رہے۔ اس لئے جا کر اسے تقسیم کرنے کے لئے کہہ آیا ہوں[4]۔

حضرت سہل بن سعد بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت ایک چادر لے کر آئی۔ اس نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! یہ میں نے اپنے ہاتھ سے بُنی ہے۔ میں آپ کے پہننے کے لئے لائی ہوں۔ آپ کو ضرورت تھی۔ اس لئے آپ نے وہ چادر لے لی۔ پھر آپ ہماری طرف نکلے اور اسی چادر کو بطور تہ بند باندھے ہوئے تھے۔ صحابہ کرام میں سے ایک نے دیکھ کر عرض کیا۔ کیا اچھی چادر ہے۔ یہ

---

[1] جامع ترمذی۔ باب ماجا فی اعطاء المولفۃ قلوبہم۔
[2] صحیح بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب الشجاعۃ فی الحرب والجبن۔
[3] صحیح البخاری۔ کتاب الاستقراض۔ باب اداء الدیون۔
[4] صحیح بخاری۔ کتاب التہجد۔ باب یفکر الرجل الشئی فی الصلوٰۃ۔

مجھے پہنا دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ کچھ دیر کے بعد آپ مجلس سے اٹھ گئے۔ پھر لوٹ آئے اور وہ چادر لپیٹ کر اس صحابی کے پاس بھیج دی۔ صحابہ کرام نے اس سے کہا کہ تو نے اچھا نہ کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اس چادر کا سوال کیا۔ حالانکہ تجھے معلوم ہے کہ آپ کسی سائل کا سوال رد نہیں فرماتے۔ اس صحابی نے کہا۔ اللہ کی قسم! میں نے صرف اس واسطے سوال کیا کہ جس دن میں مرجاؤں یہ چادر میرا کفن بنے۔ حضرت سہل فرماتے ہیں کہ وہ چادر اس کا کفن ہی بنی۔[۱]

حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک کافر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا مہمان ہوا۔ آپ کے حکم سے اس کے لئے ایک بکری دوہی گئی۔ وہ اس کا دودھ پی گیا۔ دوسری دوہی گئی۔ وہ اس کا دودھ بھی پی گیا۔ پھر ایک اور دوہی گئی۔ وہ اس کا دودھ بھی پی گیا۔ اس طرح اس نے سات بکریوں کا دودھ پی لیا۔ صبح جو اٹھا۔ تو اسلام لایا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کے لئے ایک بکری دوہی جائے۔ وہ اس کا دودھ پی گیا۔ پھر دوسری دوہی گئی۔ مگر وہ اس کا دودھ تمام نہ پی سکا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ مومن ایک انتڑی میں پیتا ہے اور کافر سات انتڑیوں میں پیتا ہے۔[۲]

حضرت بلال موذن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خزانچی تھے۔ ایک روز عبداللہ ہوزنی نے اُن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خزانہ کا حال پوچھا۔ انہوں نے بیان کیا۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ نہ رہتا تھا۔ بعثت سے وفات شریف تک یہ کام میری تحویل میں تھا۔ جب کوئی ننگا بھوکا مسلمان آپ کے پاس آتا۔ آپ مجھے حکم دیتے۔ میں کسی سے قرض لیتا۔ اور چادر خرید کر اُسے اُڑھاتا اور کھانا کھلاتا۔ ایک روز ایک مشرک مجھ سے ملا۔ کہنے لگا۔ بلال! میرے ہاں گنجایش ہے۔ میرے سوا کسی اور سے قرض نہ لیا کرو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ ایک روز میں وضو کر کے آذان دینے لگا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ مشرک تاجروں کی ایک جماعت کے ساتھ آرہا ہے۔ اُس نے مجھے دیکھ کر کہا۔ او حبشی! میں نے کہا۔ لبیک۔ پھر اُس نے ترش رُو ہو کر میری نسبت سخت الفاظ کہے اور بولا "کچھ معلوم ہے۔ وعدے میں کتنے دن باقی ہیں؟" میں نے کہا۔ وقت وعدہ قریب آگیا ہے۔

---

[۱] صحیح بخاری۔ کتاب اللباس۔ باب البرود والحبرۃ والشملۃ۔
[۲] صحیح مسلم۔ باب المؤمن یاکل فی معی واحد والکافر یاکل فی سبعۃ امعاء۔ اس مہمان کا نام غالباً نضلہ بن عمرو غفاری تھا۔

اُس نے کہا۔ کہ صرف چار دن باقی ہیں۔ اگر اس مدت میں تو نے قرضہ ادا نہ کیا۔ تو تجھے غلام بنا کر بکریاں چرواؤں گا جیسا کہ تو پہلے چرایا کرتا تھا۔ یہ سُن کر مجھے فکر و غم دامنگیر ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء پڑھ کر دولتخانہ میں تشریف لے گئے۔ میں وہیں حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر فدا۔ وہ مشرک جس سے میں قرضہ لیا کرتا تھا۔ اُس نے مجھ سے ایسا ایسا کہا ہے۔ آپ کے پاس ادائے قرض کے لئے کچھ موجود نہیں اور نہ میرے پاس ہے۔ وہ مجھ کو فضیحت کرے گا۔ آپ اجازت دیں۔ تو میں بھاگ کر مسلمانوں کے کسی قبیلہ میں جا رہوں جب ادائے قرض کے لئے خدا کچھ سامان کر دے گا۔ تو واپس آجاؤں گا۔ غرض میں اپنے گھر آگیا۔ اور تلوار تھیلا جوتا اور ڈھال اپنے سرہانے رکھ لئے۔ صبح کاذب ہوتے ہی میں چلنے لگا۔ تو کیا دیکھتا ہوں۔ کہ ایک شخص دوڑتا آرہا ہے اور کہتا ہے۔ بلال! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تجھے یاد فرما رہے ہیں۔ وہاں پہنچا۔ تو دیکھتا ہوں کہ چار لدے ہوئے اونٹ بٹھلائے ہوئے ہیں۔ میں اجازت لے کر حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ مبارک ہو۔ اللہ تعالٰے نے ادائے قرض کا سامان کر دیا۔ تم نے چار اونٹ بیٹھے دیکھے ہوں گے۔ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اونٹ حاکم فدک نے بھیجے ہیں۔ یہ اور غلہ اور کپڑے جو ان پر ہیں سب تمہاری تحویل میں ہیں۔ ان کو بیچ کر قرضہ ادا کر دو۔ میں نے تعمیل ارشاد کی۔ پھر میں مسجد میں آیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سلام عرض کیا۔ آپ نے ادائے قرضہ کا حال پوچھا۔ میں نے عرض کیا کہ قرضہ سب ادا ہو گیا۔ کچھ باقی نہیں رہا۔ آپ نے پوچھا کہ کچھ بچ تو نہیں رہا؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ کچھ بچ بھی رہا۔ فرمایا: "مجھے اس سے سبکدوش کرو۔ جب تک یہ کسی ٹھکانے نہ لگے گا۔ میں گھر نہ جاؤں گا۔" آپ جب نماز عشاء سے فارغ ہوئے تو مجھے بلا کر اُس بقیہ کا حال پوچھا۔ میں نے عرض کیا کہ وہ میرے پاس ہے۔ کوئی سائل نہیں ملا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو مسجد ہی میں رہے۔ دوسرے روز نماز عشاء کے بعد مجھے پھر بلایا۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! خدا نے آپ کو سبکدوش کر دیا۔ یہ سُن کر آپ نے تکبیر کہی اور خدا کا شکر کیا۔ کیونکہ آپ کو ڈر تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ موت آجائے اور وہ مال میرے پاس ہو۔ پھر آپ دولتخانہ میں تشریف لے گئے[۱]۔

[۱] ابو داؤد۔ جلد ثانی۔ کتاب الخراج والفیٔ۔ باب فی الامام یقبل ہدایا المشرکین۔

بعض وقت ایسا ہوتا کہ آپ کسی شخص سے ایک چیز خریدتے۔ قیمت چکا دینے کے بعد وہ اُسی کو یا کسی دوسرے کو عطا فرماتے۔ چنانچہ آپ نے حضرت جابر بن عبداللہ سے ایک اونٹ خریدا۔ پھر وہی اونٹ اُن کو بطورِ عطیہ عنایت فرمایا۔ اِسی طرح ایک روز آپ نے حضرت عمر فاروق سے ایک شتر بچہ خریدا پھر حضرت عبداللہ بن عمر کو عطا فرمایا[۱]۔

غرض جو کچھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا۔ سب راہِ خدا میں دیدیتے۔ پاس نہ ہوتا تو قرضہ لےکر سائل کی حاجت روائی فرماتے۔ اپنی ذات شریف کے لئے دوسرے دن کا نفقہ بھی جمع نہ کرتے[۲]۔ البتہ بعض وقت اپنے حرم کے لئے ایک سال کا نفقہ ذخیرہ کر لیتے۔ جب آپ کسی محتاج کو دیکھتے۔ تو باوجود احتیاج کے اپنا کھانا اُسے دیدیتے۔ آپ کے دولتخانہ میں بعض دفعہ دو دو مہینے آگ نہ جلتی تھی۔ ایک دفعہ غنیمت میں کنیزیں آئی ہوئی تھیں۔ حضرت علی نے حضرت فاطمہ سے کہا۔ کہ تم اس موقع پر اپنے والد بزرگوار سے خدمت کے لئے ایک کنیز مانگ لو۔ جب وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ تو آپ نے پوچھا کہ کس لئے آئی ہو؟۔ عرض کیا کہ سلام کرنے آئی ہوں۔ اور بپاس حیا اظہار مطلب نہ کیا۔ اور واپس آکر حضرت علی سے یہی عذر بیان کر دیا۔ پھر دونوں حاضر خدمت اقدس ہوئے۔ حضرت علی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آبکشی کرتے کرتے میرے سینہ پر نیل پڑ گئے ہیں۔ حضرت فاطمہ نے عرض کیا کہ چکی پیستے پیستے میری ہتھیلیوں پر آبلے پڑ گئے ہیں۔ آپ خدمت کے لئے ایک کنیز عنایت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا۔ "اللہ کی قسم! یہ نہیں ہونے کا کہ میں تم کو خادمہ دوں۔ اور اہل صفہ بھوکے مریں۔ اُن کے خرچ کے لئے میرے پاس کچھ نہیں۔ میں ان اسیران جنگ کو بیچ کر ان کی قیمت اہل صفہ پر خرچ کروں گا۔ رات ہوئی۔ تو آپ حضرت علی و فاطمہ کے گھر تشریف لے گئے۔ دونوں ایسی پرزہ دار چادر میں تھے۔ کہ اگر اُس سے سر ڈھانپتے۔ تو پاؤں ننگے ہو جاتے۔ اور پاؤں ڈھانپتے۔ تو سر ننگے رہتے۔ آپ کو دیکھ کر دونوں اُٹھنے لگے۔ آپ نے فرمایا۔ اپنی جگہ پر رہو۔ پھر ارشاد فرمایا۔ کہ میں تمہیں کنیز سے بہتر چیز بتاتا ہوں۔ اور وہ کلمات ہیں جو حضرت جبرئیل نے مجھے سکھائے ہیں۔ یعنی ہر نماز کے بعد

---

[۱] صحیح بخاری۔ کتاب البیوع۔ باب شری الدواب والحمیر۔ باب اذا اشتری شیئاً فوھب من ساعته قبل ان یتفرقا۔

[۲] مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی۔ باب فی اخلاقہ و شمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

سُبْحَانَ اللّٰہ دس بار۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ دس بار اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ دس بار۔ اور سونے کے وقت سُبْحَانَ اللّٰہ ۳۳ بار اَلْحَمْدُ لِلّٰہ ۳۳ بار اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ ۳۴ بار پڑھ لیا کرو۔[1]

شجاعت وقوت عزم واستقلال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان اوصاف میں بھی سب پر فائق تھے۔ ایک رات مدینہ منورہ کے لوگ ڈر گئے اور شور وغل برپا ہوا گویا کوئی چور یا دشمن آتا ہے۔ آپ نے حضرت ابوطلحہ کا گھوڑا لیا جو سست رفتار اور سرکش تھا۔ آپ اُس کی پیٹھ پر بغیر زین کے سوار ہو گئے۔ اور تلوار آڑے لٹکائے ہوئے جنگل کی طرف اکیلے ہی تشریف لے گئے۔ جب لوگ اُس آواز کی طرف گئے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو راستے میں واپس آتے ہوئے ملے۔ آپ نے اُن کو تسلی دی۔ کہ ڈرومت ڈرومت۔ اور گھوڑے کی نسبت فرمایا۔ کہ ہم نے اسے دریا کی مانند تیز رفتار پایا۔[2]

غزوات میں جہاں بڑے بڑے دلاور و بہادر بھاگ جایا کرتے تھے آپ ثابت قدم رہا کرتے تھے۔ چنانچہ جنگ اُحد میں جب مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی۔ تو یہ کوہ استقامت اپنی جگہ پر قائم رہا۔ اور دشمنوں پر تیر پھینکتے رہے۔ جب کمان پارہ پارہ ہو گئی۔ تو سنگ اندازی شروع کی۔ جنگ حنین میں صرف چند جانباز آپ کے ساتھ رہ گئے تھے۔ باقی سب بھاگ گئے تھے۔ اس نازک حالت میں آپ نے اِسی پر اکتفاء نہ کیا کہ اپنی جگہ پر قائم رہ کر مدافعت فرمائیں۔ بلکہ اپنی خچر کو بار بار ایڑ لگا کر دشمن کی طرف بڑھانا چاہتے تھے مگر وہ جانباز مانع آرہے تھے۔

جب گھمسان کا معرکہ ہوا کرتا تھا۔ تو صحابہ کرام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آڑ میں پناہ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت براء بن عازب کا قول ہے" اللہ کی قسم! جب لڑائی شدت سے ہوا کرتی تھی۔ تو ہم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی پناہ ڈھونڈا کرتے تھے۔ اور ہم میں سے بہادر وہ ہوتا تھا۔ جو آپ کے ساتھ دشمن کے مقابل کھڑا ہوتا تھا۔"[3]

اعلان دعوت پر قریش نے آپ کی سخت مخالفت کی۔ جب ابوطالب نے بھی آپ کا ساتھ چھوڑنے کا ارادہ کیا۔ تو آپ نے یوں فرمایا" چچا جان! اللہ کی قسم اگر وہ سورج کو میرے دائیں

---

[1] مشکوٰۃ۔ بحوالہ ترمذی۔ باب فی اخلاقہ وشمائلہ صلے اللہ علیہ وسلم۔
[2] صحیح بخاری۔ کتاب الادب۔ باب حسن الخلق والسخاء۔
[3] صحیح مسلم۔ غزوہ حنین۔

ہاتھ میں اور چاند کو بائیں ہاتھ میں رکھ دیں تاکہ میں اِس کام کو چھوڑ دوں۔ تب بھی اس کام کو نہ چھوڑوں گا یہاں تک کہ خدا اسے غالب کر دے یا میں خود اس میں ہلاک ہو جاؤں“۔

ہجرت سے پہلے قریش نے مسلمانوں کو اس قدر ستایا کہ ان کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ تنگ آکر انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ سے عرض کیا کہ آپ اُن پر بد دعا فرمائیں۔ یہ سُن کر آپ کا چہرہ مبارک سُرخ ہو گیا اور فرمایا:۔ تم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں ان پر لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتیں جس سے گوشت پوست سب علیحدہ ہو جاتا۔ اور ان کے سروں پر آرے رکھے جاتے اور چیر کر دو ٹکڑے کر دئے جاتے۔ مگر یہ اذیتیں اُن کو دین سے برگشتہ نہ کر سکتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ دین اسلام کو کمال تک پہنچائے گا۔ یہاں تک کہ ایک سوار صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گا اور اُسے خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہو گا“ (صحیح بخاری)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت بدنی بھی سب سے زیادہ تھی۔ غزوہ احزاب میں جب صحابہ کرام خندق کھود رہے تھے۔ تو ایک جگہ ایسی سخت زمین ظاہر ہوئی کہ سب عاجز آ گئے آپ سے عرض کیا گیا۔ تو آپ بذات شریف خندق میں اُترے۔ اور ایک کدال ایسا مارا کہ وہ سخت زمین ریگ رواں کا ایک ڈھیر بن گئی[۵۱]۔

رکانہ بن عبد یزید بن ہاشم قرشی مطلبی قریش میں سب سے طاقتور تھا۔ وہ ایک روز مکہ کے راستے میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملا۔ آپ نے اُس سے فرمایا“ رکانہ! کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا۔ اور میری دعوت اسلام کو قبول نہیں کرتا؟“۔ اُس نے کہا۔ کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ جو کچھ آپ فرماتے ہیں وہ سچ ہے۔ تو میں آپ پر ایمان لے آؤں۔ آپ نے فرمایا“ اگر میں تجھے کشتی میں پچھاڑ دوں۔ تو کیا تو مان جائے گا کہ میں جو کچھ کہتا ہوں سچ ہے؟“ وہ بولا کہ ہاں۔ آپ نے اُسے پکڑتے ہی چاروں شانے چت گرا دیا۔ کہنے لگا“ محمدؐ! آپ مجھ سے دوبارہ کشتی لڑیں“۔ آپ نے دوسری دفعہ بھی اُسے پچھاڑ دیا۔ اس پر اُس نے کہا“ محمدؐ! خدا کی قسم آپ کا مجھے پچھاڑنا عجیب ہے“۔ آپ نے فرمایا“ اگر تو خدا سے ڈرے اور مجھ پر ایمان لائے۔ تو میں اس سے بھی عجیب امر تجھ کو دکھاتا ہوں۔ اُس نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟۔ آپ نے فرمایا کہ یہ درخت جو تو دیکھتا ہے۔ میں اسے بلاتا ہوں

[۵۱] صحیح بخاری۔ غزوہ خندق۔

اور وہ میرے پاس چلا آئے گا۔ اُس نے کہا کہ آپ اسے بلائیے۔ چنانچہ وہ درخت آپ کے بلانے پر پاس آکھڑا ہوا۔ رکانہ نے کہا کہ اسے حکم دیجئے کہ اپنی جگہ پر چلا جائے۔ آپ کے حکم سے وہ اپنی جگہ پر چلا گیا۔ رکانہ نے اپنی قوم میں جاکر کہا کہ میں نے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) سے بڑھ کر کسی کو جادوگر نہیں دیکھا۔ پھر بیان کیا جو دیکھا تھا[۱]۔ رکانہ مذکور فتح مکہ میں ایمان لائے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

آپ نے ابوالاسود جمحی کو بھی پچھاڑا تھا۔ جو ایسا طاقتور تھا کہ گائے کی کھال پر کھڑا ہو جاتا۔ دس جوان اُس کھال کو اُس کے پاؤں کے نیچے سے نکال لینے کی کوشش کرتے۔ وہ چمڑا پھٹ جاتا۔ مگر اُس کے پاؤں کے نیچے سے نہ نکل سکتا تھا۔ اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ "اگر آپ مجھے کُشتی میں پچھاڑ دیں۔ تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا۔" آپ نے اُسے پچھاڑ دیا۔ مگر وہ بدبخت ایمان نہ لایا[۲]۔

زُہد یہ وصف بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک میں کمال درجے کا تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ ایک قوم کے پاس سے گزرے جن کے آگے بکری کا بھنا ہوا گوشت رکھا ہوا تھا۔ اُنہوں نے آپ کو شریک طعام ہونے کے لئے بلایا۔ مگر آپ نے یہ فرما کر انکار کر دیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اِس دنیا سے تشریف لے گئے اور جَو کی روٹی پیٹ بھر کر نہ کھائی[۳]۔

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اہلبیت کبھی لگاتار دو روز جَو کی روٹی سے سیر نہ ہوئے یہانتک کہ آپ اِس دنیا سے رحلت فرما گئے[۴]۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی خوان پر کھانا نہ کھایا۔ اور نہ باریک روٹی تناول فرمائی[۵]۔

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے دولتخانہ میں بعض دفعہ دو دو مہینے آگ روشن نہ ہوا کرتی تھی۔ اور صرف پانی اور چھواروں پر گزارہ ہوتا تھا[۶]۔ بعض وقت آپ بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابوطلحہ انصاری بیان فرماتے ہیں۔ کہ ایک روز ہم نے

---

[۱] سیرت ابن ہشام۔
[۲] مواہب لدنیہ۔
[۳] صحیح بخاری۔ باب ما کان النبی صلے اللہ علیہ وسلم واصحابہ یاکلون۔
[۴] مشکوٰۃ۔ بحوالہ صحیحین۔ باب فضل الفقراء۔
[۵] صحیح بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب فضل الفقر۔
[۶] صحیح بخاری۔ باب کیف کان عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی اور ہم میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے پیٹ پر ایک ایک پتھر بندھا دکھایا۔ پس آپ نے اپنے پیٹ مبارک پر دو پتھر بندھے دکھائے۔[1]

حضرت عائشہ صدیقہ کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ تو میرے گھر کے طاق میں سوائے آدھ پیمانہ جَو کے کچھ کھانے کو نہ تھا۔[2] اور آپ کی زرہ ایک یہودی کے ہاں تیس صاع جَو کے عوض گرو تھی جو آپ نے اپنے اہل وعیال کے نفقہ کے لئے لئے تھے۔[3]

ایلاء کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مشربہ (بالاخانہ) میں تشریف رکھتے تھے۔ جہاں کھانے پینے کا اسباب رکھا جاتا تھا۔ حضرت عمر فاروق کو جب ایلاء کی خبر لگی۔ تو گھبرائے ہوئے اُس مشربہ میں حاضر خدمت اقدس ہوئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھری چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ جو برگ خرما سے بُنی ہوئی ہے اور جس پر کوئی توشک وغیرہ نہیں۔ بوریائے خرما کے نشان آپ کے پہلو مبارک پر پڑے ہوئے ہیں۔ اور بدن مبارک پر ایک تہ بند کے سوا کچھ نہیں۔ سرہانے ایک تکیہ ہے جس میں خرما کی چھال بھری ہوئی ہے۔ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خزانہ کو دیکھا۔ ایک کونے میں مٹھی بھر جَو رکھے ہوئے تھے۔ پاؤں مبارک کے قریب درخت سلم کے کچھ پتے (جو دباغت میں کام آتے ہیں) پڑے ہوئے تھے۔ اور سر مبارک کے پاس ایک کھونٹی پر تین کھالیں لٹک رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ نے پوچھا۔ ابن خطاب! کیوں روتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ کیوں نہ روؤں۔ بوریائے خرما کے نشان آپ کے پہلو مبارک پر پڑے ہوئے ہیں۔ یہ آپ کا خزانہ ہے۔ اِس میں جو کچھ ہے وہ نظر آرہا ہے۔ قیصر وکسریٰ تو باغ وبہار کے مزے لوٹیں۔ اور خدا کے رسول وبرگزیدہ کے خزانہ کا یہ حال ہو۔ آپ نے فرمایا۔ ابن خطاب! کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ آخرت ہمارے واسطے اور دنیا اُن کے لئے ہو۔[4]

---

[1] مشکوٰۃ۔ بحوالہ ترمذی۔ باب فضل الفقراء۔

[2] صحیح بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب فضل الفقر۔

[3] صحیح بخاری۔ کتاب المغازی۔ باب وفاۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم۔

[4] صحیح مسلم۔ باب بیان ان تخییرہ امرأتہ لا یکون طلاقاً الا بالنیۃ۔ صحیح بخاری۔ کتاب النکاح۔ باب موعظۃ الرجل ابنتہ لحال زوجھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ کہ ایک روز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بوریا کے کھرے بوریا پر سوئے ہوئے تھے۔ اُٹھے تو اُس کے نشان آپ کے پہلو مبارک پر پڑے ہوئے تھے۔ ہم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم آپ کے لئے گدا بنوا دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے دنیا سے کیا غرض دنیا میں میرا حال اُس سوار کی مانند ہے۔ جو ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ جاتا ہے۔ پھر اس کو چھوڑ کر آگے بڑھتا ہے۔[1]

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے اہل وعیال کے لئے بھی زہد کی زندگی پسند فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ کے ازواج مطہرات کے حجرے کھجور کی شاخوں سے بنے ہوئے تھے۔ جن کی چھت کہگل کی ہوئی تھی۔ اور وہ قد آدم سے کچھ ہی اونچے تھے جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ پہننے کے لئے اُن میں سے ہر ایک کے پاس صرف ایک ایک جوڑا کپڑا تھا۔[2]

حضرت ثوبان کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سفر کا قصد فرماتے۔ تو اپنے اہل میں سے سب سے اخیر حضرت فاطمہ زہراء سے مل کر جاتے۔ اور واپس آکر سب سے پہلے حضرت زہرا سے ملتے۔ ایک دفعہ آپ کسی غزوہ سے تشریف لائے۔ حضرت فاطمہ نے اپنے دروازہ پر پردہ لٹکایا ہوا تھا۔ اور امام حسن اور امام حسین کو چاندی کے کنگن پہنائے ہوئے تھے۔ آپ حسب معمول حضرت فاطمہ کے یہاں آئے۔ تو اندر داخل نہ ہوئے اور تشریف لے گئے۔ حضرت زہرا نے خیال کیا کہ زینت وزیور ہی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر آنے سے روکا ہے۔ اس لئے پردے کو پھاڑ دیا۔ اور بچوں کے ہاتھ سے کنگن نکال دئے۔ حضرات حسنین روتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ حضور نے کنگن ان سے لے لئے اور فرمایا "ثوبان! یہ زیور فلاں شخص کی آل کے ہاں لے جا۔ کیونکہ یہ میرے اہلبیت ہیں۔ میں پسند نہیں کرتا کہ یہ اپنی دنیوی زندگی میں لذائذ سے حظ اٹھائیں۔ ثوبان! فاطمہ کے لئے ایک عصب[3] کا ہار اور عاج (بحری

---

[1] جامع ترمذی۔ ابواب الزہد۔

[2] صحیح بخاری۔ کتاب الحیض۔ باب ہل یصلی المرأۃ فی ثوب حاضت فیہ۔ ابوداؤد۔ باب المرأۃ تغسل ثوبہا الذی تلبسہا فی حیضہا۔

[3] عصب کے معنی میں اختلاف ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ ایک بحری جانور کے دانت کو عصب کہتے ہیں جس کو تراش کر منکے بنائے جاتے ہیں۔ عصب کے معنی پٹھے کے بھی ہیں۔ ممکن ہے کہ بعض حیوانات کے پٹھوں کو خشک کر کے کتر کر منکے بنا لیتے ہوں واللہ اعلم

کچھوے کی پشت) کے دو کنگن خرید لاؤ۔[1]

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاجزادی حضرت بی بی فاطمہ کے گھر پر تشریف لے گئے۔ مگر اندر داخل نہ ہوئے۔ حضرت علی آئے۔ تو حضرت زہراؑ نے اُن سے یہ ذکر کر دیا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ فاطمہ کے دروازے پر مخطط پردہ لٹک رہا تھا۔ پھر فرمایا کہ مجھے دنیا سے کیا غرض۔ جب حضرت علی نے حضرت زہراؑ سے یہ بیان کیا۔ تو وہ بولیں کہ حضور انور اس بارے میں جو چاہیں ارشاد فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ اسے فلاں حاجتمند اہلبیت کو دیدیں۔ اسی طرح حضرت علی فرماتے ہیں کہ مجھے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک حلۂ سیرا (مخطط یا ریشمی) بطور ہدیہ عطا فرمایا۔ میں نے اُسے پہن لیا۔ یہ دیکھ کر حضور انور کے چہرہ مبارک پر غضب کے آثار نمودار ہوئے۔ میں نے اُسے پھاڑ کر اپنی عورتوں میں تقسیم کر دیا۔[2]

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت علی بن ابی طالب کی دعوت کی۔ اور کھانا تیار کر کے گھر بھیج دیا۔ حضرت فاطمہ زہراءؑ نے کہا۔ کیا خوب ہو اگر ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی شریک طعام کریں۔ چنانچہ ہم نے آپ کو بلایا۔ آپ تشریف لائے۔ آپ نے دروازے کے بازووں پر اپنا ہاتھ مبارک رکھا۔ اور گھر کے ایک طرف پردہ لٹکتا دیکھ کر واپس تشریف لے گئے۔ حضرت زہراؑ نے حضرت علی سے کہا۔ کہ جائیے اور دیکھئے کہ آپ کس واسطے واپس ہو گئے۔ حضرت علی نے آپ سے واپسی کا سبب دریافت کیا۔ تو فرمایا کہ یہ پیغمبر کی شان کے خلاف ہے کہ زیب و زینت والے گھر میں داخل ہو۔[3]

حضرت عائشہ صدیقہ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ میں تشریف لے گئے تھے۔ میں آپ کی واپسی کا انتظار کیا کرتی تھی۔ ہمارے ہاں ایک رنگین فرش تھا۔ میں نے اُسے چھت کے ایک شہتیر پر لپیٹ دیا۔ جب آپ تشریف لائے۔ تو میں نے آگے بڑھ کر عرض کیا۔ "السلام علیك یارسول الله ورحمة الله وبركاته۔ سب ستائش خدا کے لئے ہے جس نے

---

[1] مشکوٰۃ بحوالہ احمد وابوداؤد۔ کتاب اللباس۔ باب الترجل۔

[2] صحیح بخاری۔ کتاب الہبۃ۔ باب ہدیۃ مایکرہ لبسہا۔

[3] ابوداؤد۔ کتاب الاطعمہ۔ باب الرجل یدعی فیری مکروہًا۔

آپ کو شرف و بزرگی بخشی"۔ آپ نے گھر میں بساط رنگین دیکھ کر میرے سلام کا جواب نہ دیا۔ میں نے آپ کے چہرہ مبارک پر کراہت کے آثار دیکھے۔ آپ نے اُس فرش کو پھاڑ ڈالا اور فرمایا کہ خدا نے جو کچھ ہمیں دیا ہے۔ اُس کے بارے میں ہمیں یہ حکم نہیں دیا کہ اینٹ پتھر کو پہنا دیں۔ پس میں نے اُس کے دو تکیے بنا لئے۔ جن میں کھجور کی چھال بھر دی۔ آپ نے اس پر اعتراض نہ فرمایا[۱]۔

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں۔ کہ ہمارے ہاں ایک پردہ تھا۔ جس میں پرندوں کی تصویریں تھیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عائشہ! اس کو بدل ڈالو۔ کیونکہ جب میں اسے دیکھتا ہوں۔ تو دنیا یاد آتی ہے[۲]۔

واضح رہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ زہد اختیاری تھا۔ خدا تعالیٰ نے تو زمین[۳] کے خزانوں کی کنجیاں آپ پر پیش کیں۔ مگر آپ کی ہمت عالی نے عبودیت و زہد کو پسند فرمایا۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ میرے پروردگار نے مجھ سے فرمایا۔ کہ اگر تو چاہے۔ تو تیرے واسطے وادیٔ مکہ کو سونا بنا دوں۔ مگر میں نے عرض کیا:" اے میرے پروردگار! میں یہ نہیں چاہتا۔ بلکہ یوں چاہتا ہوں کہ ایک دن سیر ہو کر کھاؤں اور دوسرے روز بھوکا رہوں۔ جب بھوکا رہوں۔ تو تیرے آگے زاری و عاجزی کروں۔ اور جب سیر ہو جاؤں۔ تو تیری حمد اور تیرا شکر کروں[۴]"۔

اس میں شک نہیں کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو فتوحات بکثرت ہوئیں۔ مگر جو کچھ آتا۔ راہ خدا میں اُٹھا دیتے۔ اور خود زہد کی زندگی بسر کرتے۔ یہانتک کہ جب آپ کا وصال شریف ہوا۔ تو بدن مبارک پر صرف ایک کملی اور تہ بند تھا۔ کملی میں پیوند پر پیوند لگے ہوئے تھے۔ اور نمدہ کی طرح ہو گئی تھی۔ تہ بند کا کپڑا بھی پیوندوں کی کثرت سے موٹا ہو گیا تھا[۵]۔ اور آپ کی زرہ ذات الفضول نام ابوالشحم یہودی کے پاس بیس صاع جو میں گرو تھی۔ جو آپ نے اپنے اہل کے لئے ایک دینار کو لئے تھے۔ (ترمذی)۔

---

[۱] ابوداؤد۔ کتاب اللباس۔ باب فی الصور۔
[۲] مشکوٰۃ بحوالہ امام احمد۔ کتاب الرقاق۔
[۳] مواہب لدنیہ بحوالہ طبرانی۔
[۴] جامع ترمذی۔ ابواب الزہد۔ باب ماجاء فی الکفاف والصبر علیہ۔
[۵] صحیح بخاری۔ کتاب الجہاد۔ باب ما ذکر من درع النبی صلے اللہ علیہ وسلم وعصاہ وسیفہ۔ الخ

خوف و عبادت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو معرفت الٰہی اور علم سب سے زیادہ تھا۔ اس لئے آپ سب سے زیادہ خدا ترس اور عبادت کرنے والے تھے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔ "قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر تمہیں معلوم ہوتا جو مجھے معلوم ہے۔ تو تم البتہ زیادہ روتے اور تھوڑا ہنستے"[1]۔

آپ کی عبادت کا یہ حال تھا۔ کہ کثرت قیام شب کے سبب سے آپ کے پاؤں مبارک پر ورم آگیا تھا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا۔ کہ آپ یہ تکلیف و محنت کیوں اٹھاتے ہیں حالانکہ خدا تعالےٰ نے آپ کے سب اگلے پچھلے گناہ بخش دئے ہیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا۔ "کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں[2]؟"۔ یعنی کیا میں اس بات کا شکر نہ کروں کہ میں بخشا گیا۔

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام رات نماز میں کھڑے رہے۔ اور قرآن کی ایک ہی آیت بار بار پڑھتے رہے[3]۔

حضرت حذیفہ بن الیمان کا بیان ہے۔ کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو رات کے ایک حصے میں نماز پڑھتے دیکھا۔ آپ یوں پڑھتے تھے۔ اللہ اکبر (تین بار) ذو الملك والجبروت والکبریاء والعظمة۔ پھر دعائے استفتاح پڑھتے تھے۔ بعدازاں آپ نے (سورہ فاتحہ کے بعد) سورہ بقرہ پڑھ کر رکوع کیا۔ آپ کا رکوع (طوالت میں) مانند قیام کے تھا۔ اور اُس میں سبحان ربی العظیم۔ پڑھتے تھے۔ پھر آپ نے رکوع سے سر اُٹھایا۔ آپ کا قومہ مانند رکوع کے تھا۔ اور آپ اس میں لربی الحمد پڑھتے تھے۔ پھر آپ نے سجدہ کیا۔ آپ کا سجدہ مانند قومہ کے تھا۔ آپ سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھتے تھے۔ پھر آپ نے سجدہ سے سر اُٹھایا۔ آپ دو سجدوں کے درمیان مانند سجدہ کے بیٹھتے تھے۔ اور رب اغفرلی رب اغفرلی پڑھتے تھے۔ اس طرح آپ نے چار رکعتیں پڑھیں۔ اور ان میں سورہ بقرہ وآل عمران ونساء اور مائدہ یا انعام ختم کیں[4]۔

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو تعلمون ما اعلم۔ الخ
[2] شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی عبادة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔
[3] شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی عبادة رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔ روایت ابوذر میں ہے کہ وہ آیت یہ ہے۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ (سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی القراءة فی صلوٰة اللیل)۔
[4] مشکوٰة۔ بحوالہ ابوداؤد۔ باب صلوٰة اللیل۔

آپ کو خوف الٰہی کمال درجہ کا تھا۔ حضرت عبداللہ بن الشخیر روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک روز میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور رونے کے سبب سے آپ کے شکم مبارک سے تانبے کی دیگ (کے جوش) کی مانند آواز آرہی ہے[1]

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے تفصیلی حالات کتب احادیث میں موجود ہیں۔ یہاں بوجہ اختصار ان کے ایراد کی گنجایش نہیں۔ مگر اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ آپ کا عمل افراط و تفریط سے خالی ہوا کرتا تھا۔ نہ تمام رات نماز پڑھتے اور نہ تمام رات سوتے۔ بلکہ رات کو نماز بھی پڑھتے اور سو بھی لیتے۔ اسی طرح روزوں کا حال تھا۔ ماہ رمضان مبارک کی طرح تمام ماہ شعبان کے روزے رکھتے۔ باقی دس مہینوں میں سے ہر ایک میں آپ ہمیشہ روزہ نہ رکھتے کہ افراط لازم آئے اور نہ ہمیشہ افطار فرماتے کہ تفریط لازم آئے۔ بلکہ ہر مہینہ میں کبھی روزہ رکھتے اور کبھی افطار فرماتے[2]

عدل و امانت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ عادل و امین تھے۔ طفولیت میں جب مائی حلیمہ نے آپ کو پہلے پہل گود میں لیا۔ تو آپ نے صرف دہنی چھاتی سے دودھ پیا۔ اور دوسری اُن کے شیرخوار بچہ کے لئے چھوڑ دی[3]

جب آپ غنائم حنین تقسیم فرما رہے تھے۔ تو ذوالخویصرہ رأس الخوارج نے کہا۔ یا رسول اللہ! عدل کیجئے۔ آپ نے فرمایا "تجھ پر افسوس۔ میں اگر عدل نہ کروں تو اور کون کرے گا۔ اگر میں عادل نہیں۔ تو تُو نا امید و زیاں کار ہے۔" حضرت عمر فاروق نے عرض کیا کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کی گردن اُڑا دوں۔ آپ نے فرمایا "اُسے جانے دو۔ کیونکہ اُس کے اصحاب ایسے ہیں۔ کہ اُن کی نمازوں کے مقابلے میں تم اپنی نمازوں کو اور ان کے روزوں کے مقابلہ میں اپنے روزوں کو حقیر سمجھو گے۔ وہ دین سے یوں نکل جاتے ہیں جیسا تیر شکار میں سے نکل جاتا ہے[4]"

ایک دفعہ آپ نے ایک شخص سے کچھ کھجوریں اُدھار لیں۔ جب اُس نے تقاضا کیا۔ تو آپ نے

---

[1] شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی بکاء رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔

[2] صحیح بخاری۔ باب ما یذکر من صوم النبی صلے اللہ علیہ وسلم وافطارہ۔

[3] شرح ہمزیہ لابن حجر الہیتمی۔ بحوالہ ابن اسحاق و ابن راہویہ و ابو یعلی و طبرانی و بیہقی و ابو نعیم۔

[4] صحیح بخاری۔ باب علامات النبوۃ فی الاسلام۔

فرمایا۔ آج ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ مہلت دیجئے کہ کچھ آجائے تو ادا کردوں" یہ سن کر وہ بولا "آہ بیوفائی"
اس پر حضرت عمر فاروق کو غصہ آگیا۔ آپ نے فرمایا" عمر! جانے دو۔ صاحب حق ایسا ویسا کہا کرتا
ہے" پھر آپ نے حضرت خولہ بنت حکیم انصاریہ سے کھجوریں منگوا کر اُس کے حوالہ کیں۔[1]

حضرت ابو حدرد اسلمی کا بیان ہے کہ مجھ پر ایک یہودی کا چار درہم قرض تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم غزوہ خیبر کا ارادہ فرما رہے تھے۔ اُس نے مجھ سے تقاضا کیا۔ میں نے
مہلت مانگی۔ تو وہ نہ مانا اور مجھے پکڑ کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا۔ آپ نے
مجھ سے دو دفعہ فرمایا کہ اس کا حق ادا کردو۔ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! آپ ہم خیبر کا ارادہ فرما
رہے ہیں۔ شاید ہمیں وہاں سے کچھ غنیمت ہاتھ لگے۔ آپ نے پھر فرمایا۔ کہ اس کا حق ادا کردو۔ یہ
قاعدہ تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بات کے لئے تین بار فرما دیتے۔ تو پھر کوئی عذر نہ
کیا جاتا۔ میرے پاس بدن پر ایک تہ بند اور سر پر عمامہ تھا۔ میں نے اُس یہودی سے کہا۔ کہ اِس
تہ بند کو مجھ سے خرید لو۔ چنانچہ اُس نے چار درہم میں خرید لیا۔ میں نے عمامہ سر سے اُتار کر کمر سے
لپیٹ لیا۔ ایک عورت میرے پاس سے گذری۔ اُس نے اپنی چادر مجھے اُڑھا دی۔[2]

سُرق ایک صحابی تھے۔ اُن سے اِس نام کی وجہ تسمیہ دریافت کی گئی۔ تو کہنے لگے کہ ایک
بدوی دو اونٹ لے کر آیا۔ میں نے خرید لئے۔ پھر میں (قیمت لانے کے بہانہ سے) اپنے گھر میں داخل
ہوا۔ اور عقب خانہ سے نکل گیا۔ اور اُن اونٹوں کو بیچ کر اپنی حاجت پوری کی۔ میں نے خیال کیا
کہ بدوی چلا گیا ہوگا۔ میں واپس آیا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ کھڑا ہے۔ وہ مجھے پکڑ کر رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا اور واقعہ عرض کیا۔ آپ نے مجھ سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ میں نے
عرض کیا۔ یارسول اللہ! میں نے اونٹوں کو بیچ کر اپنی حاجت روائی کی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بدوی
کو قیمت ادا کردو۔ میں نے عرض کیا کہ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تو سُرق ہے۔ پھر
بدوی سے فرمایا کہ تم اس کو بیچ کر اپنی قیمت وصول کرلو۔ چنانچہ لوگ اُس سے میری قیمت پوچھنے
لگے۔ وہ اُن سے کہتا تھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہتے تھے کہ ہم خرید کر اس کو آزاد کرنا چاہتے ہیں۔

---

[1] معجم صغیر طبرانی۔ اسم محمد۔

[2] معجم صغیر طبرانی۔ اسم عبدان شروع۔

یہ سن کر بدوی نے کہا کہ میں تمہاری نسبت ثواب کا زیادہ مستحق و خواہاں ہوں۔ اور مجھ سے کہا کہ جاؤ۔ میں نے تم کو آزاد کر دیا[1]۔

ایک دفعہ خاندان مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی۔ قریش نے چاہا کہ وہ حد سے بچ جائے۔ انہوں نے حضرت اسامہ بن زید سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب خاص تھے درخواست کی کہ آپ سفارش کیجئے۔ چنانچہ حضرت اسامہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کی۔ آپ نے فرمایا "کیا تم حد میں سفارش کرتے ہو؟ تم سے پہلے لوگ (بنی اسرائیل) اسی سبب سے تباہ ہوئے کہ وہ غریبوں پر حد جاری کرتے اور امیروں کو چھوڑ دیتے۔ خدا کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمدؐ بھی ایسا کرتی۔ تو میں اُس کا ہاتھ کاٹ دیتا[2]"۔

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ ایک شخص آیا اور آپ پر جھک گیا۔ آپ نے کھجور کی سوکھی شاخ سے جو آپ کے دست مبارک میں تھی اُسے ٹھوکا دیا۔ جس سے اُس کے مُنہ پر خراش آ گئی۔ آپ نے فرمایا کہ تم مجھ سے قصاص لے لو۔ اُس نے عرض کیا "یا رسول اللہ! میں نے معاف کر دیا[3]"۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جنگ بدر کے لئے صف آرائی کر رہے تھے۔ حضرت سواد بن غزیہ انصاری صف سے آگے نکلے ہوئے تھے۔ آپ نے ایک تیر کی لکڑی سے اُن کا پیٹ ٹھوکا دیا اور فرمایا:۔

استوا یا سواد	اے سواد! برابر ہو جاؤ

اس پر سواد نے حضور سے قصاص طلب کیا۔ آپ نے فوراً اپنا شکم مبارک ننگا کر دیا اور فرمایا کہ قصاص لے لو۔ یہ قصہ بالتفصیل پہلے آ چکا ہے۔

آپ کی امانت کا یہ عالم تھا۔ کہ نبوت سے پہلے بھی آپ عرب میں امین مشہور تھے۔ چنانچہ جب قریش کعبہ کو از سر نو بنانے لگے اور وہ حجر اسود کی جگہ تک تیار ہو گیا۔ تو قبائل قریش میں جھگڑا ہوا۔ ہر ایک قبیلہ یہی چاہتا تھا کہ حجر اسود کو اُٹھا کر ہم اُس کی جگہ پر رکھیں گے۔ آخر یہ قرار پایا

[1] مستدرک حاکم۔ کتاب الاحکام۔ قصہ سُرق رضی اللہ عنہ۔
[2] صحیح بخاری۔ کتاب الانبیاء۔
[3] ابوداؤد۔ باب القود بغیر حدید۔

کہ جو شخص کل صبح باب بنی شیبہ سے حرم میں پہلے داخل ہو وہ ثالث بنے۔ اتفاقاً اُس دروازے سے جو پہلے داخل ہوئے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ آپ کو دیکھتے ہی سب پکار اُٹھے۔[1]

هٰذَا الْاَمِیْنُ رَضِیْنَا هٰذَا مُحَمَّدٌ | یہ امین ہیں۔ ہم راضی ہیں۔ یہ محمدؐ ہیں۔

جب انہوں نے آپ سے یہ معاملہ ذکر کیا۔ تو آپ نے ایک چادر بچھا کر حجر اسود کو اُس میں رکھا۔ پھر فرمایا کہ ہر طرف والے ایک ایک سردار انتخاب کریں۔ اور وہ چاروں سردار چادر کے چاروں کونے تھام لیں اور اوپر کو اُٹھائیں۔ اس طرح جب وہ چادر مقام نصب کے برابر پہنچ گئی۔ تو آپ نے اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اُٹھا کر دیوار کعبہ میں نصب فرمایا۔ اور وہ سب خوش ہو گئے۔

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک پر ایک قطری موٹا جوڑا کپڑا تھا۔ جب آپ بیٹھتے۔ تو وہ پسینہ سے بوجھل ہو جاتا۔ ایک یہودی کے ہاں شام سے کپڑے آئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے عرض کیا۔ کہ آپ کسی کے ہاتھ اُس سے ایک جوڑا قرض منگوالیں۔ جب آپ کا آدمی یہودی کے پاس پہنچا۔ تو اس نے کہا "میں سمجھا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ میرا مال یا دام یوں ہی اُڑالیں" آپ نے سُن کر فرمایا "اُس نے جھوٹ کہا۔ اُسے معلوم ہے کہ میں سب سے زیادہ پرہیزگار اور سب سے زیادہ امانت کے ادا کرنے والا ہوں۔[2]"

قریش کو اگرچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سخت عداوت تھی۔ مگر باوجود اس کے اپنی جو کچھ کی چیز آپ ہی کے ہاں امانت رکھا کرتے تھے جیسا کہ اِس کتاب میں پہلے مذکور ہوا۔

صدق | اپنے تو در کنار بیگانے بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے قائل تھے حضرت عبداللہ بن سلام ابھی ایمان نہ لائے تھے کہ حضور کو دیکھتے ہی پکار اُٹھے:۔

وَجْهُهٗ لَيْسَ بِوَجْهِ كَذَّابٍ | ان کا چہرہ دروغگو کا چہرہ نہیں۔[3]

صلح حدیبیہ کی مدت میں ہرقل روم نے ابو سفیان (جو اب تک ایمان نہ لائے تھے) سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت پوچھا "کیا دعوے نبوت سے پہلے تمہیں ان پر جھوٹ

---

[1] سیرت ابن ہشام۔ حدیث بنیان الکعبۃ۔
[2] ترمذی۔ باب ما جاء فی الرخصۃ فی الشراء الی اجل۔
[3] مشکوٰۃ شریف۔ باب فضل الصدقۃ۔

بولنے کا گمان ہوا ہے؟" ابوسفیان نے جواب دیا کہ نہیں۔

حضرت علی مرتضٰے روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ ابوجہل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ "ہم (معشرِ قریش) تم کو جھوٹا نہیں کہتے۔ لیکن جو کچھ (کتاب و شریعت) تم لائے ہو۔ اُس سے ہم انکار کرتے ہیں"۔ اِس پر ابوجہل اور اس کے امثال کی شان میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:-

فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ (انعام۔ ع۴)	وہ تجھ کو جھوٹا نہیں کہتے۔ لیکن ظالم خدا کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔

عتبہ بن ربیعہ حضرت امیر معاویہ کی والدہ ہند کا باپ تھا۔ جو جنگ بدر میں کفر پر مرا۔ ایک روز قریش نے اُس کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کے لئے بھیجا۔ اُس نے حضور پر چند امور پیش کئے کہ اِن میں سے جو چاہیں اختیار کرلیں اور نئے مذہب سے باز آئیں۔ اُس کے جواب میں آپ نے سورہ حٰم سجدہ پڑھنی شروع کی۔ جب آپ آیہ فَاِنْ اَعْرَضُوْا پر پہنچے۔ تو عتبہ نے آپ کے مُنہ مبارک پر ہاتھ رکھ کر اور قرابت کی قسم دے کر کہا کہ آپ آگے نہ پڑھیں۔ اس کے بعد عتبہ نے واپس جا کر قریش سے یہ ماجرا بیان کیا اور کہا کہ اُس نے مجھے قرآن سُنایا۔ جب وہ اس آیت پر پہنچا:-

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ	اگر وہ مُنہ پھیریں۔ تو کہہ دیجئے کہ میں نے تمہیں ایک کڑاکے سے ڈرایا ہے جیسا کہ عاد و ثمود پر آیا تھا۔

تو میں نے اُس کے مُنہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ اور قرابت قریبہ کی قسم دے کر کہا کہ بس آگے نہ پڑھیے۔ تمہیں معلوم ہے۔ کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) جب کچھ کہہ دیتا ہے۔ تو جھوٹ نہیں بولتا۔ اِس لئے میں ڈر گیا کہ کہیں تم پر وہ عذاب نازل ہو جائے جس سے اُس نے ڈرایا تھا[۲]۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلان دعوت کا حکم آیا۔ تو آپ نے کوہ صفا پر چڑھ کر قریش کو پکارا۔ جب وہ جمع ہو گئے۔ تو آپ نے ان سے پوچھا۔ "بتاؤ۔ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ وادی مکہ میں

---

[۱] مشکوٰۃ شریف۔ بحوالہ ترمذی۔ باب فی اخلاقہ و شمائلہ صلے اللہ علیہ وسلم۔

[۲] خصائص کبریٰ للسیوطی۔ بحوالہ ابن ابی شیبہ۔ و بیہقی و ابی نعیم۔ جزو اول۔ صفحہ ۱۱۴

ایک سواروں کا لشکر تم پر تاخت وتاراج کرنا چاہتا ہے۔ تو کیا تمہیں یقین آجائے گا۔ وہ بولے۔ "ہاں۔ کیونکہ ہم نے تم کو سچ ہی بولتے دیکھا ہے"[1]۔

حُسن عہد ووفا

جب ہرقل قیصر روم نے ابوسفیان سے پوچھا "کیا وہ مدعی نبوت عہد شکنی کرتا ہے"؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا کہ نہیں۔

ابورافع ایک قبطی غلام تھے۔ جو مکہ میں رہا کرتے تھے۔ اُن کا بیان ہے۔ کہ قریش نے مجھے سفیر بنا کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا۔ جب میں نے آپ کو دیکھا تو میرے دل میں اسلام کی صداقت جاگزیں ہوگئی۔ میں نے عرض کیا۔ "یارسول اللہ! میں واللہ کبھی اُن کے پاس لوٹ کر نہ جاؤں گا"۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ "میں عہد شکنی نہیں کرتا اور نہ قاصدوں کو اپنے پاس روکتا ہوں۔ تم اب لوٹ جاؤ۔ اگر وہاں بھی تمہارے دل میں صداقت اسلام رہی۔ تو واپس آجانا"۔ ابورافع کا قول ہے کہ میں چلا گیا۔ پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لایا[2]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عہد شکنی کو بہت بُرا جانتے تھے۔ چنانچہ فرمایا کرتے تھے:۔

مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَاِنَّ رِيْحَهَا لَتُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ اَرْبَعِيْنَ عَامًا۔	جو شخص کسی غیرمسلم معاہد (ذمی) کو قتل کرے گا۔ وہ بہشت کی بو نہ سونگھے گا حالانکہ اُس کی بو چالیس سال کی مسافت سے آئے گی[3]۔

حضرت عبداللہ بن ابی الحساء بیان کرتے ہیں کہ میں نے بعثت سے پہلے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز خریدی۔ اُس کی قیمت میں سے کچھ میرے ذمہ باقی رہا۔ میں نے آپ سے وعدہ کیا۔ کہ میں باقی قیمت لے کر اسی جگہ آپ کے پاس آتا ہوں۔ چنانچہ میں چلا گیا اور اپنا وعدہ بھول گیا۔ تین راتوں کے بعد مجھے یاد آیا۔ میں بقیہ قیمت لے کر آیا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضور اُسی جگہ بیٹھے رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ "اے نوجوان! بے شک تو نے مجھے مشقت میں ڈال دیا۔ میں تین راتوں سے یہاں تیرا انتظار کر رہا ہوں"[4]۔

---

[1] صحیح بخاری۔ تفسیر سورہ شعراء

[2] ابوداؤد۔ باب فی الامام یستجن بہ فی العھود۔

[3] بخاری۔ باب اثم من قتل معاہدًا بغیر جرم۔

[4] ابوداؤد۔ کتاب الادب۔ باب العدۃ۔

عفت وحیاء حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی پاکدامنی کا ذکر کس زبان سے کیا جائے۔ صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ آپ نے کبھی کسی عورت کو جس کے آپ مالک نہ ہوں نہیں چھوا۔

حیاء وہ خُلق ہے۔ جس کے ذریعے انسان قبائح شرعیہ کے ارتکاب سے بچتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس میں غایت درجہ کا حیاء تھا۔ چنانچہ حضرت ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں۔ کہ "رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پردہ والی دوشیزہ سے بڑھ کر حیاء والے تھے جب آپ کسی امر کو ناپسند فرماتے۔ تو ہم اُسے آپ کے چہرہ مبارک میں پہچان جاتے[1]" یعنی غایت حیاء کے سبب سے آپ اپنی کراہت کی تصریح نہ فرماتے۔ بلکہ ہم اُس کے آثار چہرہ انور میں پاتے۔

تقسیم اوقات حضرت امام حسینؓ کا بیان ہے۔ کہ میں نے اپنے والد بزرگوار سے دریافت کیا۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا جو وقت اپنے دولتخانہ میں گزرتا تھا۔ آپ اُس میں کیا کیا کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوتے۔ تو اُس میں قیام کے وقت کے تین حصے کر لیتے تھے۔ ایک حصہ اللہ (کی عبادت) کے لئے۔ دوسرا اپنے اہل (کے ساتھ موانست ومعاشرت) کے لئے۔ تیسرا اپنی ذات اقدس کے لئے۔ پھر اپنے ذاتی حصہ کو اپنے اور عام لوگوں کے درمیان تقسیم کر لیتے۔ خواص صحابہ جو دولتخانہ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے آپ ان کی وساطت سے عوام کو، جو دولتخانہ میں حاضر نہ ہوا کرتے تبلیغ احکام فرماتے۔ اور نصیحت وہدایت کی کوئی بات عام وخاص سے پوشیدہ نہ رکھتے۔ حصۂ امت میں آپ کا طریقہ یوں تھا۔ کہ اہل فضل کو ترجیح دیتے تاکہ حاضر خدمت ہو کر افادۂ عام کریں۔ اور اس حصۂ امت کو بقدر حاجات دینیہ تقسیم فرماتے۔ اہل فضل میں سے کسی کو ایک مسئلہ دین دریافت کرنا ہوتا۔ کسی کو دو اور بعض کو بہت سے مسائل کی ضرورت ہوتی۔ پس آپ اُن اصحاب حاجات کی طرف توجہ فرماتے۔ اور اُن کو وہی امور دریافت کرا دیتے جن میں اُن کی اور امت کی بہبودی ہو۔ حضور ان کے مناسب حال احکام بیان فرماتے۔ اس کے بعد آپ حاضرین مجلس سے ارشاد فرماتے۔ کہ تمہیں چاہئے کہ بقیہ اُمت کو جو حاضر نہیں یہ احکام پہنچا دو۔ اور نیز فرماتے کہ جو لوگ (مثلاً عورتیں۔ بیمار۔ غائب وغیرہ) اپنی حاجتیں مجھ تک پہنچا نہیں سکتے۔ تم اُن کے حوائج مجھ پر پیش کرو۔ کیونکہ جو شخص ایسے آدمی کی

[1] شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی حیاء رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔

حاجت بادشاہ تک پہنچاتا ہے جسے وہ خود نہیں پہنچا سکتا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس کے قدم (پُل صراط پر) ثابت رکھے گا۔ اسی طرح کے ضروری و مفید امور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا کرتے۔ اور ایسے امور کی شنوائی نہ ہوتی جن میں کچھ فائدہ نہ ہوتا۔ طالب وسائل دولتخانہ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوتے۔ اور آپ سے استفادہ علوم کرتے اور لوگوں کے رہبر بن کر نکلتے۔

حضرت امام حسین فرماتے ہیں۔ کہ اِس کے بعد میں نے اپنے والد بزرگوار سے پوچھا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا جو وقت گھر سے خارج گزرتا تھا۔ آپ اُس میں کیا کیا کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اکثر خاموش رہتے۔ اور بجز مفید و ضروری امر کے لب کشائی نہ فرماتے۔ آپ لوگوں کو (حُسن خلق سے) اپنا گرویدہ بناتے۔ اور ایسی بات نہ کرتے جس سے وہ آپ سے نفرت کرنے لگیں۔ آپ ہر ایک قوم کے بزرگ کی عزت کرتے اور اُس کو اُن کا سردار بناتے۔ آپ لوگوں کو (عذاب خدا سے) ڈراتے۔ اُن سے احتراز کرتے اور بچتے۔ مگر کشادہ روئی اور حُسن خُلق میں کسی سے دریغ نہ فرماتے۔ اپنے اصحاب کی خبر گیری فرماتے (مثلاً مریض کی عیادت۔ مسافر کے لئے دعا، اور میّت کے لئے استغفار فرماتے)۔ اپنے خاص اصحاب سے لوگوں کے حالات دریافت فرماتے (تاکہ ظالم سے مظلوم کا بدلہ لیں)۔ آپ اچھی بات کی تحسین فرماتے اور اُس کی تائید کرتے۔ اور بُری بات کی بُرائی ظاہر فرماتے۔ اور اُس کی تضعیف و تردید کرتے۔ آپ کا حال ہمیشہ معتدل تھا۔ اُس میں اختلاف نہ تھا۔ آپ (لوگوں کی تذکیر و تعلیم سے) غافل نہ ہوتے تھے۔ کہ مبادا وہ غافل ہو جائیں یا سُستی کی طرف مائل ہو جائیں۔ آپ ہر حال (جمیع انواع عبادات) کے لئے مستعد تھے۔ حق سے کوتاہی نہ کرتے۔ اور نہ حق سے تجاوز فرماتے۔ جو لوگ (استفادہ کے لئے) آپ کی خدمت میں حاضر رہتے۔ وہ خیر الناس ہوتے۔ سب سے افضل آپ کے نزدیک وہ ہوتا۔ جو سب مسلمانوں کا خیر خواہ ہوتا۔ اور مرتبہ میں آپ کے نزدیک سب سے بڑا وہ ہوتا۔ جو محتاجوں کی غمخواری کرنے والا اور (مہمات امور میں) اپنے بھائیوں کی مدد کرنے والا ہوتا۔

امام حسین فرماتے ہیں۔ کہ بعد ازاں میں نے والد بزرگوار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کا حال دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا۔ کہ حضور کا مجلس سے اُٹھنا اور مجلس میں بیٹھنا بغیر

ذکر الٰہی نہ ہوتا۔ جب آپ کسی مجلس میں رونق افروز ہوتے۔ تو جو جگہ خالی پاتے۔ وہیں بیٹھ جاتے۔ اور دوسروں کو بھی یہی حکم دیتے۔ جو لوگ آپ کے پاس بیٹھتے۔ آپ اُن میں سے ہر ایک کو (حسب حال کشادہ روئی اور تعلیم و تفہیم سے) بہرہ ور فرماتے۔ آپ کا ہر ایک جلیس یہ سمجھتا کہ آپکے نزدیک مجھ سے زیادہ کوئی بزرگ نہیں۔ جو شخص آپ کے پاس بیٹھتا یا کسی حاجت کے لئے آپ سے کلام کرتا۔ آپ اُس کے ساتھ اُسی حالت میں ٹھہرے رہتے یہانتک کہ وہ خود واپس ہو جاتا۔ جو شخص آپ سے کسی حاجت کا سوال کرتا۔ آپ اُس کی حاجت کو پورا کرتے یا اُس سے کوئی نرم بات فرماتے (یعنی وعدہ فرماتے یا فرماتے کہ فلاں سے ہمارے ذمہ قرض لے لو)۔ آپ کی کشادہ روئی اور حسن خلق تمام لوگوں کے لئے عام تھا۔ آپ (بلحاظ شفقت) سب کے باپ ہو گئے تھے۔ اور وہ آپ کے نزدیک حق میں برابر تھے۔ (حسبِ حال و استحقاق ہر ایک کی حق رسائی ہوتی)۔ آپ کی مجلس حلم و حیاء و امانت و صبر کی مجلس ہوا کرتی تھی۔ اُس میں آوازیں بلند نہ ہوا کرتیں۔ اور نہ اُس میں کسی کی آبروریزی ہوتی۔ اور نہ اشاعت ہفوات ہوتی۔ آپ کی مجلس میں سب متساوی تھے۔ ہاں بلحاظ تقویٰ بعض کو بعض پر فضیلت تھی۔ وہ سب متواضع تھے۔ جو مجلس مبارک میں بڑوں کی توقیر اور چھوٹوں پر رحم کرتے۔ اور صاحب حاجت کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے۔ اور مسافر و اجنبی کے حق کی رعایت کرتے۔[۵۱]

ساتواں باب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معجزوں کا بیان

اللہ تعالیٰ نے مختلف زمانوں میں اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے اپنے پیارے پیغمبر علیہم الصلوٰۃ والسلام بھیجے۔ اور ان کی رسالت کے ثبوت کے لئے بطور دلائل ان کو معجزات عنایت کئے۔ کوئی پیغمبر ایسا نہیں جسے کوئی نہ کوئی معجزہ عطا نہ ہوا ہو۔ مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے

[۵۱] شمائل ترمذی۔ باب ما جاء فی تواضع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔

معجزات اکثر واقویٰ واظہر واشہر ہیں۔ کثرت کا یہ عالم ہے کہ ان کے افراد کا احاطہ انسانی طاقت سے خارج ہے۔ قرآن کریم کو دیکھئے۔ کہنے کو تو ایک معجزہ ہے۔ مگر اُس میں ہزارہا معجزے ہیں کیونکہ فصحائے قریش سے قرآن کی کسی ایک سورت کا معارضہ طلب کیا گیا۔ تو وہ عاجز آگئے۔ اب جائے غور ہے کہ قرآن میں چھوٹی سے چھوٹی سورت کوثر ہے۔ جس میں دس سے کچھ اوپر کلمات ہیں۔ اور بقول بعض قرآن میں ۷۷۹۳۴ کلمے ہیں۔ پس اگر سورہ کوثر کی مقدار کلمات قرآن کے اجزاء بنائے جائیں۔ تو قریباً سات ہزار ہوں گے۔ جن میں سے ہر ایک جزء فی نفسہ معجزہ ہوگا پھر اگر بلاغت واسلوب واخبار غیب وغیرہ وجوہ اعجاز پر غور کیا جائے۔ تو سات ہزار کی تضعیف ہوتی جائے گی۔ پس آپ حساب کرلیں۔ کہ ایک قرآن کریم میں کتنے معجزے ہیں۔ ہم اِس مضمون کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ دو فصلوں میں لکھتے ہیں:

فصل اوّل

اعجاز القرآن کا بیان

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اپنے زمانے میں معجزات دکھائے۔ مگر ان معجزات کا وجود صرف ان کی حیات دنیوی تک رہا۔ علاوہ ازیں ان کے معجزات عموماً حسّی تھے۔ جن کو فقط حاضرین وقت نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ مثلاً عصائے موسوی کو اگر دیکھا۔ تو اُس وقت کے حاضرین نے۔ ناقہ حضرت صالح علیہ السلام کا اگر مشاہدہ کیا۔ تو اُس وقت کے موجودین نے۔ اور مائدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اگر ملاحظہ کیا۔ تو حاضرین وقت نے۔ مگر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو کہ جن کی شریعت قیامت تک رہے گی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید ایک ایسا معجزہ عقلیہ عطا فرمایا۔ جو قیامت تک باقی رہے گا۔ اور ہر زمانے میں ہر صاحب عقل سلیم اس کو بصیرت کی آنکھ سے دیکھ سکے گا۔ چنانچہ جب کفار نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے نبیوں کے سے حسّی معجزے طلب کئے۔ تو ان کے جواب میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا:-

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ	کیا اُن کو بس نہیں کہ ہم نے اتاری تجھ پر کتاب

جواُن پر پڑھی جاتی ہے!	يُتْلٰى عَلَيْهِمْ (عنکبوت-ع۵)

مطلب یہ کہ اگر کفار واقعی طالب حق ہیں۔ تو ہم نے تجھے قرآن مجید ایک ایسا معجزہ عطا کیا ہے کہ جس کی موجودگی میں اُن معجزوں کی ضرورت نہیں۔ جو وہ از روئے تعنت وعناد تجھ سے طلب کرتے ہیں۔ یہ قرآن ہر مکان و ہر زمان میں منکرین پر پڑھا جاتا ہے اور پڑھا جائے گا۔ لہذا یہ زندہ معجزہ تاقیامت اُن کے ساتھ رہے گا۔ اور دوسرے معجزوں کی طرح نہیں۔ کہ وجود میں آئے اور جاتے رہے۔ یا ایک مکان میں ہوئے اور دوسرے میں نہ ہوئے۔ اسی مطلب کو امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے قصیدہ بردہ میں یوں ادا کیا ہے ؎

ہیں ہمارے پاس باقی آج تک وہ آیتیں	دَامَتْ لَدَيْنَا فَفَاقَتْ كُلَّ مُعْجِزَةٍ
معجزے اور انبیاء کے ہوگئے سب کالعدم	مِنَ النَّبِيِّيْنَ اِذْ جَاءَتْ وَلَمْ تَدُمِ

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی سب سے بڑی سب سے اشرف اور سب سے واضح دلیل یہی قرآن مجید ہے۔ وجہ یہ کہ معجزات عموماً اُس وحی کے مغایر ہوا کرتے تھے۔ جو کسی نبی پر نازل ہوتی تھی۔ اور وہ نبی اُس وحی کی صداقت پر معجزے کو بطور شاہد پیش کیا کرتا تھا۔ مگر قرآن کریم وحی ہے اور معجزہ بھی۔ اِس لئے یہ اپنا شاہد خود آپ ہے اور کسی دوسری دلیل کا محتاج نہیں!

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب گر دلیلت باید از وے رُو متاب

حدیث[۱] مامن الانبیاء کے یہی معنے[۲] ہیں۔ کیونکہ اِس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمادیا کہ جب معجزہ نفس وحی ہو۔ تو بوجہ اتحاد دلیل و مدلول وہ دلالت میں اوضح واقوٰی ہوتا ہے اور اُس پر ایمان لانے والے زیادہ ہوتے ہیں۔ اسی واسطے قرآن کریم پر ایمان لانے والے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ نبیوں میں سے کوئی نبی نہیں مگر یہ کہ معجزات میں سے اُسے ایسا معجزہ عطا ہوا کہ جس کی صفت یہ ہے۔ کہ اُسے دیکھ کر لوگ ایمان لائے۔ اور سوائے اس کے نہیں کہ مجھے جو معجزہ عطا ہوا وہ وحی ہے جو اللہ نے میری طرف بھیجی ہے۔ اس لئے میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میں امت کے لحاظ سے ان سے زیادہ ہوں گا۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔	[۱] عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامن الانبیاء من نبی الا قد اعطی من الآیات ما مثلہ اٰمن علیہ البشر وانما کان الذی اوتیت وحیا اوحی اللہ الی فارجو ان اکون اکثرھم تابعا یوم القیامۃ۔ متفق علیہ (مشکوٰۃ- باب فضائل سید المرسلین صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ)

[۲] دیکھو مقدمہ تاریخ ابن خلدون۔

ہر زمانے میں بکثرت رہے اور رہیں گے۔ خلاصہ کلام یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قرآن مجید پر مبنی ہے۔ چنانچہ خود قرآن مجید میں وارد ہے:۔

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا۔ (فرقان شروع)	بڑی برکت ہے اس کی جس نے اتارا قرآن اپنے بندے پر کہ ہو جہان والوں کے لئے ڈرانے والا۔

اور قرآن کریم کے وحی الٰہی ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل مغایر کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا ہم قرآن ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ وجوہ ذیل سے اس کا معجزہ ہونا ثابت ہے:۔

اعجاز القرآن کی پہلی وجہ
فصاحت و بلاغت

وجوہ اعجاز میں سب سے اعلٰے اور مقدم قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت ہے۔ جو خارق عادت عرب ہے۔ زمانہ جاہلیت میں فصاحت و بلاغت میں عرب کا وہ پایہ تھا۔ کہ کسی دوسری قوم کو نصیب نہیں ہوا۔ ان کا نام[1] ہی بتا رہا ہے۔ کہ اس فن میں ان کو کس قدر مزاولت تھی۔ مہمات امور میں وہ اس فن کے عجائبات بداہتًہ ظاہر کیا کرتے تھے۔ محافل و مجالس میں فی البدیہہ خطبے پڑھ دیا کرتے تھے۔ اور گھمسان کے معرکوں میں طعن و ضرب کے درمیان رجز پڑھا کرتے تھے۔ اور مطالب عالیہ کے حصول میں بھی اپنی سحر بیانی سے کام لیتے تھے۔ اس فن سے وہ بزدل کو دلیر بخیل کو سخی۔ ناقص کو کامل۔ گمنام کو نامور اور مشکل کو آسان کر دیتے تھے۔ جسے چاہتے مدح سے شریف اور ہجو سے وضیع بنا دیتے۔ اور اسی سے کینہ دیرینہ دلوں سے دور کر کے بیگانے کو اپنا بنا لیتے۔ انہیں یقین تھا کہ اقلیم سخن کے مالک اور میدان فصاحت و بلاغت کے شہسوار ہم ہی ہیں۔ اور وہ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ کوئی کلام ہمارے کلام سے سبقت نہیں لے جا سکتا؛

فصاحت و بلاغت کے اس کمال پر ان کی روحانی حالت نہایت ہی گری ہوئی تھی۔ وہ عمومًا بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے۔ حتّٰی کہ خانہ خدا کو انہوں نے بتخانہ بنایا ہوا تھا۔ بعضے آگ کی پرستش کرتے تھے۔ کچھ لوگ ستاروں اور سورج اور چاند کو پوجتے تھے۔ بعضے تشبیہ کے قائل تھے۔ اور فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہا کرتے تھے۔ اور بعض کو خدا کی ہستی ہی سے انکار تھا۔ اوامر

[1] لفظ عرب اعراب سے ہے جس کے معنے ہیں پیدا گفتن سخن را و بفصاحت سخن گفتن۔

ونواہی کی انہیں مطلق خبر نہ تھی۔ اور نہ ان کے پاس کوئی الہامی کتاب تھی۔ دین ابراہیمی بجز چند رسوم کے بالکل مفقود تھا۔ قساوت قلب کا یہ عالم تھا کہ بعضے لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیتے تھے۔ وہ شب و روز زناکاری شراب خوری قماربازی اور قتل و غارتگری میں مشغول رہتے تھے۔ اُن کے درمیان جو اہل کتاب موجود تھے ان کی حالت بھی دگرگوں تھی۔ ان کی کتابیں محرف ہو چکی تھیں۔ یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ اور نصاریٰ تین خدا مانتے تھے۔ اور مسئلہ کفارہ کی آڑ میں اعمال حسنہ کی کوئی ضرورت ہی محسوس نہ کرتے تھے۔ غرض ملک عرب میں ساری دنیا کے مذاہب باطلہ اور عقائد قبیحہ موجود تھے۔ مشرکین وہاں تھے۔ آتش پرست۔ ستارہ پرست۔ آفتاب پرست۔ ماہتاب پرست اور درخت پرست وہاں تھے۔ نصاریٰ وہاں تھے۔ یہود وہاں تھے۔ مشبّہ و مجسمہ وہاں تھے۔ تناسخیہ وہاں تھے۔ دہریہ وہاں تھے۔

نظر بحالات مذکورہ بالا اس امر کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ کہ ایسے مرکز میں خدا کی طرف سے ایک کامل طبیب روحانی ساری دنیا کے لئے مبعوث ہو۔ چنانچہ حسب عادت الٰہی اُن کے پاس اللہ کا ایک کامل بندہ آیا اور ایک کامل کتاب لایا۔ جس میں قیامت تک ہر زمانے اور ہر قوم کی تمام روحانی امراض کا خدائی نسخہ درج تھا۔[1] اس طبیب روحانی سے وہ پہلے ہی آشنا تھے۔ کیونکہ وہ اللہ کا پیارا خاتم سلسلۂ انبیاء اُنہیں میں سے تھا۔ اُنہیں کے درمیان پیدا ہوا۔ اور انہیں کے درمیان پرورش پائی۔ ابھی اپنی والدہ ماجدہ کے بطن مبارک ہی میں تھا کہ والد ماجد نے انتقال فرمایا۔ جب چھ سال کا ہوا۔ تو والدہ ماجدہ نے بھی اس دار فانی سے رحلت فرمائی۔ بعد ازاں دادا اور چچا یکے بعد دیگرے اس کی پرورش کے متکفل ہوئے۔ اس طرح اس دُرّ یتیم کی تعلیم کا کوئی سامان نہ ہوا اور نہ ہو سکتا تھا کیونکہ مکہ میں نہ کوئی مدرسہ تھا نہ کتب خانہ۔ اور نہ وطن سے باہر کسی دوسری جگہ جا کر تعلیم پانے کا اتفاق ہوا۔ اگر ایسا ہوتا تو اہل مکہ سے کب پوشیدہ رہ سکتا تھا۔ غرض چالیس سال کی عمر تک وہ بندۂ کامل اُمیوں میں اُمی مگر صدق و امانت میں مشہور رہا۔ پھر یکایک اُستاد ازل کی تعلیم سے منصب نبوت پر

[1] یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ۬ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (یونس۔ ع)

اے لوگو تم کو آئی ہے نصیحت تمہارے رب سے اور شفا واسطے سینوں کے روگ کے اور ہدایت اور رحمت ایمان والوں کے لئے۔

سرفراز ہوا؛

اس اُمّی لقب امین نے جو کتاب اپنی نبوت کے ثبوت میں اپنے ہموطنوں کے سامنے پیش کی وہ اُنہی کی زبان میں تھی۔ اور اُسی فن میں اُن سے معارضہ طلب کیا جس میں وہ نقارہ لمن الملك اليوم بجا رہے تھے۔ اس میں شک نہیں کہ اُن میں افصح الفصحاء۔ ابلغ البلغاء۔ مصاقع الخطباء اور اشعر الشعراء موجود تھے۔ مگر جب معارضہ کے لئے وہ کتاب پیش کی گئی۔ تو اُن کی عقلیں چکرا گئیں؛

اُس رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے باوجود قلت اتباع کے کھُلے الفاظ میں یوں فرما دیا کہ اگر تمام انس و جن مل کر اس کا معارضہ کرنا چاہیں تو نہ کر سکیں گے۔ (بنی اسرائیل۔ ع)۔ پھر بطور ارخاء عنان کہہ دیا کہ سارا نہیں تو ایسی دس سورتیں ہی بنا لاؤ۔ (ہود۔ ع)۔ پھر اتمام حجت کے لئے فرما دیا کہ دس نہیں تو ایسی ایک ہی سورت پیش کرو۔ (یونس۔ ع)۔ اس طرح وہ اللہ کا پیارا دو جہان میں ہم گنہگاروں کا سہارا مکہ مشرفہ میں لگاتار دس سال کفار سے طلب معارضہ فرماتا رہا۔ پھر جب حکم الٰہی سے ہجرت فرما کر مدینے میں رونق افروز ہوا۔ تو وہاں بھی دس سال فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ سے تحدی کرتا رہا۔ اور ساتھ ہی وَلَن تَفْعَلُوا سے اُنہیں چونکاتا اور اُکساتا رہا؛

اِس عرصہ دراز میں اُس ختم المرسلین نے اسی تحدی پر اکتفا نہ کیا بلکہ عرب جیسی قوم کو جس کی حمیت جاہلیہ مشہور ہے مجالس میں علے رؤس الاشہاد یوں پکار کر فرما دیا۔ کہ تم گمراہ ہو۔ تمہارے آباؤ اجداد گمراہ تھے۔ تمہارے معبود دوزخ کا ایندھن ہیں۔ تمہاری جانیں اور تمہارے مال مسلمانوں کے لئے مباح ہیں۔ بایں ہمہ انہوں نے معارضہ سے پہلو تہی کی۔ اُن کی آنکھوں کے سامنے اسلام کی شوکت روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ اُن کے شہر اسلام کے قبضے میں آرہے تھے۔ اُن کی اولاد کو گرفتار کر کے غلام بنایا جا رہا تھا۔ اُن کے بُت توڑے جا رہے تھے۔ اُن کے باپ دادا دوزخی بتائے جا رہے تھے۔ اس حالت میں اگر وہ ذرا سا معارضہ بھی کر سکتے۔ تو اس ذلت کو ہرگز گوارا نہ کرتے۔ کیونکہ قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کے معارضہ سے یہ تمام خواری اور رسوائی دور ہو سکتی تھی۔ اور اسلام کی جمعیت و شوکت کا شیرازہ ہمیشہ کے لئے پراگندہ ہو سکتا تھا؛ جمعیت کے باوجود اُن کا بیس سال اس ذلت کو برداشت کرنا اور جلاوطنی اور جزیہ کو گوارا کرنا صاف بتا رہا ہے۔ کہ وہ معارضہ سے عاجز تھے۔ مگر اپنے عجز پر پردہ ڈالنے کے لئے قسم قسم کے عذر

اور حیلے بہانے کردیا کرتے تھے۔ چنانچہ کبھی اُسے منظوم دیکھ کر شاعر کا قول یا کاہن کا قول بتلاتے (حاقہ۔ ع ۲) کبھی اپنی قدرت سے خارج دیکھ کر حیرت سے کہا کرتے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ (سبا۔ ع ۵) کبھی اپنی جہالت کے سبب سے کہتے کہ چاہیں تو ہم بھی ایسا کہہ لیں۔ یہ تو پہلوں کے قصے کہانیاں ہیں (انفال۔ ع ۴) کبھی کہتے کہ یہ اضغاث احلام یعنی اُڑتے خواب ہیں۔ (انبیاء ع ۱) کبھی اُس کی تاثیر روکنے کے لئے کہتے کہ شور مچاؤ اور سُننے نہ دو۔ (حٰم سجدہ۔ ع ۴) کبھی کہتے کہ قرآن سے ہمارے دل غلاف میں ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے۔ (حٰم سجدہ ع ۱)۔ کبھی کہتے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں میں یہ نہیں سُنا۔ یہ تو بنائی بات ہے۔ (ص۔ ع ۱)۔ اور کبھی اس رحمۃ للعالمین کو ساحر کذاب یعنی بڑا جھوٹا جادوگر۔ (ص۔ ع ۱)۔ کبھی مسحور یعنی جادو مارا (فرقان۔ ع ۱)۔ کبھی معلّم مجنون یعنی سکھایا ہوا باؤلا (دخان۔ ع ۱)۔ کبھی کاہن اور کبھی شاعر۔ (طور۔ ع ۲)۔ کہتے۔ مگر ایسے حیلوں اور عذروں سے کیا بن سکتا تھا۔

چراغے را کہ ایزد بر فروزد   ہر آں کو پُف زند ریشش بسوزد

جب عرب کی کمال فصاحت و بلاغت کے زمانے میں فصحاء و بلغاء چھوٹی سے چھوٹی سورت کے معارضے سے عاجز آ گئے۔ تو ازمنۂ مابعد کے عرب و عجم کا عجز خود ثابت ہو گیا۔ سیدنا و مولانا محمد مصطفٰے احمد مجتبٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی یہ کیسی دلیلِ ساطع اور برہانِ قاطع ہے۔ کہ ساڑھے تیرہ سو سال سے زائد عرصہ گزر چکا۔ کوئی شخص اقصر سورت کے معارضہ پر قادر نہیں ہوا اور نہ آئندہ ہو گا۔

اگر ہم کسی انسان کے کلام کو خواہ وہ کتنا ہی فصیح و بلیغ ہو مطالعہ کریں۔ تو اختلافِ مضامین اختلاف احوال اور اختلاف اغراض سے اُس کی فصاحت و بلاغت میں ظاہر فرق نظر آئے گا۔ مثلاً شعراء و خطبائے عرب جو فصاحت و بلاغت میں بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔ اُن میں سے بعضے مدح میں بہت بڑھ چڑھ کر اور ہجو میں معمول سے بہت گرے ہوئے اور بعضے اس کے برعکس ہیں۔ بعضے مرثیہ گوئی میں فائق اور غزل میں بھدّے اور بعضے اس کے خلاف ہیں۔ اور بعضے رجز میں اچھے اور قصیدے میں خراب اور بعضے اس کے برعکس ہیں۔ بعضے کسی خاص شئے کے وصف میں اَوروں سے سبقت لے گئے ہیں۔ چنانچہ امرؤالقیس گھوڑے اور عورت کے

وصف میں۔ اعشیٰ شراب کے وصف میں۔ نابغہ ترہیب اور زہیر ترغیب میں مشہور ہیں۔ ذوالرمہ تشبیب و تشبیہ میں اچھا اور ریت دوپہر بیابان۔ پانی اور سانپ کے وصف میں بڑھ کر ہے۔ مگر مدح و ہجا میں گرا ہوا ہے۔ اسی سبب سے اُسے فحول شعراء میں شمار نہیں کرتے۔ بلکہ کہتے ہیں کہ اس کے شعر[1] میں ہرنوں کی مینگنیاں اور خالِ عروس ہیں۔ فرزدق اگرچہ صاحب غزل ہے۔ مگر تشبیب میں اچھا نہیں۔ جریر اگرچہ عورتوں سے پرہیز کرنے والا ہے۔ مگر تشبیب میں سب سے اچھا ہے۔ اسی طرح شاعر اگر زُہد کو بیان کرنے لگے۔ تو قاصِر رہ جائے گا۔ اگر کوئی لائق ادیب حلال و حرام کو بیان کرے۔ تو اس کا کلام معمول سے گر جائے گا۔ علیٰ ہذا القیاس اختلاف احوال سے بھی انسان کا کلام متفاوت ہو جاتا ہے۔ مثلاً خوشی کے وقت کا کلام غصہ کے وقت کے کلام سے بلحاظ فصاحت مختلف ہوتا ہے۔ اسی طرح اختلاف اغراض کے سبب سے انسان کبھی ایک چیز کی مدح کرتا ہے۔ اور کبھی مذمت جس سے اس کے کلام میں ضرور فرق ہو جاتا ہے علاوہ ازیں فصحاء و بلغاء کا کلام فصل و وصل۔ علو و نزول۔ تقریب و تبعید وغیرہ میں متفاوت ہے۔ مثلاً بہت سے شعراء ایک مضمون سے دوسرے مضمون کی طرف انتقال کرنے اور ایک باب سے دوسرے باب کی طرف خروج کرنے میں ناقص ہیں۔ چنانچہ سب کا اس امر پر اتفاق ہے کہ بُحتری جو نظم میں اچھا ہے نسیب سے مدح کی طرف انتقال کرنے میں قاصِر ہے۔ اِس تمام کے برعکس قرآن کریم پر غور کیجئے۔ باوجودیکہ اس میں وجوہِ خطاب مختلف ہیں۔ کہیں قصص و مواعظ ہیں۔ کہیں حلال و حرام کا ذکر ہے۔ کہیں اعذار و انذار کہیں وعدہ و وعید۔ کہیں تخویف و تبشیر۔ اور کہیں تعلیم اخلاقِ حسنہ ہے۔ مگر وہ ہر فن میں فصاحت و بلاغت کے خارقِ عادت اعلیٰ درجے میں ہے۔ اور اُس میں کہیں اس منزلتِ علیا سے انحطاط نہیں پایا جاتا اور اول سے آخر تک مقصد واحد کے لئے ہے۔ اور وہ خلقت کو اللہ کی طرف بلانا اور دنیا سے دین کی طرف پھیرنا ہے۔ چنانچہ آیہ ذیل میں اسی کی طرف اشارہ ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا۔ (نساء۔ ع ۱۱)	کیا غور نہیں کرتے قرآن میں۔ اور اگر یہ ہوتا کسی اور کا سوائے اللہ کے۔ تو پاتے اس میں بہت تفاوت۔

[1] کتاب الشعر والشعراء لابن قتیبہ ص۱۴۷۔

مثال کے طور پر دیکھئے۔

ترغیب میں:۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (سجدہ ع)

سو کسی جی کو معلوم نہیں جو چھپا دھرا ہے ان کے واسطے جو ٹھنڈک ہے آنکھوں کی بدلا اُس کا جو کرتے تھے۔

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّاَكْوَابٍ وَفِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْاَعْيُنُ وَاَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (زخرف۔ ع)

چلے جاؤ بہشت میں تم اور تمہاری عورتیں کہ بناؤ کر دئے جاؤ گے لئے پھریں گے اُن پر رکابیاں سونے کی اور آبخورے اور وہاں ہے۔ جو دل چاہے اور جس سے آنکھیں آرام پاویں اور تم کو اس میں ہمیشہ رہنا ہے۔

ترہیب میں:۔

اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ۙ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا۔ (بنی اسرائیل ع)

سو کیا تم نڈر ہوا اس سے کہ دھنسائے تم کو جنگل کے کنارے یا بھیج دے تم پر آندھی پھر نہ پاؤ تم اپنا کوئی کارساز یا نڈر ہوا اس سے کہ پھر لے جائے تم کو دریا میں دوسری بار۔ پھر بھیجے تم پر پتھراؤ ہوا کا۔ پھر غرق کرے تم کو بدلے اس ناشکری کے۔ پھر نہ پاؤ تم اپنی طرف سے ہم پر اس کا دعوے کرنے والا۔

ءَاَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمُ الْاَرْضَ فَاِذَا هِيَ تَمُوْرُ ۙ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِي السَّمَآءِ اَنْ يُّرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۙ فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ۔ (ملک۔ ع)

کیا نڈر ہو تم اُس سے جو آسمان میں ہے کہ دھنسائے تم کو زمین میں۔ پس ناگاہ وہ جنبش کرے۔ یا نڈر ہوا اُس سے جو آسمان میں ہے کہ بھیجے تم پر پتھراؤ ہوا کا۔ سو اب جانو گے کیسا ہے ڈرانا میرا۔

زجر میں:۔

فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْۢبِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ

پھر ہر ایک کو پکڑا ہم نے اُس کے گناہ پر۔ سو اُن میں سے کوئی تھا کہ اُس پر بھیجا ہم نے پتھراؤ ہوا کا۔ اور کوئی تھا

اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اَغْرَقْنَا ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۔ (عنکبوت ۔ ع)	کہ اُس کو پکڑا چنگھاڑ نے۔ اور کوئی تھا کہ اُس کو دھنسایا ہم نے زمین میں۔ اور کوئی تھا کہ اُس کو ڈبو دیا ہم نے۔ اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ اُن پر ظلم کرے۔ پر تھے وہ اپنا آپ بُرا کرتے ؎

وعظ میں:۔

اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ۝ ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ۝ (شعراء ۔ ع)	بھلا بتاؤ۔ اگر ہم فائدہ دیں اُن کو کئی برس۔ پھر آوے اُن پر (عذاب) جس کا اُن سے وعدہ تھا۔ کیا کام آوے گا اُن کے تمتع اُن کا۔

الٰہیات میں:۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۭ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝ (رعد ۔ ع)	اللہ جانتا ہے جو پیٹ میں رکھتی ہے ہر مادہ۔ اور جو سکڑتے ہیں پیٹ اور بڑھتے ہیں۔ اور ہر چیز اس کے نزدیک اندازے پر ہے۔ وہ جاننے والا چھپے اور کھلے کا۔ عظیم الشان بلند برابر ہے تم میں جو چپکے بات کہے اور جو کہے پکار کر۔ اور جو چھپنے والا ہے رات کو اور چلنے والا ہے دن کو۔

اسی طرح قرآن کریم کے فواتح و خواتم۔ مواضع فصل و وصل اور مواقع تحول و تنقل کو دیکھئے۔ اس کے پڑھنے والے کو خارق عادت بدیع تالیف کے سبب سے فصل بھی وصل معلوم دیتا ہے۔ اور ایک قصے سے دوسرے قصے کی طرف اور ایک شئے سے دوسری شئے کی طرف مثلاً وعدہ سے وعید اور ترغیب سے ترہیب کی طرف انتقال کرنے میں مختلف مؤتلف اور متباین متناسب نظر آتا ہے ؎

اس مقام پر بغرض توضیح قرآن کی فصاحت و بلاغت کے متعلق چند شہادتیں پیش کی جاتی ہیں۔ سبع معلقات جو تمام عرب جاہلیت کا مایۂ فخر و ناز تھے۔ اور خانہ کعبہ کے دروازے پر آویزاں تھے۔ قرآن شریف کے نازل ہونے پر اُتار لئے گئے۔ یہ قصائد اب تک موجود ہیں۔ مگر سبع طوال کی جھلک سے اپنی آب و تاب سب کھو بیٹھے ہیں ؎

حضرت لبید بن ربیعہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ جو سبع معلقات کے شعراء میں سے تھے۔ اسلام لے آئے تھے۔ اور ساٹھ سال اسلام میں زندہ رہے۔ اسلام لانے کے بعد انہوں نے سوائے ایک بیت کے کوئی شعر نہیں کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت میں اُن سے فرمایا کہ مجھے اپنے شعر سُناؤ۔ اس پر آپ نے سورۂ بقرہ پڑھی اور عرض کیا۔ میں شعر نہیں کہنے کا جبکہ اللہ تعالےٰ نے مجھے سورۂ بقرہ سکھا دی ہے![1]

ابو عبید[2] قاسم بن سلام بغدادی (متوفی ۲۲۳ھ) جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور فقہ و حدیث و لغت میں امام ہیں۔ حکایت کرتے ہیں۔ کہ ایک بادیہ نشین عرب نے کسی کو یہ آیت پڑھتے سنا۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (حجر ع ۶) | سو سنادے کھول کر جو تجھ کو حکم ہوا۔

اُس نے سنتے ہی سجدہ کیا۔ اور کہا کہ میں نے اس کلام کی فصاحت کو سجدہ کیا ہے۔

ایک دفعہ کسی اعرابی نے یہ آیت سُنی:۔

فَلَمَّا اسْتَايْئَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ط (یوسف ع ۱۰) | پھر جب ناامید ہوئے اُس سے۔ اکیلے بیٹھے مصلحت کو۔[3]

کہنے لگا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی مخلوق اس کلام کی مثل پر قادر نہیں۔

امام اصمعی یعنی عبدالملک بن اصمع بصری (متوفی ۲۱۰ھ) جو لغت و نحو و ادب و نوادر میں امام ہیں بیان کرتے ہیں۔ کہ میں نے ایک پانچ یا چھ سال کی لڑکی کو یہ کہتے سُنا کہ میں اپنے تمام گناہوں سے استغفار کرتی ہوں۔ میں نے سُن کر کہا۔ تو کس چیز پر استغفار کرتی ہے۔ تو تو مکلف ہی نہیں۔ وہ بولی:۔

استغفر اللہ لذنبی کلہ　　قتلت انسانا بغیر حلّہ

مثل غزال ناعم فی دلہ　　انتصف اللّیل ولم اصل لہ

میں نے کہا۔ اللہ تجھے مارے۔ تو کیسی فصیح ہے! وہ کہنے لگی۔ قرآن میں یہ آیت ہے۔

---

[1] کتاب الشعر و الشعراء لابن قتیبۃ ترجمہ لبید بن ربیعہ۔

[2] ان مثالوں کے لئے دیکھو شفا شریف اور مواہب لدنیہ۔

[3] مطلب یہ ہے کہ جب وہ حضرت یوسف ؑ سے بہت مایوس ہو گئے تو الگ ہو کر باہم مشورہ کرنے لگے اور سوچنے لگے کہ باپ کے پاس جا کر کیا جھوٹ بنا کر کہیں گے۔ اور اس حادثہ کا کیا ذکر کریں گے۔ پس یہ تھوڑے سے کلمے اس طویل قصے کو شامل ہیں۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَلَا تَخَافِىْ وَلَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ (قصص-ع)

اور ہم نے حکم بھیجا موسیٰ کی ماں کو کہ اس کو دودھ پلا۔ پھر جب تجھ کو ڈر ہو اس کا۔ تو ڈال دے اُس کو دریا میں۔ اور ڈر مت اور غم مت کھا۔ بے شک ہم لوٹانے والے ہیں اُس کو تیری طرف۔ اور بنانے والے ہیں اُس کو رسولوں سے۔

کیا اس آیت کے مقابل میرا یہ قول فصیح کہا جا سکتا ہے؟ اس ایک آیت میں دو امر۔ دو نہی دو خبریں اور دو بشارتیں جمع ہیں۔

حکایت ہے۔ کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ ایک روز مسجد نبوی میں لیٹے ہوئے تھے۔ آپ کے سرہانے کھڑا ہوا ایک شخص کلمہ شہادت پڑھ رہا تھا۔ آپ نے اُس سے سبب دریافت کیا۔ اس نے کہا کہ میں بطارقہ روم میں سے ہوں۔ مجھے عربی وغیرہ زبانیں آتی ہیں۔ میں نے ایک مسلمان قیدی سے سنا کہ وہ آپ مسلمانوں کی کتاب میں سے ایک آیت پڑھ رہا تھا۔ میں نے اس آیت میں غور کیا۔ اُس میں وہ احوال دنیا و آخرت جمع ہیں۔ جو اللہ تعالےٰ نے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام پر نازل فرمائے۔ وہ آیت یہ ہے:۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (نور-ع)

اور جو کوئی حکم پر چلے اللہ کے اور اُس کے رسول کے۔ اور ڈرتا رہے اللہ سے اور بچ کر چلے اُس سے۔ سو وہی لوگ ہیں مراد کو پہنچنے والے

ابن مقفع نے جو فصاحت و بلاغت میں یگانۂ روزگار تھا اور زمانہ تابعین میں تھا۔ قرآن شریف کے معارضہ میں کچھ لکھنا شروع کیا۔ ایک روز ایک مکتب سے اُس کا گزر ہوا جس میں ایک لڑکا یہ آیت پڑھ رہا تھا:۔

وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِىْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِىْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِىَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِىِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ (ہود-ع)

اور حکم آیا۔ اے زمین نگل جا اپنا پانی۔ اور اے آسمان تھم جا اور خشک کیا گیا پانی اور تمام کیا گیا کام۔ اور کشتی ٹھہری جودی پہاڑ پر۔ اور حکم ہوا کہ دور ہوں قوم بے انصاف۔

وہ سُن کر واپس آیا۔ اور جو کچھ لکھا تھا سب مٹا ڈالا۔ اور کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کا معارضہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ یہ انسان کا کلام نہیں۔

-یحییٰ بن الحکم الغزال نے جو بقول ذہبی دوسری اور بقول ابن حبان تیسری صدی ہجری میں اندلس میں فحول شعراء میں سے تھا۔ قرآن کے معارضے کا ارادہ کیا۔ ایک روز سورۂ اخلاص کا معارضہ کرنے لگا تو اس پر ہیبت طاری ہوگئی۔ جو اُس کی توبہ کا باعث ہوئی؛

امام ابن الجوزی[۱] (متوفی ۵۹۷ھ) نے وفافی فضائل المصطفےٰ میں ذکر کیا ہے۔ کہ امام ابن عقیل نے کہا کہ ابو محمد بن مسلم نحوی نے مجھ سے حکایت کی ہے کہ ہم اعجاز القرآن پر گفتگو کر رہے تھے۔ وہاں ایک فاضل شیخ موجود تھا۔ اُس نے کہا قرآن میں ایسی کونسی چیز ہے۔ جس سے فضلاء عاجز آجائیں۔ پھر وہ کاغذ و دوات لے کر بالاخانے پر چڑھ گیا۔ اور وعدہ کیا کہ تین دن کے بعد قرآن کے معارضے میں کچھ لکھ کر لاؤں گا۔ جب تین دن گزر گئے۔ تو ایک شخص بالاخانے پر چڑھا۔ اور اُس کو سہارا لئے ہوئے اس حال میں پایا کہ اُس کا ہاتھ قلم پر سوکھ گیا تھا؛

مسیلمہ کذاب نے قرآن کی بعض چھوٹی سورتوں کے معارضہ میں کچھ لکھا۔ مگر ایسا کہ اطفال مکتب بھی اُسے دیکھ کر ہنسیں۔ سورہ کوثر پر جو اُس لعین نے لکھا تھا۔ ہم انشاءاللہ اُسے اس بحث کے اخیر میں لائیں گے۔ اور اُس لعین کے کلام کی سخافت ظاہر کرنے کے لئے اس سورت کی وجہ اعجاز پر مفصل بحث کریں گے۔ اور مزید توضیح کے لئے قرآن کی فصاحت و بلاغت کے متعلق دو ایک مثالیں پیش کریں گے؛

اعتراض

قرآن شریف میں انبیاء کرام کے قصے بار بار لائے گئے ہیں۔ چنانچہ بقول بعض حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ایک سو بیس جگہ ہے۔ اور بقول ابن عربی حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ پچیس آیتوں میں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ نوے آیتوں میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ خلاف فصاحت ہے؛

جواب

وہ تکرار خلاف فصاحت ہوتا ہے۔ جس میں کچھ فائدہ نہ ہو۔ مگر قصص قرآنی کا تکرار فوائد سے خالی نہیں۔ علامہ بدر بن جماعہ نے اِس مضمون پر ایک کتاب لکھی ہے۔ جس کا نام

[۱] دیکھو حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین للنبہانی مطبوعہ بیروت۔ ص ۳۰۹

المقتنص فی فوائد تکرار القصص" ہے۔ اس میں تکریر قصص کے کئی فائدے[۱] ذکر کیئے ہیں۔

(۱) ہر جگہ کچھ نہ کچھ زیادتی ہے جو دوسری جگہ نہیں۔ یا کسی نکتہ کے لئے ایک کلمہ کی جگہ دوسرا کلمہ لایا گیا ہے اور یہ بلغاء کی عادت ہے؛

(۲) ایک جماعت ایک قصہ سُن کر اپنے گھر چلی جاتی تھی۔ ان کے بعد دوسری جماعت ہجرت کرکے آتی تھی۔ اور جو کچھ پہلی جماعت کے چلا جانے کے بعد نازل ہوتا اُسے روایت کرتی۔ اگر تکرار قصص نہ ہوتا۔ تو قصہ موسیٰؑ کو ایک قوم سُنتی۔ اور قصہ عیسےؑ کو دوسری قوم سنتی۔ اسی طرح باقی قصوں کا حال ہوتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ تمام لوگ ان قصوں کے سننے میں مشترک ہوں۔ تاکہ ایک قوم کو افادہ اور دوسری کو زیادہ تاکید حاصل ہو؛

(۳) ایک ہی مضمون کو مختلف اسالیب میں بیان کرنے میں جو فصاحت ہے وہ پوشیدہ نہیں۔

(۴) قصص کے نقل کرنے پر اس قدر دواعی نہیں جتنے کہ احکام کے نقل کرنے پر ہیں۔ اس لئے احکام کے برعکس قصص کو بار بار لایا گیا ہے :

(۵) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرمایا۔ اور لوگ اس کی مثل لانے سے عاجز آگئے۔ پھر ان کے عجز کے معاملہ کو اِس طرح واضح کردیا کہ ایک قصہ کو کئی جگہ ذکر کیا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ وہ اس کی مثل لانے سے عاجز ہیں خواہ کوئی سے الفاظ میں لائیں۔ اور کسی عبارت سے تعبیر کریں۔

(۶) جب اللہ تعالیٰ نے منکرین سے تحدی کی کہ اس کی مثل ایک سورت بنا لاؤ۔ تو اگر ایک قصے کو ایک ہی جگہ ذکر کیا جاتا اور اسی پر کفایت کی جاتی۔ اہل عرب کہتے۔ کہ تم ہی اس کی مثل ایک سورت پیش کرو۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہر طرح سے ان کی حجت دور کرنے کے لئے ایک قصے کو کئی سورتوں میں نازل فرمایا؛

(۷) جب ایک قصے کو بار بار ذکر کیا گیا اور ہر جگہ اس کے الفاظ میں کمی بیشی اور تقدیم و تاخیر کردی گئی۔ اور مختلف اسلوب عمل میں لایا گیا۔ تو یہ عجیب بات پیدا ہوگئی۔ کہ ایک ہی معنیٰ مختلف صورتوں میں جلوہ افروز ہوا۔ اور لوگوں کو اس کے سننے کی طرف کشش ہوگئی۔ کیونکہ ہر نئے امر میں لذت ہوتی ہے۔ اور اس سے قرآن مجید کا ایک خاصہ ظاہر ہوگیا۔ کیونکہ باوجود تکرار کے لفظ میں کوئی عیب

---

[۱] دیکھو اتقان للسیوطی۔ جزء ثانی۔ صفحہ ۶۸۔

اور سننے کے وقت کوئی ملال پیدا نہیں ہوتا۔ پس کلام الٰہی بندوں کے کلام سے ممتاز رہا۔

اعتراض

مانا کہ ایک معنی کو مختلف لباس اور مختلف اسلوب میں ظاہر کرنے سے فصاحت میں کوئی خلل نہیں آتا۔ بلکہ یہ ابلغ ہے۔ مگر بعض جگہ ایک ہی جملہ بار بار لایا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ شعراء میں اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً وَمَا کَانَ اَکْثَرُھُمْ مُّؤْمِنِیْنَ وَاِنَّ رَبَّکَ لَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ آٹھ بار لایا گیا ہے۔ اور سورہ قمر میں وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ مِنْ مُّدَّکِرٍ چار بار اور سورہ رحمٰن میں فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ اکتیس بار۔ اور سورہ مرسلات میں وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُکَذِّبِیْنَ دس بار مذکور ہے؟

جواب

ان سورتوں میں بھی تکرار آیت فائدہ سے خالی نہیں۔ کیونکہ ہر جگہ متعلق بہ مختلف ہے۔ تاکہ ہر خبر کے سننے کے بعد تجدید نصیحت و عبرت ہو۔ چنانچہ سورہ شعراء میں ہر قصے کے بعد اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً الآیہ مذکور ہے۔ اور ہر دفعہ ایک نبی اور اُس کی امت کے قصے کی طرف اشارہ ہے کہ اُس نبی پر ایمان لانے والے سلامت رہے اور منکرین تباہ ہوئے۔ اور پھر بار بار بتا دیا گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ مومنوں کے لئے رحم والا اور منکروں کے لئے عزیز یعنی زبردست ہے۔ تاکہ اس امت کے لوگ نصیحت پکڑیں۔ یہی حال سورہ قمر میں تکرار آیت کا ہے۔ کیونکہ اُس میں قصہ نوح و عاد و ثمود و لوط میں سے ہر ایک کے بعد وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ الآیہ مذکور ہے۔ تاکہ قرآن پڑھنے والے اس سے عبرت پکڑیں۔ اسی طرح سورہ مرسلات میں ہر دفعہ ایک نشانی کے ذکر کے بعد آیا ہے کہ قیامت کے دن خرابی ہوگی اُن لوگوں کے لئے جو اس نشان کے جھٹلانے والے ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس سورۂ رحمٰن میں ہر بار مختلف نعمتوں کے ذکر کے بعد فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ آیا ہے۔ تاکہ لوگ سُن کر ہدایت پائیں۔ جیسا کہ ایک ناشکر گزار محسن الیہ کو محسن کہے۔ کیا تو فقیہ نہیں تھا۔ میں نے تجھے امیر بنا دیا۔ آیا تجھے اس سے انکار ہے؟ کیا تو ننگا نہ تھا۔ میں نے تجھے لباس پہنا دیا۔ آیا تجھے اس سے انکار ہے؟ کیا تو گمنام نہ تھا۔ میں نے تجھے نامور کر دیا۔ آیا تجھے اس سے انکار ہے؟

کتب عہد عتیق میں مزمور ۱۳۶ میں یہی طرز پایا جاتا ہے۔ جس کا عربی ترجمہ جو قسیس ولیم

ہاج بل مدرس مدرسہ استقفیہ کلکتہ نے کیا ہے وہ اس وقت ہمارے زیر نظر ہے۔ اُس میں ہر آیت کے بعد اِنَّ رَحْمَتَہٗ اِلَی الْاَبَدِ اٹھائیس بار آیا ہے۔ بخوف طوالت ہم اُس مزمور کو یہاں نقل نہیں کرتے۔

اعجاز القرآن کی دوسری وجہ
نظم قرآن کا اسلوب بدیع

اگرچہ قرآن مجید کے الفاظ و حروف کلام عرب کی جنس سے ہیں۔ اور اُن کی نظم و نثر میں مستعمل ہیں۔ مگر اس کا اسلوب تمام اسالیب سے جدا ہے۔ اور انواع کلام (قصائد۔ خطب۔ رسائل۔ محاورہ) میں سے کسی سے نہیں ملتا۔ بااِں ہمہ سب انواع کے محاسن کا جامع ہے۔ اہل عرب انواع چہارگانہ کے سوا کوئی اور اسلوب و طرز نہ جانتے تھے۔ اور نہ کسی نئے طرز میں کلام کر سکتے تھے۔ پس ایک عجیب نرالے اسلوب کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (جو اُمّی تھے) کی زبان مبارک پر جاری ہونا عین اعجاز ہے۔

اس کتاب میں پہلے مذکور ہو چکا ہے۔ کہ ایک روز ولید بن مغیرہ نے قریش سے کہا کہ ایام حج قریب ہیں۔ عرب کے قبائل تم سے اس مدعی نبوّت (حضرت محمدؐ) کی نسبت دریافت کریں گے۔ تم اس کی نسبت ایک رائے قائم کر لو۔ اس پر قریش نے یہ مختلف رائیں پیش کیں۔ کہ وہ کاہن ہے۔ دیوانہ ہے شاعر ہے۔ جادوگر ہے۔ ولید نے یکے بعد دیگرے ان تمام کی تردید کر کے کہا:-

"اللہ کی قسم! اس کے کلام میں بڑی حلاوت ہے۔ اس کلام کی اصل مضبوط جڑ والا درخت خرما ہے۔ اور اس کی فرع پھل ہے۔ ان باتوں میں سے جو بات تم کہو گے وہ ضرور پہچان لی جائے گی کہ جھوٹ ہے۔ اُس کے بارے میں صحت کے قریب تر قول یہ ہے کہ تم کہو۔ وہ جادوگر ہے۔ اور ایسا کلام لایا ہے جو جادو ہے۔ اس کلام سے وہ باپ بیٹے میں۔ بھائی بھائی میں میاں بیوی میں اور خویش و اقارب میں جدائی ڈال دیتا ہے۔"

اسی طرح ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں اکیلے بیٹھے ہوئے تھے۔ قریش نے اپنے سردار عتبہ بن ربیعہ کو آپ کی خدمت میں بھیجا۔ اور اُس نے آپ پر کئی باتیں پیش کر کے کہا کہ ان میں سے ایک پسند کر لیجئے۔ آپ نے اُس کے جواب میں سورۂ حٰم سجدہ کی شروع کی آیتیں تلاوت

فرمائیں۔ عتبہ نے قریش سے جا کر کہا:۔

"اللہ کی قسم! میں نے ایسا کلام سنا کہ اس کی مثل کبھی نہیں سنا۔ اللہ کی قسم! وہ شعر نہیں۔ نہ جادو ہے نہ کہانت۔ اے گروہ قریش میرا کہا مانو۔ اُس شخص کو کرنے دو جو کرتا ہے۔ اور اُس سے الگ ہو جاؤ۔ اللہ کی قسم! مَیں نے جو کلام اُس سے سُنا ہے۔ اُس کی بڑی عظمت وشان ہوگی۔ اگر عرب اُس کو مغلوب کر لیں۔ تو تم غیر کے ذریعے سے اُس سے بچ گئے۔ اگر وہ عرب پر غالب آگیا۔ تو اُس کا ملک تمہارا ملک ہے۔ اور اُس کی عزت تمہاری عزت ہے۔ اور تم اس کے سبب سے خوش نصیب ہو جاؤ گے"۔

قریش یہ سُن کر کہنے لگے کہ اُس نے تو اپنی زبان سے تجھے بھی جادو کر دیا۔ عتبہ بولا۔ کہ اس کی نسبت میری یہی رائے ہے۔ تم کرو جو چاہو!

صحیح مسلم میں حدیث اسلام ابوذر غفاری میں خود ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ میرے بھائی انیس نے مجھ سے کہا کہ مجھ کو مکہ میں ایک کام ہے۔ تو بکریوں کی حفاظت رکھنا۔ یہ کہہ کر انیس چلا گیا۔ اور مکہ پہنچ گیا۔ دیر کے بعد واپس آیا۔ تو میں نے پوچھا۔ تو نے کیا کیا؟۔ وہ بولا کہ میں مکہ میں ایک شخص سے ملا جو کہتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ مَیں نے پوچھا۔ کہ لوگ اس کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ اُس نے جواب دیا کہ لوگ کہتے ہیں۔ وہ شاعر ہے۔ کاہن ہے۔ جادوگر ہے۔ پھر انیس ہی جو خود بڑا شاعر تھا کہنے لگا:۔

"اللہ کی قسم! میں نے کاہنوں کا کلام سُنا ہوا ہے۔ اس کا کلام کاہنوں کا کلام نہیں۔ اللہ کی قسم! میں نے اس کے کلام کو شعر کی تمام قسموں کے ساتھ مقابلہ کیا ہے۔ میرے بعد کسی سے یہ نہ بن پڑے گا کہ کہے وہ کلام شعر ہے۔ اللہ کی قسم۔ وہ نبی سچے ہیں۔ اور کافر بیشک جھوٹے ہیں"[1]۔

اس حدیث میں اس کے بعد یہ مذکور ہے۔ کہ یہ سُن کر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ مکہ میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے۔ اور اسلام لائے۔ جب اپنے بھائی انیس کے پاس واپس آئے۔ تو ان کے اسلام کی خبر سُن کر حضرت انیس اور اُن کی والدہ بھی ایمان لے آئے۔

[1] لقد سمعت قول الکھنۃ فما ھو بقولھم ولقد وضعت قولہ علی اقراء الشعراء فما یلتئم علی لسان احد بعدی انہ شعر واللہ انہ لصادق وانھم لکاذبون۔

پھر تینوں اپنی قوم غفار میں آئے۔ آدھی قوم ایمان لے آئی۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے۔ تو باقی بھی ایمان لے آئے۔ اس طرح قبیلہ اسلم بھی مسلمان ہو گیا۔ اس پر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

غفار غفر اللہ لہا واسلم سالمہا اللہ | یعنی اللہ تعالیٰ قبیلہ غفار کو بخش دے اور قبیلہ اسلم کو سلامت رکھے۔

ابن سعد نے طبقات میں بروایت یزید بن رومان اور محمد بن کعب اور شعبی اور زہیری وغیرہ روایت کیا ہے۔ کہ بنی سلیم میں سے ایک شخص جس کا نام قیس بن نسیبہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اور آپ کا کلام سنا۔ اور آپ سے کئی باتیں دریافت کیں۔ آپ نے ان کا جواب دیا۔ اس نے وہ سب کچھ یاد کر لیا۔ پھر آپ نے اُسے دعوتِ اسلام دی وہ ایمان لے آیا اور اپنی قوم میں جا کر کہنے لگا:-

"بے شک میں نے روم کا ترجمہ۔ فارس کا زمزمہ۔ عرب کے اشعار۔ کاہن کی کہانت۔ اور ملوکِ حمیر کا کلام سنا ہے۔ مگر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا کلام ان کے کلام میں سے کسی سے نہیں ملتا۔ اس لئے تم میرا کہا مانو۔ اور اس سے بہرہ ور ہو جاؤ۔"

اِس طرح بنو سلیم فتح مکہ کے سال مقام قدید میں خدمت نبوی میں حاضر ہوئے۔ اور اسلام لائے وہ سات سو تھے۔ اور کہا گیا ہے کہ ایک ہزار تھے۔ عباس بن مرداس اور انس بن عباس بن رعل اور راشد بن عبد ربہ انہیں میں تھے۔

قرآن کے اسلوب بدیع کی نسبت مولانا شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے یوں فرمایا ہے۔

"قرآن کو متون کتب کی طرح بابوں اور فصلوں میں تقسیم نہیں کیا گیا۔ تا کہ تو ہر مطلب اس میں سے معلوم کر لے۔ یا ایک فصل میں مذکور ہو۔ بلکہ قرآن کو مکتوبات کا مجموعہ فرض کر۔ جس طرح کوئی بادشاہ اپنی رعایا کو بحسب اقتضائے حال ایک فرمان لکھے۔ اور کچھ مدت کے بعد دوسرا فرمان لکھے۔ اور اسی طرح لکھتا جائے۔ یہاں تک کہ بہت سے فرمان جمع ہو جائیں۔ پھر ایک شخص ان فرمانوں کو جمع کر کے ایک مجموعہ تیار کرے۔ اسی طرح اس ملک علی الاطلاق نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر مقتضائے حال کے موافق یکے بعد دیگرے سورتیں نازل فرمائیں۔ اور آپ کے زمانہ مبارک میں ہر سورت الگ الگ محفوظ تھی۔ مگر سورتوں کو ایک جگہ جمع نہ کیا گیا تھا۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ

عنہا کے زمانے میں تمام سورتوں کو ایک جلد میں خاص ترتیب سے جمع کیا گیا۔ اور اس مجموعہ کا نام مصحف رکھا گیا۔ اصحاب کرام کے درمیان سورتوں کو چار قسموں میں تقسیم کیا گیا۔ ایک سبع طوال۔ دوسری مئین جن میں سے ہر ایک میں سو یا کچھ زیادہ آیتیں ہیں تیسری مثانی جن میں سے ہر ایک میں سو آیتوں سے کم ہیں۔ چوتھی مفصل۔ اور مصحف کی ترتیب میں دو تین سورتیں جو مثانی میں سے ہیں مئین میں داخل کردی گئیں۔ کیونکہ ان کے سیاق کو مئین کے سیاق سے مناسبت ہے۔ اسی طرح بعض دیگر اقسام میں بھی کچھ تصرف ہوا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اس مصحف کی کئی نقلیں کرا کے اطراف میں بھیج دیں۔ تاکہ ان سے لوگ فائدہ اُٹھائیں۔ اور کسی دوسری ترتیب کی طرف مائل نہ ہوں۔ چونکہ سورتوں کا اسلوب بادشاہوں کے فرمانوں سے پوری پوری مناسبت رکھتا تھا۔ اس لئے ابتداء و انتہاء میں مکتوبات کے طریقہ کی رعایت کی گئی۔ جس طرح بعض مکتوبات کو خدا تعالیٰ کی حمد سے شروع کرتے ہیں۔ اور بعض کو اُس کے املاء کی غرض سے اور بعض کو مرسل اور مرسل الیہ کے نام سے شروع کرتے ہیں اور بعض رقعے اور خطوط بے عنوان ہوتے ہیں۔ اور بعض مکتوبات طویل اور بعضے مختصر ہوتے ہیں۔ اسی طرح خدا تعالےٰ نے بعض سورتوں کو حمد و تسبیح سے شروع کیا۔ اور بعض کو اس کے املاء کی غرض کے بیان سے شروع کیا۔ چنانچہ فرمایا۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (بقرہ شروع) سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا (نور شروع)۔ اور یہ قسم مشابہ ہے اس کے ھذا ما صالح فلان وفلان۔ ھذا ما اوصی به فلان۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے واقعہ حدیبیہ میں یوں تحریر فرمایا تھا۔ ھذا ما قاضی علیه محمد۔ اور بعض کو مرسل اور مرسل الیہ کے ذکر سے شروع کیا۔ چنانچہ فرمایا۔ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (زمر شروع)۔ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ (ہود شروع)۔ اور یہ قسم مشابہ ہے اس کے کہ لکھیں: "حضرت خلافت کا حکم صادر ہوا" یا لکھیں "فلاں شہر کے باشندوں کو حضرت خلافت کی طرف سے یہ آگاہی ہو" اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمایا۔ مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ اور بعض سورتوں کو رقعات و خطوط کے طور پر عنوان کے بغیر شروع کیا۔ چنانچہ فرمایا۔ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ (منافقون شروع)۔ قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِيْ تُجَادِلُكَ فِيْ زَوْجِهَا (مجادلہ شروع) يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ (تحریم شروع)۔ چونکہ عرب کی سب سے مشہور فصاحت

قصیدے تھے۔ اور قصیدوں کے شروع میں تشبیب میں عجیب مواضع اور ہولناک وقائع کا ذکر کرنا ان کی قدیم رسم تھی۔ اس لئے اس اسلوب کو بعض سورتوں میں اختیار کیا۔ چنانچہ فرمایا۔ وَ الصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا (صافات شروع)، وَالذّٰرِيٰتِ ذَرْوًا ۙ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا (ذاریات شروع)۔ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۙ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۔ (تکویر شروع)۔ جس طرح مکتوبات کے اواخر کو جامع کلم اور نوادر وصایا اور احکام سابقہ کی تاکید اور مخالفین احکام کی تہدید پر ختم کرتے تھے۔ اسی طرح سورتوں کے اواخر کو جوامع کلم اور منابع حکم اور تاکید بلیغ اور تہدید عظیم پر ختم فرمایا۔ اور کبھی سورت کے درمیان بڑے فائدے والے بدیع الاسلوب بلیغ کلام کو ایک طرح کی حمد وتسبیح سے یا نعمتوں اور عطایائے نعمت کے ایک طرح کے بیان سے شروع کیا ہے۔ چنانچہ خالق و مخلوق کے مراتب میں تباین کے بیان کو سورہ نحل کے اثناء میں آیہ (قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۭ اٰۗللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ) سے شروع کیا۔ اور اس کے بعد بلیغ آیتوں میں اس مدعا کو نہایت ہی بلیغ وجہ اور نہایت ہی بدیع اسلوب سے بیان فرمایا۔ اور بنی اسرائیل کے مخاصمہ کو سورہ بقرہ کے اثناء میں الفاظ (يٰبَنِىْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ) سے شروع فرمایا۔ اور ان ہی الفاظ پر ختم کیا۔ پس اس مخاصمہ کا اس کلام سے شروع کرنا اور اسی کلام پر ختم کرنا کمال درجہ کی بلاغت ہے۔ اسی طرح یہود ونصاریٰ کے مخاصمہ کو سورہ آل عمران میں آیہ (اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ) سے شروع فرمایا تاکہ محل نزاع معین ہو جائے۔ اور قیل وقال کا توارد اس مدعا پر واقع ہو۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔ انتہیٰ[1]۔

اعجاز القرآن کی تیسری وجہ

غیب کی خبریں

قرآن میں پہلے نبیوں اور گزشتہ امتوں اور قرون ماضیہ کے قصے مذکور ہیں۔ مثلاً حضرت آدمؑ وحوا کا قصہ۔ حضرت نوحؑ وطوفان کا قصہ۔ حضرت ابراہیمؑ وسارہ کا قصہ۔ حضرت اسحاقؑ اور حضرت لوطؑ کے حالات۔ حضرت مریمؑ وتولد مسیحؑ کا قصہ۔ ابتدائے پیدائش کا حال۔ ان میں

[1] فوز الکبیر فی اصول التفسیر مطبوعہ مطبع مجتبائی دھلی۔ ص ۳۱-۳۳

بعض قصے جو علمائے اہل کتاب کو بھی شاذ و نادر ہی معلوم تھے۔ یہود کے سوال کرنے پر بتائے گئے مثلاً اصحاب کہف کا قصہ۔ ذو القرنین کا قصہ۔ حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کا قصہ۔ حضرت موسیٰؑ و خضرؑ کا قصہ۔ یہ تمام قصے قرآن مجید میں کتب سابقہ الہامیہ کے مطابق مذکور ہیں۔

قرآن میں شرائع سابقہ کے احکام مذکور ہیں۔ مثلاً سورہ مائدہ رکوع اوّل میں ہے:-

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ	حرام ہوا تم پر مُردہ اور لہو اور گوشت سور کا اور جس چیز پر نام لیا گیا اللہ کے سوا کا اور جو مر گیا گلا گھٹ کر۔

اعمال باب ۱۵- آیہ ۲۹ میں ہے:-

"تم بتوں کے چڑھاووں اور لہو اور گلا گھونٹی ہوئی چیزوں اور حرامکاری سے پرہیز کرو۔"

اس آیت میں جو سور کے گوشت کی جگہ حرامکاری لکھا ہے درست نہیں۔ کیونکہ اس مقام پر حلال و حرام خوراک کا ذکر ہے۔ حرامکاری سے کیا علاقہ۔

قرآن میں بعض احکام بحوالہ کتب الہامیہ سابقہ مذکور ہوئے ہیں۔ مثلاً سورۂ مائدہ رکوع ۷ میں ہے:-

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ	اور لکھ دیا ہم نے اُن پر قصاص اُس کتاب (توراۃ) میں کہ جی کے بدلے جی اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت۔ اور زخم کا بدلہ برابر۔

تورات کتاب الخروج باب ۲۱ آیہ ۲۳-۲۵- میں یوں ہے

"جان کے بدلے جان۔ اور آنکھ کے بدلے آنکھ۔ دانت کے بدلے دانت۔ ہاتھ کے بدلے ہاتھ۔ پاؤں کے بدلے پاؤں۔ جلانے کے بدلے جلانا۔ زخم کے بدلے زخم۔ چوٹ کے بدلے چوٹ۔"

بعض احکام یہود کے طعن کے جواب یا اُن کے انکار کی تردید میں وارد ہوئے ہیں۔ چنانچہ سورہ آل عمران رکوع ۱۰ میں ہے:-

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَى نَفْسِهِ	سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کو مگر جو حرام کر لی تھی اسرائیل (یعقوب) نے اپنی جان پر

مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ	توراۃ نازل ہونے سے پہلے۔ تو کہہ۔ لاؤ توراۃ۔ اور پڑھو اُسے اگر سچے ہو۔

اس آیت کا شان نزول موضح القرآن میں یوں لکھا ہے:۔ "یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے۔ کہ تم کہتے ہو۔ ہم ابراہیم کے دین پر ہیں۔ اور ابراہیم کے گھرانے میں جو چیزیں حرام ہیں۔ سو کھاتے ہو۔ جیسا کہ اونٹ کا گوشت اور دودھ۔ اللہ نے فرمایا کہ جتنی چیزیں اب لوگ کھاتے ہیں۔ سب ابراہیم کے وقت میں حلال تھیں۔ یہانتک کہ توراۃ نازل ہوئی۔ توراۃ میں خاص بنی اسرائیل پر حرام ہوئی ہیں۔ مگر ایک اونٹ۔ توراۃ سے پہلے حضرت یعقوب نے اُس کے کھانے سے قسم کھائی تھی۔ اُن کی تبعیت سے اُن کی اولاد نے بھی چھوڑ دیا تھا۔ اور قسم کا سبب یہ تھا۔ کہ اُن کو ایک مرض (عرق النسا) ہوا تھا۔ انہوں نے نذر کی کہ اگر میں صحت پاؤں۔ تو جو میری بہت بھاؤ کی چیز ہے۔ وہ چھوڑ دوں۔ اُن کو یہی بہت بھاتا تھا۔ سو نذر کے سبب چھوڑ دیا۔"

اسی طرح خود یہود پر جو چیزیں حرام تھیں۔ اُن کی نسبت وہ کہتے۔ کہ یہ ہم ہی پر حرام نہیں ہوئیں بلکہ حضرت نوح و حضرت ابراہیم اور پہلی امتوں پر بھی حرام تھیں۔ اُن کے اس خیال کی تردید آیۂ ذیل میں مذکور ہے:۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَاۤ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَاۤ اَوِ الْحَوَايَاۤ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ (انعام۔ ع ۱۸)	اور یہود پر ہم نے حرام کیا تھا ہر ناخن والا اور گائے اور بکری میں سے ہم نے حرام کی اُن پر ان دونوں کی چربی مگر جو لگی ہو پُشت پر یا آنت میں یا ملی ہو ہڈی کے ساتھ۔ یہ ہم نے اُن کو سزا دی تھی اُن کی شرارت[1] پر اور ہم سچ کہتے ہیں۔

جانوروں کے حلال و حرام کے احکام کی طرح احکام جُنب و حائض و نفساء بھی قرآن میں کتب سابقہ کے مطابق بیان ہوئے ہیں:۔

ناظرین کرام! موافق و مخالف سب کو معلوم ہے۔ کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے

[1] شرارت سے مراد اُن کا ظلم کرنا۔ راہ خدا سے روکنا۔ سود لینا حالانکہ اُن کو اس کی ممانعت تھی (توراۃ کتاب الاحبار باب ۲۵۔ آیہ ۳۶) اور لوگوں کا مال ناحق کھانا ہے۔ جیسا کہ سورۂ نساء رکوع ۲۲ میں آیا ہے۔

نہ کبھی کسی اُستاد کے آگے زانوئے شاگردی تہ کیا۔ اور نہ کبھی علمائے اہل کتاب میں سے کسی عالم کی صحبت سے استفادہ فرمایا۔ جیسا کہ پہلے آچکا ہے۔ پس تعلّم و مجالست علماء کے بغیر قصص مذکورہ بالا اور احکامِ مِلَلِ سابقہ کی خبر اس طرح دینا کہ مصدّق کتب الہامیہ سابقہ ہو۔ اس امر کی دلیل ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے حضور کو وحی کے ذریعے بتایا۔ اسی واسطے یہود و نصاریٰ کی ایک جماعت آپ پر ایمان لائی۔ اور باقی جو اس نعمت سے محروم رہے۔ اُس کا سبب محض حسد و عناد تھا۔

قصص و احکام کے علاوہ قرآن میں کتب سابقہ کے بعض اور مضامین صراحتاً یا اشارتاً بحوالہ کتاب مذکور ہیں دیکھو آیات ذیل:۔

۱۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۙ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۭ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۙ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۙ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى (سورہ اعلیٰ)	بیشک بھلا ہوا اُس کا۔ جو سنورا اور پڑھا نام اپنے رب کا پھر نماز پڑھی۔ بلکہ تم آگے رکھتے ہو دنیا کا جینا اور آخرت بہتر ہے اور رہنے والی۔ یہ لکھا ہے پہلے صحیفوں میں۔ صحیفوں میں ابراہیم کے اور موسےٰ کے؛
۲۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔــلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِذْ جَاۗءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰي مَسْحُوْرًا۔ (بنی اسرائیل۔ ع۱۲)	اور ہم نے دین موسیٰ کو نو نشانیاں صاف۔ سو پوچھ بنی اسرائیل سے جب آیا وہ اُن کے پاس۔ تو کہا اس کو فرعون نے میری اٹکل میں اے موسیٰ تجھ پر جادو ہوا ہے؛

اس آیت میں نو نشانیوں سے وہ نو معجزے مراد ہیں جو اللہ تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرعون کے مقابلے میں عطا کئے۔ اِن نو نشانیوں کا ذکر تورات (کتاب الخروج باب ۷، تا ۱۰) میں بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے۔

۳۔ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ٻ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۾ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰي سُوْقِهٖ يُعْجِبُ	یہ صفت ہے اُن کی تورات میں اور صفت ہے اُن کی انجیل میں جیسا کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا۔ پھر اس کی کمر مضبوط کی۔ پھر وہ پٹھا موٹا ہوا۔ پھر کھڑا ہوا اپنی نال پر۔

الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (سورہ فتح-ع۴) | خوش لگتا ہے کھیتی والوں کو۔ تا جلاوے اُن سے جی کافروں کا۔

توراتِ موجودہ (کتاب پیدائش باب ۲۶- آیہ ۱۲-۱۳) میں یہ تفصیل یوں پائی جاتی ہے۔

"اور اسحٰق نے اُس زمین میں کھیتی کی۔ اور اُسی سال سَو گُنا حاصل کیا۔ اور خداوند نے اُسے برکت بخشی۔ اور وہ مرد بڑھ گیا۔ اور اُس کی ترقی ہوتی چلی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ بہت بڑا آدمی ہو گیا۔"

اور انجیل متی باب ۱۳- آیہ ۳۱-۳۲ میں یوں ہے:-

"وہ اُن کے واسطے ایک اور تمثیل لایا۔ کہ آسمان کی بادشاہت خردل کے دانے کی مانند ہے۔ جسے ایک شخص نے لے کے اپنے کھیت میں بویا۔ وہ سب بیجوں میں چھوٹا۔ پر جب اُگا۔ سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا۔ اور ایسا پیڑ ہوتا۔ کہ ہوا کی چڑیاں آ کے اُس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتیں۔"

۴- اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۭ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۣ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ۭ (سورہ توبہ-ع۱۴)

اللہ نے خرید لی مسلمانوں سے اُن کی جان اور مال اس قیمت پر کہ اُن کے لئے بہشت ہے۔ لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں۔ پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں۔ وعدہ ہو چکا اس کے ذمے پر تورات اور انجیل اور قرآن میں۔

موجودہ کتب عہد عتیق و جدید میں بہت جگہ جہاد کا ذکر ہے۔ تفصیل کے لئے مصابیح الظلام اُردو اور فارسی مؤلفہ خاکسار دیکھو۔ پولوس عبرانیوں کو اپنے نامہ (باب ۱۱- آیہ ۳۲-۳۳) میں یوں لکھتا ہے:-

"اب میں کیا کہوں فرصت نہیں کہ جدعون اور برق اور سمسون اور افتح اور داؤد اور سموئیل اور اور نبیوں کا حال بیان کروں۔ انہوں نے ایمان سے بادشاہوں کو مغلوب کیا۔ اور راستی کے کام کئے۔ اور وعدوں کو حاصل کیا۔ اور شیر ببر کے مُنہ بند کئے۔"

۵- وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ (انبیاء-ع۷)

اور ہم نے لکھ دیا ہے زبور میں بعد ذکر (تورات) کے کہ آخر زمین پر مالک ہوں گے میرے نیک بندے۔

زبور ۳۷- آیہ ۲۹ میں ہے:-

"صادق زمین کے وارث ہوں گے۔"

۶- لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ۝ (مائدہ - ع۱۱)

لعنت کھائی منکروں نے بنی اسرائیل میں سے داؤد اور مریم کے بیٹے عیسےٰ کی زبان پر۔ یہ اس سبب سے کہ گنہگار تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔

حضرت داؤد علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:-

"وے جو میری برائی سے خوش ہوتے ہیں شرمندہ اور رسوا ہوویں۔ اور جو میری دشمنی پر پھولتے ہیں شرمندگی اور رسوائی کا لباس پہنیں"۔ (زبور ۳۵- آیہ ۲۵)۔

حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:-

"اے ریاکار فقیہو اور فریسیو! تم پر افسوس کہ تم سفیدی پھری ہوئی قبروں کی مانند ہو جو باہر سے بہت اچھی معلوم ہوتی ہیں پر بھیتر مُردوں کی ہڈیوں اور ہر طرح کی ناپاکی سے بھری ہیں۔ اسی طرح تم بھی ظاہر میں لوگوں کو راستباز دکھائی دیتے ہو۔ پر باطن میں ریاکار اور شرارت سے بھرے ہو"۔ (انجیل متی باب ۲۳- آیہ ۲۸)۔

۷- وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ ؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ (صف ع۱)

جب کہا عیسےٰ مریم کے بیٹے نے۔ اے بنی اسرائیل میں بھیجا آیا ہوں اللہ کا تمہاری طرف سچا کرتا اُس کو جو مجھ سے آگے ہے توارات سے اور خوشخبری سناتا ایک رسول کی۔ جو آوے گا مجھ سے پیچھے۔ اُس کا نام احمد ہے۔ پھر جب آیا اُن کے پاس وہ رسول کھلے نشان لے کر۔ بولے یہ جادو ہے صریح۔

اس آیت کا پہلا حصہ متی باب ۵- آیہ ۱۷- ۱۸- اور پچھلا حصہ یوحنا باب ۱۴- آیہ ۱۶ میں ہے۔ مگر یوحنا کے موجودہ یونانی نسخوں میں آیہ زیر استدلال میں بجائے لفظ احمد کے لفظ پاراقلیطوس ہے۔ جس کے معنی انگریزی میں کمفرٹر اور اُردو میں تسلی دینے والا درج کردئے گئے ہیں۔ مگر یہ صاف تحریف لفظی ہے۔ اصل میں یونانی لفظ پریقلیطوس تھا جس کے معنیٰ ہیں بہت سراہا ہوا یعنی احمد۔ اہل کتاب جو اپنی کتابوں میں تحریف کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے لفظ پریقلیطوس کو بدل کر پاراقلیطوس بنادیا۔ جروم جس نے چوتھی صدی مسیحی میں انجیل کا لاطینی ترجمہ کیا۔ اُس نے لفظ زیر بحث کو لاطینی میں پیر قلی طاس لکھا ہے جس سے صاف پایا جاتا ہے۔ کہ اصلی نسخہ یونانی جو جروم کے پاس تھا۔ اس میں

پرتقلیطوس تھا نہ کہ پاراقلیطوس۔ اسی طرح انجیل برنباس میں بھی پرتقلیطوس موجود ہے۔ علاوہ ازیں اگر انجیل میں بشارت احمدؐ نہ ہوتی۔ تو علمائے اہل کتاب کبھی قرآن کی صداقت پر ایمان نہ لاتے۔ بلکہ اس کے برعکس قرآن مجید کی تکذیب کرتے۔

۸۔ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَ مَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا۔ (مائدہ۔ ع۵)

اسی سبب سے لکھا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جو کوئی مار ڈالے ایک جان بغیر بدلے جان کے یا بغیر فساد کے بیچ زمین کے تو گویا مار ڈالا اُس نے سب لوگوں کو۔ اور جس نے جلایا ایک جان کو۔ تو گویا جلایا اُس نے سب لوگوں کو۔

اس آیت کے متعلق تفسیر موضح القرآن میں یوں لکھا ہے "یعنی اول روئے زمین میں بڑا گناہ یہی ہوا۔ اس سے آگے رسم پڑی۔ اسی سبب سے تورات میں اس طرح فرمایا۔ کہ ایک مارا جیسے سب کو مارا یعنی ایک کے کرنے سے اور دلیر ہوتے ہیں۔ تو سب کے گناہ میں وہ اول بھی شریک ہے۔ اور جیسا ایک کو جلایا سب کو جلایا یعنی ظالم کے ہاتھ سے بچا دیا۔"

آیت مذکورہ بالا کا مضمون اب تورات موجودہ میں نہیں ملتا۔ مگر طلمود یعنی احادیث یہود سے پایا جاتا ہے۔ کہ اس میں تھا۔ چنانچہ کتاب پیدائش۔ باب ۴۔ آیہ ۱۰ میں لفظ خون اصل عبرانی میں بصیغۂ جمع ہے۔ اس کی تفسیر میں مشناہ سنہدرین میں مفسر یہودی نے جو کچھ عبرانی میں لکھا ہے۔ اُس کا ترجمہ ولیم سینٹ کلر ٹزدل واعظ مشن جلفہ واقع ایران فارسی میں یوں کرتا ہے:-

"نسبت بقاین کہ برادر خود را کشت۔ یافتہ ایم۔ کہ در بارہ وے گفتہ شد۔ آواز خون ہائے برادرت فریاد برمے آورد۔ نگوید خون برادرت بلکہ خونہائے برادرت یعنی خون وے وخون اولادش۔ بنا بریں انسان بہ تنہائی آفریدہ شد۔ برائے آزمودن تو کہ ہر کہ ہلاک کرد یک نفسے از اسرائیل را۔ کتاب بروے حسابش رامے نماید کہ گویا ہمہ عالم را ہلاک کردہ باشد وہر کہ یک نفسے از اسرائیل را زندہ کرد کتاب بروے حسابش رامے نماید کہ گویا ہمہ عالم را زندہ کردہ باشد۔" (ینابیع الاسلام صفحہ ۳۹-۴۰)۔

اس ترجمے میں کتاب سے مراد بظاہر تورات ہے۔ فافہم۔

۹۔ وَّ اَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَ قَدْ نُهُوْا عَنْهُ۔ الآیہ (نساع) | اور اُن کے سود لینے پر حالانکہ وہ اُس سے منع کئے گئے

تفسیر حسینی میں ہے:" حالانکہ نہی کردہ شدہ اند از اخذ ربو در تورات"۔ تورات میں یہ ممانعت
احبار باب ۲۵ - آیہ ۳۶ میں ہے۔

آیات مذکورہ بالا کا اُس نبی اُمّی بابی ہو واُمّی کی زبان مبارک سے نکلنا بجز وحی الٰہی ناممکن تھا۔ لہٰذا یہ سب اخبار بالمغیبات کی قسم سے ہیں۔ اور ان کی صحت میں کسی مخالف نے چون وچرا نہیں کی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کو وہ باتیں بتادیں جنہیں وہ چھپاتے تھے (مائدہ۔ ع۳) حالانکہ وہ اُن کی کتابوں میں موجود تھیں۔ مثلاً نبی آخر الزمان کی نسبت پیشین گوئیاں آپ کے اوصاف۔ حکم رجم وغیرہ۔ مگر اُن میں سے کوئی بھی اپنی کتاب پیش کرکے آپ کی تکذیب نہ کرسکا اس سے بڑھ کر آپ کی صداقت کا اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ (سورہ نجم)۔

کتب الہامیہ کا محاورہ بھی قابل غور ہے۔ دیکھئے آیات ذیل:۔

۱۔ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ۔ (انعام۔ ع۴)	سو وہ تجھ کو نہیں جھٹلاتے۔ لیکن بے انصاف اللہ کے حکموں سے منکر ہوئے جاتے ہیں۔

اول سموئیل باب ۸۔ آیہ ۷ میں ہے:۔

"وہ تجھ سے منکر نہیں ہوئے ہیں۔ بلکہ مجھ سے منکر ہوئے ہیں"۔

۲۔ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (بقرہ۔ ع۱۲)	پھینک دی ایک جماعت نے کتاب پانے والوں میں سے اللہ کی کتاب اپنی پیٹھوں کے پیچھے گویا کہ ان کو معلوم نہیں۔

نحمیاہ باب ۹۔ آیہ ۲۶۔ میں ہے:۔

"اور انہوں نے تیری شریعت کو اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا"۔

۳۔ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔ (حج۔ ع۶)	اور ایک دن[1] تیرے رب کے ہاں ہزار برس کے برابر ہے جو تم گنتے ہو۔

زبور ۹۰۔ آیہ ۴ میں ہے:۔

[1] یعنی ہزار برس کا کام ایک دن میں کرسکتا ہے۔ موضح القرآن۔

"ہزار برس تیرے آگے ایسے ہیں جیسے کل کا دن جو گزر گیا۔"

۴۔ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ (بنی اسرائیل۔ ع۵)	اُس کو ستھرائی بولتے ہیں آسمان ساتوں اور زمین اور جو کوئی ان میں ہے۔ اور کوئی چیز نہیں جو نہیں پڑھتی خوبیاں اُس کی۔ لیکن تم نہیں سمجھتے اُن کا پڑھنا۔

زبور ۱۹۔ آیہ ۲۔۳ میں ہے:۔

"آسمان خدا کا جلال بیان کرتے ہیں۔ اور فضا اس کی دستکاری دکھاتی ہے۔ ایک دن دوسرے دن سے باتیں کرتا ہے۔ اور ایک رات دوسری رات کو معرفت بخشتی ہے۔ ان کی کوئی لغت اور زبان نہیں۔ اُن کی آواز سُنی نہیں جاتی۔"

۵۔ كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا۔ (حدید۔ ع۳)	جیسے کہاوت ایک مینہ کی۔ جو خوش لگا کسانوں کو اُس کا سبزہ اُگنا۔ پھر زور پر آتا ہے۔ پھر تو دیکھے اس کو زرد ہو گیا۔ پھر ہو جاتا ہے روندن۔

زبور ۹۰ آیہ ۶ میں ہے:۔

"وے فجر کو اُس گھاس کی مانند ہیں جو اُگی ہو۔ وہ صبح کو لہلہاتی ہے۔ اور تر و تازہ ہوتی ہے۔ شام کو کاٹی جاتی ہے اور سُوکھ جاتی ہے۔"

۶۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ (اعراف ع۵)	بے شک جنہوں نے جھٹلائی ہماری آیتیں اور اُن کے سامنے تکبر کیا۔ نہ کھلیں گے اُن کو دروازے آسمان کے۔ اور نہ داخل ہوں گے جنت میں یہانتک کہ داخل ہو اونٹ سوئی کے ناکے میں۔ اور ہم یوں بدلا دیتے ہیں گنہگاروں کو۔

اس آیت کا آخیر حصہ انجیل (لوقا باب ۱۸۔ آیہ ۲۵) میں یوں ہے:۔

"اونٹ کا سوئی کے ناکے میں گزر جانا اس سے آسان ہے۔ کہ دولتمند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو۔"

۷۔ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ	اور مت پکار اللہ کے سوا ایسے کو کہ نہ بھلا کرے تیرا

وَلَا یَضُرُّكَ ۚ (یونس-عٓ) | اور نہ بُرا کرے تیرا۔

یرمیاہ-باب ۱۰-آیہ ۵ میں ہے:-

"اُن (معبودوں) سے مت ڈرو- کہ اُن میں ضرر پہنچانے کی سکت نہیں اور نہ اُن میں قوت ہے- کہ فائدہ بخشے"۔

۸- یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ كَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ؕ كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَیْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِیْنَ ۝ (انبیاء-عٓ) | جس دن ہم لپیٹ لیں آسمان کو جیسے لپیٹتا ہے طومار رقعوں کو- جیسے سرے سے بنایا ہم نے پہلی بار پھر اُس کو دہرادیں گے- وعدہ ہوچکا ہے ہم پر- ہم کو کرنا ہے-

یسعیاہ- باب ۳۴-آیہ ۴ میں ہے:-

"اور آسمان کاغذ کے تاؤ کی مانند لپیٹے جائیں گے"۔

مکاشفات- باب ۶- آیہ ۱۴ میں ہے:-

"اور آسمان طومار کی طرح جب آپ سے لپیٹا جائے دو حصے ہوگیا"۔

۹- اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ۬ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ (بقرہ- عٓ) | جیتا ہے سب کا تھامنے والا- نہیں پکڑتی ہے اُس کو اونگھ اور نہ نیند!

زبور ۱۲۱- آیہ ۴ میں ہے:-

"دیکھ وہ جو اسرائیل کا محافظ ہے- ہرگز نہ اونگھے گا اور نہ سوئے گا"۔

۱۰- اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَیَمُدُّهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ- (بقرہ- عٓ) | اللہ ہنسی کرتا ہے اُن سے- اور بڑھاتا ہے اُن کو اُن کی شرارت میں بہکے ہوئے!

زبور ۲- آیہ ۴ میں ہے:-

"وہ جو آسمان پر تخت نشین ہے ہنسے گا- اور خداوند انہیں ٹھٹھوں میں اڑاوے گا"۔

اسی طرح زبور ۵۹- آیہ ۸ میں ہے:-

"پر تو اے خداوند اُن پر ہنسے گا- تو ساری قوموں کو مسخرہ بناوے گا"۔

ناظرین! آپ امثلہ بالا سے بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں- کہ قرآن و دیگر کتب الہامیہ میں بلحاظ محاورہ کس قدر مطابقت ہے- آپ کو معلوم ہے- کہ نزول قرآن اور نزول کتب سابقہ میں کتنا عرصہ

دراز گزرا ہے۔ اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ کتب سابقہ میں تحریف معنوی اور تحریف لفظی اس کثرت سے ہوئی ہے۔ کہ کتابوں تک کا پتہ نہیں چلتا۔ باایںہمہ قرآن وکتب سابقہ موجودہ میں محاورہ کی ایسی مطابقت کا پایا جانا صاف بتارہا ہے۔ کہ دونوں صورتوں میں متکلم ایک ہی ہے۔ وہ خدائے علیم جس نے تورات حضرت موسیٰؑ پر۔ زبور حضرت داؤدؑ پر۔ انجیل حضرت عیسیٰؑ پر اور دیگر صحیفے دوسرے نبیوں پر بھیجے۔ اسی نے قرآن مجید اپنے پیارے نبی اُمّی (بابی ھو واُمّی) پر نازل فرمایا۔ جو بخلاف دیگر کتب عبارت میں بھی معجز ہے۔ اور مکمل ایسا کہ اس کی موجودگی میں کتب سابقہ جو اپنے اپنے وقت میں مکمل وکافی تھیں ناکمل ومنسوخ ہوگئیں!

قرآن وکتب الہامیہ سابقہ میں مطابقت مذکورہ بالا کو دیکھ کر آج کل کے عیسائی بھی کفار قریش کی طرح کہتے ہیں۔ کہ قرآن میں یہ باتیں اہل کتاب میں سے کسی عالم کی مدد سے لکھی گئی ہیں چنانچہ کبھی یہ گپ اڑاتے ہیں۔ کہ بحیرا راہب نے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ سب کچھ سکھایا تھا[1] اور کبھی بڑبڑاتے ہیں کہ آپ نے دین مسیحی کا کچھ علم صہیب رومی سے حاصل کیا تھا[2]۔ اور کبھی یہ بڑ ہانکتے ہیں۔ کہ ظن غالب تو ان راہبوں میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جو اس وقت ملک عرب میں عزیز الوجود نہ تھے۔ اور قرآن اکثر جگہوں میں ان کا ذکر تحسین ومدح کے الفاظ میں کرتا ہے[3]۔ مگر ہم پوچھتے ہیں۔ کہ اس تمام ہرزہ سرائی کا کیا ثبوت ہے۔ ایسے عناد سے اپنی عاقبت کیوں خراب کر رہے ہو۔ پامر عیسائی جس نے قرآن کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ یوں لکھتا ہے:۔

"عیسائی مصنفین (حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) پر یہ الزام لگاتے ہیں۔ کہ ان کی وحی کا بڑا حصہ ایک نصرانی راہب کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ مگر اس الزام کی تائید میں کوئی شہادت موجود نہیں[3]"

ہم عیسائیوں سے کھلے الفاظ میں پکار کر کہتے ہیں۔ کہ اگر تم سچے ہو۔ تو پہلے ثابت کرو کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کسی یہودی یا عیسائی سے تعلیم پائی۔ اور پھر جواب دو کہ مضامین زیر بحث کو ایسے معجز نظام کلام میں کس نے ادا کیا۔ ہمارا یہ دعوے ہے اور سچا دعوے ہے۔ کہ قرآن افترا نہیں۔ اور

---

[1] تفسیر کامل قرآن بزبان انگریزی مولفہ ویری صاحب۔ جلد اول۔ صفحہ ۴۴۔۴۶۔

[2] انڈین اینٹیکوئری جلد ۳۲۔ بابت جون ۱۹۰۳ء۔ ص ۲۵۹۔

[3] دیباچہ ترجمہ قرآن بزبان انگریزی۔ ص ۴۸۔

نہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا قرآن بنائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا جو ہوگا وہ مخلوق ہوگا۔ اور مخلوق ایسا قرآن بنانے پر قادر نہیں۔ مگر یہ اصول دین اور بعض دیگر مضامین میں کتب سابقہ کے مطابق ہے اور بتاتا ہے کہ وہ کتابیں منجانب اللہ اور اپنے اپنے وقتوں میں معمول بہا تھیں۔ اس لحاظ سے یہ ان کتابوں کا مصدق اور ان کی صحت کی دلیل ہے۔ کیونکہ یہ معجزہ ہے اور وہ معجزہ نہیں۔ اس لئے وہ اپنے مضامین کی صحت کے لئے اس کی شہادت کی محتاج ہیں نہ کہ یہ۔ پس جب قرآن کتب سابقہ کا مصدق ٹھیرا۔ تو یہ نتیجہ نکلا کہ یہ افتراء نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسے بندہ کامل کے ہاتھ پر ظاہر ہوا۔ جو نہ کوئی علم پڑھا اور نہ علمائے اہل کتاب میں سے کسی کی صحبت میں بیٹھا۔ پھر جو اس کی پیش کردہ کتاب کے مضامین کتب سابقہ کے مطابق پائے گئے۔ تو معلوم ہوا کہ وہ کتاب وحی الٰہی ہے۔ وہ کتاب جو کتب الہامیہ سابقہ کا صدق ثابت کرے خود افتراء کیسے بن سکتی ہے۔ بلکہ وہ تو اولے بالصدق ہے۔ یہ تقریر آیہ ذیل کی تفسیر ہے:۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ - (یونس - ع)	اور نہیں یہ قرآن کہ کوئی بنا لے اللہ کے سوا۔ اور لیکن سچا کرتا ہے اگلے کلام کو اور تفصیل ہے کتاب کی اس میں شبہ نہیں جہان کے پروردگار سے ہے ؎

قرآن میں مومنوں کے دل کی بعض ایسی باتیں مذکور ہیں۔ جہاں علام الغیوب کے سوا اور کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ دیکھو امثلہ ذیل:۔

۱۔ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ (انفال - ع)	اور جس وقت وعدہ دیتا تھا اللہ تم کو ایک ان دو جماعت میں سے کہ تم کو ہاتھ لگے گی۔ اور تم چاہتے تھے کہ جس میں کانٹا نہ لگے والا ملے تم کو۔ اور اللہ چاہتا تھا کہ سچا کرے سچ کو اپنے کلاموں سے اور کاٹے پیچھا کافروں کا۔

اس آیت میں ایک ایسے امر کی خبر ہے۔ جو مومنوں کے دل میں آیا تھا اور جسے وہ پسند کرتے تھے۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے وہ امر پوشیدہ تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر آپ کو اطلاع بخشی۔ اس کا بیان یوں ہے۔ کہ جب مسلمانوں کو خبر لگی کہ ابو سفیان لدے ہوئے اونٹوں کا

قافلہ ملک شام سے لارہا ہے۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تین سو آٹھ کی جمعیت کے ساتھ نکلے۔ اور وادی ذفران میں اللہ تعالےٰ نے آپ سے دو امروں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا۔ قافلہ کا ہاتھ آنا یا گروہ قریش کا مغلوب ہونا جو مکہ سے اِس قافلہ کے چھڑانے کے لئے نکلا تھا۔ صحابہ کرام اپنے دلوں میں قافلہ کی گرفتاری پسند کرتے تھے پس اللہ تعالےٰ نے چاہا کہ وہ دشمنوں سے مقابلہ کریں تاکہ کفر کا زور ٹوٹ جائے۔ اور دین حق کو تقویت پہنچے۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ کیونکہ بدر کی لڑائی میں ستر کافر مارے گئے اور اتنے ہی گرفتار ہوئے۔ اور مسلمانوں میں سے صرف چودہ شہید ہوئے۔

۲۔ إِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (آل عمران۔ ع ۱۳)	جب قصد کیا دو فرقوں نے تم میں سے کہ نامردی کریں اور اللہ مددگار تھا اُن کا۔ اور اللہ ہی پر چاہئے بھروسہ کریں مسلمان۔

اس آیت میں مومنوں کے ایک خطرہ قلبی کا اظہار ہے۔ جس کا بیان یوں ہے۔ کہ جنگ بدر سے اگلے سال (غزوہ احد میں) کافر جمع ہو کر مدینہ پر چڑھ آئے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے مشورہ کیا۔ اکثر کہنے لگے۔ کہ ہم شہر ہی میں لڑیں گے۔ اور حضور کی مرضی بھی یہی تھی۔ بعض کہنے لگے کہ یہ عار ہے۔ بلکہ ہم میدان میں مقابل ہوں گے۔ آخر اسی مشورہ پر عمل کیا گیا۔ جب حضور شہر سے باہر چلے۔ عبداللہ بن اُبی منافق مدینے کا رہنے والا تھا۔ وہ بھی شریک جنگ تھا۔ مگر وہ ناخوش ہو کر پھر گیا۔ کہ ہمارے کہنے پر عمل نہ کیا۔ اُس کے بہکانے سے انصار کے دو قبیلے (خزرج سے بنو سلمہ اور اوس سے بنی حارثہ) بھی پھر چلے۔ آخر اُن کے سردار عوام کو سمجھا کر لے آئے۔ اس آیت میں انہی دو قبیلوں کے خطرۂ قلبی کا ذکر ہے۔ حالانکہ اُن سے نہ کوئی قول ظہور میں آیا اور نہ کوئی بزدلی۔ (موضح القرآن)۔

قرآن مجید میں منافقین کے راز کھول کر بتائے گئے ہیں جن کو وہ اپنے دلوں میں چھپاتے تھے یا اپنی ہی جماعت سے کہتے تھے۔ دیکھو آیاتِ ذیل:۔

۱۔ يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ ۖ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قُتِلْنَا هَاهُنَا ۗ (آل عمران۔ ع ۱۶)	اپنے جی میں چھپاتے ہیں جو تجھ سے ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ اگر کچھ کام ہوتا ہمارے ہاتھ۔ تو ہم مارے نہ جاتے۔

اس آیت سے ظاہر ہے۔ کہ جنگ اُحد کے دن جب مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ تو منافقین خلوت میں

ایک دوسرے سے کہتے تھے۔ کہ اگر لڑائی کے لئے نکلنا ہمارے اختیار ہوتا۔ تو ابن ابی کی رائے پر عمل کرتے۔ اور شہر مدینے سے باہر قدم نہ دھرتے۔ اور نہ مارے جاتے۔ اس قول کو وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے چھپاتے تھے۔ مگر اللہ تعالےٰ نے آپ کو بذریعہ وحی خبر دے دی۔

۲۔ وَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ إِنَّهُمْ لَمِنكُمْ وَمَا هُم مِّنكُمْ وَلَٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرَقُونَ۔ (توبہ ع) | اور قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ وہ بے شک تم میں سے ہیں۔ حالانکہ وہ تم میں سے نہیں۔ ولیکن وہ لوگ ڈرتے ہیں۔

اس آیت میں بتادیا گیا ہے کہ منافقین جو قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم تم میں سے ہیں جھوٹ ہے۔

۳۔ وَمِنْهُم مَّن يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِن لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ۔ (توبہ۔ ع) | اور بعضے ان میں سے ہیں کہ تجھ کو طعن دیتے ہیں زکوٰۃ بانٹنے میں۔ سو اگر ان کو ملے اس میں سے۔ تو راضی ہوں۔ اور اگر نہ ملے اس میں سے تب ہی وہ ناخوش ہو جاویں۔

یہ آیت ابوالجواظ منافق کے بارے میں نازل ہوئی۔ کیونکہ اس نے کہا تھا۔ کہ تم اپنے صاحب کو نہیں دیکھتے۔ کہ تمہارے صدقات ریوڑ چرانے والے گڈریوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ اور پھر سمجھتا ہے کہ میں عادل ہوں۔ (تفسیر روح البیان)۔

۴۔ وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ۔ (توبہ۔ ع) | اور بعضے ان میں بدگوئی کرتے ہیں نبی کی۔ اور کہتے ہیں یہ شخص کان ہے۔

بعض منافقین مثلاً جلاس اور اس کے ساتھی حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایسی باتیں کہا کرتے تھے۔ کہ جن سے انسان کو اذیت پہنچے۔ اور جب انہیں منع کیا جاتا۔ تو کہتے۔ کہ آنحضرت کے تو کان ہی کان ہیں۔ ہم ان کے سامنے قسم کھالیں گے۔ اور انکار کر دیں گے۔ وہ مان لیں گے۔ کیونکہ وہ جو سنتے ہیں۔ مان لیتے ہیں۔ ان میں ذکاء و فطانت نام کو نہیں۔ (تفسیر روح البیان)۔

۵۔ يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا۔ (توبہ۔ ع) | قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی۔ ہم نے نہیں کہا۔ بیشک کہا ہے لفظ کفر کا اور منکر ہو گئے ہیں مسلمان ہو کر۔ اور فکر کیا تھا انہوں نے جو نہ ملا۔

غزوۂ تبوک میں ان منافقین کی فضیحت میں آیات نازل ہوئیں۔ جو اس غزوہ میں مدینہ منورہ میں پیچھے رہ گئے تھے۔ اس لئے جلاس بن سوید نے کہا۔ اللہ کی قسم! جو کچھ حضرت ہمارے بھائیوں

کی نسبت کہتے ہیں۔ اگر وہ سچ ہے۔ تو ہم گدھوں سے بدتر ہیں۔ جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی۔ تو آپ نے جلاس کو بلا کر پوچھا۔ وہ قسم کھا گیا کہ میں نے ایسا نہیں کہا۔ اس پر یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰہِ مَا قَالُوْا۔ الآیہ نازل ہوئی۔ اگرچہ اس قصے میں قائل ایک ہے۔ مگر چونکہ باقی منافق جلاس کے قول پر راضی تھے۔ اس لئے وہ بھی بمنزلہ جلاس ہو گئے۔ اور صیغہ جمع کا لایا گیا۔ مطلب یہ کہ وہ قسم کھا گئے۔ کہ ہم نے کوئی کلمہ ایسا نہیں کہا جس سے آنحضرت یا آپ کے دین کی توہین ہوتی ہو حالانکہ بیشک انہوں نے کلمہ کفر کہا۔ اور اسی پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ اپنے افعال سے بھی کفر باطنی ظاہر کر دیا۔ چنانچہ منجملہ اُن افعال کے ایک یہ ہے۔ کہ غزوہ تبوک سے واپسی کے وقت اُن میں سے پندرہ نے اتفاق کر لیا۔ کہ حضرت جب تبوک اور مدینہ کے درمیان عقبہ (گھاٹی) پر ہوں گے۔ تو ہم اُن کو سواری سے وادی میں دھکیل کر مار ڈالیں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو منافقین کے اس ارادے سے آگاہ کر دیا۔ اس لئے جب لشکر عقبہ میں پہنچا۔ تو آپ تو عقبہ میں چلے۔ اور باقی سب آپ کے ارشاد سے وادی میں چلنے لگے۔ مگر اُن منافقوں نے مُنہ پر ڈھاٹا باندھ کر عقبہ میں چلنا شروع کیا۔ حضرت عمار بن یاسر آپ کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے تھے۔ اور حضرت حذیفہ بن الیمان پیچھے سے ہانک رہے تھے۔ اتنے میں حذیفہ نے اونٹوں کے سُموں کی آہٹ اور ہتھیاروں کی آواز سُنی۔ اس لئے حذیفہ اندھیری رات میں اُن کی طرف بڑھے۔ اور للکار کر کہا۔ اے اللہ کے دشمنو! رسول اللہؐ سے دور ہو جاؤ۔ یہ سُن کر وہ وادی کی طرف بھاگ گئے۔ اور لوگوں میں مل گئے۔ (روح البیان و روح المعانی)۔

۶۔ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَۃٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖۤ اِيْمَانًا ۚ (توبہ۔ ع ۱۷)	اور جب نازل ہوئی ایک سورت۔ تو بعضے اُن میں کہتے ہیں۔ کس کو تم میں زیادہ کیا اس سورت نے ایمان۔

یعنی جب منافق لوگ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہ ہوتے۔ اور کوئی سورت نازل ہوتی جس میں دلائل قاطعہ ہوں۔ تو وہ ایک دوسرے سے بطور استہزاء کہتے۔ کہ اس سورت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا؟

۷۔ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَۃٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ؕ هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا ؕ (توبہ۔ ع ۱۷)	اور جب نازل ہوئی ایک سورت۔ دیکھنے لگے ایک دوسرے کی طرف کہ کوئی بھی دیکھتا ہے تم کو۔ پھر چلے گئے۔

یعنی جب منافقین حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے حضور میں ہوتے۔ اور کوئی سورت اُترتی جس میں اُن کے چھپے عیبوں کا بیان ہوتا۔ تو وہ مومنوں سے آنکھ بچا کر مجلس سے کھسک جاتے۔ اور اگر جانتے کہ کوئی مومن اُن کو دیکھ رہا ہے۔ تو وہیں بیٹھے رہتے۔ اور اختتام مجلس پر چلے جاتے۔

۸۔ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ۔ (توبہ۔ ع ۱۳)

اور جنہوں نے بنائی ایک مسجد ضد پر اور کفر پر اور پھوٹ ڈالنے کو مسلمانوں میں اور گھات اس شخص کے لئے جو لڑ رہا ہے اللہ سے اور رسول سے آگے کا۔ اور اب قسمیں کھاویں گے کہ ہم نے تو بھلائی ہی چاہی تھی۔ اور اللہ گواہ ہے کہ وہ جھوٹے ہیں!

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسجد ضرار والے سب منافق تھے۔ منافقین کے مزید حال کے لئے سورہ منافقون دیکھئے۔

قرآن مجید میں منافقین کی طرح یہودیوں کے چھپے عیب بھی ظاہر کرد ئے گئے ہیں۔ دیکھو آیات ذیل:۔

۱۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ وَاِذَا جَآءُوْكَ حَيَّوْكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللّٰهُ ۙ وَيَقُوْلُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِيْرُ۔ (مجادلہ۔ ع)

کیا تو نے نہ دیکھے جن کو منع ہوئی کانا پھوسی۔ پھر وہی کرتے ہیں۔ جو منع ہو چکا ہے۔ اور کان میں باتیں کرتے ہیں گناہ کی اور تعدی کی۔ اور رسول کی نافرمانی کی۔ اور جب آویں تیرے پاس۔ تجھ کو دعا دیں۔ جو دعا نہیں دی تجھ کو اللہ نے۔ اور کہتے ہیں اپنے دلوں میں۔ کیوں نہیں عذاب کرتا ہم کو اللہ اس پر جو ہم کہتے ہیں۔ بس ہے اُن کو دوزخ۔ داخل ہوں گے اُس میں۔ سو بری ہے جگہ پھر جانے کی۔

موضح القرآن میں ہے:" حضرت کی مجلس میں بیٹھ کر منافق کان میں باتیں کرتے۔ مجلس کے لوگوں پر ٹھٹھے کرتے اور عیب پکڑتے۔ اور حضرت کی بات سُن کر کہتے۔ یہ مشکل کام ہم سے کب ہو سکے گا۔ پہلے سورہ نساء میں اس کا منع آچکا تھا۔ مگر پھر وہی کرتے تھے۔ اور دعا یہ کہ یہود آتے اور اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ کے بدلے اَلسَّامُ عَلَيْكَ کہتے۔ یہ بددعا ہے۔ کہ تجھ پر پڑے مرگ۔ پھر آپس میں کہتے کہ اگر یہ

رسول ہے تو اس کے کہنے سے ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا۔ اور کوئی منافق بھی کہتا ہوگا:

۲- يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ۭ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـــًٔـا ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (مائدہ-ع)

اے رسولؐ تو غم نہ کھا اُن پر جو جلدی منکر ہونے لگتے ہیں اُن لوگوں میں سے جو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اپنے منہ سے۔ اور اُن کے دل مسلمان نہیں۔ اور ان لوگوں میں سے جو یہودی ہیں سننے والے ہیں واسطے جھوٹ کے اور سننے والے ہیں واسطے دوسری جماعت کے جو تجھ تک نہیں آئے۔ بدل ڈالتے ہیں بات کو اُس کا ٹھکانا چھوڑ کر۔ کہتے ہیں۔ اگر تم کو یہ ملے تو لو۔ اور اگر یہ نہ ملے تو بچتے رہو۔ اور جس کو اللہ نے بچلانا چاہا۔ سو تو اس کا کچھ نہیں کر سکتا اللہ کے یہاں۔ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے نہ چاہا کہ اُن کے دل پاک کرے۔ اُن کو دنیا میں ذلت ہے۔ اور اُن کو آخرت میں بڑی مار ہے۔

موضح القرآن میں اس آیت کے متعلق یوں لکھا ہے۔ بعضے منافق تھے کہ دل میں یہود سے ملتے تھے۔ اور بعضے یہود تھے کہ حضرت کے پاس آمد و رفت کرتے تھے۔ اللہ نے فرمایا۔ کہ یہ لوگ جاسوسی کو آتے ہیں۔ کہ تمہارے دین میں سے کچھ عیب چن کر لے جاویں اپنے سرداروں کے پاس جو یہاں نہیں آتے۔ اور فی الحقیقت عیب کہاں ہے۔ لیکن بات کو غلط تقریر کر کے ہنر کو عیب کرتے ہیں۔ یہود میں کئی قضیے ہوئے۔ کہ اپنے قضایا لائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلے کو۔ وہ سردار یہود آپ نہ آتے۔ بیچ والوں کے ہاتھ بھیجتے اور کہہ دیتے کہ ہمارے معمول کے موافق حکم کریں۔ تو قبول رکھو۔ نہیں تو نہ رکھو۔ غرض یہ تھی۔ کہ حکم تورات کے خلاف معمول باندھے تھے کہ ایک بھی اگر اُس کے موافق حکم کر دے۔ تو ہم کو اللہ کے یہاں سند ہو جاوے۔ اور جانتے تھے۔ کہ اُن کو تورات کی خبر نہیں۔ جو ہمارا معمول سنیں گے سو حکم کریں گے۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت کو خبردار کیا۔ موافق تورات ہی کے حکم فرمایا۔ اور تورات میں سے ثابت کر کے اُن کو قائل کیا۔ ایک قصہ رجم کا تھا کہ وہ منکر ہوئے تھے

پھر تورات سے قائل کیا۔ اور ایک قصاص کا تھا۔ کہ وہ اشراف اور کم ذات کا فرق کرتے تھے اور تورات میں فرق نہیں رکھا۔

۳۔ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِى الدِّيْنِ ط (نساء ۔ ع)

وہ جو یہودی ہیں بدل ڈالتے ہیں بات کو اُس کی جگہ سے۔ اور کہتے ہیں۔ کہ ہم نے سُنا۔ اور نہ مانا۔ اور سن۔ نہ سنایا جائیو اور راعنا موڑ دے کر اپنی زبان کو۔ اور طعن کرکے دین میں۔

موضح القرآن میں ہے۔ کہ یہود حضرت کی مجلس میں بیٹھتے اور حضرت کلام فرماتے۔ بعض بات جو سُنی ہوتی چاہتے کہ پھر تحقیق کریں۔ تو کہتے راعنا یعنی ہماری طرف بھی متوجہ ہو۔ یہود کو اس لفظ کہنے میں دغا تھی۔ اس کو زبان دبا کر کہتے۔ تو راعینا ہو جاتا یعنی ہمارا چرواہا۔ اور ان کی زبان میں راعنا احمق کو بھی کہتے تھے۔ اسی طرح حضرت فرماتے۔ تو جواب میں کہتے۔ سنا ہم نے۔ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ قبول کیا۔ لیکن آہستہ کہتے کہ نہ مانا۔ یعنی فقط کان سے سُنا۔ اور دل سے نہ سُنا۔ اور حضرت سے خطاب کرتے تو کہتے۔ سُن۔ نہ سُنایا جائیو۔ ظاہر میں یہ دعا نیک ہے۔ کہ تو ہمیشہ غالب رہے۔ کوئی تجھ کو بُری بات نہ سنا سکے۔ اور دل میں نیت رکھتے کہ تو بہرا ہو جائیو۔ ایسی شرارت کرتے پھر دین میں عیب دیتے کہ اگر یہ شخص نبی ہوتا۔ تو ہمارا فریب معلوم کر لیتا۔ دہی اللہ صاحب نے واضح کر دیا۔

ناظرین کرام! مومنوں کے دلوں کے راز ظاہر کرنا۔ منافقوں کا بھانڈا پھوڑنا اور یہودیوں کے فریبوں کی قلعی کھولنا یہ تمام از قبیل اخبار بالمغیبات ہے۔ جس سے قرآن کا اعجاز ثابت ہے۔ کیونکہ انسان اس سے عاجز ہے۔

بیان بالا سے یہ نہ سمجھنا چاہئے۔ کہ قرآن میں صرف غیوب ماضیہ کی خبریں ہیں۔ کیونکہ غیوب مستقبلہ کی خبریں بھی اس میں کثرت سے ہیں۔ جن میں سے بعض ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

پیشین گوئی ۱

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ہ فَاِنْ لَّمْ

اور اگر ہو شک میں اس کلام سے جو اُتارا ہم نے اپنے بندے پر۔ تو لے آؤ ایک سورت اس قسم کی۔ اور بلاؤ جن کو حاضر کرتے ہو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر

تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ۔ (بقرہ۔ ع)	نہ کرو اور البتہ نہ کر سکو گے۔ تو بچو آگ سے جس کی چھپٹیاں ہیں آدمی اور پتھر۔ تیار ہے منکروں کے واسطے۔

ان آیتوں میں یہ پیشین گوئی ہے۔ کہ قرآن مجید کی ایک سورت کی مثل لانے پر کوئی قادر نہ ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں اور اُس وقت سے اب تک کہ تیرہ سو چھپن ہجری مقدس ہے۔ کثرت سے مخالفین و معاندین اسلام رہے۔ مگر کوئی بھی قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مثل بنا کر پیش نہ کر سکا۔ اور نہ آئندہ کر سکے گا؛

پیشین گوئی ۲

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ (بقرہ۔ ع)	تو کہہ اگر تم کو ملنا ہے گھر آخرت کا اللہ کے ہاں الگ سوائے اور لوگوں کے۔ تو تم مرنے کی آرزو کرو اگر سچ کہتے ہو؛

اس آیت میں اخبار عن الغیب ہے۔ کہ یہود میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ کسی یہودی نے باوجود قدرت کے موت کی تمنا نہ کی۔ حضور اقدس[1] صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اگر یہود موت کی تمنا کرتے۔ تو البتہ مرجاتے۔ اور دوزخ میں اپنی جگہ ضرور دیکھ لیتے؛

پیشین گوئی ۳

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَاۗىِٕفِيْنَ ڛ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۔ (بقرہ۔ ع)	اور اس سے ظالم کون ہے جس نے منع کیا اللہ کی مسجدوں میں کہ ذکر کیا جائے وہاں نام اُس کا۔ اور دوڑا اُن کے اجاڑنے کو۔ ایسوں کو نہیں لائق تھا کہ داخل ہوں اُن میں مگر ڈرتے ہوئے۔ اُن کو دنیا میں ذلت ہے۔ اور اُن کو آخرت میں بڑی مار ہے؛

[1] اخرج احمد والبخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن مردویہ وابو نعیم عن ابن عباس عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال لو ان الیہود تمنوا الموت لماتوا ولرأوا مقاعدھم من النار۔ (درمنثور للسیوطی۔ جزء اول۔ ص۸۹)

اس آیت میں اُولٰئِکَ سے مراد نصارٰے (طیطوس رومی اور اس کے اصحاب) ہیں۔ جنہوں نے یہود پر غلبہ پاکر مسجد بیت المقدس کو ویران کیا۔ اور اُن کی مسجدیں اجاڑیں۔ یہ پیشین گوئی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خلافت میں پوری ہوئی۔ جبکہ یروشلم مع ملک شام عیسائیوں سے لے لیا گیا۔ اور ہیکلِ یروشلم کی خاص بنیاد پر اسلامی مسجد تعمیر کی گئی۔

بعض کے نزدیک اُولٰئِکَ سے مراد مشرکینِ عرب ہیں۔ جنہوں نے حدیبیہ کے سال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کو بیت الحرام میں داخل ہونے سے روکا تھا۔ اس صورت میں یہ پیشین گوئی ہجرت کے نویں سال پوری ہوئی۔ جبکہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے موسم حج میں منادی کرادی کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے۔ اور نہ کوئی ننگا بیت اللہ کا طواف کرے[1]۔

پیشین گوئی

۴-۵-۶-۷-۸-۹

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاۗءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۭ (آل عمران-ع ۱۲)	وہ ہرگز ضرر نہ پہنچائیں گے تم کو مگر ستانا تھوڑا۔ اور اگر تم سے لڑیں گے۔ تو تم سے پیٹھ دیں گے۔ پھر وہ مدد نہ دئے جائیں گے۔ ماری گئی اُن پر ذلت جہاں پائے جائیں۔ سوائے دستاویز اللہ کے اور دست آویز لوگوں کے۔ اور کما لائے غصہ اللہ کا۔ اور ماری گئی اُن پر محتاجی۔

ان آیات میں یہود کی نسبت کئی پیشین گوئیاں ہیں۔

۱۔ یہود مسلمانوں کو کوئی بڑا ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔

۲۔ اگر یہود مسلمانوں سے لڑیں گے تو شکست کھائیں گے۔

۳۔ شکست کھانے کے بعد یہود میں قوت و شوکت نہ رہے گی۔

۴۔ یہود ہمیشہ ذلیل رہیں گے۔ مگر یہ کہ دوسروں کی پناہ میں ہوں۔

[1] لا یحج بعد العام مشرک ولا یطوف بالبیت عریان۔ (عینی شرح بخاری۔ جزء رابع صفحہ ۲۳۳)

۵ - یہود مغضوب رہیں گے؛

۶ - یہود کی سلطنت کہیں نہ ہوگی - بلکہ مسکنت میں رہیں گے؛

یہ تمام پیشین گوئیاں پوری ہو چکی ہیں - چنانچہ یہود زبانی طعن اور سب وشتم کے سوا مومنین کو کوئی بڑا ضرر نہ پہنچا سکے - یہود بنی قینقاع و بنی قریظہ و بنی نضیر و یہود خیبر نے مسلمانوں سے مقابلہ کیا - اور مغلوب ہوئے - پھر ان کے کہیں پاؤں نہ جمے اور ان کی شان و شوکت جاتی رہی یہود ہمیشہ ہر ملک میں قتل و غارت و قید سے پامال ہوتے رہے ہیں - روئے زمین پر کہیں ان کی سلطنت نہیں - دوسرے ملکوں میں پناہ گزیں ہیں - تو وہاں کے بادشاہ یا لوگوں کی عنایت سے ایسا ہوتا رہا ہے - ان کا مغضوب ہونا ظاہر ہے؛

پیشین گوئی ۱۰

سَنُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَکُوْا بِاللّٰہِ مَالَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطٰنًا وَمَاْوٰھُمُ النَّارُ وَبِئْسَ مَثْوَی الظّٰلِمِیْنَ (ال عمران - ع ۱۶)	اب ڈالیں گے ہم کافروں کے دلوں میں ہیبت - اس واسطے کہ انہوں نے شریک ٹھہرایا اللہ کا اس چیز کو جس کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری - اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے - اور بُری ہے جگہ ظالموں کے رہنے کی۔

یہ پیشین گوئی یوم اُحد کی نسبت تھی - اور اسی دن پوری ہوگئی - کیونکہ کفار باوجود غلبہ و ظفر کے مسلمانوں کے خوف سے لڑائی چھوڑ کر بھاگ گئے؛

پیشین گوئی ۱۱

قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰی جَھَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِھَادُ ○ (ال عمران - ع ۲)	کہدے کافروں کو کہ تم جلدی مغلوب ہوگے اور اکٹھے کئے جاؤ گے دوزخ کی طرف اور بُرا ہے بچھونا؛

جب حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم جنگ بدر سے مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے - تو آپ نے یہود کو بازار بنی قینقاع میں جمع کیا - اور ان سے فرمایا کہ مسلمان ہو جاؤ - ورنہ تمہارا بھی وہی حال ہوگا - جو قریش کا ہوا - وہ بولے کہ نازاں نہ ہو - تیرا ایسی قوم سے مقابلہ ہوا جو فن جنگ سے ناواقف تھی - اگر ہم سے پالا پڑے - تو معلوم ہو جائے گا - کہ ہم بہادر ہیں - اور تو ہماری مانند نہیں - اس پر یہ آیت اتری - جس میں یہ خبر دی گئی - کہ یہود عنقریب مغلوب ہو جائیں گے[۱] - یہ پیشین گوئی

[۱] در منثور بحوالہ ابن اسحاق و ابن جریر و بیہقی بروایت ابن عباس ؓ

بنی قریظہ کے قتل۔ اور بنی نضیر کی جلاوطنی۔ اور فتح خیبر۔ اور باقی یہود پر جزیہ لگانے سے پوری ہوئی۔

پیشین گوئی ۱۲

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ؕ (مائدہ۔ ع)	آج میں پورا دے چکا تم کو دین تمہارا اور پوری کی میں نے تم پر اپنی نعمت۔ اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین ؎

یہ آیت سنہ ۱۰ھ میں عرفہ کی شام کو جمعہ کے دن نازل ہوئی۔ اصحاب آثار کا قول ہے۔ کہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکاسی یا بیاسی دن زندہ رہے۔ اور شریعت میں کوئی زیادتی یا نسخ یا تبدیلی وقوع میں نہ آئی۔ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے قرب کی خبر ہے۔ حضرت صدیق اکبر[1] رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس سے یہی سمجھے تھے جو ان کے اَعْلَمُ الصحابہ ہونے کی دلیل ہے ؎

پیشین گوئی ۱۳

وَمِنَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓی اَخَذْنَا مِیْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَیْنَا بَیْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ ؕ وَسَوْفَ یُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا یَصْنَعُوْنَ (مائدہ۔ ع)	اور ان لوگوں سے جو کہتے ہیں ہم نصاریٰ ہیں۔ لیا ہم نے عہد اُن کا۔ پھر وہ بھول گئے فائدہ لینا اس نصیحت سے جو اُن کو کی گئی تھی۔ پھر ہم نے لگادی اُن کے درمیان دشمنی اور کینہ قیامت کے دن تک۔ اور آخر جتاوے گا اُن کو اللہ جو کچھ کرتے تھے ؎

اس آیت میں یہ پیشین گوئی ہے۔ کہ قیامت تک نصاریٰ کے مختلف فرقے رہیں گے۔ جو ایک دوسرے کی تکذیب و تکفیر کرتے رہیں گے۔ یہ بھی پوری ہوچکی ہے۔ کیونکہ اب تک ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ نصاریٰ کے مختلف سینکڑوں فرقے ہیں جن کا ذکر ہم نے بخوف طوالت نہیں کیا۔

پیشین گوئی ۱۴

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ	اے ایمان والو! جو کوئی تم میں سے پھرے گا اپنے دین سے تو اللہ آگے لاوے گا ایک قوم کو کہ اُن کو دوست رکھتا ہے

[1] تفسیر کبیر۔ جزء ثالث۔ صفحہ ۳۶۹۔

وَيُحِبُّونَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (مائدہ ۔ غ)	اور وہ اُس کو دوست رکھتے ہیں۔ نرم دل ہیں مسلمانوں پر اور سخت ہیں کافروں پر۔ جہاد کریں گے اللہ کی راہ میں اور نہ ڈریں گے کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے۔ یہ فضل ہے اللہ کا۔ دیتا ہے جس کو چاہے۔ اور اللہ کشائش والا ہے خبردار۔

اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا۔ کہ کچھ عرب دین سے پھر جائیں گے۔ اس لئے فرمادیا کہ اُن کی گوشمالی کے لئے ایک ایسی قوم ہوگی جس کے اوصاف یہ ہوں گے۔ یہ پیشین گوئی حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد پوری ہوئی جب کہ عرب کے کئی قبیلے دین اسلام سے منحرف ہوگئے۔ اور بعضوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باوجود اختلافِ آراء اُن کے ساتھ جہاد کیا۔ اور اُن کو مغلوب کیا۔ یہ آیت سیدنا ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خلافت کی حقیت پر دلیل واضح ہے۔[1]

پیشین گوئی ۱۵

وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ (مائدہ غ)	اور ہم نے ڈال دیا اُن میں دشمنی اور بغض قیامت کے دن تک۔ جب ایک آگ سلگاتے ہیں لڑائی کے واسطے۔ اللہ اُس کو بجھاتا ہے۔ اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرتے۔ اور اللہ دوست نہیں رکھتا فساد کرنے والوں کو۔

اس میں یہ پیشین گوئی ہے۔ کہ یہود کے مختلف فرقے ہوں گے جن میں عداوت و بغض قیامت تک رہے گا۔ اس پیشین گوئی کے پورا ہونے میں کلام نہیں۔ کیونکہ یہود کے مختلف فرقوں میں اب تک عداوت ہے اور آئندہ رہے گی۔

پیشین گوئی ۱۶

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ	اے رسول! پہنچا جو کچھ اُتارا گیا ہے تیری طرف تیرے رب سے۔ اور اگر تو نے نہ کیا پس تو نے نہ پہنچایا اُس کا

[1] دیکھو مشکوٰۃ ۔ کتاب الزکوٰۃ ۔ فصل ثالث ۔

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۔ (مائدہ ۔ ع)	پیغام ۔ اور اللہ تجھ کو بچائے گا لوگوں سے ۔ اللہ ہدایت نہیں کرتا منکر قوم کو ۔

یہ آیت بقول حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ ذات الرقاع (سنہ ۴ھ) میں نازل ہوئی۔[1] اس آیت کے نزول سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی پاسبانی کیا کرتے تھے۔ مگر جب یہ آیت اتری۔ تو حراست موقوف کردی گئی۔ کیونکہ اس میں خود اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔ حضور کی زندگی میں اس پیشین گوئی کا پورا ہونا ظاہر ہے۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین باوجود کینہ وعداوت کے آپ کے قتل پر قادر نہ ہوئے۔ چونکہ حضور وفات شریف کے بعد جسد مبارک کے ساتھ مرقد منور میں حقیقۃً زندہ ہیں۔ اس لئے یہ وعدہ قیامت تک پورا ہوتا رہے گا۔ ذیل میں ہم علامہ سمہودی رحمہ اللہ تعالیٰ (متوفی سنہ ۹۱۱ھ) کی کتاب وفاء الوفا باخبار دار المصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے صرف ایک واقعہ نقل کرتے ہیں۔ جس سے ناظرین اندازہ لگا سکیں گے۔ کہ وفات شریف کے بعد اعدائے اسلام نے ہمارے آقا ہمارے مالک حضور شہنشاہ دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم کو کس طرح اذیت پہنچانی چاہی۔ اور کس طرح یہ وعدہ پورا ہوا۔ واقعہ مذکورہ کو علامہ سمہودی یوں بیان فرماتے ہیں۔

جان لے کہ مجھے علامہ جمال الدین اسنوی[2] کی تصنیف سے ایک رسالہ معلوم ہوا ہے۔ جس میں

---

[1] اتقان للسیوطی ۔ جزء اول ۔ صفحہ ۱۹۔

[2] شیخ جمال الدین عبد الرحیم اسنوی شافعی شہر اسنا واقع ملک مصر میں ذی الحجہ سنہ ۷۰۴ھ میں پیدا ہوئے۔ سنہ ۷۲۱ھ میں قاہرہ میں آئے۔ اور وہاں مختلف استادوں سے ادب۔ نحو۔ اصول فقہ اور حدیث میں تعلیم پائی۔ اپنے وقت میں فقہ شافعی میں یگانہ تھے۔ صاحب تدریس و تصنیف تھے۔ فقہ و اصول و نحو میں بہت سی کتابیں آپ کی تصنیف ہیں۔ آپ کا وصال جمادی الاولیٰ سنہ ۷۷۲ھ میں ہوا۔ آپ کے جنازے پر انوار ولایت نمایاں تھے۔ (تفصیل کے لئے دیکھو بغیۃ الوعاۃ اور حسن المحاضرہ ہر دو مصنفہ جلال الدین سیوطی) رسالہ نصیحۃ اولی الالباب فی منع استخدام النصاریٰ آپ کی ہی تصنیف ہے۔ جیسا کہ مصنف کے بیان سے ظاہر ہے۔ کشف الظنون میں ہے۔ کہ علامہ سیوطی نے اس رسالہ کا اختصار کیا ہے اور اس کا نام جہد القریحہ فی تجرید النصیحہ ہے۔ علامہ جمال الدین اسنوی رح کے قلم سے اسی قسم کا ایک رسالہ حسن المحاضرہ میں لکھا ہے جس کا نام الریاستہ الناصریہ فی الرد علی من یعظم اہل الذمۃ ویتخذہم علی المسلمین ہے۔ مگر کشف الظنون میں الریاستہ الناصریہ کو علامہ جمال الدین کے بھائی علامہ عماد الدین محمد بن حسن اسنوی (متوفی سنہ ۷۶۴ھ) کی تصنیف ظاہر کیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

نصاریٰ کو حاکم بنانے سے منع کیا گیا ہے۔ بعض نے اس رسالے کا نام انتصارات اسلامیہ رکھا ہو۔ میں نے اُس پر علامہ موصوف کے شاگرد شیخ زین الدین مراغی کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ نصیحۃ اولی الالباب فی منع استخدام النصاریٰ کتاب لشیخنا العلامہ جمال الدین اسنوی۔ استاد نے اس رسالے کا نام نہ رکھا تھا۔ میں نے آپ کے سامنے یہ نام عرض کیا جسے آپ نے برقرار رکھا۔ انتہےٰ۔ پس میں نے اُس رسالے میں یہ عبارت دیکھی۔

" سلطان عادل نور الدین شہید کے عہد سلطنت میں نصاریٰ کے نفسوں نے انہیں ایک بڑے امر پر آمادہ کیا۔ اُن کا گمان تھا کہ وہ پورا ہو جائے گا۔ اور اللہ اپنی روشنی پورا کئے بغیر نہیں رہتا۔ خواہ منکر بُرا مانیں۔ وہ امر یہ ہے کہ سلطان مذکور رات کو تہجد اور وظائف پڑھا کرتا تھا۔ ایک روز نماز تہجد کے بعد سو گیا۔ خواب میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ دو سُرخ رنگ شخصوں کی طرف اشارہ کر کے فرما رہے ہیں۔ میری مدد کر اور مجھے اِن دو سے بچا۔ وہ ڈر کر جاگ اُٹھا۔ پھر وضو کیا۔ نماز پڑھی اور سو گیا۔ پھر اُس نے وہی خواب دیکھا۔ جاگ اُٹھا اور نماز پڑھ کر سو گیا۔ پھر تیسری بار وہی خواب دیکھا۔ پس جاگ اُٹھا۔ اور کہنے لگا۔ نیند باقی نہیں رہی۔ اُس کا وزیر ایک صالح شخص تھا۔ جس کا نام جمال الدین موصلی تھا۔ رات کو اُسے بلایا۔ اور تمام ماجرا اسے کہہ سنایا۔ اُس نے کہا تم کیسے بیٹھے ہو۔ اسی وقت مدینۃ النبیؐ کی طرف روانہ ہو جاؤ اور اپنے خواب کو پوشیدہ رکھو۔ یہ سُن کر اُس نے بقیہ شب میں تیاری کر لی۔ اور سبکسار سواریوں پر بیس آدمیوں کے ساتھ نکلا۔ وزیر مذکور اور بہت سامال بھی اس کے ساتھ تھا۔ سولہ دن میں وہ مدینے پہنچا۔ شہر سے باہر غُسل کیا۔ اور داخل ہوا۔ روضۂ منورہ میں نماز پڑھی اور زیارت کی۔ پھر بیٹھ گیا۔ حیران تھا۔ کہ کیا کرے۔ جب اہل مدینہ مسجد میں جمع تھے۔ تو وزیر نے کہا۔ سلطان نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے ارادے سے آیا ہے۔ اور خیرات کے لئے اپنے ساتھ بہت سامال لایا ہے۔ جو یہاں کے رہنے والے ہیں۔ اُنکے نام لکھو۔ اس طرح تمام اہل مدینہ کے نام لکھے گئے۔ سلطان نے سب کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ جو صدقہ لینے آتا سلطان اُسے بغور دیکھتا تاکہ وہ صفت و شکل جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اُسے دکھائی تھی معلوم کرے۔ جس میں وہ حلیہ نہ پاتا۔ اُسے صدقہ دے کر کہتا۔ کہ چلے جاؤ۔ یہاں تک کہ سب لوگ آچکے۔ سلطان نے پوچھا۔ کہ کیا کوئی باقی رہ گیا ہے جس نے صدقہ نہ لیا ہو۔ انہوں نے عرض کی کہ نہیں۔

سلطان نے کہا۔ غور و فکر کرو۔ اس پر انہوں نے کہا۔ اور تو کوئی باقی نہیں۔ مگر دو مغربی شخص جو
کسی سے کچھ نہیں لیتے۔ وہ پارسا اور دولتمند ہیں۔ اور محتاجوں کو اکثر صدقہ دیتے رہتے ہیں۔ یہ
سُن کر سلطان خوش ہوگیا۔ اور حکم دیا۔ کہ اُن دونوں کو میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ وہ لائے گئے۔ سلطان
نے انہیں وہی دو شخص پایا۔ جن کی طرف نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کر کے فرمایا تھا۔ کہ میری مدد کر۔
اور مجھے ان سے بچا۔ پس ان سے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے ہو۔ انہوں نے کہا۔ ہم دیار مغرب سے
حج کرنے کے لئے آئے ہیں۔ اس لئے اس سال ہم نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی مجاورت اختیار کی
ہے۔ سلطان نے کہا۔ مجھے سچ بتاؤ۔ مگر وہ اپنی بات پر قائم رہے۔ پھر لوگوں سے پوچھا۔ یہ کہاں
ٹھہرے ہوئے ہیں۔ عرض کیا گیا۔ کہ حجرہ شریف کے قریب رباط میں رہتے ہیں۔ یہ سُن کر سلطان نے
دونوں کو گرفتار کر لیا۔ اور ان کے مکان میں آیا۔ وہاں بہت سامان دو قرآن مجید اور وعظ و نصیحت
کی کتابیں پائیں۔ ان کے سوا اور کچھ نظر نہ آیا۔ اہل مدینہ نے ان کی بڑی تعریف کی کہ یہ بڑے سخی اور
فیاض ہیں۔ صائم الدہر۔ اور روضہ شریف میں صلوات اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے
پابند ہیں۔ ہر صبح جنت البقیع کی زیارت کو جاتے ہیں۔ اور ہر شنبہ قباء کی زیارت کرتے ہیں۔ کسی
سائل کا سوال رد نہیں کرتے۔ ان کی فیاضی سے اس قحط سالی میں مدینہ میں کوئی محتاج نہیں رہا۔
یہ سُن کر سلطان نے کہا۔ سبحان اللہ! اور اپنے خواب کو ظاہر نہ کیا۔ سلطان بذات خود اس مکان میں
پھرتا رہا۔ اس میں ایک چٹائی جو اُٹھائی۔ تو اُس کے نیچے ایک تہ خانہ دیکھا۔ جو حجرہ شریف کی طرف
کھود رکھا تھا۔ لوگ یہ دیکھ کر ڈر گئے۔ اُس وقت سلطان نے کہا۔ تم اپنا حال سچ سچ بتاؤ۔ اور
انہیں بہت مارا۔ پس انہوں نے اقرار کیا۔ کہ ہم عیسائی ہیں۔ ہم کو نصاریٰ نے مغربی حاجیوں کے
بھیس میں بھیجا ہے۔ اور ہمیں بہت سامان دیا ہے۔ اور کہا ہے۔ کہ اسے حجرہ شریف تک پہنچنے
اور جسد مبارک نکالنے کا حیلہ و وسیلہ ٹھہراؤ۔ بھیجنے والے عیسائیوں کا یہ وہم تھا۔ کہ اللہ تعالےٰ
اُن کو اس بات پر قادر کر دے گا۔ اور وہ کریں گے جو شیطان نے اُنہیں سُجھایا تھا۔ اس لئے وہ دونوں
حجرہ شریف کے سب سے قریب رباط میں اُترے تھے۔ اور انہوں نے کیا جو اوپر ذکر ہوا۔ وہ رات کو
کھودا کرتے تھے۔ اور ہر ایک کے پاس مغربیوں کے لباس کے مطابق ایک چمڑے کی تھیلی تھی۔ جو مٹی جمع
ہوتی۔ ہر ایک اپنی تھیلی میں ڈال لیتا۔ اور دونوں زیارت بقیع کے بہانے سے نکل جاتے۔ اور

قبروں میں پھینک آتے۔ کچھ مدت وہ اسی طرح کرتے رہے۔ جب کھودتے کھودتے حجرہ شریف کے قریب پہنچ گئے۔ تو آسمان میں گرج پیدا ہوئی۔ بجلی چمکی۔ اور ایسا زلزلہ عظیم پیدا ہوا کہ گویا وہ پہاڑ جڑ سے اکھڑ گئے ہیں۔ اُسی رات کی صبح کو سلطان نور الدین آ پہنچا۔ اور دونوں کی گرفتاری اور اعتراف وقوع میں آیا۔ جب دونوں نے اعتراف کر لیا۔ اور اس کے ہاتھ پر اُن کا حال ظاہر ہو گیا۔ اور اس نے اللہ کی عنایت دیکھی۔ کہ یہ کام اُسی سے لیا۔ تو وہ بہت رویا۔ اور اُن کی گردن زنی کا حکم دیا۔ پس وہ اُس جالی کے نیچے قتل کئے گئے۔ جو حجرہ شریف سے قریب بقیع سے متصل ہے۔ پھر اُس نے بہت سی رانگ منگوائی۔ اور تمام حجرہ شریف کے گرد پانی کی تہ تک ایک بڑی خندق کھدوائی۔ وہ رانگ پگھلائی گئی۔ اور اُس سے خندق بھر دی گئی۔ اس طرح حجرہ شریف کے گرد پانی کی تہ تک رانگ کی دیوار تیار ہو گئی۔ پھر سلطان مذکور اپنے ملک کو چلا آیا۔ اور حکم دیا۔ کہ نصاریٰ کمزور کر دئے جائیں۔ اور کوئی کافر عامل نہ بنایا جائے۔ با اینہمہ حکم دیا۔ کہ محاصل چونگی تمام معاف کر دئے جائیں۔"

علامہ جمال الدین محمد مطری (متوفی ۷۴۱ھ) نے اس واقعہ کی طرف بطریق اختصار اشارہ کیا ہے۔ اور حجرہ شریف کے گرد خندق کھودنا۔ اور اُس میں رانگ کا پگھلا کر ڈالا جانا ذکر نہیں کیا ہے۔ مگر وہ سال بتا دیا ہے جس میں یہ حادثہ وقوع میں آیا۔ اور بیان بالا سے بعض تفاصیل میں اختلاف کیا ہے۔ چنانچہ جو فصیل اب مدینہ کے گرد ہے۔ اُس کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے۔ کہ سلطان نور الدین محمود بن زنگی بن اقسنقر ۵۵۷ھ میں مدینہ منورہ میں پہنچا۔ اُس کے آنے کا سبب ایک خواب تھا۔ جو اُس نے دیکھا تھا۔ اس خواب کو بعض لوگوں نے ذکر کیا ہے۔ اور میں نے اُسے فقیہ علم الدین یعقوب بن ابی بکر (جس کا باپ مسجد نبوی کی آتش زدگی کی رات کو جل گیا تھا) سے سنا۔ اور علم الدین نے روایت کی ان اکابر سے کہ جن سے وہ ملا۔ کہ سلطان محمود مذکور نے ایک رات تین بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ ہر بار آپ فرماتے تھے۔ اے محمود! مجھے ان دو سُرخ رنگ شخصوں سے بچا۔ اس لئے اُس نے صبح ہونے سے پہلے اپنے وزیر کو بلایا۔ اور اُسے یہ ماجرا سنایا۔ وزیر نے کہا کہ مدینۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم میں کوئی امر حادث ہوا ہے جس کے لئے تیرے سوا کوئی اور نہیں۔ پس وہ تیار ہو گیا۔ اور قریبًا ایک ہزار اونٹ اور گھوڑے وغیرہ لے کر جلدی روانہ ہوا۔ یہاں تک کہ اپنے وزیر کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوا۔ اور اہل مدینہ کو خبر نہ ہوئی۔ زیارت کے بعد مسجد میں

بیٹھ گیا۔ اور حیران تھا کہ کیا کرے۔ وزیر نے کہا۔ کہ آپ اُن دو شخصوں کو دیکھ پہچان لیں گے؟ سلطان نے کہا۔ ہاں۔ پس تمام لوگوں کو خیرات کے لئے بلایا۔ اور بہت سا زر و سیم اُن میں تقسیم کیا۔ اور کہا کہ مدینہ میں کوئی باقی نہ رہ جائے۔ اس طرح باقی نہ رہا مگر اہل اندلس میں سے دو مجاور جو اُس جانب میں اترے ہونے تھے جو نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے حجرے کے آگے مسجد سے باہر آل عمر بن الخطاب کے گھر (جو اب دار العشرۃ کے نام سے مشہور ہے) کے پاس ہے۔ سلطان نے ان کو خیرات کے لئے بلایا۔ وہ نہ آئے اور کہنے لگے ہمیں ضرورت نہیں۔ ہم کچھ نہیں لیتے۔ سلطان نے اُن کے بلانے میں اصرار کیا۔ پس وہ لائے گئے۔ جب سلطان نے انہیں دیکھا۔ تو اپنے وزیر سے کہا۔ یہی وہ دو ہیں۔ پھر ان کا حال اور ان کے آنے کا باعث دریافت کیا۔ انہوں نے کہا۔ کہ ہم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی مجاورت کے لئے آئے ہیں۔ سلطان نے کہا۔ مجھ سے سچ سچ کہو۔ اور کئی دفعہ یہی سوال کیا۔ یہاں تک کہ مارپیٹ کی نوبت پہنچی۔ پس انہوں نے اقرار کیا۔ کہ ہم عیسائی ہیں۔ اور عیسائی بادشاہوں کے اتفاق سے ہم یہاں آئے ہیں۔ تاکہ حجرہ شریف سے جسد مبارک کو نکال کرلے جائیں۔ سلطان نے دیکھا۔ کہ انہوں نے مسجد کی قبلہ رو دیوار کے نیچے سے زمین دوز نقب لگائی ہوئی ہے۔ اور حجرہ شریف کی طرف کو لے جا رہے ہیں۔ اور جس مکان میں وہ رہا کرتے تھے۔ اس میں ایک گڑھا تھا جس میں وہ مٹی ڈال دیا کرتے تھے۔ اس طرح علم الدین یعقوب نے بالا سناد میرے پاس بیان کیا۔ پس اُس جالی کے پاس جو مسجد سے باہر حجرۂ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے مشرق میں ہے اُن کو قتل کر دیا گیا۔ پھر شام کو آگ سے جلا دئے گئے۔ اور سلطان مذکور سوار ہو کر شام کی طرف روانہ ہوا۔

پیشین گوئی ۱۷

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (توبہ ۔ ع)

لڑو اُن سے تا عذاب کرے اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں کے ساتھ اور رسوا کرے اُن کو اور غالب کرے تم کو اُن پر۔ اور ٹھنڈے کرے دل کتنے مسلمان لوگوں کے۔ اور دور کرے اُن کے دلوں کا غصہ اور اللہ توبہ دے گا جس کو چاہے گا۔ اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

بنو خزاعہ میں سے کچھ لوگ ایمان لائے تھے۔ اور ہجرت کے بعد مکہ مشرفہ میں باقی رہ گئے تھے۔

ان کو مشرکین سے تکلیف پہنچی۔ جس کی وجہ یہ ہوئی کہ حدیبیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان جو عہد وپیمان ہوئے تھے۔ اُن میں سے ایک یہ تھا۔ کہ ایک دوسرے کے حلیفوں کو ایذاء نہ پہنچائیں گے۔ اور اگر ایک کے حلیف دوسرے کے حلیفوں سے جنگ کریں۔ تو اُن کی مدد نہ کریں گے۔ اس عہد کے خلاف کفار قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف خزاعہ کے خلاف اپنے حلیف بنو بکر کو ہتھیار وغیرہ سے مدد دی جس سے خزاعہ کا سخت نقصان جان ہوا۔ اس لئے خزاعہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی جیسا کہ اس کتاب میں پہلے بیان ہو چکا ہے۔ پس یہ آیتیں اُتریں جن میں مسلمانوں کی نصرت اور بعض کفار کے تائب ہونے کی پیشین گوئی ہے۔ یہ پیشین گوئی فتح مکہ سے پوری ہو گئی۔ اور کفار میں سے بعض مثلاً ابو سفیانؓ اور عکرمہؓ بن ابی جہل اور سہیلؓ بن عمرو وغیرہ ایمان لائے؛

پیشین گوئی ۱۸

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ (توبہ۔ ع)

اور ان میں سے بعض کہتا ہے۔ مجھ کو رخصت دے اور فتنہ میں نہ ڈال۔ خبردار ہو وہ فتنہ میں گر پڑے ہیں۔ اور دوزخ گھیر رہی ہے کافروں کو۔

ایک منافق جد بن قیس بہانہ لایا کہ روم کی عورتیں خوبصورت ہیں۔ میں اُس ملک میں جا کر بدی میں گرفتار ہوں گا۔ رخصت دو کہ سفر (غزوہ تبوک) میں نہ جاؤں۔ لیکن مدد خرچ کروں گا مال سے (موضح القرآن) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں یہ اخبار بالغیب ہے۔ کہ جد بن قیس کافر ہی مرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

پیشین گوئی ۱۹

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ

اور اُن میں سے بعض وہ ہے کہ عہد کیا اللہ سے۔ اگر دیوے ہم کو اپنے فضل سے۔ تو البتہ ہم خیرات دیں گے۔ اور البتہ ہوں گے ہم صالحین سے۔ پھر جب دیا اُن کو اپنے فضل سے۔ اس میں بخل کیا انہوں نے۔ اور پھر گئے منہ پھیر کر۔ پھر اس کا اثر رکھا خدا نے نفاق اُن کے دلوں میں اُس دن تک

کریں گے اُس سے بسبب اس کے کہ خلاف کیا انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا اس سے اور بسبب اس کے کہ بولتے تھے جھوٹ۔	وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ (توبہ۔ع)

ایک منافق تھا ثعلبہ بن حاطب۔ اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا چاہی۔ کہ مجھ کو کشایش ہو۔ فرمایا۔ کہ تھوڑا جس کا شکر ہو سکے بہتر ہے بہت سے کہ غفلت لاوے۔ پھر آیا لگا عہد کرنے کہ اگر مجھ کو مال ہو۔ میں بہت خیرات کروں۔ اور غفلت میں نہ پڑوں۔ حضور نے دعا کی۔ اس کو بکریوں میں برکت ملی۔ یہاں تک کہ مدینے کے جنگل سے کفایت نہ ہوتی۔ نکل کر گاؤں میں جا رہا۔ جمعہ اور جماعت سے محروم ہوا۔ حضورؐ نے پوچھا کہ ثعلبہ کیا ہوا؟۔ لوگوں نے حال بیان کیا۔ فرمایا ثعلبہ خراب ہوا۔ پھر زکوٰۃ کا وقت آیا۔ سب دینے لگے۔ اُس نے کہا۔ یہ تو مال بھرنا گویا جزیہ دینا ہے۔ بہانہ کر کر ٹال دیا۔ پھر حضرت کے پاس مال لایا زکوٰۃ میں۔ آپ نے قبول نہ کیا۔ حضرت کے بعد ابو بکرؓ و عمرؓ بھی اپنی خلافت میں اس کی زکوٰۃ نہ لیتے۔ خلافت عثمانؓ میں مرگیا (موضح القرآن)۔ اسی ثعلبہ کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اخیر آیت میں یہ پیشین گوئی ہے۔ کہ ثعلبہ منافق ہی مرے گا۔ اُسے توبہ نصیب نہ ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

پیشین گوئی ۲۰

عذر لاویں گے تمہارے پاس جب پھر کر جاؤ گے ان کی طرف تو کہہ۔ عذر مت لاؤ۔ ہم نہ مانیں گے ہرگز تمہاری بات۔ ہم کو بتا دیا ہے اللہ نے تمہارا بعض احوال۔ اور ابھی دیکھے گا اللہ تمہارا عمل اور اس کا رسول۔ پھر جاؤ گے تم طرف اُس جاننے والے چھپے اور کھلے کے۔ سو وہ بتاوے گا تم کو جو تم کر رہے تھے۔ اب قسمیں کھاویں گے اللہ کی جب پھر کر جاؤ گے تم ان کی طرف۔ تاکہ ان سے درگزر کرو تم۔ سو درگزر کرو ان سے۔ وہ لوگ ناپاک ہیں۔ اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے بدلہ ان کی کمائی کا۔	يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ۚ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ۚ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۚ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۚ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ۖ وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ (توبہ۔ع)

منافقین (جد بن قیس و معتب بن قشیر اور ان دونوں کے اصحاب) جو غزوۂ تبوک میں شریک

نہ ہوئے تھے۔ اور مدینہ منورہ میں پیچھے رہ گئے تھے۔ ان کی نسبت ان آیتوں میں یہ پیشین گوئی ہے۔ کہ وہ عدم شرکت کا یوں عذر کریں گے۔ اور یوں قسم کھائیں گے۔ یہ پیشین گوئی غزوۂ تبوک سے واپسی پر پوری ہوئی۔

پیشین گوئی ۲۱

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا تُصِيبُهُم بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ أَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا مِّن دَارِهِمْ حَتَّىٰ يَأْتِيَ وَعْدُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۝ (رعد۔ ع ۴)

اور پہنچتا رہے گا کافروں کو اُن کے کئے پر کھڑکا یا اُترے گا نزدیک اُن کے گھر سے یہاں تک کہ آوے وعدہ اللہ کا۔ بے شک اللہ خلاف نہیں کرتا وعدہ۔

اس آیت میں یہ پیشین گوئی ہے۔ کہ جب تک سارے عرب ایمان نہ لاویں گے۔ مسلمان اُن کے ساتھ جہاد کرتے رہیں گے۔ اور انہیں قتل و قید کرتے رہیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔

پیشین گوئی ۲۲

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ (حجر۔ ع ۱)

ہم نے آپ اتاری ہے یہ نصیحت (قرآن) اور ہم اس کے نگہبان ہیں۔

اس آیت میں یہ خبر دی گئی۔ کہ قرآن کریم تحریف و تبدیل سے محفوظ رہے گا۔ اس پیشین گوئی کے پورا ہونے کا مخالفین و اعدائے اسلام کو بھی اعتراف ہے۔ ملاحدہ و معطلہ بالخصوص قرامطہ نے تحریف قرآن کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ مگر ایک حرف بھی ادل بدل نہ کر سکے۔ کتب سماویہ سابقہ اگرچہ سب کی سب کلام الٰہی تھیں۔ مگر تحریف سے کوئی خالی نہ رہی۔ فقط ایک قرآن مجید ہے جو تحریف و تبدیل سے محفوظ رہا۔ اور رہے گا۔ کیونکہ اس کا حافظ خود خدا ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے۔ کہ اگر کتب سابقہ میں تحریف ہو جاتی تھی۔ تو دوسرا نبی آکر اُسے بیان فرما دیتا تھا۔ مگر قرآن چونکہ خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا جن کے بعد کوئی نیا نبی نہ آئے گا۔ جو بصورت وقوع تحریف اُسے بیان فرما دیتا۔ اس لئے اللہ تعالے نے اس کی حفاظت اپنے ذمہ لی۔ اور اس طرح اپنے حبیب پاک کی شانِ محبوبیت کو بھی ظاہر فرما دیا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِكْ عَلٰى حَبِيْبِكَ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَعَلَيْنَا مَعَهُمْ بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّكَ۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا طرفہ سامان کیا ہے۔ علمائے اسلام۔ قُرّاء و محدثین ہر دور میں اسے بطریق تواتر روایت کرتے رہے ہیں۔ جن پر کذب کا وہم تک نہیں ہو سکتا۔ اس کے علاوہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر ہر زمانے میں کثرت سے اس کتاب کے حافظ رہے ہیں اور آئندہ رہیں گے۔ اس طرح امت کے سینوں میں محفوظ ہونا اس کتاب الٰہی کا خاصہ ہے:

بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ۔ (عنکبوت۔ ع۵)

بلکہ یہ قرآن آیتیں ہیں صاف۔ سینے میں ان کے جن کو ملا ہے علم۔ منکر نہیں ہماری آیتوں سے مگر وہی جو بے انصاف ہیں۔

اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے شب معراج میں اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے مقام قاب قوسین او ادنیٰ میں منجملہ دیگر انعامات کے یہ بھی ارشاد فرمایا۔ "میں[1] نے تیری امت میں سے ایسی جماعتیں بنائی ہیں۔ کہ جن کے دل اُن کی انجیلیں ہیں"۔ یعنی اُن کے دل کتابوں کی طرح ہیں۔ جس طرح انسان کتاب سے پڑھتا ہے۔ وہ دل سے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔

امام[2] بیہقی نے روایت کی۔ کہ یحییٰ بن اکثم (متوفی ۲۴۳ھ) نے کہا۔ کہ ایک یہودی خلیفہ مامون کی خدمت میں آیا۔ اس نے کلام کیا۔ اور اچھا کلام کیا۔ خلیفہ نے اسے دعوتِ اسلام دی۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ جب ایک سال گذرا۔ تو وہ مسلمان ہو کر ہمارے پاس آیا۔ اور اس نے علم و فقہ میں اچھی گفتگو کی۔ مامون نے اس سے پوچھا کہ تیرے اسلام لانے کا کیا باعث ہے؟ اُس نے کہا۔ میں نے آپ کے ہاں سے جا کر مذاہب کا امتحان کیا۔ میں نے تورات کے تین نسخے لکھے۔ اور اُن میں کمی بیشی کر دی۔ اور کنیسہ میں بھیج دئے۔ وہ تینوں فروخت ہو گئے۔ پھر میں نے انجیل کے تین نسخے لکھے۔ اور اُن میں کمی بیشی کر دی۔ اور اُن کو گرجا میں بھیج دیا۔ وہ بھی فروخت ہو گئے۔ پھر میں نے قرآن مجید کے تین نسخے لکھے۔ اور ان میں کمی بیشی کر دی۔ اور ان کو وراقین کے ہاں

---

[1] وجعلت من امتك اقواما قلوبهم اناجيلهم (خصائص کبرےٰ للسیوطی مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن جزء اول ص۸)

[2] خصائص کبرےٰ للسیوطی۔ جزء ثانی۔ ص۱۸۵۔

بھیج دیا۔ انہوں نے ان نسخوں کی ورق گردانی کی۔ جب اُن میں کمی بیشی پائی۔ تو اُن کو پھینک دیا۔ اور اُن کو مول نہ لیا۔ اس سے میں نے جان لیا کہ یہ کتاب تحریف سے محفوظ ہے۔ اس لئے میں مسلمان ہو گیا۔ یحیٰے نے کہا۔ کہ میں نے اسی سال حج کیا۔ اور سفیان بن عیینہ سے ملا۔ میں نے یہ قصہ اس سے بیان کیا۔ حضرت سفیان نے فرمایا۔ کہ اس کا مصداق قرآن مجید میں موجود ہے۔ میں نے پوچھا کس مقام پر۔ فرمایا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے تورات اور انجیل کی نسبت بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ[1] فرمایا ہے۔ پس اُن کی حفاظت اُن پر چھوڑ دی گئی تھی۔ اور قرآن کی نسبت فرمایا۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے تحریف و تبدیل سے محفوظ رکھا۔

پیشین گوئی ۲۳

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ (حجر۔ ع ۶)	ہم بس ہیں تیری طرف سے ٹھٹھے کرنے والوں کو جو ٹھہراتے ہیں اللہ کے سوا اور معبود۔ سو وہ آگے معلوم کریں گے:

اشراف قریش میں سے پانچ شخص جہاں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تھے ٹھٹھا کرتے تھے۔ جب ان کی شرارت حد سے بڑھ گئی۔ تو اللہ تعالےٰ نے یہ آیتیں ان کے بارے میں نازل فرمائیں۔ پس وہ ایک دن رات میں ہلاک ہو گئے۔ اُن میں سے ایک عاص بن وائل سہمی تھا۔ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ سیر کرنے نکلا۔ اور ایک درہ کوہ میں اترا۔ جونہی اُس نے پاؤں زمین پر رکھا۔ کہنے لگا۔ مجھے کچھ کاٹ گیا۔ ہر چند لوگوں نے اِدھر اُدھر دیکھا مگر کچھ نہ پایا۔ اُس کے پاؤں میں ورم ہو گیا۔ یہاں تک کہ اونٹ کی گردن کی مانند ہو گیا۔ اور وہیں مر گیا۔ دوسرا حارث بن قیس سہمی تھا۔ اس نے نمکیں مچھلی کھالی۔ سخت پیاس جو لگی۔ وہ پانی پیتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا۔ اور مر گیا۔ مرتے وقت کہتا تھا۔ کہ مجھے محمدؐ کے رب نے مار ڈالا۔ تیسرا اسود بن المطلب بن الحارث تھا۔ وہ اپنے غلام کے ساتھ نکلا۔ ایک درخت کی جڑ میں بیٹھا ہوا تھا۔ کہ حضرت

[1] بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ (مائدہ۔ ع ۷)	اس واسطے کہ وہ نگہبان ٹھہرائے گئے تھے اللہ کی کتاب پر۔ اور اس کی خبرداری پر تھے۔

اس آیت میں کتاب اللہ سے مراد تورات ہے۔

[2] دلائل حافظ ابی نعیم۔ مطبوعہ مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ حیدرآباد۔ ص ۹۱-۹۲۔

جبرئیل علیہ السلام آئے۔ اور اُس کے سر کو درخت پر مارنے لگے۔ وہ اپنے غلام سے فریاد کرنے لگا۔ غلام نے کہا۔ مجھے تو کوئی نظر نہیں آتا۔ آپ ہی ایسا کر رہے ہیں۔ پس وہ وہیں مرگیا۔ چوتھا ولید بن مغیرہ تھا۔ وہ بنی خزاعہ میں سے ایک تیر تراش کی دکان سے گزرا۔ ایک پیکان اس کی چادر کے دامن سے چمٹ گیا۔ وہ چادر کا دامن اپنے کندھے پر ڈالنے لگا۔ تو پیکان سے اس کی رگ ہفت اندام کٹ گئی۔ پھر خون بند نہ ہوا۔ یہاں تک کہ وہ مرگیا۔ پانچواں اسود بن عبد لغوث تھا۔ وہ اپنے گھر سے نکلا اُسے لُو لگی۔ پس وہ حبشی کی طرح سیاہ ہوگیا۔ جب گھر آیا۔ تو گھر والوں نے اُسے نہ پہچانا۔ اور اس پر دروازہ بند کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ مرگیا۔ مرتے وقت کہتا تھا۔ مجھے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رب نے مار ڈالا۔

پیشین گوئی ۲۴

وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذًا لَّا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ (بنی اسرائیل۔ ع)

اور تحقیق وہ قریب تھے کہ بچلاویں تجھ کو زمین سے تاکہ نکالیں تجھ کو اس میں سے اور اُس وقت وہ نہ رہیں گے تیرے پیچھے مگر تھوڑا زمانہ!

کفار قریش چاہتے تھے۔ کہ ایذاء سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے آرام کردیں۔ تاکہ آپ گھبرا کر مکہ سے نکل جائیں۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں یہ بتلا دیا گیا ہے۔ کہ اگر وہ آپ کو نکال دیں گے۔ تو آپ کے بعد وہ دیر تک زندہ نہ رہیں گے۔ بدر کے دن یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ اُس دن آپ کو ایذاء دینے والے قتل ہوگئے۔

پیشین گوئی ۲۵

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ

وعدہ کیا اللہ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں۔ اور کئے ہیں نیک کام۔ البتہ پیچھے حاکم کرے گا اُن کو ملک میں۔ جیسا کہ حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو اور ثابت کرے گا اُن کے واسطے دین اُن کا جو پسند کر دیا ان کے واسطے۔ اور بدل دے گا اُن کو ڈر کے بعد امن۔ میری بندگی کریں گے۔ شریک نہ ٹھہرائیں گے میرا کوئی۔ اور جو کوئی

ناشکری کرے گا اس پیچھے سو وہی لوگ ہیں فاسق۔	هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ (نور۔ ع)

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام سے جو موجود تھے خلافت اور تمکین دین۔ اور کفار سے امن کا وعدہ فرمایا۔ اور صاف کہہ دیا۔ کہ یہ خلافت اس طرح ہوگی جیسے بنی اسرائیل میں قائم ہوئی تھی۔ یہ وعدہ خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کے زمانے میں لفظ بلفظ پورا ہوا۔ جس کی تفصیل کی اس کتاب میں گنجایش نہیں۔ لہٰذا جو شخص ان کی خلافت سے منکر ہو اس کا حکم وہی ہے جو اس آیت کے اخیر حصے میں مذکور ہے۔

پیشین گوئی ۲۶

جس نے حکم بھیجا تم پر قرآن کا۔ وہ پھر لانے والا ہے تجھ کو پہلی جگہ۔	اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّکَ اِلٰی مَعَادٍ (قصص۔ ع)

جب حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے بحکم الٰہی مدینہ کو ہجرت فرمائی۔ تو راستے میں مقام جحفہ میں آپ کو وطن کا خیال آیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُس وقت یہ آیت[۱] نازل فرمائی۔ اور اُس میں پھر مکہ میں واپس آنے کی خوشخبری دی۔ یہ پیشین گوئی ہجرت کے آٹھویں سال فتح مکہ کے دن پوری ہوئی۔

پیشین گوئی ۲۷

مغلوب ہو گئے ہیں رومی لگتے ملک میں۔ اور وہ اس مغلوب ہونے کے بعد اب غالب ہوں گے کئی برس میں اللہ کے ہاتھ میں ہے کام پہلے اور پچھلے۔ اور اُس دن خوش ہوں گے مسلمان اللہ کی مدد سے۔ مدد کرتا ہے جس کی چاہتا ہے۔ اور وہی ہے غالب مہربان۔	الٓمّٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۙ فِیْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ۙ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ۬ؕ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ ؕ وَیَوْمَئِذٍ یَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ بِنَصْرِ اللّٰهِ ؕ یَنْصُرُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ (روم شروع)

جب کسرےٰ پرویز نے رومیوں پر حملہ کیا۔ تو عرب سے لگتی زمین (اذرعات وبصرے یا اردن وفلسطین) میں دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا اور فارس روم پر غالب آئے۔ جب یہ خبر مکہ مشرفہ میں پہنچی۔ تو مشرکین خوش ہونے۔ اور مسلمانوں سے کہنے لگے۔ تم اور نصاریٰ اہل کتاب ہو۔ اور ہم

---

[۱] اتقان للسیوطی۔ جزء اوّل۔ صفحہ ۲

اور فارس بے کتاب ہیں جس طرح ہمارے بھائی تمہارے بھائیوں پر غالب آ گئے۔ ہم بھی تم پر غالب آجائیں گے۔ مسلمانوں کو یہ امر نہایت ناگوار گزرا۔ پس اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں مذکور ہے۔ کہ چند سال کے اندر روم فارس پر غالب آجائیں گے۔ چنانچہ نو سال کے بعد حدیبیہ کے دن یہ پیشین گوئی پوری ہوگئی۔

پیشین گوئی ۲۸

إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ ۙ إِنْ فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرٌ مَا هُمْ بِبَالِغِيهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۖ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (مومن-ع)

جو لوگ جھگڑتے ہیں اللہ کی باتوں میں بغیر کچھ سند کے جو پہنچی ہو اُن کو۔ اور کچھ نہیں اُن کے سینوں میں مگر تکبر۔ وہ نہیں پہنچنے والے اُس تک۔ سو تو پناہ مانگ اللہ کی۔ بے شک وہ ہے سنتا دیکھتا۔

اس آیت میں یہ مذکور ہے کہ منکرین کے دلوں میں یہ غرور ہے۔ کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اوپر رہیں گے۔ مگر یہ نہیں ہونے کا۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ کیونکہ کفار کو کبھی حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم پر تعاظم و تقدم حاصل نہ ہوا۔

پیشین گوئی ۲۹

فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتِرَكُمْ أَعْمَالَكُمْ (محمد-ع)

سو تم سستی نہ کرو۔ اور نہ بلاؤ ان کو صلح کی طرف۔ اور تم ہی رہو گے غالب اور اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ اور وہ ہرگز ضائع نہ کرے گا تمہارے اعمال۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ تم کفار کے مقابلہ میں سستی نہ کرو۔ اور ان سے صلح طلب نہ کرو۔ تم ہی غالب آؤ گے۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔

پیشین گوئی ۳۰

لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ ۖ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ ۖ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ

بے شک اللہ نے سچ دکھایا اپنے رسول کو خواب۔ تحقیق تم داخل ہو جاؤ گے مسجد حرام میں اگر اللہ نے چاہا امن سے بال مونڈتے اپنے سروں کے اور کترتے ہوئے بے خطرہ۔ پس جانا اللہ نے جو نہ جانا تم نے۔ پس ٹھہرادی اس کے ورے

ایک فتح (خیبر) نزدیک۔	مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ه (فتح-ع)

حدیبیہ کی طرف جانے سے پہلے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا تھا۔ کہ آپ مع صحابہ کرام سر منڈائے ہوئے کعبۃ اللہ میں داخل ہوئے ہیں۔ آپ نے یہ خواب صحابہ کرام سے بتادیا۔ وہ سمجھے کہ داخلہ اسی سال ہوگا۔ حالانکہ خواب میں داخلہ کے وقت کی تعیین نہ تھی۔ جب مسلمان کعبۃ اللہ میں داخل ہونے کے بغیر حدیبیہ ہی سے صلح کر کے مدینے واپس آنے لگے۔ تو منافقین تمسخر سے کہنے لگے۔ اب وہ خواب کہاں ہے۔ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تھا۔ صحابہ کرام کو یہ امر ناگوار گزرا۔ اس لئے اللہ تعالے نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اور دوسرے سال فتح خیبر کے بعد یہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔

پیشین گوئی ۳۱

وہ ہے جس نے بھیجا اپنا رسول ساتھ ہدایت اور سچے دین کے تاکہ غالب کرے اُس کو ہر دین سے اور کافی ہے اللہ شہادت دینے والا۔	هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ه (فتح-ع)

اس آیت میں دین اسلام کے تمام دینوں پر غالب آنے کی پیشین گوئی ہے جس کے پورا ہونے میں کلام نہیں۔ موضح القرآن میں ہے "اس دین کو اللہ نے ظاہر میں بھی سب سے غالب کر دیا ایک مدت اور دلیل سے غالب ہے ہمیشہ۔"

پیشین گوئی ۳۲

کیا چاہتے ہیں کچھ داؤ کرنا۔ سو جو کافر ہیں وہی داؤ میں آنے والے ہیں۔	اَمْ يُرِيْدُوْنَ كَيْدًا ۭ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا هُمُ الْمَكِيْدُوْنَ ه (طور-ع)

اس آیت مکی میں یہ اخبار بالغیب ہے۔ کہ جن مشرکین نے بعثت کے تیرھویں سال دار الندوہ میں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کرنے پر اتفاق کیا تھا۔ وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ چنانچہ یوم بدر میں ایسا ہی وقوع میں آیا۔

پیشین گوئی ۳۳

کیا کہتے ہیں ہم سب جماعت بدلا لینے والے ہیں	اَمْ يَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ ه سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ

وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ (قمر - ع ۳)	اب شکست دی جاوے گی وہ جماعت اور بھاگیں گے پیٹھ دے کر۔

یہ آیتیں مکہ میں نازل ہوئیں۔ جب بدر کا دن آیا۔ اور قریش کو ہزیمت ہوئی۔ تو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے ذرہ پہنے اور تلوار کھینچے ہوئے اُن کا تعاقب کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا۔ کہ اس دن مجھے اس پیشین گوئی کا مطلب سمجھ میں آیا۔ کہ کفار قریش ہزیمت اُٹھائیں گے۔ اور مسلمان تلوار و نیزہ سے ان کا تعاقب کریں گے۔ صحیح بخاری کتاب المغازی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ کہ بدر کے دن نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا مانگی۔ اور آپ عریش میں تھے:۔

اللهم انشدك عهدك ووعدك اللهم ان شئت لم تعبد	یا اللہ میں تجھ سے تیرا عہد اور تیرا وعدہ طلب کرتا ہوں۔ یا اللہ تو اگر مومنوں کو ہلاک کرنا چاہے۔ تو کوئی تیری عبادت نہ کرے گا۔

یہ سن کر سیدنا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور عرض کیا" آپ کو یہ کافی ہے"۔ پس حضور عریش سے نکلے۔ اور آپ یوں فرما رہے تھے۔ سیھزم الجمع ویولون الدبر۔

پیشین گوئی ۳۴

هُوَ الَّذِيٓ اَخْرَجَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِاَوَّلِ الْحَشْرِ (حشر- ع ۱)	وہ ہے جس نے نکال دئے جو کافر ہیں کتاب والوں میں سے اُن کے گھروں سے۔ پہلی جلاوطنی کے وقت۔

اس کتاب میں پہلے آچکا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کو ہجرت کے چوتھے سال جلاوطن کر دیا۔ اور وہ ملک شام میں چلے گئے۔ یہ یہود کی پہلی جلاوطنی تھی جیسا کہ آیت بالا سے ظاہر ہے۔ اس میں اشارہ تھا۔ کہ یہود کی دوسری جلاوطنی بھی ہوگی۔ چنانچہ وہ حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے عہد مبارک میں وقوع میں آئی۔ جبکہ یہود تمام جزیرۂ عرب سے نکال دئے گئے۔ مگر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اُن کو ان کے مالوں کی قیمت دی[۱]۔

پیشین گوئی ۳۵

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ (سورہ علق)	ہرگز نہیں۔ اگر باز نہ آوے گا۔ ہم گھسیٹیں گے پیشانی کے بال پکڑ کر۔

[۱] دیکھو مشکوٰۃ۔ باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب۔ فصل اول۔

اس آیت میں یہ پیشین گوئی ہے۔ کہ ابو جہل ذلیل موت مرے گا۔ اور اس کو گھسیٹ کر لائیں گے۔ یہ پیشین گوئی جنگ بدر کے دن پوری ہوئی۔ چنانچہ اُس دن جب وہ لعین مر رہا تھا۔ تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جو دُبلے پتلے تھے۔ اس کے سینے پر چڑھ بیٹھے۔ اور اس کا سر کاٹ دیا۔ جب[1] کمزوری کے سبب اُس کے سر کو نہ اُٹھا سکے۔ تو اس کے کان میں سوراخ کر کے اُس میں رسی ڈالی۔ اور گھسیٹتے ہوئے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔

پیشین گوئی ۳۶-۳۷-۳۸-۳۹

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَ انْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ (کوثر)	ہم نے دی تجھ کو کوثر۔ سو نماز پڑھ اپنے رب کے آگے اور قربانی کر۔ بیشک دشمن تیرا وہی ہے بچھا کٹا۔

یہ قرآن کریم کی چھوٹی سی سورت ہے۔ اس کی تین آیتوں میں چار[2] پیشین گوئیاں ہیں۔ ایک تو پہلی آیت میں ہے۔ جب کہ کوثر سے مراد کثرت اتباع ہو جیسا کہ بعض روایات میں وارد ہے۔ دوسری پیشین گوئی دوسری آیت میں ہے۔ کیونکہ وَانْحَرْ (اور قربانی کر) صیغہ امر ہے۔ پس اس میں اشارہ ہے۔ کہ اللہ تعالے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کی امت کو تو انگری عطا کرے گا۔ جس سے قربانی پر اقدام ہو سکے۔ اسی طرح تیسری آیت میں دو پیشین گوئیاں ہیں۔ یعنی حضور نہیں بلکہ حضور کا دشمن بے اولاد مرے گا۔ کہ اُس کے پیچھے کوئی اس کا نام نہ لے گا۔ یہ چاروں پیشین گوئیاں پوری ہوئیں۔ آپ کے اتباع کی کثرت ظاہر ہے۔ حتیٰ کہ قیامت کے دن آپ بلحاظ اُمت تمام نبیوں سے بڑھ کر ہوں گے۔ اللہ نے حضور کو تو انگری اس قدر عطا فرمائی۔ کہ ایک دفعہ سو اونٹ بطور ہدی بھیجے۔ عاص بن وائل جو حضور کو بچھا کٹا ہونے کا طعن دیا کرتا تھا۔ بے اولاد مرا۔ اُس کی نسل منقطع ہو گئی۔ کوئی اس کا نام بھی نہیں لیتا۔ حالانکہ حضور کی ذریت قیامت تک رہے گی۔ آپ کا نام قیامت تک روشن ہے۔ علاوہ ازیں سب مومنین آپ کی اولاد ہیں۔ جو قیامت تک رہیں گے۔

آثارِ اقتدارِ تو تا حشر متصل
خصمِ سیاہ روئے تو بے حاصل و خجل

---

[1] دیکھو تفسیر کبیر۔ جزو ثامن۔

[2] تفسیر روح المعانی۔ جزو اول۔ ص ۲۸

پیشین گوئی ۱۴

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ وَرَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا (سورہ نصر)	جب آوے مدد اللہ کی اور فتح۔ اور تو دیکھے لوگوں کو داخل ہوتے ہیں اللہ کے دین میں فوج فوج۔ پس پاکی بیان کر اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اور بخشش مانگ اُس سے۔ بے شک وہ معاف کرنے والا ہے۔

یہ سورت فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی۔ اس میں فتح مکہ کی بشارت ہے۔ جو ہجرت کے آٹھویں سال پوری ہوئی۔ اور پیشین گوئی کے مطابق اہل مکہ وطائف ویمن وہوازن اور باقی قبائل عرب دین اسلام میں گروہا گروہ داخل ہوئے۔ حالانکہ اس سے پہلے اِکّا دُکّا اسلام میں داخل ہوا کرتے تھے۔

مندرجہ بالا پیشین گوئیاں جو سب کی سب پوری ہوئیں فقط بطور مثال بیان کی گئی ہیں۔ اور اس کتاب میں زیادہ کی گنجایش بھی نہیں۔ ورنہ قرآن مجید میں تو اس کثرت سے پیشین گوئیاں ہیں۔ کہ کوئی زمانہ ایسا نہیں۔ جس میں قرآن مجید کی کوئی نہ کوئی پیشین گوئی پوری نہ ہوتی ہو۔ اور کتنی پیشین گوئیاں ہیں۔ کہ قرب قیامت اور یوم قیامت کو پوری ہوں گی۔ مثلاً یاجوج وماجوج کا آنا۔ دابۃ الارض کا ظاہر ہونا۔ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا تشریف لانا۔ آسمانوں کا پھٹنا۔ پہاڑوں کا غبار ہونا۔ زمین کا چکنا چور ہونا۔ صور کا پھونکا جانا۔ مُردوں کا زندہ ہونا۔ ہاتھ پاؤں کا گواہی دینا۔ اعمال کا وزن کیا جانا وغیرہ وغیرہ۔ پس معلوم ہوا کہ قرآن کریم بے شک معجزہ ہے۔

اعجاز القرآن کی چوتھی وجہ

علوم القرآن

علوم کے لحاظ سے بھی قرآن کریم معجزہ ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ معانی منظومہ قرآن پانچ علموں سے خارج نہیں۔ اول علم احکام یعنی واجب ومندوب ومباح ومکروہ وحرام خواہ از قسم عبادات ہوں یا معاملات یا تدبیر منزل یا سیاست مدن۔ دوسرے چار گمراہ فرقوں یعنی یہود ونصاریٰ ومشرکین ومنافقین کے ساتھ مخاصمہ کا علم۔ تیسرے اللہ تعالےٰ کی نعمتوں (آسمان وزمین کی پیدائش کا ذکر اور بندوں کی ضروریات کا الہام اور اللہ کی صفات کاملہ کا بیان)

کے ساتھ نصیحت کرنے کا علم۔ چوتھے ایام اللہ۔ یعنی امم ماضیہ میں دشمنان خدا کے ساتھ خدا کے وقائع بیان کرنے کے ساتھ نصیحت کرنے کا علم۔ پانچویں موت اور مابعد موت (حشر ونشر وحساب ومیزان وبہشت ودوزخ) کے ساتھ نصیحت کرنے کا علم۔ قرآن میں ان علوم پنجگانہ کا ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کتاب اللہ تعالےٰ نے بنی آدم کی ہدایت کے لئے نازل فرمائی ہے۔ جس طرح عالم طب جب قانون شیخ کا مطالعہ کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ یہ کتاب بیماریوں کے اسباب وعلامات اور ادویہ کے بیان میں غایت درجہ کو پہنچی ہوئی ہے۔ تو اُسے ذرا شک نہیں رہتا کہ اس کا مؤلف علم طب میں کامل ہے۔ اسی طرح شریعتوں کے اسرار کا عالم جب جان لیتا ہے کہ تہذیب نفوس میں افراد انسان کے لئے کن کن چیزوں کے بتانے کی ضرورت ہے۔ اور بعد ازاں فنون پنجگانہ میں تامل کرتا ہے۔ تو بے شک اُسے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ یہ فنون اپنے معانی میں اس طرح واقع ہوئے ہیں کہ اس سے بہتر ممکن نہیں[1]۔

قرآن کریم چونکہ تزکیہ نفوس میں معجز کتاب ہے۔ اسی واسطے اِس کتاب کی تلاوت کے وقت دلوں میں خشیت وہیبت پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ (زمر۔ ع)	اللہ نے اتاری بہتر بات۔ کتاب ہے آپس میں ملتی[2] دوہرائی ہوئی۔ بال کھڑے ہوتے ہیں اُس سے کھالوں پر اُن لوگوں کی جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے۔ پھر نرم ہو جاتے ہیں اُن کے چمڑے اور دل اُن کے اللہ کی یاد کی طرف۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے :-

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۚ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۔ (حشر۔ ع۳)	اگر ہم اتارتے اِس قرآن کو ایک پہاڑ پر۔ البتہ تو دیکھتا اُس کو دب جانے والا پھٹ جانے والا اللہ کے ڈر سے اور یہ مثالیں بیان کرتے ہیں ہم لوگوں کے واسطے تاکہ وہ فکر کریں۔

---

[1] فوز الکبیر فی اصول التفسیر صفحہ ۳ و ۴

[2] کتاب آپس میں ملتی یعنی خوبی میں کوئی آیت کم نہیں۔ دوہرائی ہوئی۔ یعنی ایک مدعا کئی کئی طرح تقریر کیا۔ موضح القرآن

قرآن کریم کی اس خارق عادت تاثیر سے بچنے کے لئے کُفار قریش ایک دوسرے سے کہدیا کرتے تھے۔ کہ جب قرآن پڑھا جائے۔ تو تم شور مچا دیا کرو (حٰم سجدہ ع۴) اور اسی واسطے مکذبین پر اس کا سننا نہایت دشوار گزرتا تھا۔ اور وہ بوجہ خبث طبع نفرت سے پیٹھ دے کر بھاگ جاتے تھے (بنی اسرائیل۔ ع۵) ذیل میں تاثیر قرآن مجید کی توضیح کے لئے ہم چند مثالیں درج کرتے ہیں:۔

ابن اسحاق[1] کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کی کیفیت مجھے یہ معلوم ہوئی ہے۔ کہ آپ کی بہن فاطمہ اور فاطمہ کے خاوند سعید بن زید بن عمرو بن نفیل مسلمان ہو گئے تھے مگر اپنے اسلام کو حضرت عمرؓ سے پوشیدہ رکھتے تھے۔ اسی طرح حضرت نعیم بن عبد اللہ النحام بھی جو مکہ کے رہنے والے اور آپ ہی کی قوم بنی عدی بن کعب میں سے تھے اسلام لے آئے تھے۔ اور اپنے اسلام کو اپنی قوم کے ڈر سے پوشیدہ رکھتے تھے۔ حضرت خباب بن الارت حضرت فاطمہ کے پاس قرآن پڑھانے آیا کرتے تھے۔ ایک روز حضرت عمرؓ کو جو خبر لگی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مرد و زن قریبًا چالیس کوہ صفا کے قریب ایک گھر میں جمع ہو رہے ہیں تو تلوار آڑے لٹکائے ہوئے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم اور حضور کے اصحاب کے قصد سے نکلے۔ اُن اصحاب میں حضرت ابوبکر اور حضرت علی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ جو ان مسلمانوں میں سے تھے جنہوں نے ملک حبشہ کی طرف ہجرت نہ فرمائی تھی۔ راستے میں حضرت نعیمؓ ملے۔ جن سے یوں گفتگو ہوئی۔

عمر۔ میں اس صابی (دین سے برگشتہ) محمدؐ کا فیصلہ کرنے چلا ہوں۔ جس نے قریش کی جماعت کو پراگندہ کر دیا ہے۔ اور جو اُن کے داناؤں کو نادان اور اُن کے دین کو معیوب بتاتا ہے۔ اور اُن کے معبودوں کو بُرا کہتا ہے۔

نعیم۔ عمر! اللہ کی قسم۔ تجھے تیرے نفس نے دھوکا دیا ہے۔ کیا تو سمجھتا ہے۔ کہ اگر تو حضرت محمدؐ کو قتل کرے گا۔ تو عبد مناف کی اولاد تجھے زمین پر زندہ چھوڑے گی؟۔ تو اپنے اہل بیت میں جا۔ اور انہیں سیدھا کر!

عمر۔ کون سے اہل بیت؟

---

[1] دیکھو سیرت ابن ہشام۔ ذکر اسلام عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ۔

نعیم۔ اللہ کی قسم! تیرا بہنوئی سعید بن زید اور تیری بہن فاطمہ دونوں مسلمان ہو گئے ہیں۔ اور دین محمدی کے پیرو بن گئے ہیں۔ تو اُن سے سلجھ لے۔

(یہ سن کر عمر اپنی بہن کے گھر پہنچتے ہیں۔ وہاں حضرت خباب آپ کی بہن اور بہنوئی کو قرآن کی سورۂ طٰہٰ پڑھا رہے ہیں۔ جن کی آواز عمر کے کان میں پڑ جاتی ہے۔ عمر کی آہٹ سے حضرت خباب تو کوٹھڑی میں جا چھپتے ہیں۔ اور فاطمہ وہ صحیفہ قرآن لے کر اپنی ران کے نیچے چھپا لیتی ہیں)۔

عمر۔ (اندر داخل ہو کر) یہ آواز جو میں نے سنی کیسی تھی؟

سعید و فاطمہ۔ تو نے کچھ نہیں سُنا۔

عمر۔ کیوں نہیں، اللہ کی قسم مجھے خبر لگی ہے۔ کہ تم دونوں دین محمدی کے پیرو بن گئے ہو۔

(یہ کہہ کر عمر سعید کو پکڑ لیتے ہیں۔ بہن جو چھڑانے اُٹھتی ہے۔ اُسے بھی لہولہان کر دیتے ہیں)

سعید و فاطمہ۔ ہاں ہم مسلمان ہو گئے ہیں اور اللہ و رسول پر ایمان لے آئے ہیں۔ تو کر جو کر سکتا ہے۔

عمر۔ (بہن کو لہولہان دیکھ کر ندامت سے) بہن! وہ کتاب تو دکھاؤ۔ جو ابھی تم پڑھ رہے تھے۔

فاطمہ۔ مجھے ڈر ہے کہ تو واپس نہ دے گا۔

عمر۔ تو نہ ڈر۔ (اپنے معبودوں کی قسم کھا کر) میں پڑھ کر واپس کر دوں گا۔

فاطمہ۔ (بھائی کے اسلام کے لالچ میں آ کر) بھائی! تو مشرک ہونے کے سبب سے ناپاک ہے۔ اسے تو وہی چھوتے ہیں جو پاک ہوں۔

عمر۔ (غسل کے بعد سورۂ طٰہٰ کی شروع کی آیتیں تلاوت کر کے) یہ کلام کیسا اچھا اور پیارا ہے!

خباب۔ (کوٹھڑی سے نکل کر) عمر! مجھے امید ہے۔ کہ آپ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا کے مصداق ہوں گے۔ کیونکہ میں نے کل سُنا۔ کہ آپ یوں دعا فرما رہے تھے۔ "یا اللہ تو ابوالحکم بن ہشام یا عمر بن الخطاب کے ساتھ اسلام کو تقویت دے"۔ اے عمر! تو اللہ سے ڈر!

عمر۔ مجھے حضرت محمدؐ کے پاس لے چلو۔ تاکہ میں مسلمان ہو جاؤں۔

خباب۔ آپ مع اصحاب صفا کے قریب تشریف رکھتے ہیں۔

(عمر تلوار آڑے لٹکائے در دولت پر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ اہل خانہ میں سے ایک

صحابی آپ کو اس ہیئت میں دیکھ کر ڈر جاتا ہے)۔

صحابی - یا رسول اللہ! یہ عمر بن الخطاب ہے جو تلوار حمائل کئے ہوئے ہے۔

حمزہ - اُسے آنے کی اجازت دو۔ اگر وہ کار خیر کے لئے آیا ہے۔ تو ہمیں دریغ نہیں۔ اور اگر وہ شرارت کا ارادہ رکھتا ہے۔ تو ہم اسے اُسی کی تلوار سے قتل کر دیں گے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم - اُسے اندر آنے دو۔

صحابی - اندر آئیے! (عمر داخل ہوتے ہیں)۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم - (عمر کی کمر یا چادر کا دامن کھینچ کر) خطاب کے بیٹے! کیونکر آنا ہوا۔ اللہ کی قسم! میں نہیں دیکھتا کہ تو باز آئے۔ یہاں تک کہ اللہ تجھ پر کھڑکا نازل کرے۔

عمر - یا رسول اللہ! میں آپ کی خدمت میں آیا ہوں۔ تاکہ اللہ پر اور اللہ کے رسول پر اور اس پر جو وہ اللہ کے ہاں سے لائے ایمان لاؤں۔

(اس طرح عمر اسلام لاتے ہیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر پڑھتے ہیں۔ جس سے تمام حاضرین خانہ کو معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمان ہو گئے)۔

دشمنان اسلام بھی قرآن کریم کی فوق العادۃ تاثیر کے قائل تھے۔ چنانچہ جب سنہ ۵ نبوت میں حضرت ابو بکر صدیق ہجرت کے ارادے سے حبشہ کی طرف نکلے۔ تو ابن الدغنہ اُن کو برک الغماد سے اپنی جوار میں مکہ واپس لے آیا۔ قریش نے ابن الدغنہ کی جوار کو رد نہ کیا۔ مگر اُس سے کہا کہ ابو بکر سے کہہ دو۔ کہ اپنے گھر میں اپنے رب کی عبادت کرے۔ اور نماز میں چپکے جو چاہے پڑھے۔ مگر ہمیں اذیت نہ دے اور آواز سے قرآن نہ پڑھے۔ کیونکہ ہمیں ڈر ہے کہ مبادا ہماری عورتوں اور بچوں پر قرآن کا اثر پڑ جائے۔ ابن الدغنہ نے یہی آپ سے ذکر کر دیا۔ کچھ مدت آپ نے اسی پر عمل کیا۔ بعد ازاں اپنے گھر کے پاس ایک مسجد بنالی۔ جس میں آپ نماز پڑھتے اور قرآن بہ آواز پڑھتے۔ مشرکین کی عورتیں اور بچے آپ کے گرد جمع ہو جاتے۔ اور تعجب سے آپ کی طرف دیکھتے۔ آپ رقیق القلب تھے۔ قرآن پڑھتے۔ تو بے اختیار رو پڑتے۔ آپ کی قراءت و رقت سے سرداران قریش ڈر گئے۔ انہوں نے ابن الدغنہ کو بلا کر کہا۔ کہ ابو بکر نے خلاف شرط اپنے گھر کے پاس ایک مسجد بنالی ہے۔ جس میں وہ بہ آواز نماز و قرآن پڑھتا ہے۔ ہمیں ڈر ہے کہ مبادا ہماری عورتوں

اور بچوں پر اُس کا اثر پڑے۔ تم اُس کو روک دو۔ ہاں اگر وہ اپنے گھر کے اندر چھپکے عبادت کرنا چاہے تو کیا کرے۔ اور اگر بہ آواز قرآن پڑھنے پر اصرار کرے۔ تو تم اُس کی حفاظت کی ذمہ واری واپس لے لو۔ کیونکہ ہمیں یہ پسند نہیں کہ ہم تمہارے عہد حفاظت کو توڑ دیں۔ ہم ابو بکر کو قراءت بالجہر کی اجازت نہیں دے سکتے۔ یہ سُن کر ابن الدغنہ آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ کہ آپ کو میری جوار کی شرط معلوم ہے۔ آپ اُس کی پابندی کریں۔ ورنہ میری ذمہ واری واپس کر دیں۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ عرب یہ سنیں۔ کہ ایک شخص کی حفاظت کا عہد جو میں نے کیا تھا وہ توڑ ڈالا گیا۔ آپ نے جواب دیا کہ میں تمہاری جوار کو واپس کرتا ہوں اور خدا کی جوار پر راضی ہوں[1]۔

حضرت جبیر[2] بن مطعم جو اسلام لانے سے پہلے اسیران بدر کے بارے میں گفتگو کرنے کے لئے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ بیان کرتے ہیں۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز مغرب میں سورۂ طور پڑھتے پایا۔ جب آپ اس آیت پر پہنچے:۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ ۝ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ ۝ اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَبِّكَ اَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ ۝

کیا وہ پیدا ہوئے ہیں آپ ہی آپ یا وہی ہیں پیدا کرنے والے۔ یا انہوں پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو بلکہ یقین نہیں کرتے۔ کیا اُن کے پاس خزانے ہیں تیرے رب کے یا وہی داروغے ہیں:

تو قریب تھا کہ (خوف سے) میرا دل پھٹ جائے۔ اور ایک روایت میں ہے۔ کہ یہ پہلی دفعہ تھی کہ ایمان نے میرے دل میں قرار پکڑا۔

حضرت طفیل[3] بن عمرو الدوسی جو ایک شریف و دانا شاعر تھے۔ اپنے اسلام لانے کا قصہ یوں بیان فرماتے ہیں۔ کہ مَیں مکہ میں آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں تھے۔ قبیلہ قریش کے لوگوں نے مجھ سے کہا۔ اے طفیل! تو ہمارے شہروں میں آیا ہے۔ یہ شخص (حضرت محمدؐ) جو ہمارے درمیان ہے۔ اس نے ہمیں تنگ کر دیا ہے اور ہماری جماعت کو پراگندہ کر دیا ہے۔ اس کا قول

---

[1] صحیح بخاری۔ باب ہجرۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم واصحابہ۔

[2] صحیح بخاری و صحیح مسلم دیکھو۔

[3] دلائل النبوۃ للحافظ ابی نعیم۔ جزو اول صفحہ ۷۸-۷۹۔ یہ قصہ استیعاب لابن عبد البر میں بھی مذکور ہے۔

جادوگروں کا سا ہے۔ جس سے وہ باپ بیٹے میں۔ بھائی بھائی میں۔ اور میاں بیوی میں جدائی ڈال دیتا ہے۔ ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں ہماری طرح تجھ پر اور تیری قوم پر بھی جادو کردے۔ اس لئے تو اس سے کلام نہ کرنا۔ اور نہ اس سے کچھ سُننا۔ وہ مجھے یہی کہتے رہے۔ یہاں تک کہ میں نے مصمم ارادہ کرلیا۔ کہ میں اس سے کچھ نہ سنوں گا۔ اور نہ کلام کروں گا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ جب میں مسجد کی طرف جاتا۔ تو اس ڈر سے کہ کہیں بے ارادہ آپ کی آواز میرے کان میں پڑ جائے۔ اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لیتا۔ ایک روز جو صبح کو میں مسجد کی طرف گیا۔ تو کیا دیکھتا ہوں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے پاس کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں آپ کے قریب کھڑا ہو گیا۔ پس اللہ نے مجھے آپ کا بعض قول سُنا ہی دیا۔ مگر میں نے ایک عمدہ کلام سُنا۔ اور اپنے جی میں کہا۔ وائے بے فرزندی مادرِ من۔ میں دانا شاعر ہوں۔ بُرے بھلے میں تمیز کر سکتا ہوں۔ پھر اس کا قول سننے سے مجھے کیا چیز مانع ہو سکتی ہے۔ جو کچھ وہ بیان کرے گا۔ اگر اچھا ہوا تو میں قبول کرلوں گا اور اگر بُرا ہوا۔ تو رد کردوں گا۔ اس لئے میں ٹھہرا رہا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے دولت خانے کی طرف واپس ہوئے۔ میں آپ کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ جب آپ اپنے دولت خانے میں داخل ہونے لگے۔ تو میں نے عرض کیا۔ اے محمدؐ! آپ کی قوم نے مجھے ایسا ایسا کہا ہے۔ اللہ کی قسم! وہ مجھے آپ کے قول سے ڈراتے رہے۔ یہاں تک کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی۔ تاکہ آپ کا قول نہ سنوں۔ مگر اللہ نے سنا ہی دیا۔ میں نے ایک اچھا قول سنا۔ پھر میں نے التجا کی کہ اپنا دین آپ مجھ پر پیش کریں۔ اس لئے آپ نے مجھ پر اسلام پیش کیا۔ اور مجھے قرآن پڑھ کر سنایا۔ اللہ کی قسم! میں نے کبھی اس کی نسبت نہ کوئی اچھا قول اور نہ کوئی راست امر سُنا۔ پس میں مسلمان ہو گیا۔ اور میں نے کلمہ شہادت پڑھا۔ اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میری قوم میرے کہنے میں ہے۔ میں اُن کی طرف جاتا ہوں۔ اور انہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ آپ میرے لئے دعا کیجئے۔ کہ خدا مجھے ایک نشانی دے۔ جو مجھے دعوت اسلام میں ان کے مقابلے میں میری مددگار ہو۔ یہ سُن کر آپ نے یوں دعا فرمائی ؎ "اے اللہ! اسے ایک نشانی عطا کر۔" پھر میں اپنی قوم کی طرف روانہ ہوا۔ چلتے چلتے جب میں گھاٹی میں پہنچا جہاں میرا قبیلہ مجھے دیکھ سکتا تھا۔ تو میری آنکھوں کے درمیان چراغ کی مانند ایک نور پیدا ہوا۔ میں نے کہا۔ یا اللہ! میری پیشانی کے سوا کسی اور

جگہ یہ نور پیدا کردے۔ کیونکہ میں ڈرتا ہوں۔ وہ یوں گمان کریں گے۔ کہ یہ عبرتناک سزا ہے۔ جو اُن کا دین چھوڑنے کے سبب میری پیشانی میں ظاہر ہوئی ہے۔ پس وہ نور بجائے پیشانی کے میرے کوڑے کے سرے پر نمودار ہوا۔ جب میں گھاٹی سے اپنے قبیلے کی طرف اُتر رہا تھا۔ تو وہ نور اُن کو میرے کوڑے میں معلق قندیل کی طرح نظر آتا تھا۔ یہاں تک کہ میں اُن کے پاس پہنچ گیا۔ پھر صبح ہوگئی۔ جب میں مکان میں اُترا۔ تو میرا باپ جو بہت بوڑھا تھا۔ میرے پاس آیا۔ میں نے کہا۔ ابا! مجھ سے دور ہو۔ میں تیرا نہیں۔ اور نہ تو میرا ہے۔ وہ بولا۔ بیٹا! کیوں؟ میں نے کہا۔ میں مسلمان ہوگیا ہوں۔ اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے دین کا پیرو بن گیا ہوں۔ یہ سُن کر میرے باپ نے کہا۔ میرا دین تیرا دین ہے۔ پس اُس نے غسل کیا۔ اور اپنے کپڑے پاک کئے۔ پھر میرے پاس آیا۔ میں نے اس پر اسلام پیش کیا۔ وہ مسلمان ہوگیا۔ پھر میری بیوی میرے پاس آئی۔ میں نے اُسے کہا۔ مجھ سے دور ہو۔ میں تیرا نہیں۔ اور تو میری نہیں۔ وہ بولی۔ میرے ماں باپ تجھ پر قربان! کیوں؟ میں نے کہا۔ اسلام میرے اور تیرے درمیان فارق ہے۔ میں مسلمان ہوگیا ہوں۔ اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے دین کا پیرو بن گیا ہوں۔ وہ کہنے لگی۔ میرا دین تیرا دین ہے۔ اور وہ مسلمان ہوگئی۔ پھر میں نے قبیلہ دوس کو اسلام کی دعوت دی۔ مگر انہوں نے اس میں تاخیر کی۔ پھر میں مکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے عرض کیا۔ یا نبی اللہ! دوس مجھ پر غالب آگئے۔ آپ اُن پر بد دعا کیجئے۔ اس پر آپ نے یوں دعا کی۔ "یا اللہ! تو دوس کو ہدایت دے۔" اور مجھ سے فرمایا کہ تو اپنی قوم میں لوٹ جا۔ اور انہیں نرمی سے دعوت اسلام دے۔ اس لئے میں لوٹ آیا۔ اور دوس کو نرمی سے اسلام کی طرف بلاتا رہا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مدینے کی طرف ہجرت فرمائی۔ اور غزوہ بدر و اُحد و خندق ہو چکے۔ پھر میں اپنی قوم کے مسلمانوں کو ساتھ لے کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ اور آپ خیبر میں تھے۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں دوس کے ستر یا اسی گھرانے اُترے۔[1]

ایک روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰے عنہ ایک اونٹ پر سوار ایک کوچے میں سے گزر رہے تھے۔ ایک قاری نے یہ آیت پڑھی:۔

---

[1] مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی سیدنا شیخ احمد سرہندی رضی اللہ عنہ۔ دفتر اول، مکتوب سہ صد و دوم۔

بے شک عذاب تیرے رب کا ہونے والا ہے۔ اس کو کوئی نہیں ہٹانے والا۔	اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ۝ مَّا لَهٗ مِنْ دَافِعٍ ۝ (طور ۱)

اِسے سُن کر آپ بیہوش ہو گئے۔ اور بیہوشی کی حالت میں زمین پر گر پڑے۔ وہاں سے اُٹھا کر آپ کو گھر لائے۔ مدت تک اس درد سے بیمار رہے۔ یہاں تک کہ لوگ آپ کی بیمار پرسی کے لئے آتے تھے؛

یحیےٰ بن الحکم الغزال اور عتبہ بن ربیعہ وغیرہ کا حال بیان ہو چکا ہے۔ زیادہ کی یہاں گنجائش نہیں ہے؛

مذکورہ بالا وجوہ اربعہ کے علاوہ علمائے کرام نے قرآن کریم کے معجزہ ہونے کی اور وجہیں بھی بیان کی ہیں۔ مگر میرے خیال میں یہ چاروں وجہیں بالکل کافی ہیں؛

قرآن کریم کی فصاحت و بلاغت کی مثالیں

ناظرین کو یاد ہوگا۔ کہ ہم پہلے ایک وعدہ کر آئے ہیں۔ اسی کے ایفاء کے لئے عنوان بالا قائم کیا گیا ہے۔ مسیلمہ کذاب نے اپنے زعم فاسد میں قرآن کی بعض چھوٹی چھوٹی سورتوں کا معارضہ کیا تھا۔ ازاں جملہ ایک سورۂ کوثر تھی۔ جس کو اس لعین نے یوں سجع کیا تھا۔

ہم نے دئے تجھ کو جواہرات۔ سو نماز پڑھ اپنے رب کے آگے اور ہجرت کر۔ بے شک جو دشمن رکھنے والا ہے تجھ کو۔ وہ بدکار شخص ہے	اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الجواھر۔ فصل لربك وھاجر۔ ان مبغضك رجل فاجر۔

مگر کوئی منصف مزاج اسے معارضہ نہیں کہہ سکتا۔ کہ سورت ہی کے الفاظ و ترتیب لے کر اس میں کچھ ادل بدل کر دیا جائے۔ علامہ جار اللہ زمخشری صاحب تفسیر کشاف نے اس سورت کی وجہ اعجاز پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ جس کا خلاصہ امام فخر الدین رازی نے نہایۃ الاعجاز فی درایۃ الاعجاز میں یوں لکھا ہے:۔

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ اس آیت میں آٹھ فائدے ہیں۔

۱۔ یہ جملہ معطی کبیر کی طرف سے عطیہ کثیرہ پر دلالت کرتا ہے۔ جب عطیہ منعم عظیم کی طرف سے ہو۔ تو وہ نعمت عظمیٰ ہوتا ہے۔ کوثر سے مراد وہ مومنین امت ہیں جو قیامت تک پیدا ہوں گے۔

---

[1] دیکھو مواہب لدنیہ للقسطلانی ۔

نیز اس سے مراد وہ فضائل و خواص ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو دو جہان میں عنایت فرمائے ہیں۔ ان کی کنہہ کو خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اور منجملہ کوثر وہ نہر ہے جس کی مٹی کستوری اور جس کے سنگریزے چاندی کی ڈلیاں ہیں۔ اور جس کے کناروں پر سونے چاندی کے برتن ستاروں کی گنتی سے زیادہ ہیں۔

۲۔ اسم کی تقدیم مفید تخصیص ہے۔ یعنی ہم نے (نہ کسی غیر نے) تجھے یہ خیر کثیر عطا کی۔ جس کی کثرت کی کوئی غایت نہیں۔ امام رازی فرماتے ہیں۔ کہ تحقیق یہ ہے کہ یہاں محدث عنہ کی تقدیم تخصیص کے لئے نہیں۔ بلکہ اس واسطے ہے کہ ایسی تقدیم اثبات خبر کے واسطے زیادہ تاکید والی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے۔ کہ جب اسم محدث عنہ پہلے ذکر کیا جائے۔ تو سامع کو خبر سننے کا شوق پیدا ہوتا ہے اس لئے جب وہ خبر کو سنتا ہے۔ تو اس کا ذہن اس کو یوں قبول کرتا ہے۔ جیسا عاشق معشوق کو۔ پس وہ خبر اس کے ذہن میں باحسن وجوہ متمکن ہو جاتی ہے۔

۳۔ ضمیر متکلم بصیغۂ جمع لایا گیا ہے۔ جس سے ربوبیت کی عظمت پائی جاتی ہے۔

۴۔ جملے کے شروع میں حرف تاکید لایا گیا ہے۔ جو قسم کے قائم مقام ہے۔

۵۔ فعل کو بصیغۂ ماضی لایا گیا ہے۔ تاکہ اس امر پر دلالت ہو۔ کہ کریم کی عطاء آجلہ واقع کے حکم میں ہے۔

۶۔ کوثر کے موصوف کو محذوف کر دیا گیا۔ اس لئے کہ مذکور میں وہ فرط ابہام و شیاع نہیں جو محذوف میں ہے۔

۷۔ وہ صفت اختیار کی گئی ہے جس کے معنی میں کثرت ہے۔ پھر اس کو اس کے صیغہ سے معدول کر کے لایا گیا۔

۸۔ اس صیغہ پر لام تعریف لایا گیا۔ تاکہ یہ اپنے موصوف کو شامل اور کثرت کے معنی دینے میں کامل ہو۔ چونکہ یہ لام عہد کا نہیں۔ اس لئے واجب ہے کہ حقیقت کا ہو۔ اور حقیقت کے بعض افراد بعض سے اولیٰ نہیں۔ پس وہ کاملہ ہوگی۔ اس میں اس طعن کا جواب بھی آگیا۔ کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا آپ کے بعد کوئی بیٹا نہیں۔ کیونکہ آپ کے بعد بیٹے کا باقی رہنا دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو وہ بیٹا نبی بنایا جائے۔ اور یہ محال ہے۔ کیونکہ آپ خاتم الانبیاء ہیں۔ یا نبی نہ

بنایا جائے۔ اور یہ امر وہم میں ڈالتا ہے۔ کہ وہ ناخلف ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو خیر کثیر عطا فرما کر اس عیب سے محفوظ رکھا۔ اولاد کے ہونے سے یہی غرض ہوا کرتی ہے۔ علاوہ ازیں وہ عیب بھی لازم نہ آیا۔ جو بیٹوں کے نبی نہ ہونے کی صورت میں تھا۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ اس میں بھی آٹھ فائدے ہیں:۔

۱۔ فاء تعقیب یہاں دو باتوں کا سبب بنانے کے معنیٰ کے لئے مستعار ہے۔ اوّل انعام کثیر کو منعم کے شکر و عبادت میں قیام کا سبب بنانا۔ دوسرے انعام کثیر کو دشمن کے قول کی پرواہ نہ کرنے کا سبب بنانا۔ کیونکہ اس سورت کے نزول کا سبب یہ ہے۔ کہ عاص بن وائل نے کہا۔ اِنَّ مُحَمَّدًا صُنْبُوْرٌ[1]۔ یہ قول جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ناگوار گزرا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ سورہ نازل فرمائی

۲۔ دو لاموں سے مقصود تعریض ہے عاص اور اس جیسے دوسروں کے دین سے۔ جن کی عبادت و قربانی غیر اللہ کے واسطے تھی۔ اور نیز یہ مقصود ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قدم صراط مستقیم پر جمادیں۔ اور اپنی عبادت کو اللہ کی ذات کریم کے لئے خالص کردیں۔

۳۔ ان دونوں عبادتوں سے اس امر کی طرف اشارہ ہے۔ کہ عبادت کے دو نوع ہیں۔ ایک اعمال بدنیہ۔ جن میں مقدم نماز ہے۔ دوسرے اعمال مالیہ جن میں اعلیٰ اونٹوں کی قربانی ہے۔

۴۔ اس آیت میں اس بات پر تنبیہ ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز اور اونٹوں کی قربانی سے بڑا اختصاص تھا۔ کیونکہ نماز آپ کی مبارک آنکھوں کے لئے ٹھنڈک بنائی گئی۔ اور اونٹوں کی قربانی میں آپ کی ہمت قوی تھی۔ چنانچہ روایت ہے۔ کہ آپ نے سو اونٹ قربانی دئے۔ جن میں ابوجہل کا ایک اونٹ تھا جس کے ناک میں سونے کی نکیل تھی۔

۵۔ دوسرے لام کو اس لئے حذف کیا گیا۔ کہ پہلا لام اس پر دلالت کررہا ہے۔

۶۔ سجع کے حق کی رعایت کی گئی۔ اور یہ منجملہ بدائع ہے۔ جب قائل اُسے طبعی طور پر لائے اور تکلف سے کام نہ لے۔

۷۔ لِرَبِّكَ میں دو خوبیاں ہیں ایک تو اس میں التفات ہے۔ دوسرے مضمر کی جگہ لفظ مظہر لایا گیا ہے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کی شان کبریائی۔ اور اس کے غلبہ قدرت کا اظہار ہے۔ اسی سے

---

[1] صنبور۔ خرما بن تنہا گانہ۔ مرد فرد بے برادر و فرزند۔

خلفاء نے یہ قول لیا۔ یأمرک امیر المؤمنین بکذا۔

۸۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ حق عبادت یہ ہے۔ کہ بندے اس کے ساتھ اپنے رب اور اپنے مالک کو خاص کریں۔ اور اُس شخص کی خطا سے تعریض[1] ہوگئی۔ جو اپنے رب کی عبادت چھوڑ کر کسی غیر کی عبادت کرے۔

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔ اس میں پانچ فائدے ہیں:۔

۱۔ امر (فَصَلِّ وَانْحَرْ) کی علت میں حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے شانی (دشمن) کے حال اور اس کے قول کی طرف ترک توجہ کو بر سبیل استیناف بیان کیا گیا اور استینات کا یہ اچھا عمل ہے۔ قرآن شریف میں مواقع استیناف بکثرت ہیں۔

۲۔ یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے۔ کہ اس جملہ کو معترضہ قرار دیا جائے۔ جو خاتمہ اغراض کے لئے حکمت کے سیاق پر لایا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ کا قول ہے۔ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ (قصص۔ ع)۔ اور شانی سے مراد عاص بن وائل ہے۔

۳۔ عاص کو اس صفت کے ساتھ ذکر کیا اور نام کے ساتھ ذکر نہ کیا۔ تاکہ یہ متناول و شامل ہو اس شخص کو جو دین حق کی مخالفت میں عاص کی مانند ہو۔

۴۔ اس جملے کے شروع میں حرف تاکید لایا گیا۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ جو کچھ عاص نے کہا جھوٹ ہے۔ اور محض تعنت وعناد کا نتیجہ ہے۔ اسی واسطے اس کو شانی کہا گیا۔

۵۔ خبر معرفہ لائی گئی تاکہ عدو شانی کے لئے بتر بدرجہ کمال ثابت ہو۔ حتےٰ کہ گویا وہ جمہور ہے۔ جس کو صنبور کہا جائے۔ پھر یہ سورت باوجود علو مطلع و تمام مقطع کے اور باوجود نکات جلیلہ سے پُر ہونے اور محاسن کثیرہ کے جامع ہونے کے اس تصنع سے خالی ہے جس سے انسان اپنے خصم کو ساکت و مغلوب کر لیتا ہے۔ انتہیٰ۔[2]

ان تمام امور کے علاوہ اس سورت کی تین آیتوں میں چار پیشین گوئیاں ہیں۔ جو پہلے مذکور ہو چکی ہیں۔

آیۂ یٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ کی خارقِ عادت فصاحت کی طرف پہلے اشارہ آچکا ہے۔ علامہ کرمانی

[1] تعریض یہ ہے۔ کہ ایک لفظ اپنے معنی میں مستعمل ہو تاکہ اس کے ساتھ ایک اور معنے کی طرف اشارہ کیا جائے۔

[2] اتقان۔ جزء ثانی۔ ص۵۵۔

کی کتاب عجائب میں ہے کہ معاندین نے عرب وعجم کے تمام کلام ڈھونڈ مارے۔ مگر کوئی کلام فخامت الفاظ، حسن نظم، جودت معانی، اور ایجاز میں اس کی مثل نہ پایا۔ اور اس امر پر متفق ہو گئے۔ کہ انسانی طاقت اس آیت کی مثل لانے سے قاصر ہے۔ ابن ابی الاصبع[1] کا قول ہے۔ کہ میں نے کلام انسانی میں اس آیت کی مثل نہیں دیکھا۔ اس میں سترہ لفظ ہیں اور بیس بدائع ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ ۲۔ ابلعی اقلعی میں مناسبت تامہ ہے۔

۳۔ ۴۔ ابلعی اقلعی میں استعارہ ہے۔

۵۔ ارض وسما میں طباق[2] ہے۔

۶۔ یسماءٓ میں مجاز ہے۔ کیونکہ حقیقت یامطر السماء ہے۔

۷۔ وغیض الماء میں اشارہ[3] ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ بہت سے معانی کی تعبیر کی گئی ہے اس لئے کہ پانی خشک نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں تک کہ آسمان کا مینہ تھم جائے۔ اور زمین پانی کے ان چشموں کو نگل جائے۔ جو اس سے نکلتے ہیں پس سطح زمین کا پانی کم ہو جائے۔

۸۔ واستوت میں صنعت ارداف[4] ہے کیونکہ اس کی حقیقت جلست ہے۔ پس اس لفظ خاص سے اس کے مرادف کی طرف عدول کیا گیا۔ اس واسطے کہ استواء میں اشعار ہے جلوس متمکن کا جس میں کوئی کجی نہ ہو۔ اور یہ معنی لفظ جلوس سے ادا نہیں ہوتے۔

۹۔ وقضی الامر میں تمثیل[5] ہے۔

۱۰۔ اس آیت میں تعلیل[6] ہے۔ کیونکہ غیض الماء استواء کی علت ہے۔

۱۱۔ اس میں صحت تقسیم ہے۔ نقص کی حالت میں جو پانی کے اقسام ہیں۔ وہ سب اس میں مذکور ہیں۔ کیونکہ اس کی صرف یہی قسمیں ہیں۔ آسمان کے پانی کا تھم جانا، زمین سے نکلنے والے

---

[1] اتقان۔ جزو ثانی۔ صـ۹۶۔

[2] صنعت طباق یہ ہے۔ کہ کلام میں دو معنے ذکر کریں۔ جو ایک دوسرے کی ضد ہوں۔

[3] اشارہ یہ ہے۔ کہ کلام قلیل لائی جائے۔ جس کے معنے بہت ہوں۔

[4] صنعت ارداف یہ ہے کہ متکلم ایک معنی مراد رکھے۔ اور اُسے لفظ موضوع لہٗ سے یا دلالت اشارہ سے تعبیر نہ کرے۔ بلکہ اس کے مرادف لفظ سے ادا کرے۔

[5] تمثیل وہ ہے۔ کہ جس کی وجہ متعدد سے منتزع ہو۔

[6] تعلیل کا فائدہ تقریر اور ابلغیت ہے۔ کیونکہ نفوس احکام معللہ کو دوسروں کی نسبت زیادہ قبول کرتے ہیں۔

پانی کا بند ہو جانا اور سطح زمین کے پانی کا خشک ہو جانا۔

۱۲۔ اس میں احتراس[1] فی الدعا ہے۔ تاکہ یہ وہم نہ گزرے کہ غرق اپنے عموم کے سبب سے اس کو شامل ہے۔ جو مستحق ہلاک نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کا عدل اس سے مانع ہے۔ کہ غیر مستحق پر دعائے بد کرے۔

۱۳۔ اس میں حُسن النسق[2] ہے۔ کیونکہ اس میں بعض جملے بعض پر واو عطف کے ساتھ اس ترتیب سے معطوف ہیں جو بلاغت کا مقتضا ہے۔ چنانچہ پہلے زمین پر سے پانی کا ناپدید ہونا ذکر کیا گیا۔ جس پر کشتی والوں کا غایت مقصود (کشتی کی قید سے نجات) موقوف ہے۔ پھر آسمان کے پانی کا تھم جانا بیان ہوا۔ کہ جس پر یہ سب (یعنی کشتی سے نکلنے کے بعد کی اذیت کا دور کرنا اور زمین پر کے پانی کا پراگندہ ہو جانا) موقوف ہے۔ پھر ان ہر دو مادوں کے بند ہونے کے بعد پانی کے دور ہو جانے کی خبر دی۔ جو یقیناً ان سے متاخر ہے۔ پھر قضائے امر کی خبر دی یعنی جس کا ہلاک ہونا مقدر تھا اس کے ہلاک ہونے کی اور جس کا بچنا مقدر تھا اُس کے نجات پانے کی خبر دی۔ یہ امر ماقبل سے متاخر کیا گیا۔ کیونکہ کشتی والوں کو یہ کشتی سے نکلنے کے بعد معلوم ہوا۔ اور ان کا نکلنا ماقبل پر موقوف تھا۔ پھر کشتی کے استقرار کی خبر دی۔ جو اضطراب و خوف دور ہونے کا افادہ کرتا ہے۔ پھر ظالموں پر بددعا کرنے پر ختم کیا گیا تاکہ معلوم ہو جائے۔ کہ غرق ہونا اگرچہ طوفان تمام روئے زمین پر تھا صرف مستحقین عذاب پر شامل تھا۔

۱۴۔ اس میں ائتلاف اللفظ مع المعنیٰ ہے یعنی الفاظ معنے مقصود کے مناسب لائے گئے ہیں۔

۱۵۔ اس میں ایجاز[3] ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے یہ تمام قصہ نہایت ہی مختصر عبارت میں بیان فرما دیا۔

۱۶۔ اس میں تسہیم[4] ہے۔ کیونکہ آیت کا اوّل اس کے آخر پر دلالت کرتا ہے۔

---

[1] احتراس یہ ہے کہ کسی کلام میں جو خلاف مقصود کا موہم ہو۔ وہ امر ذکر کریں۔ جو اس وہم کو دور کر دے۔
[2] حسن النسق یہ ہے۔ کہ متکلم پے در پے معطوف جملے لائے۔ جو باہم اس طرح پیوستہ ہوں۔ کہ اگر ان میں سے کوئی جملہ علیحدہ کر دیا جائے۔ تو وہ بذاتِ خود ایک مستقل جملہ ہو جس کے معنے سمجھنے کے لئے اُسی کے الفاظ کافی ہوں۔
[3] مقصود کو معمول سے کم الفاظ میں ادا کرنا ایجاز کہلاتا ہے۔
[4] تسہیم یہ ہے کہ فاصلہ کا ماقبل فاصلہ پر دلالت کرے۔

۱۷- اس میں تہذیب[1] ہے۔ کیونکہ اس کے مفردات صفات حسن سے متصف ہیں۔ ہر لفظ کے حروف کے مخارج سہل ہیں اور ان پر فصاحت کی رونق ہے۔ اور بشاعت و عقادت سے خالی ہیں

۱۸- اس میں حسن بیان ہے۔ کیونکہ سامع کو اس کے معنے سمجھنے میں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔ وہ آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔

۱۹- اس میں تمکین[2] ہے۔

۲۰- اس میں انسجام[3] ہے۔

علامہ سیوطی اتقان میں اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس آیت میں اعتراض[4] بھی ہے۔ یعنی تین جملے معترضے لائے گئے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔ وغیض الماءُ۔ وقضی الامر۔ واستوت علی الجودی۔ اس سے سمجھا جاتا ہے۔ کہ یہ سب امر دو قول کے درمیان واقع ہوا۔ علاوہ ازیں اس میں اعتراض میں اعتراض ہے۔ کیونکہ وقضی الامر غیض اور استوت کے درمیان واقع ہے اس لئے کہ استواء غیض کے بعد حاصل ہوا۔

ایجاز کی ایک اور مثال وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ ہے۔ اس سے پہلے یہ مقولہ ضرب المثل تھا۔ اَلْقَتْلُ[5] اَنْفٰی لِلْقَتْلِ۔ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ تو اس مثل کا استعمال متروک ہوگیا۔ اس آیت کی ترجیح مثل مذکور پر بوجوہ[6] ذیل ظاہر ہے۔

۱- آیت میں مثل کی نسبت ایجاز ہے۔ جو ممدوح ہے۔ کیونکہ القصاص حیٰوۃ کے حرف دس ہیں۔ اور القتل انفیٰ للقتل کے چودہ ہیں۔

---

[1] تہذیب یہ ہے کہ کلام ایسا مہذب ہو۔ کہ اعتراض کو اس میں گنجائش نہ ہو۔

[2] تمکین یہ ہے۔ کہ فاصلہ اپنے محل میں متمکن اور اپنی جگہ میں قرار پذیر ہو۔ اور اس کے معنی کو کلام کے معنی سے ایسا تعلق تام ہو کہ اگر وہ گر جائے۔ تو کلام کے معنے میں خلل آجائے۔

[3] انسجام یہ ہے۔ کہ کلام پیچیدگی سے خالی ہونے کے سبب سے آب رواں کی مانند جاری ہو۔ اور ترکیب کی سہولت اور الفاظ کی شیرینی کے سبب سے نرم و آسان ہو۔

[4] اعتراض یہ ہے۔ کہ ایک یا زیادہ جملوں کو جن کا کوئی محل اعراب نہ ہو۔ ایک یا دو کلاموں کے درمیان دفع ابہام کے سوا کسی اور نکتہ کے لئے لائیں۔

[5] کہتے ہیں کہ یہ فارس کے بادشاہ اردشیر کے قول کا ترجمہ ہے۔ الاعجاز والایجاز للثعالبی۔ صـ۱۶

[6] اتقان۔ جزو ثانی صـ۵۵

۲- قتل کی نفی حیات کو مستلزم نہیں۔ اور آیت حیات کے ثبوت پر نص ہے۔ جو مطلوب اصلی ہے۔

۳- حیات کی تنکیر تعظیم کے لئے ہے۔ جیساکہ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوۃٍ ائیا میں ہے۔ اور اس امر پر دلالت کرتی ہے۔ کہ قصاص میں حیاتِ متطاولہ ہے۔ مگر مثل میں یہ بات نہیں۔ کیونکہ اُس میں لام جنس کے لئے ہے۔ اسی واسطے مفسرین نے وہاں حیات کی تفسیر بقاء سے کی ہے۔

۴- آیت میں تعمیم ہے۔ اور مثل میں نہیں۔ کیونکہ ہر قتل انفی للقتل نہیں۔ بلکہ بعض قتل (اور وہ قتل ظلماً ہے) موجب قتل ہوتا ہے۔ اور اس کا (یعنی قتل ظلماً کا) نافی ایک خاص قتل ہے۔ اور وہ قصاص ہے۔ جس میں ہمیشہ حیات ہے۔

۵ مثل میں لفظ قتل دوبار آیا ہے۔ اور آیت اس تکرار سے خالی ہے۔ اور تکرار سے خالی افضل ہے اس سے جس میں تکرار پایا جائے۔ خواہ وہ تکرار مخل فصاحت نہ ہو۔

۶- آیت میں محذوف نکالنے کی حاجت نہیں۔ مگر مثل میں ہے۔ کیونکہ اس میں افعل تفضیل کے بعد مِنْ اور اس کا مابعد محذوف ہے۔ اور قتل اول کے ساتھ قصاصاً اور قتل ثانی کے ساتھ ظلماً محذوف ہے۔ اور تقدیر یوں ہے۔ القتل قصاصاً انفی للقتل ظلماً من ترکہ۔

۷- آیت میں صنعت طباق ہے۔ کیونکہ قصاص حیات کی ضد پر مشعر ہے۔ مگر مثل میں ایسا نہیں۔

۸- آیت ایک فن بدیع پر مشتمل ہے۔ اور وہ دو ضدوں میں سے ایک کا جو فنا و موت ہے دوسری کے لئے جو حیات ہے محل و مکان بنانا ہے۔ اور حیات کا موت میں قرار پکڑنا بڑا مبالغہ ہے۔ جیساکہ کشاف میں مذکور ہے۔ اور صاحب ایضاح نے اسے یوں تعبیر کیا ہے کہ فیؔ کو قصاص پر داخل کر کے قصاص کو حیات کے لئے گویا منبع و معدن قرار دیا گیا ہے۔

۹- مثل میں پے درپے اسباب خفیفہ (سکون بعد التحرک) ہیں۔ اور یہ امر کلمہ کی سلاست اور اس کے زبان پر جریان میں نقص ڈال دیتا ہے جیساکہ سواری جب ذرا سی حرکت کرے۔ تو رک جائے۔ پھر جب حرکت کرے۔ تو رک جائے۔ ایسی سواری کو سوار اپنی مرضی کے موافق نہیں چلا سکتا مگر آیت اس نقص سے پاک ہے۔

۱۰۔ مثل میں بظاہر تناقض ہے۔ کیونکہ ایک شئی اپنی ہی ذات کے لئے منافی قرار دی گئی ہے۔

۱۱۔ مثل میں قلقلہ قاف کا تکرار ہے۔ جو تنگی و شدت کا موجب اور نون کا غنہ ہے۔

۱۲۔ آیت حروف متلائمہ پر شامل ہے۔ کیونکہ اس میں قاف سے صاد کی طرف خروج ہے اور قاف حروف استعلاء سے ہے اور صاد حروفِ استعلا و اطباق سے ہے۔ مگر مثل میں قاف سے تاء کی طرف خروج ہے۔ جو حرف منخفض ہے۔ اور وہ قاف کے ملائم نہیں۔ اسی طرح صاد سے حاء کی طرف خروج احسن ہے لام سے ہمزہ کی طرف خروج سے کیونکہ کنارہ زبان اور اقصٰے حلق میں بُعد ہے۔

۱۳۔ صاد اور حاء اور تاء کے تلفظ میں حسن صوت ہے۔ مگر قاف اور تاء کے تکرار میں یہ خوبی نہیں۔

۱۴۔ آیت لفظ قتل سے خالی ہے۔ جو مشعر وحشت ہے بخلاف لفظ حیات کے جو طبائع کو زیادہ مقبول و مرغوب ہے۔

۱۵۔ آیت میں لفظ قصاص کے ذکر سے جو مشعر مساوات ہے۔ عدل ظاہر ہوتا ہے۔ مگر مطلق قتل میں ایسا نہیں۔

۱۶۔ آیت اثبات پر مبنی ہے۔ اور مثل نفی پر مبنی ہے۔ مگر اثبات اشرف ہے۔ کیونکہ اثبات اوّل ہے۔ اور نفی اثبات دوسرے درجے پر ہے۔

۱۷۔ آیت کے معنے سنتے ہی سمجھ میں آجاتے ہیں۔ مگر مثل کے معنے سمجھنے کے لئے پہلے القصاص ھو الحیٰوۃ کے معنے سمجھنے درکار ہیں۔

۱۸۔ مثل میں فعل متعدی سے افعل تفضیل ہے۔ اور آیت اس سے خالی ہے۔

۱۹۔ صیغہ افعل اکثر اشتراک کا مقتضی ہوتا ہے۔ پس ترک قصاص قتل کا نافی ہوگا۔ مگر قصاص قتل کا زیادہ نافی ہوگا اور یہ درست نہیں۔ آیت اس نقص سے خالی ہے۔

۲۰۔ آیت قتل اور جرح دونوں سے روکنے والی ہے۔ کیونکہ قصاص دونوں کے لئے ہوتا ہے۔ اور قصاص اعضاء میں بھی حیات ہے۔ کیونکہ عضو کا قطع کرنا مصلحت حیات کو ناقص یا منغص کر دیتا ہے۔ اور بعض وقت جان تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ مگر مثل میں یہ خوبی نہیں۔ کذا

فی الاتقان للسیوطی:

امثلہ مذکورہ بالا سے جو بطور مشتے نمونہ از خروار بیان کی گئی ہیں۔ ناظرین قرآن مجید کی خارقِ عادت فصاحت و بلاغت کا اندازہ بخوبی لگا سکتے ہیں۔

علامہ سیوطی رح نے اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ الآیہ کی فصاحت و بلاغت کے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے۔ اور اس میں ایک سو بیس بدائع بیان کئے ہیں۔ بخوف تطویل اسے یہاں درج نہیں کیا گیا۔

فصل دوم

دیگر معجزات کا بیان

اس فصل میں جو معجزات بطریق اختصار بیان ہوتے ہیں۔ اُن سے حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی وسعت کا اندازہ بخوبی لگ سکتا ہے۔

اسراء و معراج شریف حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے اخص خصائص اور اظہر معجزات میں سے یہ ہے۔ کہ اللہ تعالٰے نے آپ کو اسراء و معراج کی فضیلت سے خاص کیا۔ اور کسی دوسرے نبی کو اس فضیلت سے مشرف و مکرم نہیں فرمایا۔ اور جہاں تک آپ کو پہنچایا کسی کو نہیں پہنچایا۔ اور جو آیات و عجائبات آپ کو دکھائے۔ وہ کسی کو نہیں دکھائے ؎

بدیدہ آنچہ از دیدن بروں بود ۔۔۔ مپرس از ما کیفیت کہ چوں بود

بلکہ اگر دیگر انبیائے کرام کے تمام فضائل یکجا جمع کئے جائیں۔ تو اُن کا مجموعہ ہمارے آقائے نامدار صلے اللہ علیہ وسلم کی اس ایک فضیلت (یعنی معراج اور اُس میں جو انوار و اسرار اور رب قرب آپ کو حاصل ہوا) کے برابر نہ ہوگا۔

اسراء سے مراد خانہ کعبہ سے بیت المقدس تک رات کو جانا ہے۔ اور معراج بیت المقدس سے آسمانوں کے اوپر تشریف لے جانے کا نام ہے۔ اسراء قرآن کریم سے ثابت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالٰے فرماتا ہے:۔

ترجمہ	آیت
پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو رات کے وقت	سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا

مسجد حرام سے مسجد اقصےٰ تک لے گیا جس کے گرد ہم نے برکتیں دی ہیں۔ تاکہ ہم اُس کو اپنے چند عجائبات اور نشانیاں دکھلائیں۔ بے شک اللہ ہے سننے والا دیکھنے والا۔	مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَاؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (بنی اسرائیل شروع)

یہ آیت شریف اسراء کے ثبوت پر نص ہے۔ اور اس کا اخیر حصہ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا معراج شریف کی طرف اشارہ ہے یعنی مسجد اقصےٰ تک لے گیا۔ تاکہ وہاں سے آسمانوں پر لے جاکر عجائب ملکوت و ربوبیت دکھلائے۔ کیونکہ آیات کا دکھانا اور غایت کرامات و معجزات کا ظہور آسمانوں پر ہے۔ اور اُن امور پر مقصور نہیں۔ جو مسجد اقصےٰ میں ظاہر ہوئے۔ مسجد اقصےٰ تک لے جانا تو اُس کا مبدا ہے اور فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰى ۚ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى [1] (سورہ نجم) میں بنا بر تحقیق منتہائے معراج کا ذکر ہے!

صحیح یہ ہے۔ کہ اسراء و معراج شریف ہر دو جسد مبارک کے ساتھ حالت بیداری میں ایک ہی رات وقوع میں آئے۔ جمہور صحابہ و تابعین و محدثین و فقہاء و متکلمین و صوفیائے کرام کا یہی مذہب ہے۔ اور یہی قرآن مجید سے ثابت ہے۔ کیونکہ آیہ کریمہ سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ میں لفظ عبد موجود ہے۔ اور عبد مجموعہ جسم و روح کو کہتے ہیں۔ قرآن شریف میں جہاں کہیں کسی انسان کو کلمہ عبد سے تعبیر کیا ہے۔ وہاں روح اور جسم دونوں مراد ہیں۔ مثلاً سورہ مریم میں۔

یہ ذکر اُس رحمت کا ہے جو پروردگار نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی۔	ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِیَّا

یہاں عبد سے یقیناً حضرت زکریا مع جسم و روح کے مراد ہیں۔ سورۂ جن میں ہے:۔

جب اللہ کے بندے (محمد صلے اللہ علیہ وسلم) عبادت کے واسطے کھڑے ہوئے۔ تو جن ان پر ٹوٹے پڑتے ہیں (تاکہ قرآن شریف سنیں)	وَاَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ یَدْعُوْهُ كَادُوْا یَكُوْنُوْنَ عَلَیْهِ لِبَدًا

اسی طرح آیت زیر بحث میں عبد سے مراد جسم اقدس مع روح لوح ہے۔ پس معراج جسمانی کا ثبوت اس آیت سے روز روشن کی طرح ثابت ہے۔ اور احادیث صحیحہ کثیرہ سے بھی جو حد تواتر کو پہنچنے والی ہیں۔ یہی ثابت ہوتا ہے۔ فی الواقع اگر خواب میں ہوتا۔ تو کفار انکار نہ کرتے۔ اور بعض ضعیف مومن فتنہ میں نہ پڑتے۔ کیونکہ خواب میں تو اکثر دیکھا جاتا ہے۔ کہ ہم ایک لحظہ میں مشرق

[1] ترجمہ۔ پھر رہ گیا فرق دو کماں کا میانہ یا اس سے بھی نزدیک پھر حکم بھیجا اللہ نے اپنے بندے پر جو بھیجا!

یں ہیں۔ دوسرے لحظہ میں ہزاروں کوسوں پر مغرب میں ہیں۔ فلاسفہ اور دیگر عقل کے مقلد جو اعتراضات[1] اس پر کرتے ہیں۔ اُن تمام کا جواب اسریٰ بعبدہ (اپنے بندے کو رات کے وقت لے گیا) سے ملتا ہے۔ کیونکہ لے جانے والا تو خدا ہے جو قادر مطلق اور جمیع نقائص سے پاک ہے پس اگر وہ اپنے کامل بندے حضرت محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ سید ولد آدم صلے اللہ علیہ وسلم کو جسم اطہر کے ساتھ حالت بیداری میں رات کے ایک حصے میں خانہ کعبہ سے بیت المقدس تک اور بیت المقدس سے آسمانوں کے اوپر جہاں تک چاہا لے گیا۔ تو اس میں کونسا استحالہ لازم آتا ہے۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

شق القمر معجزہ شق القمر قرآن کریم کی آیہ ذیل سے ثابت ہے:۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ (سورہ قمر۔ شروع)	پاس آگئی وہ گھڑی اور پھٹ گیا چاند۔ اور اگر وہ دیکھیں کوئی نشانی۔ ٹال دیں اور کہیں۔ یہ جادو ہے چلا آتا۔

پہلی آیت کا یہ مطلب ہے۔ کہ قیامت قریب آگئی۔ اور دنیا کی عمر کا قلیل حصہ باقی رہ گیا۔ کیونکہ شق القمر جو منجملہ علامات قیامت تھا وقوع میں آگیا۔ وانشق القمر سے مراد یہ ہے۔ کہ شق القمر کا وقوع بالفعل حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہو چکا۔ اس معنی کی تائید حضرت حذیفہ کی قراءت سے ہوتی ہے۔ وَقَدِ انْشَقَّ الْقَمَرُ (اور حال یہ کہ چاند پھٹ چکا) کیونکہ اس صورت میں یہ جملہ حال ہوگا۔ اور قیامت سے پہلے اقتراب ساعت اور وقوع انشقاق میں مقارنت کا مقتضی ہوگا۔ اور اس معنے کی تائید آیۂ مابعد سے ہوتی ہے۔ کیونکہ اس کا مقتضا یہ ہے۔ کہ شق القمر ایک معجزہ ہے۔ جسے کفار قریش نے دیکھا اور ٹال دیا۔ اور اس سے پہلے بھی وہ پے درپے معجزات دیکھ چکے تھے۔ کہ اسے دیکھ کر سحر مستمر بتلانے لگے۔ اسی معنے پر مفسرین کا اجماع ہے۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ میں بصراحت تام یہ قصہ مذکور ہے۔ کہ رات کے وقت کفارِ قریش نے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی نشان طلب کیا۔ جو آپ کی نبوت پر شاہد ہو۔ پس

[1] اگر زیادہ تفصیل مطلوب ہو۔ تو تحفۂ احمدیہ در ثبوت معراج محمدیہ مصنفہ شیخنا العلام مولانا مولوی مشتاق احمد صاحب انبہٹوی چشتی صابری مع حواشی خاکسار دفتر انجمن نعمانیہ ہند لاہور سے طلب فرماکر مطالعہ کریں۔

آپ نے اُن کو یہ معجزہ دکھلایا۔ اس معجزے کے راوی حضرت علیؓ۔ ابن مسعودؓ۔ حذیفہؓ۔ ابن عمرؓ ابن عباسؓ۔ اور انس وغیرہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ اِن میں سے پہلے چار صحابہ کرام نے تو بچشم خود دیکھا۔ کہ چاند دو ٹکڑے[1] ہو گیا۔ ایک ٹکڑا ایک پہاڑ پر اور دوسرا دوسرے پہاڑ پر تھا۔ یہ وہ معجزہ ہے۔ کہ کسی دوسرے پیغمبر کے لئے وقوع میں نہیں آیا۔ اور بطریق تواتر ثابت ہے۔

سوال

کیا اہل مکہ کے سوا اور لوگوں نے بھی شق القمر دیکھا؟۔

جواب

اہل مکہ کے علاوہ اطراف سے آنے والے مسافروں نے بھی شق القمر کی شہادت دی۔ چنانچہ مسند[2] ابو داؤد طیالسی (متوفی ۲۰۴ھ) میں بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ مذکور ہے۔ کہ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چاند پھٹ گیا۔ کفار قریش نے دیکھ کر کہا۔ کہ یہ ابو کبشہ[3] کے بیٹے کا جادو ہے۔ پھر وہ کہنے لگے۔ کہ مسافر جو آئیں گے۔ اُن سے پوچھیں گے۔ دیکھیں وہ کیا کہتے ہیں۔ کیونکہ (حضرت) محمدؐ کا جادو تمام لوگوں پر نہیں چل سکتا۔ چنانچہ مسافر آئے۔ اور انہوں نے کہا۔ کہ ہم نے بھی شق القمر دیکھا ہے" اگر بالفرض بعض جگہ نظر نہ آیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ اختلاف مطالع کے سبب سے بعض مقامات میں چاند کا طلوع ہوتا ہی نہیں۔ اسی لئے چاند گہن سب جگہ نظر نہیں آتا۔ اور بعض دفعہ دوسری جگہوں میں ابر یا پہاڑ وغیرہ چاند کے آگے حائل ہو جاتا ہے۔

سوال

اگر شق القمر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وقوع میں آیا۔ جسے اب تیرہ سو

---

[1] بعض قصہ خواں بیان کیا کرتے ہیں۔ کہ چاند جناب رسالتمآب کی جیب میں داخل ہوا اور آستین سے نکل گیا۔ مگر یہ بے اصل ہے۔

[2] مسند ابی داؤد طیالسی۔ مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن۔ جزو اول۔ صفحہ ۳۸

[3] ابو کبشہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک جد مادری تھا۔ زمانہ جاہلیت میں قریش بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ اور وہ اُن کے خلاف شعریٰ عبور کی پرستش کرتا تھا۔ اس لئے جب حضور نے بتوں کی پرستش میں قریش کی مخالفت کی۔ اور خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کی تعلیم دی۔ تو وہ آپ کو اس مخالفت کے سبب ابو کبشہ کا بیٹا کہا کرتے تھے۔

سال سے زیادہ ہو چکے ہیں۔ تو یہ کس طرح قرب قیامت کا نشان ہو سکتا ہے۔ جواب تک نہیں آئی۔

جواب

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک اور آپ کی نبوت قرب قیامت کی علامات میں سے ہے یعنی اس امر کا ایک نشان ہے۔ کہ دنیا کی عمر کا اکثر حصہ گزر چکا ہے۔ اور بہت تھوڑا باقی رہ گیا ہے۔ چنانچہ صحیحین میں ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَۃُ کَھَاتَیْنِ[1]۔ جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ آپ نے انگشت سبابہ و وسطےٰ کے ساتھ اشارہ کر کے فرمایا۔ کہ میری بعثت اور قیامت ان دو انگلیوں کی مانند ہے۔ جس قدر وسطےٰ سبابہ سے پیشتر ہے۔ قیامت سے پہلے میرا مبعوث ہونا بھی اسی کی مانند ہے۔ کہ میں پہلے آ گیا ہوں اور قیامت میرے پیچھے آ رہی ہے۔ پس جب آپ کی نبوت قرب قیامت کی علامت ہوئی۔ تو شق القمر کا بالفعل وقوع بھی جو آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔ قرب قیامت کا نشان ٹھہرا۔

ردّ الشمس حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ ایک دفعہ صہبا[2] میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی آ رہی تھی۔ اور آپ کا سر مبارک حضرت علی رضؓ کی گود میں تھا۔ پس حضرت علی رضؓ نے نماز عصر نہ پڑھی یہانتک کہ آفتاب غروب ہو گیا۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز عصر پڑھ لی تھی۔ اس لئے آپ نے حضرت علی رضؓ سے دریافت فرمایا۔ کہ کیا تم نے نماز پڑھ لی؟ حضرت علی نے عرض کیا کہ نہیں۔ اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یا اللہ[3] یہ تیری طاعت میں اور تیرے رسول کی طاعت میں تھا پس تو اس کے لئے آفتاب کو واپس لا۔ حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ میں نے آفتاب کو دیکھا۔ کہ غروب ہو گیا تھا۔ پھر میں نے دیکھا۔ کہ غروب ہونے کے بعد نکل آیا۔ اور اُس کی شعاع پہاڑوں اور زمین پر پڑی؛

ردّ الشمس کی طرح حبس الشمس بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے وقوع میں آیا ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ شریف۔ باب قرب الساعۃ۔

[2] عرب میں خیبر سے ایک منزل کے فاصلہ پر ایک مقام کا نام ہے۔

[3] اللّٰھم انہ کان فی طاعتک وطاعۃ رسولک فاردد علیہ الشمس (شفاء و مواہب و خصائص کبریٰ) اس حدیث کو امام طحاوی اور قاضی عیاض نے صحیح کہا ہے۔ اور ابن مندہ و ابن شاہین و طبرانی نے اُسے ایسے اسناد کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ جن میں سے بعض صحیح کی شرط پر ہیں۔ اور ابن مردویہ نے اسناد حسن کے ساتھ اسے روایت کیا ہے؛

چنانچہ شب معراج کی صبح کو جب کفار قریش نے حضور سے اپنے قافلوں کے حالات پوچھے تو آپ نے ایک قافلہ کی نسبت فرمایا۔ کہ وہ چہار شنبہ کے دن آئے گا۔ قریش نے اُس دن انتظار کیا۔ یہانتک کہ سورج غروب ہونے لگا اور وہ قافلہ نہ آیا۔ اُس وقت آپ نے دعا فرمائی۔ تو اللہ تعالےٰ نے سورج کو ٹھہرا رکھا اور دن میں اضافہ کر دیا یہانتک کہ وہ قافلہ آپہنچا[۱]۔

مُردوں کو زندہ کرنا امام بیہقی[۲] نے دلائل النبوت میں روایت کی ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دعوت اسلام دی۔ اُس نے جواب دیا۔ کہ مَیں آپ پر ایمان نہیں لاتا۔ یہاں تک کہ میری بیٹی زندہ کی جائے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ مجھے اُس کی قبر دکھا۔ اُس نے آپ کو اپنی بیٹی کی قبر دکھائی۔ تو آپ نے اُس لڑکی کو نام لے کر پکارا۔ لڑکی نے قبر سے نکل کر کہا۔ لَبَّیْکَ[۳] وَسَعْدَیْکَ پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تو پسند کرتی ہے کہ دنیا میں پھر آجائے؟ اس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ قسم ہے اللہ کی۔ میں نے اللہ کو اپنے والدین سے بہتر پایا۔ اور اپنے لئے آخرت کو دنیا سے اچھا پایا۔

حافظ ابو نعیم[۴] نے کعب بن مالک کی روایت سے نقل کیا ہے۔ کہ حضرت جابر بن عبد اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ اور آپ کا چہرہ متغیر پایا۔ اس لئے وہ اپنی بیوی کے پاس واپس آئے۔ اور کہنے لگے۔ مَیں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر دیکھا ہے۔ میرا گمان ہے کہ بھوک کے سبب سے ایسا ہے۔ کیا تیرے پاس کچھ موجود ہے؟ بیوی نے کہا۔ اللہ کی قسم! ہمارے پاس یہ بکری اور کچھ بچا ہوا توشہ ہے۔ پس میں نے بکری کو ذبح کیا۔ اور اُس نے دانے پیس کر روٹی اور گوشت پکایا۔ پھر ہم نے ایک پیالہ میں ثرید[۵] بنایا۔ پھر مَیں اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گیا۔ آپ نے فرمایا۔ اے جابر! اپنی قوم کو جمع کرلے۔ پس میں اُن کو لے کر آپ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے فرمایا۔ اُن کو میرے پاس جدا جدا جماعتیں بنا کر بھیجتے رہو۔ اِس طرح وہ کھانے لگے۔

---

[۱] شفا شریف۔ اس حدیث کو طبرانی نے معجم اوسط میں بسند حسن حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت کیا ہے (مواہب لدنیہ) اور بیہقی نے اسماعیل بن عبد الرحمٰن سے بطریق ارسال نقل کیا ہے (خصائص کبرےٰ للسیوطی)

[۲] دیکھو مواہب لدنیہ۔

[۳] ترجمہ۔ میں تیری طاعت کے لئے اور تیرے دین کی تائید کے لئے حاضر و تیار ہوں۔

[۴] خصائص کبرےٰ۔ جزء ثانی۔ ص ۹۰۔

[۵] ایک قسم کا کھانا ہے۔ جو روٹی کے ٹکڑوں کو گوشت کے شوربا میں تر کرنے سے تیار ہوتا ہے۔

جب ایک جماعت سیر ہو جاتی۔ تو وہ نکل جاتی۔ اور دوسری آتی۔ یہاں تک کہ سب کھا چکے۔ اور پیالے میں جتنا پہلے تھا۔ اتنا ہی بچ رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ کھاؤ اور ہڈی نہ توڑو۔ پھر آپ نے پیالے کے وسط میں ہڈیوں کو جمع کیا۔ اور اُن پر اپنا ہاتھ مبارک رکھا۔ پھر آپ نے کچھ کلام پڑھا جسے میں نے نہیں سُنا۔ ناگاہ وہ بکری کان جھاڑتی اُٹھی۔ آپ نے مجھ سے فرمایا۔ اپنی بکری لے جا۔ پس میں اپنی بیوی کے پاس آیا۔ وہ بولی یہ کیا ہے۔ میں نے کہا۔ اللہ کی قسم! یہ ہماری بکری ہے۔ جسے ہم نے ذبح کیا تھا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے دعا مانگی پس اللہ نے اُسے زندہ کر دیا۔ یہ سُن کر میری بیوی نے کہا۔ میں گواہی دیتی ہوں۔ کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔

غزوہ خیبر کے بعد سلام بن مشکم یہودی کی زوجہ نے بکری کا زہر آلودہ گوشت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجا۔ آپ اُس میں سے بازو اُٹھا کر کھانے لگے۔ وہ بازو بولا کہ مجھ میں زہر ڈالا گیا ہے۔ وہ یہودیہ طلب کی گئی۔ تو اُس نے اعتراف کیا کہ میں نے اس گوشت میں زہر ملائی ہے۔ یہ معجزہ مُردے کے زندہ کرنے سے بھی بڑھ کر ہے۔ کیونکہ یہ میت کے ایک جزو کا زندہ ہونا ہے۔ حالانکہ اس کا بقیہ جو اس سے منفصل تھا مُردہ ہی تھا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے والدین کا آپ کی خاطر زندہ کیا جانا۔ اور اُن کا آپ پر ایمان لانا بھی بعض احادیث میں وارد ہے۔ علامہ سیوطی نے اس بارے میں کئی رسالے تصنیف کئے ہیں۔ اور دلائل سے اُسے ثابت کیا ہے۔ جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء۔

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے توسّل سے بھی مُردے زندہ ہو گئے۔ چنانچہ حضرت انس[1] رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہ انصار میں سے ایک جوان نے وفات پائی۔ اُس کی ماں اندھی بڑھیا تھی۔ ہم نے اُس جوان کو کفنا دیا۔ اور اُس کی ماں کی ماتم پرسی کی۔ ماں نے کہا۔ کیا میرا بیٹا مر گیا ہے۔ ہم نے کہا۔ ہاں۔ یہ سُن کر اُس نے یوں دعا مانگی۔ یا اللہ اگر تجھے معلوم ہے۔ کہ میں نے تیری طرف اور تیرے نبی کی طرف اس امید پر ہجرت کی ہے۔ کہ تو ہر مشکل میں میری مدد کرے۔ تو اس مصیبت کی مجھے تکلیف نہ دے۔ ہم وہیں بیٹھے تھے۔ کہ اُس جوان نے اپنے چہرے پر سے

[1] مواہب لدنیہ۔ اس حدیث کو ابن عدی ابن ابی الدنیا بیہقی اور ابو نعیم نے نقل کیا ہے۔

کپڑا اٹھا دیا۔ اور کھانا کھایا۔ اور ہم نے بھی اُس کے ساتھ کھایا۔

انقلاب اعیان | جن چیزوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک لگا یا حضور کے استعمال میں آئیں۔ ان کی حقیقت و ماہیت و صورت بدل گئی۔ بغرض توضیح ذیل میں چند مثالیں درج کی جاتی ہیں:۔

ایک رات مدینہ منورہ کے لوگ ڈر گئے (گویا کوئی چور یا دشمن آتا ہے) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو طلحہ کا گھوڑا لیا جو سُست رفتار تھا۔ اور اُس پر بغیر زین کے سوار ہو کر اکیلے جنگل کی طرف تشریف لے گئے۔ آپ کے بعد لوگ بھی سوار ہو کر اُس طرف نکلے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو واپس آتے ہوئے ملے۔ آپ نے فرمایا۔ "ڈرو نہیں۔ ڈرو نہیں"۔ اور گھوڑے کی نسبت فرمایا۔ کہ ہم نے اِسے دریا کی مانند تیز رفتار پایا۔ اُس دن سے وہ گھوڑا ایسا چالاک بن گیا۔ کہ کوئی دوسرا گھوڑا اُس سے آگے نہ بڑھ سکتا تھا[1]۔

حضرت ام مالک کے پاس ایک چمڑے کی کُپّی تھی۔ جس میں وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گھی بطور ہدیہ بھیجا کرتی تھیں۔ ایک روز حضور نے فرمایا کہ اِس کو نہ نچوڑنا۔ یہ فرما کر آپ نے کُپّی ام مالک کو دے دی۔ وہ کیا دیکھتی ہیں کہ کُپّی گھی سے بھری ہوئی ہے۔ ام مالک کے لڑکے آکر نانخورش مانگتے۔ تو وہ کُپّی میں گھی بدستور پاتیں۔ غرض وہ گھی اسی طرح خرچ ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ ایک روز ام مالک نے کُپّی کو نچوڑا تو خالی ہو گئی[2]۔

امّ اوس بہزیہ نے کُپّی میں گھی ڈال کر بطور ہدیہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے قبول فرمایا اور کُپّی میں سے گھی نکال لیا۔ اور ام اوس کے لئے دعائے برکت فرما کر کُپّی واپس کر دی۔ جب ام اوس نے دیکھا۔ تو گھی سے بھری ہوئی پائی۔ اُسے خیال آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ قبول نہیں فرمایا۔ اس لئے وہ فریاد کرتی ہوئی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی۔ حضور کے ارشاد سے صحابہ کرام نے اُس سے حقیقت حال بیان کر دی۔ ام اوس اُس کُپّی میں سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بقیہ عمر شریف اور خلافت صدیقی و فاروقی و عثمانی میں گھی کھاتی رہی

---

[1] بخاری کتاب الجہاد۔ باب السرعة والرکض فی الفزع۔

[2] صحیح مسلم و شفا شریف۔

یہانتک کہ حضرت علی و امیر معاویہ کے درمیان جنگ وقوع میں آیا[۱]۔

حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب قرشی عدوی کوتاہ قد پیدا ہوئے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا اور دعا فرمائی۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ عبدالرحمٰن جب کسی قوم میں ہوتے۔ تو قد میں سب سے بلند نظر آتے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔

ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز عشاء کے لئے نکلے۔ رات اندھیری تھی اور بارش ہو رہی تھی۔ آپ نے حضرت قتادہ بن نعمان انصاری کو دیکھا۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ میں نے خیال کیا کہ نمازی کم ہوں گے۔ اس لئے میں نے چاہا کہ جماعت میں شامل ہو جاؤں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر حضرت قتادہ کو ایک کھجور کی ڈالی دی اور فرمایا۔ کہ یہ ڈالی دس ہاتھ تمہارے آگے اور دس ہاتھ پیچھے روشنی کرے گی۔ جب تم گھر پہنچو۔ تو اس میں ایک سیاہ شکل دیکھو گے۔ اُس کو مار کر نکال دینا۔ کیونکہ وہ شیطان ہے۔ جس طرح حضور نے فرمایا۔ ویسا ہی ظہور میں آیا[۲]۔

جنگ بدر میں حضرت عکاشہ بن محصن کی تلوار ٹوٹ گئی۔ وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ حضور نے اُن کو ایک لکڑی عنایت فرمائی۔ جب حضرت عکاشہ نے ہاتھ میں لے کر ہلائی تو وہ ایک سفید مضبوط لمبی تلوار بن گئی۔ جس سے وہ جنگ کرتے رہے۔ اس تلوار کا نام عون تھا۔ حضرت عکاشہ اسی کے ساتھ جہاد کیا کرتے تھے یہانتک کہ حضرت صدیق اکبر کے عہد میں ایام الردۃ میں شہید ہو گئے[۳]۔

جنگ اُحد میں حضرت عبداللہ بن جحش کی تلوار ٹوٹ گئی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو ایک کھجور کی شاخ عطا فرمائی۔ وہ اُن کے ہاتھ میں تلوار بن گئی۔ جس کے ساتھ وہ جنگ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ اس تلوار کو عُرجون کہتے تھے[۴]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پانی کا مشکیزہ لیا۔ اُس کا منہ باندھ کر دعا فرمائی اور

---

[۱] اصابہ بحوالہ طبرانی و ابن مندہ و ابن السکن۔ ترجمہ ام اوس بہزیہ۔
[۲] شفا شریف و مسند امام احمد۔
[۳] سیرت ابن ہشام۔
[۴] استیعاب و اصابہ۔

صحابہ کرام کو عطا فرمایا۔ جب نماز کا وقت آیا۔ تو انہوں نے اُسے کھولا۔ کیا دیکھتے ہیں کہ بجائے پانی کے اُس میں تازہ دود ہے۔ اور اُس کے مُنہ پر جھاگ آرہی ہے۔[۱]

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سلمان فارسی کے لئے جو کھجور کے پیڑ اپنے دست مبارک سے لگائے تھے وہ ایک ہی سال میں پھل لائے۔ بانجھ بکری کے تھنوں پر آپ کا دست مبارک پھر گیا۔ تو دود دینے لگی۔ گنجے کے سر پر دست شفا پھیرا۔ تو اُسی وقت بال اُگ آئے۔ اس قسم کی برکات کا ذکر حضور کے حلیہ شریف کے بیان میں آچکا ہے۔

بچوں کی شہادت معرض بن معیقیب یمانی سے روایت ہے۔ کہ میں نے حجۃ الوداع کیا۔ اور مکہ میں ایک گھر میں داخل ہوا۔ میں نے اُس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ سے ایک عجیب امر دیکھنے میں آیا۔ اہل یمامہ میں سے ایک شخص آپ کی خدمت میں ایک بچہ لایا۔ جو اُسی دن پیدا ہوا تھا۔ آپ نے اُس سے پوچھا۔ اے بچے! میں کون ہوں؟۔ وہ بولا۔ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ تو نے سچ کہا۔ اللہ تجھے برکت دے۔ پھر اُس کے بعد اُس بچے نے کلام نہ کیا۔ یہاں تک کہ وہ جوان ہوگیا۔ ہم اُسے مبارک الیمامہ کہا کرتے تھے۔[۲]

حضرت شمر بن عطیہ نے اپنے بعض شیوخ سے روایت کی ہے۔ کہ ایک عورت نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک لڑکا لائی۔ جو جوان ہوگیا تھا۔ اُس نے کہا۔ کہ میرے اس بیٹے نے جب سے پیدا ہوا کلام نہیں کیا۔ پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس لڑکے سے پوچھا۔ کہ میں کون ہوں؟ اُس نے جواب دیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔[۳]

بیماروں کو شفا دینا حضرت فدیک بن عمرو السلامانی کی دونوں آنکھیں سفید ہوگئی تھیں۔ اور وہ کچھ نہ دیکھ سکتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دم کردیا۔ وہ ایسے بینا ہوگئے۔ کہ اسّی برس کی عمر میں سوئی میں دھاگا ڈال سکتے تھے۔[۴]

---

[۱] شفا شریف و ابن سعد۔
[۲] اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ مواہب لدنیہ۔
[۳] اس حدیث کو امام بیہقی نے روایت کیا ہے۔ خصائص کبرے۔ جزو ثانی۔ صفحہ ۶۹۔ یہ حدیث مرسل ہے کیونکہ حضرت شمر بن عطیہ اتباع تابعین میں سے ہیں۔ دیکھو زرقانی علی المواہب۔
[۴] اس حدیث کو ابن ابی شیبہ و بغوی و بیہقی و طبرانی و ابونعیم نے روایت کیا ہے (مواہب لدنیہ)

امام رازیؒ نے ذکر کیا ہے۔ کہ حضرت معاذ بن عفراء کی بیوی کو برص کی بیماری تھی۔ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی۔ آپ نے اپنا عصا مبارک اُس کے بدن پر پھیر دیا۔ اُسی وقت مرض جاتا رہا۔

حضرت ابو سبرہؓ کے ہاتھ میں ایک ایسی گلٹی تھی۔ کہ اونٹ کی مہار نہ پکڑ سکتے تھے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک تیر منگوایا اور گلٹی پر پھیر دیا۔ وہ فوراً جاتی رہی۔

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے سر پر اور چہرے پر ورم ہوگیا تھا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ شفاء کپڑے پر سے اُس کے چہرے اور سر پر رکھا اور دعا فرمائی۔ اُسی وقت ورم جاتا رہا۔

حضرت جبیب بن یساف ذکر کرتے ہیں۔ کہ میں ایک غزوہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ میری گردن پر ایک ضرب شدید ایسی لگی۔ کہ میرا بازو لٹک پڑا۔ میں حضور کے پاس آیا۔ آپ نے اپنا لعاب دہن لگا دیا اور بازو کو اُس کی جگہ پر چسپاں کر دیا۔ وہ فوراً چنگا ہوگیا۔ اور میں نے اُسے قتل کر دیا۔ جس نے ضرب شدید لگائی تھی۔

حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر ڈاڑھ کے درد کی شکایت کی۔ آپ نے اپنا ہاتھ مبارک میرے رُخسارے کی اس جگہ پر رکھا۔ جہاں درد تھا اور دعا فرمائی۔ ابھی آپ نے دست شفاء وہاں سے نہ اُٹھایا تھا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے شفا دی۔

حضرت جرہد بائیں ہاتھ سے کھانا کھایا کرتے تھے۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ۔ انہوں نے عرض کیا کہ دائیں ہاتھ میں کچھ شکایت ہے۔ جس کے سبب سے کھایا نہیں جاتا۔ حضور نے اُس ہاتھ پر دم کر دیا۔ حضرت جرہد کو پھر عمر بھر یہ شکایت نہ ہوئی۔

عنوان بالا کے متعلق اور مثالیں حلیہ شریف میں دہان مبارک اور لعاب مبارک اور دست مبارک کے تحت میں مذکور ہو چکی ہیں۔ جن کے دُہرانے کی یہاں ضرورت نہیں۔

طعام قلیل کو کثیر بنا دینا حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ غزوہ احزاب کے دن ہم خندق

۱؎ مواہب لدنیہ۔ کتاب فی المعجزات۔
۲؎ اس حدیث اور احادیث آئندہ کے لئے دیکھو خصائص کبرےٰ للسیوطی۔ جزو ثانی۔ صفحہ
۳؎ یہ حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہے (مشکوٰۃ باب فی المعجزات)۔

کھود رہے تھے۔ ایک سخت زمین ظاہر ہوئی۔ صحابہ کرام نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ اور عرض کی۔ کہ خندق میں سخت زمین پیش آگئی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میں خندق میں اترتا ہوں۔ پھر آپ کھڑے ہوئے۔ اور بھوک کی شدت سے آپ کے شکم مبارک پر پتھر بندھا ہوا تھا۔ ہم نے بھی تین دن سے کچھ نہ چکھا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کدال لیا اور مارا۔ وہ سخت زمین ریگ رواں کا ایک ڈھیر بن گئی۔ میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی حالت دیکھ کر اپنی بیوی کے پاس آیا۔ اور اُس سے کہا۔ کیا تیرے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے۔ میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم میں سخت بھوک کا نشان دیکھا ہے۔ میری بیوی نے ایک تھیلی نکالی۔ جس میں ایک صاع[1] جَو تھے۔ ہمارے ہاں گھر میں ایک پلا ہوا بکری کا بچہ تھا۔ میں نے اُسے ذبح کیا۔ میری بیوی نے جَو پیس لئے۔ ہم نے گوشت دیگ میں ڈال دیا۔ پھر میں نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ اور چپکے سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! ہم نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا ہے۔ اور میری بیوی نے ایک صاع جَو پیسے ہیں۔ آپ مع چند صحابہ کے تشریف لائیں۔ یہ سُن کر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے آواز دی۔ اے اہل خندق جابر نے ضیافت تیار کی ہے۔ جلدی آؤ۔ پھر نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا۔ تم میرے آنے تک دیگ نہ اُتارنا۔ اور خمیر کو نہ پکانا۔ جب آپ تشریف لائے۔ تو میری بیوی نے آپ کے سامنے خمیر نکالا۔ آپ نے اُس میں اپنے دہن مبارک کا لعاب ڈال دیا۔ اور دعائے برکت فرمائی پھر ہماری دیگ کی طرف آئے۔ اُس میں بھی لعاب مبارک ڈال دیا۔ اور دعائے برکت فرمائی پھر میری بیوی سے فرمایا۔ روٹی پکانے والی کو بلا۔ کہ تیرے ساتھ روٹی پکائے۔ تو اپنی دیگ میں سے کفگیر سے گوشت نکالنا۔ اور دیگ کو چولھے پر سے نہ اُتارنا۔ راوی کا بیان ہے۔ کہ اہل خندق ایک ہزار تھے۔ مجھے اللہ کی قسم ہے کہ سب کھا چکے۔ یہاں تک کہ اُسے باقی چھوڑ گئے۔ اور واپس چلے گئے۔ مگر دیگ اُسی طرح جوش مار رہی تھی۔ اور خمیر اُسی طرح پکایا جا رہا تھا![2]

حضرت ابوہریرہ[3] رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ غزوۂ تبوک کے دن لوگوں کو بھوک لگی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کہ آپ ان کو حکم دیں۔ کہ جس کے

---

[1] ایک صاع قریبًا ساڑھے تین سیر پختہ کا ہوتا ہے۔

[2] یہ حدیث صحیح مسلم میں ہے۔ (مشکوٰۃ باب فی المعجزات)۔

پاس بچا ہوا توشہ ہے لے آئے۔ پھر آپ اُس پر دعائے برکت فرمائیں۔ آپ نے منظور فرمایا۔ اور چمڑے کا فرش طلب کیا۔ وہ بچھا دیا گیا۔ تو آپ نے صحابہ کرام کا بچا ہوا توشہ طلب فرمایا۔ کوئی چینہ کی مُٹھی لا رہا تھا۔ کوئی چھواروں کی مٹھی بھرے آ رہا تھا۔ کوئی روٹی کا ٹکڑا لا رہا تھا۔ یہاں تک کہ فرش پر تھوڑا سا توشہ جمع ہو گیا۔ پس رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے دعائے برکت فرمائی۔ پھر فرمایا کہ اپنے برتنوں میں ڈال کر لے جاؤ۔ چنانچہ لوگ اپنے برتنوں میں لے گئے یہاں تک کہ انہوں نے لشکر میں کوئی برتن نہ چھوڑا۔ جسے بھرا نہ ہو۔ راوی (حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ) کا بیان ہے۔ کہ تمام لشکر[1] نے پیٹ بھر کر کھایا۔ اور بچ بھی رہا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں اس امر کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود بحق نہیں۔ اور اس امر کی کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ ان دو شہادتوں کے ساتھ کوئی بندہ شک نہ کرنے والا اللہ سے نہ ملے گا۔ کہ بہشت سے روک دیا جائے؛

حضرت عبدالرحمٰن[2] بن ابی بکر صدیق بیان کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہم ایک سو تیس شخص تھے۔ آپ نے پوچھا۔ کہ کیا تمہارے پاس طعام ہے۔ ایک شخص کے پاس ایک صاع طعام نکلا۔ جو گوندھا گیا۔ پھر ایک مشرک دراز قد ژولیدہ مُو بکریاں ہانکتا آیا۔ آپ نے اس سے ایک بکری خریدی۔ اسے ذبح کیا گیا۔ اور آپ کے حکم سے اُس کا کلیجہ بھونا گیا۔ آپ نے اس کلیجہ کی ایک ایک بوٹی سب کو دی۔ پھر گوشت دو پیالوں میں ڈال دیا۔ سب نے سیر ہو کر کھایا اور دونوں پیالے بچ رہے۔ ہم نے بچے ہوئے کھانے کو اونٹ پر رکھ لیا۔ واضح رہے کہ اس قصہ میں دو معجزے ہیں۔ ایک تکثیر کلیجہ دوسرے تکثیر صاع و گوشت۔

حضرت ابوہریرہ[3] بیان کرتے ہیں۔ کہ میں بھوک کی شدت سے اپنے پیٹ کو زمین سے لگایا کرتا تھا۔ اور کبھی پیٹ پر پتھر باندھ لیا کرتا تھا۔ ایک دن میں اُس راستے میں بیٹھ گیا۔ جہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام گزرا کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پاس سے

---

[1] کہتے ہیں کہ غزوہ تبوک میں لشکر کی تعداد ایک لاکھ کو پہنچ گئی تھی۔ کذا فی اشعۃ اللمعات۔

[2] صحیح بخاری باب قبول الہدیۃ من المشرکین۔

[3] صحیح بخاری۔ باب کیف کان عیش النبی صلے اللہ علیہ وسلم و اصحابہ۔

گزرے۔ میں نے اُن سے قرآن کی آیت پوچھی تاکہ آپ میرا پیٹ بھر دیں۔ مگر انہوں نے کچھ توجہ نہ کی۔ اور گزر گئے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے۔ میں نے ان سے بھی ایک آیت پوچھی۔ مگر انہوں نے بھی کچھ توجہ نہ کی۔ اس کے بعد حضرت ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم پاس سے گزرے۔ تو میری حالت کو دیکھ کر مسکرائے۔ اور فرمایا۔ کہ میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ آپ دولتخانہ میں تشریف لے گئے تو ایک پیالہ میں کچھ دودھ دیکھا۔ آپ نے دریافت کیا۔ کہ یہ دودھ کیسا ہے؟۔ جواب ملا۔ کہ ہدیہ ہے۔ مجھ سے فرمایا۔ کہ اہل صفہ کو بلا لاؤ۔ آپ کا معمول تھا کہ آپ کے پاس صدقہ آتا۔ تو اُسے اہل صفہ کے لئے بھیج دیتے۔ اور اس میں سے خود کچھ نہ کھاتے۔ اگر ہدیہ آتا۔ تو اہل صفہ کو بلا کر اس میں شریک کر لیتے۔ میں نے اپنے جی میں کہا۔ کہ اتنے دودھ سے اہل صفہ کو کیا ہوگا۔ اس کا تو میں ہی زیادہ مستحق تھا۔ مگر ارشاد تعمیل سے چارہ نہ تھا۔ میں ان سب کو بلا لایا۔ آپ نے مجھے وہ پیالہ دیا۔ اور فرمایا۔ کہ ان کو پلاؤ۔ میں ایک ایک کو پلاتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ سب سیر ہو گئے۔ آپ نے پیالہ لے کر اپنے دست مبارک پر رکھا۔ اور میری طرف دیکھ کر مسکرائے۔ پھر فرمایا۔ ابو ہریرہ! میں اور تم دونوں باقی ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ نے سچ فرمایا۔ آپ نے فرمایا۔ بیٹھ جاؤ اور پیو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ پھر فرمایا کہ پیو۔ میں نے پھر پیا۔ اسی طرح آپ فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ میں نے عرض کیا۔ کہ اب پیٹ میں گنجایش نہیں۔ بعد ازاں باقی آپ نے پی لیا۔[۱]

حضرت جابرؓ ذکر کرتے ہیں۔ کہ ایک بدوی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے طعام کا سوال کیا حضور نے اُسے آدھا وسق جَو عنایت فرمائے۔ وہ اور اس کی بیوی اور اس کے مہمان ان کو کھاتے رہے (اور وہ کم نہ ہوتے) یہانتک کہ ایک روز اُس نے اُن کو ماپ لیا (تو وہ کم ہونے لگے) اُس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اس واقعہ کی اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تو ان کو نہ ماپتا۔ تو تم عمر بھر کھاتے رہتے اور وہ کم نہ ہوتے۔[۲]

حضرت انسؓ بن مالک کا بیان ہے کہ ابو طلحہؓ (والد انسؓ) نے ام سلیمؓ (والدہ انسؓ) سے کہا۔ کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میں بھوک کی شدت سے ضعف کے آثار دیکھے ہیں۔ کیا

---

[۱] مواہب لدنیہ بحوالہ صحیح مسلم۔
[۲] صحیح بخاری۔ باب علامات النبوۃ فی الاسلام۔

گھر میں کچھ ہے۔ ام سلیم نے جَو کی چند روٹیاں کپڑے میں لپیٹ کر میرے ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجیں۔ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا۔ آپ مع اصحاب مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا۔ کہ ام سلیم کے گھر چلو۔ مَیں گھر میں پہلے پہنچ گیا۔ اور ابو طلحہ سے صورت حال بیان کردی۔ ابو طلحہ نے راستے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کیا۔ جب حضور گھر میں داخل ہوئے۔ تو ام سلیم سے فرمایا۔ کہ ما حضر لے آؤ۔ آپ کے ارشاد سے روٹیوں کے ٹکڑے کرکے اُن پر کچھ گھی نچوڑ دیا گیا۔ پھر آپ نے دعا فرمائی۔ اور اصحاب میں سے دس کو طلب کیا۔ وہ سیر ہو گئے تو پھر اور دس کو طلب کیا۔ اسی طرح ستّر یا اسّی اصحاب نے سیر ہو کر کھایا۔[۱]

حضرت ابوہریرہ کا بیان ہے۔ کہ میں چند کھجوریں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا۔ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! ان میں دعائے برکت فرمائیں۔ آپ نے دست مبارک میں لے کر دعائے برکت فرمائی۔ اور فرمایا کہ لو۔ ان کو اپنے توشہ دان میں رکھ لو۔ جس وقت اِن میں سے کچھ لینا چاہو۔ تو ہاتھ ڈال کر نکال لیا کرنا۔ اور توشہ دان کو نہ جھاڑنا۔ میں نے ان میں سے اتنے اتنے وسق[۱] راہ خدا میں دیدئے۔ ہم ان میں سے خود کھاتے اور دوسروں کو کھلاتے رہے۔ وہ توشہ دان میری کمر سے جدا نہ ہوتا تھا۔ یہانتک کہ جب حضرت عثمان کی شہادت کا دن آیا۔ تو وہ گم ہو گیا۔[۲]

کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ اُس دن فرماتے تھے۔

لِلنَّاسِ هَمٌّ وَلِيْ هَمَّانِ بَيْنَهُمُ	لوگوں کو ایک غم ہے اور مجھے دو غم ہیں۔
هَمُّ الْجِرَابِ وَهَمُّ الشَّيْخِ عُثْمَانَا	توشہ دان کے گم ہونے کا غم اور حضرت عثمان کے شہید ہونے کا غم

حضرت جابر[۳] بن عبداللہ انصاری کا بیان ہے کہ میرا والد اُحد کے دن شہید ہو گیا۔ اور چھ لڑکیاں اور بہت سا قرض چھوڑ گیا۔ جب کھجوروں کے توڑنے کا وقت آیا۔ تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ "یارسول اللہ! آپ کو معلوم ہے۔ میرا باپ اُحد کے دن

۱۔ وسق بار شتر و شصت صاع۔
۲۔ مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی۔ باب فی المعجزات۔
۳۔ صحیح بخاری۔ باب قضاء الوصی دیون المیت۔

شہید ہوگیا۔ اور بہت سا قرض چھوڑ گیا۔ میں چاہتا ہوں۔ کہ قرضخواہ آپ کی زیارت کریں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ تم جاؤ۔ اور ہر ایک قسم کی کھجوروں کا الگ الگ ڈھیر لگا دو۔ میں نے تعمیل ارشاد کی۔ اور آپ کو بلا لایا۔ جب قرضخواہوں نے آپ کو دیکھا۔ تو مجھے اور تنگ کرنے لگے۔ یہ دیکھ کر آپ سب سے بڑے ڈھیر کے گرد تین بار پھرے پھر بیٹھ گئے۔ اور فرمایا کہ قرضخواہوں کو بلاؤ۔ آپ ماپ کر ان کو دیتے رہے۔ یہاں تک کہ میرے باپ کی امانت اللہ نے ادا کر دی۔ حالانکہ میں اس پر راضی تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ میرے والد کی امانت ادا کر دے۔ خواہ میری بہنوں کے لئے ایک کھجور بھی نہ بچے۔ مگر اللہ کی قسم وہ تمام ڈھیر سالم رہے۔ میں نے اس ڈھیر کو دیکھا۔ جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے۔ اس میں سے ایک کھجور بھی کم نہ ہوئی تھی ۔

تکثیر طعام کی طرح حضور کی دعا و برکت سے قلیل پانی کا کثیر ہو جانا بھی بہت سی احادیث میں آیا ہے۔ اس قسم کا تکثیر طعام اور تکثیر آب جناب سیّد کائنات علیہ الوف التحیۃ والصلوٰۃ کی تربیت اور ولی نعمی کا اثر ہے۔ کیونکہ جس طرح حضور انور بحسب روحانیت قلوب و ارواح کے مربّی و مکمل ہیں۔ عالم جسمانیت میں ابدان و اشباح کے پرورش فرمانے والے بھی ہیں ؎

شکرِ فیضِ تو چمن چوں کند اے ابرِ بہار که اگر خار و اگر گُل ہمہ پروردۂ تست

شیخ عبد الحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ ایک روز میں صفا و مروہ کے درمیان بازار میں سے گزر رہا تھا۔ میں نے ایک سبزی فروش کو دیکھا۔ کہ سبزی پر پانی چھڑک رہا ہے۔ اور یوں کہہ رہا ہے:۔

يَا بَرَكَةَ النَّبِيِّ تَعَالَىٰ وَانْزِلِىْ ثُمَّ لَا تَرْتَحِلِىْ | اے نبی کی برکت۔ آ اور میرے مکان میں اتر۔ پھر کوچ نہ کر۔

اجابت دعا | حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ آپ جو دعا فرماتے وہ بارگاہِ رب العزت میں قبول ہوتی۔ یہ باب نہایت وسیع ہے۔ نظر بر اختصار صرف چند مثالیں[1] درج کی جاتی ہیں۔

حضرت انس بن مالک کی ماں نے حضور کی خدمت اقدس میں عرض کی۔ یا رسول اللہ! انس آپ کا ادنیٰ خادم ہے۔ اس کے حق میں دعائے خیر فرمائیں۔ پس آپ نے یوں دعا فرمائی۔ ”یا اللہ! تو

---

[1] ان مثالوں کے لئے۔ بخاری و مسلم و ترمذی اور دلائل ابی نعیم و دلائل بیہقی اور طبرانی دیکھو۔

اس کا مال و اولاد زیادہ کر۔ اور جو نعمت تو نے اسے دی ہے۔ اس میں برکت دے۔" ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ تو اس کی عمر زیادہ کر اور بہشت میں میرا رفیق بنا۔ یہ دعا ایسی مقبول ہوئی۔ کہ حضرت انس کے باغ میں کھجوروں کے درخت سال میں دو دفعہ پھل دیتے۔ اُن کی اولاد سو سے زیادہ تھی ایک کم سو برس کی عمر پائی۔ اخیر عمر میں فرماتے تھے۔ کہ مجھے امید ہے۔ کہ حسب دعائے جناب مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم میں بہشت میں آپ کا رفیق بھی ہوں گا۔

اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے حق میں دعا فرمائی تھی کہ اللہ تجھے برکت دے۔ اس دعا کی برکت سے اللہ تعالےٰ نے حضرت عبدالرحمٰن کو تجارت میں اس قدر نفع دیا۔ کہ جب ۳۱ھ میں انہوں نے وفات پائی۔ تو اُن کے ترکہ میں سے سونا کلہاڑیوں سے کھودا گیا۔ یہاں تک کہ کثرت کار سے ہاتھ زخمی ہو گئے۔ اور اُن کی چار بیویوں میں سے ہر ایک کو اسی ہزار (دینار؟) ملے۔ انہوں نے وصیت کی تھی کہ ایک ہزار گھوڑے اور پچاس ہزار دینار فی سبیل اللہ خیرات کر دئے جائیں۔ یہ تمام علاوہ ان صدقات کے تھا۔ جو انہوں نے اپنی زندگی میں کئے۔ چنانچہ ایک روز تیس غلام آزاد کئے۔ ایک مرتبہ سات سو اونٹوں کا کارواں مع مال و اسباب تصدق کر دیا۔ ایک دفعہ اپنا آدھا مال راہِ خدا میں دے دیا۔ پھر چالیس ہزار درہم۔ پھر چالیس ہزار دینار پھر پانچ سو گھوڑے۔ پھر پانچ سو اونٹ تصدق کئے۔

جنگ اُحد میں حضرت سعد بن ابی وقاص جناب رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے آگے بیٹھے ہوئے تیر چلا رہے تھے۔ اور یوں کہہ رہے تھے "یا اللہ! یہ تیرا تیر ہے۔ اس سے تو اپنے دشمن کو ہلاک کر"۔ اور حضور فرما رہے تھے "یا اللہ! اس کا نشانہ درست کر دے۔ اور اس کی دعا قبول کر لے"۔ آپ کی دعا سے حضرت سعد مستجاب الدعوات بن گئے۔ جو دعا کرتے قبول ہوتی۔ اور جو تیر پھینکتے وہ کبھی خطا نہ کرتا۔

اسی طرح حضور نے دعا فرمائی تھی۔ کہ یا اللہ! اسلام کو عمر بن الخطاب یا عمرو بن ہشام (ابوجہل) کے ساتھ عزت دے۔ یہ دعا حضرت عمر کے حق میں قبول ہوئی۔ وہ ایمان لائے اور اُس دن سے اسلام کو عزت و غلبہ حاصل ہوا۔

حضرت عبداللہ بن عباس کے حق میں حضور نے دعا کی تھی۔ کہ یا اللہ! اس کو دین میں فقیہ

بنادے۔ اس دعا کی برکت سے حضرت ابن عباس رئیس المفسرین اور حبر الامۃ بن گئے۔

ایک روز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو شخص میری اس دعا کے تمام ہونے تک اپنا کپڑا بچھائے رکھے گا۔ وہ میری احادیث میں سے کبھی کچھ نہ بھولے گا۔ حضرت ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں۔ کہ میرے پاس ایک کملی کے سوا کوئی کپڑا نہ تھا۔ میں نے کملی ہی بچھادی۔ یہانتک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا تمام کی۔ پھر میں نے کملی لپیٹ کر اپنے سینے سے لگا دی۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حق دے کر بھیجا ہے۔ کہ میں آپ کی احادیث کو آج تک نہیں بھولا[1]۔

جب حضرت طفیل بن عمرو دوسی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اسلام لائے تو انہوں نے یوں عرض کیا:" یا رسول اللہ! میری قوم میری اطاعت کرتی ہے۔ میں اس کے پاس جاتا ہوں اور ان کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالٰے مجھے ایسی نشانی عطا کرے جو ان کے برخلاف میری معاون ہو"۔ حضور نے دعا فرمائی۔ کہ یا اللہ! اس کے لئے ایک نشانی پیدا کردے۔ یہ سن کر میں اپنی قوم کی طرف آیا۔ جب میں گھاٹی کداء میں پہنچا۔ تو میری دونوں آنکھوں کے درمیان چراغ کی مانند ایک نور پیدا ہوا۔ میں نے دعا کی۔ یا اللہ! اس نور کو میری پیشانی کے سوا کسی اور جگہ پیدا کردے۔ کیونکہ میں ڈرتا ہوں کہ میری قوم اس کو میری پیشانی میں مُثلہ خیال کرے گی۔ پس وہ نور میرے چابک کے سرے پر لٹکتی ہوئی قندیل کی طرح ہوگیا۔ پھر میں نے اپنی قوم کو دعوت اسلام دی۔ مگر وہ ایمان نہ لائے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا۔ کہ قبیلہ دوس نے میری اطاعت سے انکار کردیا ہے۔ آپ ان پر بد دعا فرمائیں۔ آپ نے بجائے بد دعا کے دعائے ہدایت فرمائی۔ اور مجھ سے ارشاد فرمایا کہ ان کو نرمی سے دعوت اسلام دو۔ میں تعمیل ارشاد کرتا رہا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ میں تشریف لے آئے۔ پھر میں اپنی قوم کے ستر یا اسی اشخاص کے ساتھ جو ایمان لائے تھے خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔

حضرت ابو ہریرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں اپنی ماں کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں۔ مگر وہ قبول نہیں کرتیں۔ آپ دعا فرمائیں۔ حضور نے

---

[1] مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین۔ باب فی المعجزات۔

یہ سُن کر دعا فرمائی- اور وہ ایمان لائی- جیسا کہ پہلے آچکا ہے-

حضرت نابغہ (نابغہ بنی جعدہ) بیان کرتے ہیں- کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر سنایا۔ آپ نے پسند فرمایا اور میرے حق میں یوں دعا فرمائی "اللہ تیرا دانت نہ گرائے"۔ حضرت نابغہ کی عمر سو سال سے زائد ہوگئی- مگر کوئی دانت نہ گرا۔

حضرت ثابت بن زید نے عرض کیا- یا رسول اللہ! میرا ایک پاؤں لنگڑا ہے- زمین پر نہیں لگتا۔ حضور نے میرے حق میں دعا فرمائی- وہ پاؤں چنگا ہوگیا- اور دوسرے کی طرح زمین پر برابر لگنے لگا۔

حضرت عروۃ البارقی کے لئے حضور نے دعا فرمائی- کہ یا اللہ! اس کے سودے میں برکت دے- اس کے بعد حضرت عروہ جو چیز خریدتے خواہ وہ مٹی ہو اُس میں نفع ہی ہوتا-

ہجرت کے وقت جب حضور غار ثور سے نکل کر مدینہ کی طرف روانہ ہوئے- تو سراقہ بن مالک گھوڑے پر سوار آپ کے تعاقب میں عین قریب آگیا- حضرت صدیق اکبر نے عرض کیا- یا رسول اللہ! ہمیں تو آلیا- آپ نے فرمایا کہ غم نہ کر- کیونکہ اللہ ہمارے ساتھ ہے- جب دو تین نیزے کا فاصلہ رہ گیا- تو آپ نے دعا فرمائی- کہ یا اللہ! تو جس طرح چاہے ہم کو بچا- اس پر سراقہ کا گھوڑا پیٹ تک زمین میں دھنس گیا- یہ دیکھ کر سراقہ نے عرض کیا- یا محمد! میں جانتا ہوں کہ یہ آپ کا کام ہے- آپ اس مصیبت سے میری نجات کے لئے دعا فرمائیں- اللہ کی قسم! میں کسی کو تعاقب میں آپ تک نہیں آنے دوں گا- چنانچہ آپ کی دعاء سے سراقہ نے نجات پائی- اور وہ واپس چلا گیا- راستے میں جس سے ملتا اُسے یہ کہہ کر موڑ لیتا- کہ میں نے بہت ڈھونڈا حضرت اِدھر نہیں ہیں-

حضور کی تشریف آوری سے پہلے مدینہ میں طاعون وو باء سب سے زیادہ رہا کرتی تھی- آپ کی دعاء سے ایسی دُور ہوئی- کہ آج تک وہ مبارک شہر وباء و طاعون سے محفوظ ہے- اور محفوظ رہے گا-

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابولہب کے بیٹے عتیبہ پر بد دعا فرمائی- چنانچہ اُس کو ایک شیر نے پھاڑ ڈالا جیسا کہ آگے مفصل بیان ہوگا-

جب قریش نے ایمان لانے سے انکار کر دیا- تو حضور نے دعاء فرمائی- یا اللہ! ان پر حضرت

یوسفؑ کے سات سالوں کی طرح سات سال قحط لا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور یہاں تک نوبت پہنچی۔ کہ قریش نے مردار اور ہڈیاں کھائیں۔ ابوسفیان نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ یا محمد! آپ کی قوم ہلاک ہوگئی۔ اللہ سے دعا کیجئے۔ کہ قحط دور ہو جائے۔ پس آپ نے دعا فرمائی اور وہ مصیبت[۱] دُور ہوگئی۔

حضور نے کسرا پرویز کو جو دعوتِ اسلام کا خط لکھا تھا۔ اُس نے اُسے پڑھ کر پھاڑ دیا۔ جب آپ نے یہ سُنا۔ تو فرمایا۔ کہ اُس کا مُلک پارہ پارہ ہو جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ فارس سے اکاسرہ کی سلطنت ہمیشہ کے لئے جاتی رہی۔

حکم بن ابی العاص نے حضور کے ساتھ استہزاء کرنے کے لئے اپنا منہ ٹیڑھا کر لیا۔ حضور نے فرمایا۔ کہ اسی طرح رہے۔ چنانچہ وہ کج دہان ہی رہا۔ یہاں تک کہ مرگیا!

جناب سرور کائنات علیہ الوف التحیہ والصلوٰۃ نے محلم بن جثامہ کو ایک سریہ میں بھیجا تھا۔ جس پر عامر بن الاضبط کو امیر بنایا تھا۔ جب وہ ایک وادی کے درمیان پہنچے۔ تو محلم نے عامر کو دھوکے سے ایک معاملے کے سبب جو دونوں میں ہوا تھا قتل کر دیا۔ جب حضور کو یہ خبر لگی تو آپ نے دعا فرمائی۔ کہ محلم کو زمین قبول نہ کرے۔ اس دعا کے سات دن بعد محلم مرگیا۔ جب اس کو دفن کیا گیا تو زمین نے اُس کو پھینک دیا۔ اس طرح کئی دفعہ کیا گیا۔ مگر زمین نے قبول نہ کیا۔ آخر کار اُس کو ایک غار میں پھینک دیا گیا۔ اور پتھروں کی ایک دیوار اُس پر بنا دی گئی!

حضرت انس بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قحط پڑا۔ جمعہ کے دن حضور منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے۔ کہ ایک بادیہ نشین عرب آپ کے پاس آیا۔ اور یوں عرض کرنے لگا۔ "یا رسول اللہ! ہمارے مال ہلاک ہوگئے اور بال بچے بھوکے مر رہے ہیں۔ آپ ہمارے حق میں دعا فرمائیں۔" یہ سُن کر آپ نے دونوں ہاتھ اُٹھائے۔ اور ہمیں آسمان پر کوئی بادل نظر نہ آتا تھا۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ کہ آپ نے ہاتھ نہ ہٹائے تھے کہ پہاڑوں کی مثل بادل اُٹھا۔ پھر آپ منبر سے نہ اُترے یہاں تک کہ میں نے دیکھا۔ کہ بارش کا پانی آپ کی ریش مبارک پر سے نیچے گر رہا ہے۔ اس طرح جمعہ آیندہ تک بارش ہوتی رہی۔ پھر وہی بادیہ نشین

---

[۱] صحیح بخاری۔ تفسیر سورہ دخان۔

عرب آیا اور عرض کرنے لگا "یا رسول اللہ! ہمارے مکانات گر گئے"۔ آپ نے ہاتھ اُٹھا کر دعا فرمائی "یا اللہ! ہمارے گرد مینہ برسا اور ہمارے مکانات سے دور رکھ"۔ پس جس طرف آپ اشارہ فرماتے۔ بادل دور ہو جاتا۔ یہاں تک کہ مدینہ گول گڑھے[1] کی مانند ہو گیا اور وادی قنات[2] میں ایک مہینہ تک پانی جاری رہا جس طرف سے کوئی آتا۔ باران کثیر کی خبر لاتا۔

جب مسلمان غزوۂ تبوک[3] کے لئے نکلے۔ تو گرمی کی شدت تھی۔ ایک پڑاؤ پر پیاس کی شدت سے یہ نوبت پہنچی کہ اونٹ ذبح کرتے۔ اُس کی لید نچوڑ کر پانی پی لیتے۔ اور بقیہ کو اپنے جگر پر باندھتے حضرت صدیق اکبر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کہ دعا فرمائیے۔ چنانچہ حضور انور کی دعا سے پانی برسا۔ اور مسلمانوں نے اپنے برتن بھر لئے۔ پھر جو دیکھا تو یہ بارش حدود لشکر سے متجاوز نہ تھی۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک نابینا کو اپنی ذات شریف سے توسّل کا طریق بتایا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ اور بینا ہو گیا۔ جیسا کہ آگے بالتفصیل آئے گا۔

ہم اس عنوان کو ایک مشہور واقعہ پر ختم کرتے ہیں۔ جس کی کیفیت ذیل میں درج ہے:-

نجران کے نصاریٰ کے ساتھ مباہلہ

نجران مکہ مشرفہ سے جانب یمن سات منزل کے فاصلہ پر ایک بڑا شہر ہے۔ جو نجران بن زید بن یشجب بن یعرب کے نام سے موسوم ہے۔ یہ شہر ملک عرب میں عیسائی مذہب کا مرکز تھا۔ اور اس کے متعلق ۷۳ گاؤں تھے۔ جناب سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے ایک سال پیشتر یہاں کے عیسائیوں کا ایک وفد مدینہ منورہ میں آیا۔ جب وہ عصر کے بعد مسجد نبوی میں داخل ہوئے۔ تو اُن کی نماز کا وقت آ پہنچا۔ مسجد میں انہوں نے مشرق رو ہو کر نماز ادا کی۔ صحابہ کرام منع کرنے لگے۔ مگر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے تالیف قلوب اور توقع اسلام کو مدنظر رکھ کر ان سے تعرض کرنے سے منع فرمایا۔ اس وفد میں ساٹھ آدمی تھے۔ جن میں سے چوبیس اُن کے اشراف میں سے تھے۔

---

[1] یعنی مدینہ کی اطراف میں بادل تھا۔ اور مینہ برستا تھا۔ مگر مدینہ پر نہ بادل تھا نہ مینہ برستا تھا۔

[2] قنات ایک وادی کا نام ہے۔ جو طائف کی طرف سے آتی ہے۔ اور کوہ اُحد میں شہداء کی قبروں کی جڑ تک پہنچتی ہے۔

[3] مستدرک حاکم۔ کتاب الطہارت۔

اور چوبیس میں سے تین مرجع کل تھے۔ یعنی عبد المسیح جن کا لقب عاقب تھا۔ اور سید جس کا نام ایہم اور بقول بعض شرجبیل تھا۔ اور ابو حارثہ بن علقمہ جو اُن کا اسقف (بڑا پادری) تھا۔ حضورؐ نے اُن کو دعوتِ اسلام دی۔ مگر وہ روبراہ نہ ہوئے۔ بلکہ مباحثہ کرنے لگے۔ اور آخر کار کہنے لگے۔ کہ اگر عیسیٰؑ خدا کا بیٹا نہیں۔ تو بتاؤ اُن کا باپ کون تھا؟۔ اس کے جواب میں یہ آیتیں نازل ہوئیں:۔

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ۝ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ ۝

(آل عمران-ع)

بے شک عیسیٰؑ کی مثال اللہ کے نزدیک جیسی مثال آدم کی۔ بنایا اُس کو مٹی سے۔ پھر کہا اُس کو ہو جا۔ وہ ہو گیا۔ حق بات ہے تیرے رب کی طرف سے۔ پس تو مت رہ شک میں پھر جو جھگڑا کرے تجھ سے اس بات میں بعد اُس کے کہ پہنچ چکا تجھ کو علم۔ تو تو کہہ آؤ بلائیں ہم اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی جانوں کو اور تمہاری جانوں کو پھر دعا کریں۔ اور لعنت ڈالیں اللہ کی جھوٹوں پر۔

ان آیات کا خلاصہ مطلب یہ ہے۔ کہ حضرت آدمؑ کا نہ باپ تھا نہ ماں۔ پس اگر حضرت عیسیٰؑ کا باپ نہ ہو۔ تو کیا عجب ہے۔ اگر نصارٰے اس قدر سمجھانے پر بھی قائل نہ ہوں۔ تو اُن کے ساتھ قسم کرو۔ یہ بھی ایک صورت فیصلہ کی ہے۔ کہ دونوں طرف اپنی جان سے اور اولاد سے حاضر ہوں۔ اور دعا کریں۔ کہ جو کوئی ہم میں جھوٹا ہے۔ اُس پر لعنت اور عذاب پڑے!

اہل اسلام اس طرح کے فیصلے کو مباہلہ کہتے ہیں۔ اور یہ کیا خوب فیصلے کا ڈھنگ ہے۔ کہ صرف عادل حقیقی جو بے رو رعایت اور بغیر بھول چوک کے فیصلہ کرنے والا ہے۔ فیصلہ کر دے۔ اس ارشاد الٰہی کے مطابق حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن علمائے نصارٰی سے مباہلہ کے لئے کہا۔ انہوں نے مہلت مانگی۔ دوسرے روز صبح کو حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسن اور امام حسین کو جو خرد سال تھے۔ ہاتھ سے پکڑا۔ آپ کے پیچھے حضرت فاطمۃ الزہراء اور اُن کے پیچھے حضرت علی مرتضیٰ مقام مباہلہ کو روانہ ہوئے۔ آپ نے اُن سے فرمایا کہ جب میں دعا کروں تم آمین کہنا۔ پنجتن پاک کو دیکھ کر ابو حارثہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا:۔

"میں[1] وہ صورتیں دیکھتا ہوں۔ کہ اگر خدا سے دعا کریں۔ کہ پہاڑ اپنی جگہ سے مل جائے۔ تو بے شک اُن کی دعا سے ٹل جائے گا۔ اس لئے تم مباہلہ نہ کرو۔ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ اور روئے زمین پر قیامت تک کوئی عیسائی نہ رہے گا۔ اللہ کی قسم! تمہیں اس کی نبوت معلوم ہو چکی ہے۔ اور وہ تمہارے صاحب (عیسےؑ) کے بارے میں قول فیصل لایا ہے۔ اللہ کی قسم! جس قوم نے پیغمبر سے مباہلہ کیا۔ وہ ہلاک ہو گئی۔"

یہ سُن کر عیسائی ڈر گئے۔ اور مباہلہ کی جرأت نہ کر سکے۔ بلکہ صلح کر لی اور جزیہ[2] دینا قبول کیا۔ حضرتؐ نے فرمایا اگر وہ مباہلہ کرتے۔ تو بندر اور سور بن جاتے۔ اور یہ جنگل اُن پر آگ برساتا۔ اللہ نجران اور اُس کے باشندوں کو تباہ کر دیتا۔ یہاں تک کہ کوئی پرندہ بھی درخت پر باقی نہ رہتا۔"

نصاریٰ کا اس طرح مباہلہ سے گریز کرنا صاف بتا رہا ہے۔ کہ اعدائے اسلام بھی حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا کی اجابت کے قائل تھے۔ اس مباہلہ سے ایک اور بڑا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ اگر دین اسلام خدا کی طرف سے نہ ہوتا۔ اور حضورؐ نبی برحق نہ ہوتے۔ تو ہرگز اپنے دعوے پر خدا کے حضور جھوٹے پر لعنت اور غضب الٰہی نازل ہونے کی بددعا کرنے کا حوصلہ اور جرأت نہ کر سکتے۔ کیا کوئی اپنی چالاکی سے خدا کو بھی دھوکا دے سکتا ہے؟ اگر ایسا ہو سکتا۔ تو عیسائی علماء کیوں دعا مانگنے کی جرأت نہ کر سکے۔

انگلیوں سے چشموں کی طرح پانی کا جاری ہونا

حضرت سالم[3] بن ابی الجعد حضرت جابرؓ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حدیبیہ کے دن لوگوں کو پیاس لگی۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چھاگل تھی۔ آپ نے اس سے وضو فرمایا۔ پس لوگ پانی کے لئے آپ کی طرف دوڑے۔ آپ نے فرمایا۔ تمہیں کیا ہوا؟ انہوں نے عرض کی۔ کہ آپ کی چھاگل کے پانی کے سوا ہمارے پاس نہ وضو کرنے کو پانی ہے۔ نہ پینے کو۔ آپ نے اپنا ہاتھ مبارک چھاگل پر رکھا۔ پس آپ کی انگلیوں سے چشموں کی طرح پانی نکلنے لگا۔

---

[1] زرقانی علی المواہب بروایت ابن ابی شیبۃ و ابی نعیم وغیرہما۔ جزو رابع ص ۴۲۔

[2] ابن سعد کی روایت میں ہے کہ عاقب و سید کچھ مدت کے بعد جلد مدینہ میں آئے اور حضورؐ کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہوئے۔

[3] صحیح بخاری۔ باب علامات النبوۃ فی الاسلام۔

ہم نے لیا۔ اور وضو کیا۔ میں نے حضرت جابرؓ سے پوچھا۔ تم اُس دن کتنے تھے۔ حضرت جابر نے جواب دیا۔ کہ ہم ڈیڑھ ہزار تھے۔ اگر ایک لاکھ ہوتے۔ تو تب بھی وہ پانی کفایت کرتا۔

یہ معجزہ حضور سے متعدد دفعہ مختلف جگہوں میں ایک جماعت کثیرہ کے سامنے ظہور میں آیا۔ اور اس کے راوی حضرت جابر بن عبداللہ۔ انس بن مالک۔ عبداللہ بن مسعود۔ عبداللہ بن عباس۔ ابو لیلیٰ انصاری۔ زید بن الحارث الصدائی اور ابو عمرہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ پس یہ قطعی الثبوت ہے۔ نظر بر اختصار یہاں صرف ایک روایت پر کفایت کی گئی ہے۔ یہ معجزہ بھی شق القمر کی طرح حضور کے خصائص میں سے ہے۔

حیوانات کی طاعت اور کلام جس طرح انسان جن کے نام پر قرعہ سعادت پڑا ہوا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کے مطیع و مسخر ہیں۔ اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے حیوانات کو بطریق اعجاز و خرق عادت حضور کا مطیع و مسخر بنایا۔ ازاں جملہ چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

اونٹ کی شکایت اور سجدہ حضرت انس بن مالک[۱] سے روایت ہے۔ کہ انصار میں سے ایک اہلبیت کے ہاں ایک اونٹ تھا۔ جس سے آب کشی کیا کرتے تھے وہ سرکش ہو گیا۔ اور اپنی پیٹھ پر پانی نہ اُٹھاتا تھا۔ اونٹ کے مالک حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے۔ اور عرض کرنے لگے۔ کہ ہمارے ہاں ایک اونٹ ہے۔ جس سے ہم آب کشی کیا کرتے تھے۔ وہ سرکش ہو گیا ہے۔ اپنی پیٹھ پر پانی نہیں اُٹھاتا۔ ہماری کھجوریں اور کھیتی سوکھ رہی ہے۔ آپ نے اپنے اصحاب سے فرمایا۔ کہ اُٹھو۔ وہ اُٹھے۔ اور آپ اُن کے ساتھ ایک باغ میں داخل ہوئے۔ وہ اونٹ اُس باغ کے ایک گوشہ میں تھا۔ آپ اُس کی طرف روانہ ہوئے۔ اصحاب نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ اونٹ کاٹنے والے کتے کی مانند ہو گیا ہے۔ ہمیں ڈر ہے۔ کہ کہیں آپ کو تکلیف پہنچے۔ آپ نے فرمایا۔ مجھے اس سے کچھ ڈر نہیں۔ جب اونٹ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ تو آپ کی طرف آیا۔ یہاں تک کہ آپ کے آگے سجدے میں گر پڑا۔ آپ نے اُس کی پیشانی کے بال پکڑ لئے۔ اور وہ ایسا مطیع ہوا کہ کبھی نہ ہوا تھا۔ یہاں تک کہ آپ نے اُس کو کام پر لگا دیا۔ آپ کے اصحاب نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ حیوان لایعقل آپ کو سجدہ کرتا ہے۔ اور ہم عقل والے ہیں۔ اس لئے ہم اُس کی نسبت آپ کو سجدہ کرنے کی

---

[۱] اس حدیث کو امام احمد و نسائی نے روایت کیا ہے۔ (مواہب لدنیہ) اور حافظ ابو نعیم نے بھی دلائل میں نقل کیا ہے۔

زیادہ سزاوار ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ انسان کو سزاوار نہیں کہ دوسرے انسان کو سجدہ کرے۔ اگر ایک انسان کا دوسرے انسان کو سجدہ کرنا جائز ہوتا۔ تو میں حکم دیتا۔ کہ عورت اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ کیونکہ خاوند کا عورت پر بڑا حق ہے۔[1]

حضرت عبداللہ بن جعفر سے روایت ہے۔ کہ سب سے پسندیدہ شئ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے اوٹ بنایا کرتے تھے۔ کوئی بلند چیز یا درختان خرما کا مجمع تھا۔ ایک دفعہ آپ انصار میں سے ایک شخص کے باغ میں داخل ہوئے۔ کیا دیکھتے ہیں۔ کہ اُس باغ میں ایک اونٹ ہے۔ اُس اونٹ نے جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ تو رو پڑا۔ اور اُس کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے پاس آئے۔ اور اُس کے پسِ گوش پر اپنا ہاتھ مبارک پھیرا۔ وہ چپ ہو گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا۔ کہ اُس اونٹ کا مالک کون ہے؟ انصار میں سے ایک نوجوان نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ اونٹ میرا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تو اس چوپایہ کے بارے میں جس کا اللہ نے تجھے مالک بنایا ہے۔ اللہ سے نہیں ڈرتا۔ اُس نے میرے پاس شکایت کی ہے۔ کہ تو اُسے بھوکا رکھتا ہے۔ اور کثرت استعمال سے اسے تکلیف دیتا ہے۔

بکری کی طاعت اور سجدہ

حضرت انس[2] بن مالک فرماتے ہیں۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم انصار کے ایک باغ میں داخل ہوئے۔ اور آپ کے ہمراہ حضرت ابو بکر و عمر اور انصار کے چند اشخاص تھے۔ اُس باغ میں ایک بکری تھی۔ اُس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے سجدہ کیا۔ حضرت ابو بکر نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس بکری کی نسبت ہم آپ کو سجدہ کرنے کے زیادہ سزاوار ہیں۔ آپ نے فرمایا میری اُمت کو جائز نہیں۔ کہ ایک دوسرے کو سجدہ کرے۔ اگر ایک کا دوسرے کو سجدہ کرنا جائز ہوتا۔ تو میں حکم دیتا۔ کہ عورت اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

ام معبد کی بکری کا قصہ[3] حالات ہجرت میں آچکا ہے۔ وہ دودھ نہ دیتی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ

---

[1] اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔ (تیسیر الوصول۔ مواہب لدنیہ)۔

[2] دلائل حافظ ابو نعیم۔ صفحہ ۱۳۵۔ امام احمد و بزار نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ (نسیم الریاض شرح شفائے قاضی عیاض۔ جزء ثالث۔ صفحہ ۸)

[3] اس قصہ کو شرح السنہ میں اور ابن عبد البر نے استیعاب میں اور ابن الجوزی نے کتاب الوفاء میں نقل کیا ہے۔ (مشکوٰۃ۔ باب فی المعجزات۔ فصل ثالث)

والسلام کی دعاء سے اُس نے دود دیا۔

بھیڑئے کی شہادت اور طاعت حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ایک بھیڑیا بکریوں کے ریوڑ کی طرف آیا۔ اُس نے بکریوں میں سے ایک بکری پکڑلی۔ چرواہے نے بھیڑیے کا پیچھا کیا۔ یہاں تک کہ بکری اُس سے چھڑالی۔ پس بھیڑیا ایک ریت کے ٹیلے پر چڑھ گیا۔ اور کتے کی طرح اپنے چوتڑوں پر بیٹھ گیا اور اپنی دُم کو اپنے پاؤں کے درمیان کرلیا۔ اور بولا۔ میں نے رزق کا قصد کیا۔ جو اللہ نے مجھے دیا۔ اور میں نے اُسے لے لیا۔ پھر تو نے اُسے مجھ سے چھین لیا۔ چرواہے نے کہا۔ خدا کی قسم! میں نے آج کی طرح کسی دن بھیڑیے کو کلام کرتے نہیں دیکھا۔ بھیڑیے نے کہا۔ کہ اس سے عجیب تر ایک شخص (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا حال ہے۔ جو نخلستان میں دو حرّہ کے درمیان یعنی مدینہ میں تمہیں خبر دیتا ہے۔ جو کچھ گزر چکا ہے۔ اور جو کچھ تمہارے بعد ہونے والا ہے (اور لوگ اس اُمّی لقب نبی کا یہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے)۔ حضرت ابوہریرہ کا قول ہے۔ کہ چرواہا یہودی تھا۔ اُس نے جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس واقعہ کی خبر دی اور مسلمان ہو گیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق کی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اس طرح کے امور قیامت کی نشانیوں میں سے ہیں۔ نزدیک ہے کہ ایک شخص اپنے گھر سے نکلے گا۔ پس وہ واپس نہ آئے گا۔ یہاں تک کہ اس کے ہر دو نعل اور اُس کا تازیانہ بتائے گا۔ کہ اس کی غیر حاضری میں اس کے اہل خانہ نے کیا عمل کیا ہے[1]:

حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے۔ کہ ایک چرواہا[2] حرّہ میں بکریاں چرا رہا تھا۔ ناگاہ ایک بھیڑیا اُس کی بکریوں میں سے ایک بکری کو پکڑنے آیا۔ چرواہا بکری اور بھیڑیے کے درمیان حائل ہو گیا۔ بھیڑیا اپنی دُم پر کُتّے کی طرح بیٹھ گیا۔ پھر چرواہے سے بولا۔ کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتا۔ کہ میرے رزق کے درمیان جو اللہ نے میرے قابو میں کر دیا ہے حائل ہوتا ہے۔ چرواہے نے

---

[1] مشکوٰۃ باب فی المعجزات بحوالہ شرح السنہ۔ خصائص کبریٰ۔ جزو ثانی۔ صـ۶۲ـ میں ہے۔ کہ اس حدیث کو امام احمد و حافظ ابونعیم نے بسند صحیح روایت کیا ہے۔

[2] بقول واقدی، اس کا نام اہبان بن اوس اسلمی تھا۔ جو حرہ الوبرہ میں ریوڑ چرا رہا تھا۔ اہبان مذکور صحابی ہیں جنہوں نے حضرت امیر معاویہ کے زمانہ میں انتقال فرمایا۔

کہا۔ تعجب ہے۔ کہ بھیڑیا انسان کی طرح کلام کرتا ہے۔ بھیڑیے نے کہا۔ دیکھو! میں تجھے اس سے بھی عجیب بات بتاتا ہوں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دو حرّہ (سنگلاخ زمینوں) کے درمیان (مدینہ میں) لوگوں سے گزشتہ امتوں کے حال بیان فرما رہے ہیں (اور وہ اس اُمّی لقب نبی کا یہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے) پس چرواہے نے بکریاں ہانک لیں۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں آیا۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بھیڑیے کا قصہ بیان کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سچ ہے۔ دیکھو درندوں کا انسان سے کلام کرنا قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ قیامت نہ آئے گی یہاں تک کہ درندے انسان سے کلام کریں گے۔ اور انسان سے اس کے جوتے کا تسمہ اور اس کے کوڑے کا سرا کلام کرے گا۔ اور انسان کو اُس کی ران خبر دے گی۔ جو اُس کی بیوی نے اُس کی غیر حاضری میں کیا۔[۲]

حضرت حمزہ بن اسید روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے جنازے میں نکلے۔ دیکھتے کیا ہیں۔ کہ ایک بھیڑیا راستے میں پاؤں پھیلائے بیٹھا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ تم سے اپنا حصہ طلب کرتا ہے۔ اس کے لئے کچھ مقرر کرو۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ کی کیا رائے ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہر اونٹ پر ہر سال ایک بکری۔ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ تو بہت ہے۔ آپ نے بھیڑیے کی طرف اشارہ فرمایا۔ کہ یہاں سے جلدی چل دو۔ بھیڑیا یہ سُن کر چلا گیا۔[۳]

شیر کی طاعت حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت سفینہ کا بیان ہے۔ کہ میں سمندر میں ایک کشتی پر سوار ہوا۔ وہ کشتی ٹوٹ گئی۔ پس میں اُس کے ایک تختے پر چڑھ بیٹھا اور ایک بن میں جا نکلا جس میں شیر تھے۔ ناگاہ ایک شیر آیا۔ جب میں نے اُسے دیکھا۔ تو میں نے کہا۔ اے ابو الحارث![۴] میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آزاد کردہ غلام سفینہ ہوں۔ یہ سُن کر شیر

---

[۱] حرۃ الوبرہ مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک مقام کا نام ہے۔ دیکھو وفاء الوفا للعلامۃ السمہودی
[۲] مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی۔ باب اشراط الساعۃ۔
[۳] اس حدیث کو حافظ ابو نعیم اور امام بیہقی نے روایت کیا ہے خصائص کبرٰے۔ جزء ثانی۔ صفحہ ۹۳
[۴] یہ شیر کی کنیت ہے۔

دُم ہلاتا ہوا آیا۔ یہاں تک کہ میرے پہلو میں کھڑا ہو گیا۔ پھر میرے ساتھ چلا۔ یہاں تک کہ مجھے راستے پر ڈال دیا۔ پھر اُس نے کچھ دیر آواز خفی نکالی۔ میں سمجھا کہ یہ مجھے وداع کرتا ہے۔[1]

جب ہجرت کے وقت حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کوہ ثور کے غار میں تھے۔ تو اس غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تنا ہوا تھا۔ اور کنارے پر کبوتری نے انڈے دے رکھے تھے۔ کفار جو تعاقب میں وہاں پہنچے۔ اس عجیب دربانی و پاسبانی کو دیکھ کر واپس ہوئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ اگر حضرت اس میں داخل ہوتے۔ تو مکڑی جالا نہ تنتی اور کبوتری انڈے نہ دیتی۔ امثلہ مذکورہ بالا کے علاوہ ہرنی کا قصہ اور سوسمار کی حدیث مشہور ہے۔

نباتات کا کلام وطاعت اور سلام وشہادت۔ جس طرح حیوانات حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے امر کے مطیع تھے۔ اُسی طرح نباتات بھی آپ کے فرمانبردار تھے۔ چنانچہ درختوں کا آپ کی خدمت اقدس میں آنا۔ اور سلام کرنا۔ اور آپ کی رسالت پر شہادت دینا احادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔ جن میں سے صرف دو تین مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:-

حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت[2] ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جب میری طرف وحی بھیجی گئی۔ تو جس پتھر اور درخت پر میرا گزر ہوتا تھا۔ وہ کہتا تھا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔

حضرت ابن عمر کا بیان ہے۔ کہ ایک سفر میں ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ ایک بادیہ نشین عرب آپ کے سامنے آیا۔ جب وہ نزدیک ہوا۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا۔ کہ کیا تو خدا کی وحدانیت اور محمد کی رسالت کی گواہی دیتا ہے؟ اُس نے کہا۔ آپ جو کچھ فرماتے ہیں اُس پر کون شہادت دیتا ہے؟ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ درخت سلمہ۔ پس آپ نے اُسے بلایا۔ حالانکہ وہ وادی کے کنارے پر تھا۔ وہ زمین کو چیرتا ہوا سامنے آ کھڑا ہوا۔ آپ نے تین بار اُس سے شہادت طلب کی۔ اور اس نے تینوں بار شہادت دی۔ کہ واقع میں

---

[1] اس حدیث کو ابن سعد و ابو یعلی و بزار و ابن مندہ و حاکم و بیہقی و ابو نعیم نے نقل کیا ہے۔ اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔ اور بغوی و ابن عساکر نے بھی اس کو نقل کیا ہے۔ خصائص کبریٰ جزء ثانی۔ صفحہ ۶۵

[2] اس حدیث کو بزار و ابو نعیم نے روایت کیا ہے (مواہب لدنیہ)

ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا۔ پھر درخت اپنی جگہ پر چلا گیا[1]۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے[2]۔ کہ بنی عامر بن صعصعہ میں سے ایک بادیہ نشین عرب نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آیا اور کہنے لگا۔ میں کس چیز سے پہچانوں۔ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ بتا اگر میں اس درخت خرما کی شاخ کو بلالوں تو کیا تو میری رسالت کی گواہی دے گا؟ اس نے عرض کیا۔ ہاں۔ پس آپ نے اُس شاخ کو بلایا۔ وہ درخت سے اترنے لگی۔ یہاں تک کہ زمین پر گری۔ اور پھُدکنے لگی۔ حافظ ابونعیم کی روایت میں ہے۔ کہ وہ آپ کی طرف آئی اور سجدہ کررہی تھی۔ اور اپنا سر اُٹھا رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ آپ کے پاس پہنچ گئی۔ اور آپ کے آگے کھڑی ہوگئی۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اپنی جگہ پر واپس چلی جا۔ پس وہ اپنی جگہ واپس چلی گئی۔ یہ دیکھ کر اُس اعرابی نے کہا۔ میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور ایمان لے آیا۔

حضرت جابر فرماتے ہیں[3]۔ کہ ہم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سیر کی۔ یہاں تک کہ ہم ایک فراخ وادی میں اُترے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ نے کوئی چیز نہ دیکھی جس کے ساتھ پردہ کرلیں۔ ناگاہ آپ نے اُس وادی کے ایک کنارے دو درخت دیکھے۔ آپ نے اُن دو میں سے ایک کے پاس قدم رنجہ فرمایا۔ اور اُس کی ایک شاخ کو پکڑ کر یوں ارشاد فرمایا۔ اللہ کے اذن سے میری فرمانبرداری کر۔ اس درخت نے آپ کی فرمانبرداری کی۔ جیسا کہ نکیل والا اونٹ شتربان کی فرمانبرداری کرتا ہے۔ یہاں تک کہ آپ دوسرے درخت کے پاس آئے۔ اور اُس کی ایک شاخ کو پکڑ کر فرمایا۔ اللہ کے اذن سے تم دونوں مجھ پر مل جاؤ۔ پس وہ درخت باہم مل گئے (حضرت جابر کہتے ہیں) پس میں اپنے دل میں اس امر عجیب کی نسبت حیرت سے سوچنے لگا۔ میں نے جو نظر اُٹھائی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ

---

[1] مشکوٰۃ باب فی المعجزات بحوالہ دارمی۔

[2] اس حدیث کو امام احمدؒ اور امام بخاری نے اپنی تاریخ میں اور دارمی و ترمذی و حاکم و بیہقی و ابونعیم و ابویعلیٰ و ابن سعد نے روایت کیا ہے۔ اور ترمذی اور حاکم نے صحیح کہا ہے (خصائص کبریٰ۔ جزء ثانی۔ صٓ ۳۶)

[3] اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے۔ (مشکوٰۃ باب فی المعجزات۔ فصل اول)۔

صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف آرہے ہیں۔ اور وہ درخت جدا جدا ہو گئے ہیں۔ اور ہر ایک اصلی حالت میں اپنے تنے پر قائم ہے۔

جمادات کی طاعت اور تسبیح و سلام

جس طرح نباتات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر فرمان تھے اسی طرح جمادات بھی آپ کے مطیع تھے۔ چنانچہ حجر و شجر کا آپ کو سلام کرنا۔ اور آپ کی رسالت پر شہادت دینا اوپر آچکا ہے۔ سخت پتھروں کا آپ کے لئے نرم ہو جانا اور صخرۂ بیت المقدس کا خمیر کی مانند ہونا اس کتاب میں آگے آئے گا۔

حضرت[۱] علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔ کہ میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں تھا۔ ایک روز ہم اُس کے بعض نواح میں نکلے۔ جو پہاڑ یا درخت آپ کے سامنے آتا تھا۔ وہ کہتا تھا السلام علیک یا رسول اللہ۔

حضرت ابوذر[۲] کا بیان ہے۔ کہ ایک روز میں دوپہر کے وقت چلا۔ ناگاہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اپنے دولت خانہ میں نہ تھے۔ میں نے خادم سے دریافت کیا۔ اُس نے کہا۔ کہ حضرت عائشہ رضہ کے گھر میں ہیں۔ میں وہاں آپ کی خدمت میں پہنچا۔ آپ بیٹھے ہوئے تھے۔ اور کوئی آدمی آپ کے پاس نہ تھا۔ مجھے اُس وقت گویا یہ گمان ہوتا تھا۔ کہ آپ وحی کی حالت میں ہیں۔ میں نے آپ کو سلام کہا۔ آپ نے میرے سلام کا جواب دیا۔ پھر فرمایا۔ تجھے کیا چیز یہاں لائی؟ میں نے عرض کیا۔ اللہ اور رسول کی محبت۔ پس آپ نے مجھ سے فرمایا۔ کہ بیٹھ جا۔ میں آپ کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ نہ میں آپ سے کچھ پوچھتا تھا۔ اور نہ آپ مجھ سے کچھ فرماتے تھے۔ میں تھوڑی دیر ٹھہرا کہ اتنے میں حضرت ابوبکر جلدی جلدی چلتے ہوئے آئے۔ انہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو سلام کہا۔ آپ نے سلام کا جواب دیا۔ پھر فرمایا۔ تجھے کیا چیز یہاں لائی؟ حضرت ابوبکر نے عرض کیا۔ اللہ اور رسول کی محبت۔ پس آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا۔ کہ بیٹھ جا۔ وہ ایک بلند جگہ پر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابل بیٹھ گئے۔ پھر حضرت عمر آئے۔ انہوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ویسا ہی فرمایا۔ حضرت عمر حضرت ابوبکر کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ پھر اسی طرح حضرت عثمان آئے اور حضرت عمر کے

---

[۱] ترمذی شریف مطبوعہ احمدی۔ جلد ثانی۔ ص ۲۲۳

[۲] اس حدیث کو بزار و طبرانی و ابو نعیم و بیہقی نے روایت کیا ہے۔ (خصائص کبریٰ۔ مواہب لدنیہ)۔

پہلو میں بیٹھ گئے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات یا نو یا اس کے قریب سنگریزے لئے۔ اُن سنگریزوں نے آپ کے ہاتھ مبارک میں تسبیح پڑھی۔ یہاں تک کہ آپ کے ہاتھ میں اُن میں شہد کی مکھی کی مانند آواز سُنی گئی۔ (پھر آپ نے اُن کو زمین پر رکھ دیا۔ پس وہ چپ ہو گئے) پھر آپ نے وہ سنگریزے مجھے چھوڑ کر حضرت ابو بکر کو دیئے۔ اُن سنگریزوں نے حضرت ابو بکر کے ہاتھ میں تسبیح پڑھی۔ (یہاں تک کہ میں نے شہد کی مکھی کی مانند اُن کی آواز سُنی)۔ پھر آپ نے وہ کنکر حضرت ابو بکر سے لے کر زمین پر رکھ دیئے۔ پس وہ چپ ہو گئے۔ اور ویسے ہی سنگریزے بن گئے۔ پھر آپ نے حضرت عمر کو دیئے۔ ان کے ہاتھ میں بھی انہوں نے تسبیح پڑھی۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر کے ہاتھ میں پڑھی تھی (یہاں تک کہ میں نے شہد کی مکھی کی مانند اُن کی آواز سُنی) پھر آپ نے زمین پر رکھ دیئے۔ پس وہ چپ ہو گئے۔ پھر آپ نے حضرت عثمان کو دیئے۔ اُن کے ہاتھ میں بھی انہوں نے تسبیح پڑھی جیسا کہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کے ہاتھ میں پڑھی تھی۔ (یہاں تک کہ میں نے شہد کی مکھی کی مانند اُن کی آواز سُنی) پھر آپ[۱] نے لے کر اُن کو زمین پر رکھ دیا۔ پس وہ چپ ہو گئے۔ (پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ نبوت[۲] کی خلافت ہے)۔

حضرت امام محمد باقر فرماتے[۳] ہیں۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے۔ حضرت جبرئیل ایک خوان لائے جس میں (بہشت سے) انار اور انگور تھے۔ جب آپ نے تناول فرمانے کے لئے اُن میں سے کچھ اُٹھایا۔ تو اُس میں سے سبحان اللہ کی آواز آئی۔

یہ خارق عادت (تسبیح الطعام) بہت دفعہ آپ کے اصحاب کرام سے بھی ظہور میں آیا ہے۔

---

[۱] ابن عساکر کی روایت میں حدیث انس میں حضرت عثمان غنی کے بعد یوں آیا ہے۔ ثم صیرھن فی ایدینا رجلاً رجلاً فما سبحت حصاۃ منھن (خصائص کبریٰ۔ جزء ثانی۔ صفحہ) ترجمہ۔ پھر حضور نے اُن سنگریزوں کو ہم میں سے ایک ایک کے ہاتھ میں رکھا۔ پس اُن میں سے کسی سنگریزہ نے تسبیح نہ پڑھی۔

[۲] اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو حضرت ابوذر کو باوجودیکہ وہ مجلس میں اوروں کی نسبت آپ سے قریب تھے سنگریزے نہ دیئے بلکہ اُن کو چھوڑ کر حضرت ابو بکر رضہ و عمر رضہ و عثمان رضہ کو دیئے اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ حضرت ابوذر خلفاء میں سے نہ تھے۔ حضرت علی کرم وجہہ بظاہر اس موقع پر حاضر نہ تھے۔

[۳] دیکھو شفائے قاضی عیاض۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ "ہم البتہ[1] بے شک طعام کی تسبیح سُنا کرتے تھے۔ جس حال میں کہ وہ کھایا جاتا تھا۔"

حضرت ابو اُسید رضی اللہ عنہ سے روایت[2] ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس بن عبدالمطلب سے فرمایا۔ اے ابو الفضل! کل تم اور تمہارے بیٹے[3] اپنے مکان سے نہ جائیں۔ یہاں تک کہ میں تمہارے پاس آؤں۔ کیونکہ مجھے تم سے ایک کام ہے۔ پس انہوں نے آپ کا انتظار کیا۔ یہاں تک کہ آپ چاشت کے بعد تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا۔ السلام علیکم انہوں نے جواب دیا۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آپ نے فرمایا۔ تم نے کیونکر صبح کی۔ انہوں نے عرض کی۔ بحمداللہ ہم نے بخیریت صبح کی۔ پس آپ نے اُن سے فرمایا۔ نزدیک ہو جاؤ۔ وہ ایک دوسرے کے نزدیک ہو گئے۔ یہاں تک کہ جب وہ آپ کے متصل ہو گئے۔ تو آپ نے اپنی چادر مبارک سے اُن کو ڈھانپ لیا۔ اور یوں دعا فرمائی۔ "اے میرے پروردگار یہ میرا چچا اور میرے باپ کا بھائی ہے۔ اور یہ میرے اہلبیت ہیں۔ تو ان کو دوزخ کی آگ سے یوں چھپا لینا۔ جیسا میں نے اُن کو اپنی چادر میں چھپا لیا ہے۔" اس پر گھر کے آستانہ اور دیواروں نے تین بار آمین کہی۔

حضرت انس بن مالک سے روایت[4] ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوہ اُحد پر چڑھے۔ اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم تھے۔ وہ پہاڑ ہلا۔ آپ نے اُسے اپنے پائے مبارک سے ٹھکرا کر فرمایا۔ تو ساکن رہ۔ کیونکہ تجھ پر نبی اور صدیق اور دو شہید ہیں۔

حضرت عثمان سے روایت[5] ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوہ ثبیر پر تھے۔ اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر و عمر اور میں تھا۔ وہ پہاڑ ہلا۔ یہاں تک کہ اس کے پتھر نیچے دامن کوہ میں

---

[1] صحیح بخاری۔ باب علامات النبوۃ فی الاسلام۔

[2] اس حدیث کو بیہقی نے دلائل میں بالطوالت روایت کیا ہے۔ اور ابن ماجہ نے بالاختصار نقل کیا ہے (مواہب لدنیہ) حافظ ابو نعیم نے بھی دلائل میں اسے روایت کیا ہے۔

[3] اُن کے نام مبارک یہ ہیں۔ فضل۔ عبداللہ۔ عبیداللہ۔ قاسم۔ معبد۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم۔ یہ سب ام الفضل کے بطن سے تھے۔

[4] اس حدیث کو امام بخاری و امام احمد و ترمذی و ابو حاتم نے روایت کیا ہے۔ مواہب لدنیہ۔

[5] یہ حدیث نسائی و ترمذی و دارقطنی میں ہے۔ مواہب لدنیہ۔

گر پڑے۔ آپ نے اپنے پائے مبارک سے ٹھکرا کر فرمایا۔ اے ثبیر! ساکن رہ۔ کیونکہ تجھ پر نبی اور صدیق اور دو شہید ہیں۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی و طلحہ و زبیر کوہ حراء پر تھے۔ وہ پہاڑ ہلا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے حراء! ساکن رہ کیونکہ تجھ پر نہیں [1] مگر نبی یا صدیق یا شہید۔ ایک روایت میں سعد بن ابی وقاص کا ذکر ہے۔ اور حضرت علی کا ذکر نہیں۔ اور ایک روایت میں سوائے ابو عبیدہ کے تمام عشرہ [2] مبشرہ کا ذکر ہے۔ اور ایک روایت میں ہے۔ کہ جب ہجرت کے وقت قریش نے جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں اپنے آدمی بھیجے۔ تو کوہ ثبیر نے کہا۔ یارسول اللہ! اُترئیے۔ کیونکہ مجھے خوف ہے۔ کہ وہ آپ کو میری پشت پر قتل کر دیں۔ اور مجھے اللہ تعالےٰ عذاب دے۔ پس حراء نے کہا۔ یارسول اللہ! میری طرف آئیے۔[3]

حضرت جابر سے روایت [4] ہے۔ کہ جس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھا کرتے تھے۔ آپ مسجد کے ستونوں میں سے ایک درخت خرما کے خشک تنے سے پشت مبارک لگا لیا کرتے تھے۔ جب آپ کے لئے منبر بنایا گیا۔ اور آپ اُس پر رونق افروز ہوئے۔ تو اُس تنے نے جس کے پاس خطبہ پڑھا جایا کرتا تھا۔ فریاد کی۔ یہاں تک کہ قریب تھا۔ کہ دو پارہ ہو جائے۔ پس نبی صلے اللہ علیہ وسلم منبر سے اُتر آئے۔ یہاں تک کہ اُس کو پکڑا اور اُس کو اپنی گود میں لیا۔ وہ اُس بچہ کی طرح رونے لگا۔ جس کو چپ کرایا جائے۔ یہاں تک کہ اُس نے آرام و قرار پایا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ یہ اس لئے رویا۔ کہ جو ذکر یہ سنا کرتا تھا۔ وہ اب اس سے جدا ہو گیا۔ اس ستون کو نالہ کرنے کے سبب حنانہ بولتے ہیں۔ نالہ حنانہ کی حدیث متواتر ہے۔ اس لئے اس میں کسی طرح کے شک کی

---

[1] یعنی جو تجھ پر ہیں اُن میں سے ہر ایک نہیں مگر نبی یا صدیق یا شہید۔ مطلب یہ کہ ان میں سے ہر ایک اوصاف ثلاثہ سے خارج نہیں۔

[2] عشرہ مبشرہ جو دس صحابی ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہشت کی بشارت دی اُن کے نام مبارک یہ ہیں۔ حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی و طلحہ و زبیر و سعد بن ابی وقاص و عبد الرحمٰن بن عوف و ابو عبیدہ بن جراح و سعید بن زید رضی اللہ عنہم۔

[3] دیکھو مواہب لدنیہ اور مدارج النبوۃ۔

[4] اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔ (مشکوٰۃ باب فی المعجزات)

گنجایش نہیں۔

فتح مکہ کے روز حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم پہلے مسجد حرام میں داخل ہوئے۔ اور مہاجرین وانصار آپ کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں تھے۔ آپ نے پہلے حجر اسود کو بوسہ دیا۔ پھر طواف کیا۔ اُس وقت بیت اللہ شریف کے گرد اور اوپر تین سو ساٹھ بُت تھے۔ جو رانگ کے ساتھ پتھروں میں نصب کئے ہوئے تھے۔ حضور کے دست مبارک میں ایک لکڑی تھی۔ اُس سے آپ جس بت کی طرف اشارہ فرماتے اور یہ پڑھتے:۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۭ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ (بنی اسرائیل ۔ ع)	آیا سچ اور نکل بھاگا جھوٹ۔ بے شک جھوٹ نکل بھاگنے والا ہے۔

وہ مُنہ کے بل گر پڑتا۔ اِس طرح آپ نے بیت اللہ شریف کو بتوں سے پاک کر دیا۔

بدر کے دن جب لڑائی سخت ہوگئی۔ تو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے سنگریزوں کی ایک مٹھی لی۔ اور قریش کی طرف مُنہ کر کے فرمایا۔ شاهتِ الوجوہ (اُن کے چہرے بدشکل ہو گئے) پھر اُن کی طرف پھینک دی۔ کفار کو شکست ہوئی۔ اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى	اور نہیں پھینکا تو نے جس وقت کہ پھینکا تو نے لیکن اللہ تعالےٰ نے پھینکا تھا۔

اسی طرح حنین کے دن جب حضور کے ساتھ صرف چند صحابہ رہ گئے۔ تو آپ نے اپنے خچر سے اُتر کر ایک مشت خاک لی۔ اور شاہت الوجوہ کہہ کر کفار کی طرف پھینک دی۔ کوئی کافر ایسا نہ تھا۔ کہ جس کی آنکھوں میں وہ مٹی نہ پڑی ہو۔ پس وہ شکست کھا کر بھاگ گئے۔[1]

مغیبات پر مطلع ہونا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں سے آپ کا مغیبات پر مطلع ہونا اور غیوب ماضیہ اور مستقبلہ کی خبر دینا بھی ہے۔ علم غیب بالذات اللہ تعالےٰ کے ساتھ خاص ہے۔ جو کچھ اس قبیل سے حضور کی زبان مبارک سے ظاہر ہوا۔ وہ اللہ تعالےٰ کی وحی والہام سے ہوا۔ جیساکہ آیات ذیل سے ظاہر ہے:۔

(۱) وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا	اور اسی طرح ہم نے تم کو بہتر اُمت بنایا۔ تاکہ تم

[1] صحیح مسلم غزوہ حنین۔

شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا (بقرہ-ع ۱۷)

لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔

(۲) ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ (آل عمران-ع ۵)

یہ غیب کی خبروں سے ہے۔ جسے ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں۔

(۳) وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (آل عمران-ع ۱۸)

نہیں ہے اللہ کہ خبردار کرے تم کو غیب پر۔ لیکن اللہ پسند کرتا ہے اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہے۔

(۴) وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (نساء-ع ۱۷)

اور خدا نے اُتاری تجھ پر کتاب اور حکمت۔ اور سکھایا تجھ کو جو کچھ کہ تو نہ جانتا تھا۔ اور اللہ کا فضل تجھ پر بڑا ہے۔

(۵) تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا (ہود-ع ۴)

یہ بعض خبریں ہیں غیب کی جن کو ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں۔ ان کو جانتا نہ تھا تو اور نہ تیری قوم اس سے پہلے۔

(۶) ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ (یوسف-ع ۱۱)

یہ غیب کی خبروں سے ہے۔ جسے ہم تیری طرف وحی کرتے ہیں۔ اور تو اُن کے پاس نہ تھا جس وقت انہوں نے اپنا کام مقرر کیا اور وہ مکر کرتے تھے۔

(۷) فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى (نجم-ع ۱)

پس اللہ نے وحی پہنچائی اپنے بندے کی طرف جو پہنچائی

(۸) عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (جن-ع ۲)

وہ غیب کا جاننے والا پس مطلع نہیں کرتا اپنے غیب پر کسی کو مگر وہ پیغمبر جس کو اُس نے پسند کر لیا۔

اس مضمون کی اور آیتیں بھی ہیں۔ ان سب کی تفسیر کے لئے ایک علیحدہ کتاب درکار ہے۔ یہاں صرف آیۂ (۱) کے حصہ اخیر کی نسبت کچھ ذکر کیا جاتا ہے۔ علامہ اسماعیل حقی قدس سرہٗ نے تفسیر روح البیان میں بعض ارباب حقیقت کا قول یوں نقل فرماتے ہیں۔

ومعنی شهادة الرسول علیهم اطلاعه علی رتبة کل متدین بدینه وحقیقته التی هو علیها من دینه وحجابه الذی هو به محجوب عن کمال دینه فهو یعرف ذنوبهم وحقیقة ایمانهم واعمالهم وحسناتهم وسیاتهم واخلاصهم ونفاقهم وغیر ذلك بنور الحق۔	اُن پر رسول کے گواہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ حضور مطلع ہیں اپنے دین کے ہر متدین کے رتبے پر۔ اور اُس کے ایمان کی حقیقت پر۔ اور اس حجاب پر، کہ جس کے سبب سے وہ کمالِ دین سے محجوب ہے۔ پس حضور ان کے گناہوں کو اور ان کے ایمان کی حقیقت کو اور اُن کے اعمال کو اور اُن کی نیکیوں اور برائیوں کو اور اُن کے اخلاص و نفاق وغیرہ کو نورِ نبوت سے پہچانتے ہیں۔

اسی طرح مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ تفسیر عزیزی میں تحریر فرماتے ہیں: "وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَہِیْدًا۔ یعنی و باشد رسولِ شما بر شما گواہ۔ زیرا کہ او مطلع است بنورِ نبوت بر رتبۂ ہر متدین بدینِ خود کہ در کدام درجہ از دینِ من رسیدہ۔ وحقیقت ایمانِ او چیست۔ وحجاب کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است۔ پس او مے شناسد گناہانِ شمارا و درجاتِ ایمانِ شمارا و اعمالِ نیک و بد شمارا و اخلاص و نفاق شمارا۔"

حالتِ خواب میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے حالات سے آگاہ رہا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ ملا حسن کشمیری کو یوں تحریر فرماتے ہیں۔ حدیث تنام عینای ولا ینام قلبی کہ تحریر یافتہ بود اشارت بدوامِ آگاہی نیست۔ بلکہ اخبار است از عدمِ غفلت از جریانِ احوالِ خویش و امتِ خویش[1]۔

عالمِ برزخ میں بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے احوال سے آگاہ رہتے ہیں۔ چنانچہ علامہ قسطلانی آدابِ زیارت میں یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

وینبغی ان یقف عند محاذاة اربعة اذرع ویلازم الادب والخشوع والتواضع غاض البصر فی مقام الھیبة کما کان یفعل فی حال حیاته اذ لا فرق بین	چاہئے کہ زیارت کرنے والا قبر شریف سے چار ہاتھ پر سامنے کھڑا ہووے۔ اور ادب و خشوع و تواضع کو لازم پکڑے۔ اور مقامِ ہیبت میں آنکھیں بند کر لے جیسا کہ حضور کی حیات شریف کی حالت میں کیا جاتا تھا کیونکہ

[1] مکتوبات احمدیہ۔ جلد اول۔ مکتوب ۹۹۔

موته وحياته فی مشاهدته لامته ومعرفته باحوالهم ونياتهم و عزائمهم وخواطرهم ذلك عنده جلیٌ لاخفاء به - فان قلت هذه الصفات مختصة بالله تعالیٰ فالجواب ان من انتقل الی عالم البرزخ من المؤمنين يعلم احوال الاحياء غالبًا وقد وقع كثيرٌ من ذلك كماهو مسطورٌ فی مظنة ذلك من الكتب وقد روی ابن المبارك عن سعيد بن المسيب قال ليس من يوم الاو تعرض علی النبی صلی الله عليه وسلم اعمال امته غدوةً وعشيةً فيعرفهم بسيماهم واعمالهم فلذلك يشهدُ عليهم (مواهب لدنيه)	اپنی امت کے مشاہدے اوران کے احوال ونیات وعزائم وخواطر کی معرفت میں حضور کی موت وحیات یکساں ہے۔ اور یہ آپ کے نزدیک ظاہر ہے اِس میں کوئی پوشیدگی نہیں۔ اگر اعتراض کیا جائے۔ کہ یہ صفات تو اللہ تعالےٰ سے مختص ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ (کامل) مومنوں میں سے جو شخص عالم برزخ میں چلا جاتا ہے۔ وہ زندوں کے حالات غالبًا جانتا ہے۔ ایسا بہت وقوع میں آیا ہے۔ جیسا کہ اس کے متعلق کتابوں میں مذکور ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے بروایت سعید بن مسیب نقل کیا ہے۔ کہ کوئی دن ایسا نہیں۔ کہ صبح وشام امت کے اعمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش نہ کئے جاتے ہوں۔ لہذا آپ اُن کے اعمال کو اور خود اُن کو اُن کے چہرے سے پہچانتے ہیں۔ اِسی واسطے آپ ان پر گواہی دیں گے۔

مواہب لدنیہ کی طرح مدخل ابن حاج میں بھی زیارت سید الاولین والآخرین میں یہی مضمون مذکور ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے :۔

فاذا زاره صلی الله عليه وسلم فان قدر ان لا يجلس فهو به اولیٰ فان عجز فله ان يجلس بالادب والاحترام والتعظيم وقد لايحتاج الزائر فی طلب حوائجه ومغفرة ذنوبه ان يذكرها بلسانه بل يحضر ذلك فی قلبه وهو حاضر بين يديه صلی الله عليه وسلم لانه	جس وقت زائر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرے۔ اگر وہ طاقت رکھتا ہو کہ نہ بیٹھے۔ تو اُس کے لئے نہ بیٹھنا اولےٰ ہے۔ اگر وہ کھڑا رہنے سے عاجز ہو۔ تو اُسے ادب واحترام وتعظیم سے بیٹھنا جائز ہے۔ زائر کے لئے اپنی حاجتیں اور گناہوں کی معافی طلب کرنے میں یہ ضروری نہیں کہ ان کو اپنی زبان سے ذکر کرے۔ بلکہ ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں

عليه الصلوٰة والسلام اعلم منه بحوائجه ومصالحه وارحم به منه لنفسه و اشفق عليه من اقاربه وقد قال عليه الصلوٰة والسلام (انما مثلی ومثلکم کمثل الفراش تقعون فی النار وانا اٰخذ بحجزکم عنها) اوکما قال وهذا فی حقه صلے الله عليه وسلم فی کل وقت واوان اعنی فی التوسل به وطلب الحوائج بجاهه عند ربه عزّ وجلّ ومن لم یقدر له زیارته صلے الله عليه وسلم بجسمه فلینوها کل وقت بقلبه ولیحضر قلبه انه حاضر بین یدیه منشفعًا الی من من به علیه (مدخل لابن الحاج۔ جزء اول - زیارت سید الاولین والاٰخرین صلے الله عليه وسلم)۔

دل میں حاضر کرلے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زائر کی حاجات وضروریات کا علم خود زائر سے زیادہ ہے۔ اور حضور اُس پر خود اُس کی نسبت زیادہ رحم والے اور اُس کے اقارب سے زیادہ شفقت والے ہیں۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: "میرا حال اور تمہارا حال پروانوں کے حال کی طرح ہے۔ کہ تم آگ میں گرتے ہو اور میں تم کو کمر سے پکڑ کر آگ سے بچانے والا ہوں" اور یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہر وقت اور ہر لحظہ میں ہے یعنی حضور سے توسل کرنے میں اور آپ کے جاہ کے وسیلہ سے حاجتیں مانگنے میں۔ اور جس شخص کے لئے بذات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مقدر نہ ہو۔ اُسے چاہئے کہ ہر وقت اپنے دل میں زیارت کی نیت کرلے اور یہ سمجھے کہ میں حضور کے سامنے حاضر ہوں اور حضور کو بارگاہ الٰہی میں شفیع لارہا ہوں جس نے آپ کو بھیج کر مجھ پر بڑا احسان کیا۔

علامہ سیوطی عالم برزخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اشغال یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

النظر فی اعمال امته والاستغفار لهم من السیئاتِ والدعاء بکشف البلاء عنهم والتردد فی اقطارِ الارض لحلول البرکة فیها وحضور جنازة من مات من صالحی امته فان هذه الامور من جملة اشغاله فی البرزخ کما وردت بذالك الاحادیث والاٰثار[۱]

اپنی امت کے اعمال کو دیکھنا۔ اور اُن کے گناہوں کی بخشش طلب کرنا۔ اور اُن سے بلا دور کرنے کی دعا کرنا۔ اور اقطار زمین میں حلول برکت کے لئے تشریف لے جانا۔ اور اپنی امت کے صالحین میں سے کسی کے جنازے میں حاضر ہونا۔ کیونکہ یہ امور برزخ میں حضور کے اشغال میں سے ہیں۔ جیسا کہ احادیث وآثار میں وارد ہے۔

[۱] انباہ الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء۔ مطبوعہ مطبع محمدی واقع لاہور۔

اللہ تعالٰے نے حضور کو علم ماکان ومایکون عطا فرمایا۔ چنانچہ صحیح بخاری[۱] و مسلم میں حضرت خذیفہ کی روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں (وعظ کے لیے) کھڑے ہوئے۔ اس مقام میں آپ نے جو کچھ قیامت تک واقع ہونے کو ہے سب بیان فرمایا۔ اُسے یاد رکھا جس نے یاد رکھا اور بھلا دیا جس نے بھلا دیا۔ اس واقعہ کا میرے ان یاروں کو علم ہے۔ اور جو کچھ آپ نے خبر دی اُس میں سے ایسی چیز واقع ہوتی ہے جس کو میں بھول گیا پس اُس کو دیکھتا ہوں۔ تو یاد کر لیتا ہوں جس طرح ایک شخص دوسرے شخص کا چہرہ (بطریق اجمال) یاد رکھتا ہے جب وہ اُس سے غیب ہو جاتا ہے۔ پھر جب اُس کو دیکھتا ہے تو اُسے (بتفصیل و تشخیص) پہچان لیتا ہے۔

حضرت ابوزید فرماتے[۲] ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نماز فجر پڑھائی۔ اور منبر پر رونق افروز ہوئے پس آپ نے ہمیں وعظ فرمایا۔ یہاں تک کہ ظہر ہو گئی۔ پس آپ منبر پر سے اُترائے اور نماز پڑھی۔ پھر منبر پر رونق افروز ہوئے۔ اور ہمیں وعظ فرمایا۔ یہاں تک کہ عصر آگئی پھر آپ اُتر آئے۔ اور نماز پڑھی پھر منبر پر رونق افروز ہوئے اور ہمیں وعظ فرمایا۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ پس آپ نے ہم کو جو کچھ واقع ہو چکا ہے اور جو ہونے والا ہے۔ سب کی خبر دی۔ پس ہم میں سے جو زیادہ یاد رکھنے والا ہے۔ وہ زیادہ عالم ہے۔

حضرت ثوبان روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اللہ نے میرے لئے زمین کو لپیٹ لیا۔ پس میں نے اس کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا۔ اور قریب ہے۔ کہ میری اُمت کی سلطنت ان تمام مقامات پر پہنچے۔ اور مجھے دو خزانے سُرخ و سفید دئے گئے[۳]۔ الحدیث۔

صحیح بخاری و مسلم میں حضرت اسامہ بن زید سے روایت ہے۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ کے قلعوں میں سے ایک پر کھڑے ہوئے۔ پھر فرمایا۔ کیا تم دیکھتے ہو جو میں دیکھتا ہوں۔ صحابہ نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میں دیکھ رہا ہوں۔ کہ فتنے تمہارے گھروں کے بیچ بارش کی طرح

---

[۱] مشکوٰۃ۔ کتاب الفتن۔ فصل اول۔

[۲] صحیح مسلم۔ جلد ثانی۔ کتاب الفتن۔

[۳] صحیح مسلم۔ کتاب الفتن۔

رگڑ رہے ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عایش سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں نے اپنے پروردگار کو نہایت اچھی صورت میں دیکھا۔ اُس نے پوچھا کہ فرشتے کس چیز میں جھگڑ رہے ہیں۔ مَیں نے عرض کیا۔ تو زیادہ دانا ہے۔ آنحضرت نے فرمایا پس پروردگا نے اپنا ہاتھ میرے دوشانوں کے درمیان رکھا۔ میں نے اُس ہاتھ کی ٹھنڈک اپنے دو پستانوں کے درمیان پائی۔ اور جان لیا جو کچھ[1] آسمانوں اور زمینوں میں تھا۔ اور آنحضرت نے یہ آیت پڑھی:

وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ۔	اور اسی طرح ہم دکھانے لگے ابراہیم کو سلطنت آسمان اور زمین کی اور تا اُس کو یقین آوے۔

اس حدیث کو دارمی نے بطریق ارسال روایت کیا ہے۔ اسی کی مانند ترمذی میں ہے[2]۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (اپنے دولت خانہ سے) نکلے۔ اور آپ کے دونوں ہاتھوں میں دو کتابیں تھیں۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تم جانتے ہو۔ یہ دو کتابیں کیسی ہیں؟ ہم نے عرض کیا۔ نہیں یا رسول اللہ! مگر یہ کہ آپ ہمیں بتادیں۔ پس جو آپ کے دائیں ہاتھ میں تھی۔ اُس کی نسبت فرمایا۔ کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ایک کتاب ہے۔ اس میں بہشتیوں کے نام اور اُن کے آباء وقبائل کے نام ہیں۔ پھر اخیر میں اُن کا مجموعہ دیا گیا ہے۔ پس اُن میں نہ کبھی زیادتی ہوگی اور نہ کمی ہوگی۔ پھر جو آپ کے بائیں ہاتھ میں تھی۔ اُس کی نسبت فرمایا۔ کہ یہ رب العالمین کی طرف سے ایک کتاب ہے۔ اُس میں دوزخیوں کے نام ہیں۔ پھر اخیر میں مجموعہ دیا گیا ہے۔ پس اُن میں کبھی نہ زیادتی ہوگی اور نہ کمی ہوگی۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! اگر اس امر سے فراغت ہو چکی ہے تو پھر عمل کس واسطے ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اپنے عملوں کو درست کرو۔ اور قرب الٰہی ڈھونڈو۔ کیونکہ جو بہشتی ہے۔ اُس کا خاتمہ بہشتیوں کے عمل پر ہوگا خواہ وہ عمر بھر کیسا ہی عمل کرتا رہے۔ اور جو دوزخی ہے اُس کا خاتمہ دوزخیوں کے عمل پر ہوگا خواہ وہ عمر بھر کیسا ہی عمل کرتا رہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

[1] عبارت است از حصول تمامہ علوم جزوی وکلی واحاطۂ آں۔ اشعۃ اللمعات۔
[2] مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ۔ باب المساجد۔

دونوں ہاتھوں سے اشارہ فرمایا۔ اور اِن دو کتابوں کو پسِ پشت ڈال دیا۔ پھر فرمایا۔ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں سے فارغ ہوگیا ہے۔ ایک گروہ بہشت میں اور ایک گروہ دوزخ میں۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے[1]۔

امام احمد و طبرانی نے بروایت ابوذر نقل کیا ہے۔ کہ اُس نے کہا۔ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے آئے۔ اس حال میں کہ آسمان میں پرندہ جو اپنا بازو ہلاتا ہے۔ اُس کی بابت بھی اپنے علم کا ذکر آپ نے ہم سے کر دیا[2]۔

طبرانی میں بروایت ابن عمر مروی ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے میرے واسطے دنیا کو اُٹھایا۔ پس میں دنیا کی طرف اور اُس میں قیامت تک حوادث مستقبلہ کی طرف یوں دیکھتا تھا۔ کہ گویا اپنے اس کفِ دست کو دیکھ رہا ہوں[3]۔

طبرانی ہی میں حضرت خدیفہ بن اُسید سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ کل رات اس حجرہ کے پاس میری امت اوّل سے آخر تک مجھ پر پیش کی گئی۔ پس آپ سے عرض کیا گیا۔ یا رسول اللہ! پیش کئے گئے آپ پر جو پیدا ہو چکے۔ پس کیونکر پیش کئے گئے جو پیدا نہیں ہوئے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میرے لئے آب و گِل میں اُن کی صورتیں بنائی گئیں۔ یہاں تک کہ میں اُن میں سے ہر ایک کو اِس سے بھی زیادہ پہچانتا ہوں۔ کہ تم اپنے ساتھی کو پہچانتے ہو[4]۔

مسند فردوس میں ہے۔ کہ میرے لئے آب و گل میں میری امت کی شکل بنائی گئی۔ اور مجھے تمام اسماء کا علم حضرت آدم کی طرح دیا گیا[5]۔

---

[1] مشکوٰۃ۔ کتاب الایمان۔ باب الایمان بالقدر۔ فصل ثانی۔

[2] مواہب لدنیہ۔ مقصد ثامن۔ فصل ثالث۔

[3] مواہب لدنیہ۔ مقصد ثامن۔ فصل ثالث

[4] خصائص کبریٰ للسیوطی۔ جزء ثانی۔ ص۱۹۷۔

[5] مواہب لدنیہ۔ کتاب فی المعجزات والخصائص۔ الفصل الثانی فیما خصہ اللہ تعالیٰ بہ من المعجزات۔ ایک روایت میں میری امت کی بجائے دنیا کا لفظ ہے۔ دیکھو زرقانی۔

جب حضور کے علم کی وسعت کا یہ حال ہے۔ تو انس و جن و ملک میں سے کس کو یارا ہے۔ کہ اس کا احاطہ کر سکے۔ لہذا یہاں جو کچھ بیان ہوتا ہے اسے سمندر میں سے ایک قطرہ تصور کرنا چاہئیے صاحب قصیدہ بردہ شریف یوں فرماتے ہیں:۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا — کیونکہ دنیا اور آخرت آپ کی بخشش سے ہے۔

وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ — اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم میں سے ہے۔

اس بیت کی شرح میں شیخ ابراہیم باجوری رحمہ اللہ تعالےٰ یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

استشكل جعل علم اللوح والقلم بعض علومه صلى الله عليه وسلم بان من جملة علم اللوح والقلم الامور الخمسة المذكورة فى آخر سورة لقمان مع ان النبى عليه الصلوٰة والسلام لا يعلمها لان الله قد استاثر بعلمها فلا يتم التبعيض المذكور واجيب بعدم تسليم ان هذه الامور الخمسة مما كتب القلم فى اللوح والا لاطلع عليه من شانه ان يطلع على اللوح كبعض الملائكة المقربين وعلى تسليم انها مما كتب القلم فى اللوح فالمراد ان بعض علومه صلى الله عليه وسلم علم اللوح والقلم الذى يطلع عليه المخلوق فخرجت هذه الامور الخمسة على انه صلى الله عليه وسلم لم يخرج من الدنيا الا بعد ان اعلمه الله تعالى بهذه الامور فان قيل اذا كان علم اللوح والقلم

ناظم نے علم لوح و قلم کو حضرت کے علوم کا بعض قرار دیا ہے اور یہ مشکل خیال کیا گیا ہے۔ کیونکہ امور خمسہ جو آخر سورۂ لقمان میں مذکور ہیں۔ علم لوح و قلم میں سے ہیں۔ حالانکہ حضرت ان کو نہیں جانتے۔ کیونکہ ان کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے چن لیا ہے۔ لہذا بعضیت مذکورہ درست نہیں رہتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو ہم یہ تسلیم نہیں کرتے۔ کہ امور خمسہ مذکورہ قلم نے لوح محفوظ میں لکھے ہیں ورنہ وہ (جیسا کہ بعض مقرب فرشتے) جن کی شان سے یہ ہے کہ وہ لوح پر مطلع ہوتے ہیں۔ ان امور پر مطلع ہوتے۔ اگر ہم تسلیم کر لیں کہ امور خمسہ کو قلم نے لوح میں لکھا ہے۔ تو مراد یہ ہے۔ کہ آنحضرت کے علوم کا بعض وہ علم لوح و قلم ہے۔ جس پر مخلوق مطلع ہے۔ پس یہ امور خمسہ نکل گئے۔ علاوہ ازیں حضرت اس دنیا سے تشریف نہ لے گئے۔ مگر بعد اس کے کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو ان امور کا علم دے دیا۔ اگر یہ کہا جائے کہ جب علم لوح و قلم حضرت کے علوم کا بعض ٹھہرا۔ تو دوسرا بعض کونسا ہے؟ اس کا جواب

بعض علومه صلی الله علیه وسلم فما
البعض الآخر اجیب بان البعض
الآخر هو ما اخبره الله عنه من احوال
الآخرة لان القلم انما کتب فی اللوح
ما هو کائن الی یوم القیامة۔

یوں دیا گیا ہے۔ کہ دوسرا بعض وہ احوال آخرت
ہیں۔ جن کی اللہ تعالےٰ نے حضرت کو خبر دی ہے۔
کیونکہ قلم نے تو لوح میں فقط وہ لکھا ہے۔ جو روزِ
قیامت تک ہونے والا ہے۔

علامہ شیخ محی الدین محمد بن مصطفیٰ معروف بہ شیخ زادہ جنہوں نے تفسیر بیضاوی پر حاشیہ
لکھا ہے۔ اسی بیت کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

والعلم فی هذا البیت اما بمعناه او
بمعنی المعلوم ای معلوماتك المعلومات
الحاصلة منهما ولعل الله اطلعه علی
جمیع ما فی اللوح وزاده ایضا لان اللوح و
القلم متناهیان فما فیهما متناه ویجوز
احاطة المتناهی بالمتناهی هذا اعلی قدر
فهمك اما من اکتحلت عین بصیرته
بالنور الالهی فیشاهد بالذوق ان
علم اللوح والقلم جزء من علومه کما هی
جزء من علم الله سبحانه لانه علیه السلام
عند الانسلاخ عن البشریة کما لا یسمع
ولا یبصر ولا یبطش ولا ینطق الا به
جلت قدرته وعمت نعمته کذلك
لا یعلم الا بعلمه الذی لا یحیطون بشیء
منه الا بما شاء کما اشار الیه بقوله و
علمك ما لم تکن تعلم

اس بیت میں علم یا تو اپنے معنے میں ہے یا معلوم کے
معنے میں ہے۔ یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے
معلومات وہ معلومات ہیں جو دونوں سے حاصل ہوئے
ہیں۔ اور شاید اللہ نے حضرت کو اُس تمام پر مطلع
کر دیا ہے۔ جو لوح میں ہے۔ اور اس سے زیادہ کا
بھی علم دیا ہے۔ کیونکہ لوح وقلم متناہی ہیں۔ پس
جو کچھ ان دونوں میں ہے وہ متناہی ہے۔ اور متناہی
کا احاطہ متناہی سے جائز ہے۔ اس قدر بقدر تیری
سمجھ کے ہے۔ لیکن وہ شخص جس کی بصیرت کی آنکھ
میں نور الٰہی کا سرمہ پڑا ہوا ہے۔ وہ ذوق سے
مشاہدہ کرتا ہے۔ کہ علوم لوح وقلم حضرت کے علوم
کا جزء ہیں۔ جیسا کہ اللہ سبحانہ کے علم کا جزء ہیں کیونکہ
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بشریت کے انسلاخ کے وقت جیسا کہ
نہیں سنتے نہیں دیکھتے نہیں پکڑتے اور نہیں بولتے۔ مگر ساتھ اللہ کے
اسی طرح حضور نہیں جانتے مگر ساتھ اُس علم خدا کے جس میں سے کسی
چیز کو نہیں گھیرتے ملائکہ انبیاء وغیرہ مگر جو وہ چاہے۔ جیسا کہ اُس نے

اپنے ارشاد (وعلمك مالم تكن تعلم) میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

بیان بالا سے یہ نہ سمجھا جائے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مساوی ہے۔ کیونکہ انبیائے کرام علیہم السلام کا علم اللہ تعالیٰ کے علم سے وہ نسبت بھی نہیں رکھتا جو قطرے کو سمندر سے ہوتی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری (تفسیر کہف) میں قصہ حضرت موسیٰ وحضرت خضر علیہما السلام میں ہے:۔

قال وجاء عصفور فوقع على حرف السفينة فنقر فى البحر نقرة فقال له الخضر ما علمى وعلمك من علم الله الا مثل ما نقص هذا العصفور من هذا البحر

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک چڑیا کشتی کے کنارے پر آکر بیٹھی۔ اُس نے اپنی چونچ سمندر میں ڈبوئی۔ حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا۔ کہ میرا علم اور آپ کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں ایسا بھی نہیں۔ جو اس چڑیا نے سمندر میں سے اپنی چونچ میں لے لیا۔

شیخ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر روح البیان میں آیہ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ کے تحت میں یوں لکھتے ہیں:۔

قال شيخنا العلامة ابقاه الله بالسلامة فى الرسالة الرحمانية فى بيان الكلمة الفرقانية علم الاولياء من علم الانبياء بمنزلة قطرة من سبعة ابحر وعلم الانبياء من علم نبينا محمد عليه الصلوٰة والسلام بهذه المنزلة وعلم نبينا من علم الحق سبحانه بهذه المنزلة۔

ہمارے استاد علامہ نے اللہ اُن کو سلامت رکھے الرسالۃ الرحمانیہ فی بیان الکلمۃ الفرقانیہ میں فرمایا۔ کہ اولیاء کا علم انبیاء کے علم سے بمنزلہ ایک قطرہ کے ہے سات سمندروں میں سے۔ اور انبیاء کا علم ہمارے نبی محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم سے یہی نسبت رکھتا ہے۔ اور ہمارے نبی کا علم حق سبحانہ کے علم سے یہی نسبت رکھتا ہے۔

صاحب قصیدہ بردہ شریف فرماتے ہیں:۔

وَكُلُّهُمْ مِّنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ مُلْتَمِسٌ | غَرْفًا مِّنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِّنَ الدِّيَمِ
وَوَاقِفُوْنَ لَدَيْهِ عِنْدَ حَدِّهِمِ | مِنْ نُّقْطَةِ الْعِلْمِ اَوْ مِنْ شَكْلَةِ الْحِكَمِ

ترجمہ منظوم

ہیں رسول اللہ کے فیضان سے سیراب سب	وہ کسی کے حق میں شبنم کسی کے حق میں یم
اُس کی پیشی میں کھڑے ہیں اپنی اپنی حد پہ سب	ہے کوئی تو نقطۂ علم کوئی اعرابِ حِکم

اِن شعروں کی تشریح و مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے سب سے پہلے سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک کو پیدا کیا۔ پھر اُسے خلعت نبوت سے سرفراز فرمایا۔ وہ روح پاک عالم ارواح میں دیگر انبیائے علیہم السلام کی روحوں کو تعلیم دیا کرتی تھی۔ ہر ایک روح نے حسب قابلیت و استعداد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح سے استفادہ علم کیا۔ کسی نے حضور کے علم کے بحر زخار سے بقدر ایک چلو کے لیا اور کسی نے حضور کے فیضان کی لگاتار بارشوں سے بقدر ایک قطرہ یا گھونٹ کے لیا۔ علوم و معارف جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی روح اقدس سے حاصل کئے اُن کی غایت و نہایت حضور کے علم کے دفتر کا فقط ایک نقطہ یا آپ کے معارف کے دفتر کا محض ایک اعراب ہے۔

جو شخص حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا مطلقاً انکار کرتا ہے اُسے آیہ ذیل اور اُس کا شان نزول مطالعہ کرنا چاہیئے:۔

وَلَئِنۡ سَاَلۡتَہُمۡ لَیَقُوۡلُنَّ اِنَّمَا کُنَّا نَخُوۡضُ وَ نَلۡعَبُ ؕ قُلۡ اَبِاللّٰہِ وَ اٰیٰتِہٖ وَ رَسُوۡلِہٖ کُنۡتُمۡ تَسۡتَہۡزِءُوۡنَ ۝ لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ کَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِیۡمَانِکُمۡ (توبہ ۔ ع)	اور البتہ اگر تو ان سے پوچھے۔ تو البتہ وہ کہیں گے سوا اس کے نہیں۔ کہ ہم بول چال کرتے تھے اور کھیلتے تھے۔ تو کہہ دے۔ کیا تم اللہ سے اور اس کے کلام سے اور اس کے رسول سے ٹھٹھا کرتے ہو۔ بہانے مت بناؤ۔ تحقیق تم اپنے ایمان کے بعد کافر ہو گئے۔

علامہ جلال الدین سیوطی تفسیر درمنثور (جزء ثالث ۔ صفحہ ۲۵۴) میں فرماتے ہیں کہ ابن ابی شیبہ اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم و ابوالشیخ نقل کرتے ہیں۔ کہ امام مجاہد نے اللہ تعالےٰ کے قول وَلَئِنۡ سَاَلۡتَہُمۡ لَیَقُوۡلُنَّ اِنَّمَا نَخُوۡضُ وَنَلۡعَبُ کا شان نزول یہ بیان کیا ہے۔

قال رجل من المنافقین یحدثنا محمد ان ناقۃ فلان بوادی کذا و کذا	منافقین میں سے ایک شخص نے کہا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہمیں بتاتے ہیں کہ فلاں شخص کی اونٹنی

فی یوم کذا وکذا وما یدریہ الغیب | فلاں دن فلاں وادی میں ہے۔ وہ غیب کیا جانیں۔

مطلب یہ کہ ایک شخص کی اونٹنی گم ہوگئی تھی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ وہ فلاں وادی میں ہے۔ ایک منافق بولا۔ وہ غیب کی خبر کیا جانیں۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے فرما دیا۔ کہ منافقین جو بطریق استہزاء کہتے ہیں۔ کہ حضرت غیب کی خبر کیا جانیں۔ اور اس کے لئے بہانے بناتے ہیں۔ ان سے کہہ دیجئے۔ کہ اس استہزاء کے سبب تم کافر ہوگئے۔ یہ قصہ غزوۂ تبوک میں پیش آیا تھا۔ جسے ہم بروایت ابن اسحاق وواقدی پہلے نقل کر آئے ہیں۔

اخبار بالمغیبات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جو قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ دوسرے وہ جو احادیث میں وارد ہیں۔ قسم اول کا ذکر اعجاز القرآن میں ہو چکا۔ قسم دوم کی چند اور مثالیں یہ ہیں۔ کفار پر اپنی امت کے غلبہ کی خبر دینا۔ حضرت معاذ بن جبل کو یمن کی طرف روانہ کرتے وقت فرما دینا کہ اس سال کے بعد تو مجھے نہ پائے گا۔ حضرت عدی بن حاتم کو راستے کے امن کی خبر دینا۔ اور فرما دینا۔ کہ اگر تیری زندگی دراز ہوئی۔ تو دیکھ لے گا۔ کہ ایک عورت حیرہ سے تنہا سفر کر کے خانہ کعبہ کا طواف کرے گی۔ اور اُسے خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ صحیفۂ قریش جسے انہوں نے بحفاظت تمام خانہ کعبہ کی چھت میں رکھا ہوا تھا۔ اُس کی نسبت تین سال کے بعد بتا دینا۔ کہ اللہ کے نام کے سوا اُس تمام کو دیمک چاٹ گئی ہے۔ حضرت فاطمۃ الزہرا کی نسبت فرمانا۔ کہ اہلبیت میں سے میری وفات کے بعد وہ سب سے پہلے میرے پاس پہنچے گی۔ ام المؤمنین حضرت زینب کی نسبت یوں فرمانا۔ کہ میری وفات کے بعد میرے ازواج میں سے سب سے پہلے جو مجھے ملے گی۔ وہ دراز دست (لمبے ہاتھ والی) ہے۔ ابی بن خلف کی نسبت خبر دینا کہ یہ میرے ہاتھ سے قتل ہوگا۔ اصحمہ نجاشی کی موت کی خبر دینا جس دن اُس نے حبشہ میں وفات پائی۔ شب معراج کی صبح کو قریش کے قافلوں کی خبر دینا جو تجارت کے لئے ملک شام کو گئے ہوئے تھے۔ غار ثور سے نکلنے کے بعد مدینہ کے راستے میں سراقہ بن مالک سے فرمانا۔ کہ تو کسریٰ کے کنگن پہنایا جائے گا۔ سلسلہ خلافت اور خلفائے ثلاثہ حضرت عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کی شہادت کی خبر دینا۔ واقعہ جمل وصفین کی خبر دینا۔ وباء عمواس کی خبر دینا۔ حضرت امام حسن کے ذریعہ دو گروہ اسلام میں صلح ہونے کی خبر دینا۔ حضرت امام حسین کی شہادت کی خبر دینا۔ حضرت امیر معاویہ کی

ولایت کی خبر دینا۔ حضرت عمار بن یاسر سے فرما دینا کہ تجھے گروہ باغی قتل کرے گا۔ خلفائے بنی اُمیہ و بنی عباس کے حالات کی خبر دینا۔ حجاج ظالم اور مختار کذّاب کی خبر دینا۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کی نسبت فرمانا۔ کہ یہ بیت اللہ شریف کو بچائے گا یہاں تک کہ شہید ہو جائے گا۔ خوارج و رافضہ و قدریہ و مرجیہ و زنادقہ کی خبر دینا۔ امت کے تہتر فرقے ہونے اور اُن میں سے ایک کے ناجی ہونے کی خبر دینا۔ غزوۂ اُحد میں خبر دینا۔ کہ حضرت حنظلہ کو فرشتے غسل دے رہے ہیں جنگ بدر کے دن میدانِ جنگ میں کفار قریش کے مرنے کی جگہوں کا الگ الگ نشان دینا۔ کہ یہاں فلاں کافر مرے گا۔ اور وہاں فلاں۔ جنگ بدر کے خاتمہ پر اپنے چچا عباس سے بتا دینا۔ کہ تم اپنی بیوی ام الفضل کے پاس مکہ میں مال چھوڑ آئے ہو۔ حالانکہ عباس و ام الفضل کے سوا کسی اور کو اُس مال کا علم نہ تھا۔ غزوۂ بنی المصطلق سے واپسی کے وقت مدینہ منورہ کے قریب فرما دینا کہ یہ تیز ہوا ایک بڑے منافق (رفاعہ بن زید بن التابوت) کی موت کے لئے چلی ہے۔ حضرت اقرع بن شفی العکی سے حالت بیماری میں فرما دینا۔ کہ تو اس بیماری میں نہیں مرے گا۔ بلکہ ملک شام میں ہجرت کرے گا۔ اور وہیں وفات پائے گا۔ اور رملہ میں دفن ہوگا۔ فتح مکہ کی تیاریوں کے وقت حاطب بن ابی بلتعہ کے خط کی خبر دینا۔ جو اُس نے اہل مکہ کو اُن تیاریوں سے مطلع کرنے کے لئے لکھا تھا۔ اور حضرت علی وغیرہ سے بتا دینا۔ کہ اس حلیہ کی ایک عورت اس خط کو لے جا رہی ہے۔ اور تم اُسے فلاں جگہ جا پکڑو گے۔ وفد عبد القیس کے آنے کی خبر دینا۔ غزوۂ موتہ جو مدینہ منورہ سے ایک مہینہ کی مسافت پر ملک شام میں ہو رہا تھا۔ اُس کی نسبت خبر دینا۔ کہ حضرت زید و جعفر و ابن رواحہ یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے۔ اور آخر حضرت خالد نے فتح پائی۔ مقام تبوک میں جو شام و مدینہ کے درمیان ہے۔ فرما دینا۔ کہ آج مدینہ میں حضرت معاویہ لیثی نے انتقال فرمایا۔ اور وہیں اُن کی نماز پڑھنا۔ کسرٰے و قیصر کے ہلاک ہونے اور فارس و روم کے فتح ہونے کی خبر دینا۔ لبید بن اعصم یہودی کے جادو کی خبر دینا۔ مومنین و منافقین کے اسرار کی خبر دینا حضرت اویس قرنی کی خبر دینا۔ بنائے بغداد و بصرہ و کوفہ کی خبر دینا۔ امام ابو حنیفہ و مالک و شافعی کی بشارت دینا وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام امور اُسی طرح وقوع میں آئے جس طرح حضور نے خبر دی تھی۔

قیامت کی نشانیاں جو آپ نے بیان فرمائیں۔ وہ ان کے علاوہ ہیں۔ اور وہ تین قسم

کی ہیں:-

اوّل - وہ آثار جو وقوع میں آچکے - مثلاً حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف - تمام صحابہ کرام کا اس دنیا سے رحلت فرمانا - حضرت عثمان غنی کا شہید ہونا - تاتاریوں کا فتنہ - حجاز کی آگ - جھوٹے دجالوں کا دعوے رسالت کے ساتھ نکلنا - بیت المقدس اور مدائن کا فتح ہوجانا سلطنت عرب کا زائل ہوجانا - تین خسوف کا وقوع (ایک مشرق میں ایک مغرب میں اور ایک جزیرہ عرب میں) قتل اور فتنوں اور زلزلوں کی کثرت مسخ وقذف - ریح احمر - انقطاع طریق حج کعبۃ اللہ سے حجر اسود کا اُٹھایا جانا - کثرت موت وغیرہ -

دوم - وہ آثار جو ظہور میں آچکے اور زیادہ ہورہے ہیں - حتیٰ کہ قسم سوم سے مل جائیں گے - مثلاً عابدوں کا جاہل ہونا - قاریوں کا فاسق ہونا - چاندوں کا بڑا نظر آنا حتیٰ کہ کہا جائے - کہ یہ دوسری رات کا چاند ہے - بارش کا زیادہ ہونا اور روئیدگی کا کم ہونا - قاریوں کی کثرت اور فقہاء کی قلت - امیروں کی کثرت اور امینوں کی قلت - فاسقوں کا سردار قبیلہ اور فاجروں کا حاکم بازار بننا - مومن کا اپنے قبیلہ میں نقد[1] سے زیادہ ذلیل ہونا - تجارت کی کثرت - عورت کا اپنے شوہر کے ساتھ شریک تجارت ہونا - قطع رحم کرنا - کاتبوں کی کثرت اور علماء کی قلت - جھوٹی گواہی کا ظاہر ہونا - امانت کو غنیمت سمجھنا - زکوٰۃ کو تاوان خیال کرنا - علم دین کو دنیا کی خاطر سیکھنا - عقوق والدین کی کثرت - بڑوں کی عزت نہ ہونا - چھوٹوں پر رحم نہ کیا جانا - اولاد زنا کی کثرت - اونچے محلوں پر فخر کرنا - مسجدوں میں دنیا کی باتیں کرنا - نماز پڑھانے کے لئے مسجدوں میں اماموں کا نہ ملنا - بغیر شروط و ارکان نمازیں پڑھنا حتیٰ کہ پچاس میں سے ایک کی بھی نماز کا قبول نہ ہونا - مسجدوں کی آرائش کرنا - مسجدوں کو راستے بنانا - قریبی لڑکی سے مفلسی کے سبب سے نکاح نہ کرنا - اور کسی دنیئۃ الاصل سے اُس کی دولتمندی کے سبب سے نکاح کرلینا - ناحق مال لینا - حلال درہم کا نہ پایا جانا - سائل کا محروم رہنا - اسلام کا غریب ہونا - لوگوں میں کینہ

---

[1] نقد بفتح نون وقاف - ایک قسم کی بدشکل بکری ہوتی ہے - جس کے ہاتھ پاؤں چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں - یہ ذلت میں ضرب المثل ہے - چنانچہ کہا جاتا ہے - اَذَلُّ مِنَ النَّقَدِ یعنی نقد سے زیادہ ذلیل - اس لفظ کا واحد نقدۃ اور جمع نقاد ہے -

وقبض ہونا۔ عمریں کم ہونا۔ درختوں کے پھلوں کا کم ہونا۔ جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا جاننا۔ مال حاصل کرنے کے لئے لوگوں کی منافقانہ مدح کرنا۔ خطباء کا جھوٹ بولنا۔ لوگوں کا راستوں میں چارپایوں کی طرح مجامعت کرنا۔ حکّام کا ظلم کرنا۔ نجومیوں کا سچا جاننا۔ قضا و قدر کو حق نہ جاننا مرد کا عورت یا دوسرے مرد سے لواطت کرنا۔ جہاد نہ کرنا۔ مالداروں کی تعظیم کرنا۔ کبیرہ گناہوں کو حلال جاننا۔ سود اور رشوت کھانا۔ قرآن کو مزامیر بنانا۔ درندوں کے چمڑوں کے فرش بنانا۔ ریشم پہننا۔ علم کا اُٹھ جانا۔ جہالت و زنا و شراب نوشی کی کثرت۔ خائن کو امین اور امین کو خائن سمجھنا۔ گانے والی لونڈیوں کا رکھنا۔ آلات لہو کو حلال سمجھنا۔ حدود شرعیہ کا جاری نہ ہونا۔ عہد توڑنا۔ عورتوں کا مردوں سے اور مردوں کا عورتوں سے مشابہت پیدا کرنا۔ اخیر امت کا اول اُمت کو بُرا کہنا۔ مردوں کا عمامے چھوڑ کر عجمیوں کی طرح تاج پہننا۔ قرآن کو تجارت بنانا۔ مال میں سے اللہ کا حق ادا نہ کرنا۔ جوا کھیلنا۔ باجے بجانا۔ کم تولنا۔ جاہلوں کا حاکم بنانا۔ مسجدیں بنانے پر فخر کرنا۔ مردوں کی قلت اور عورتوں کی کثرت یہانتک کہ ایک مرد پچاس عورتوں کا متکفل ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ۔

سوم۔ وہ آثار جن کے بعد ساتھ ہی قیامت آجائے گی۔ اور وہ یکے بعد دیگرے پے درپے ظاہر ہوں گے۔ جیسے سلک مروارید سے موتی گرتے ہیں۔ مثلاً امام مہدی کا آنا۔ مسیح الدجال کا نکلنا۔ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا آسمان سے اُترنا۔ یاجوج وماجوج کا نکلنا مدینہ منورہ کا بے آباد ہونا۔ خانہ کعبہ کا گرایا جانا۔ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا۔ ایک عجیب چارپایہ کا نکلنا۔ ایک ہوا کا چلنا جو ہر مومن کی روح قبض کرے گی۔ لوگوں کا بت پرستی شروع کرنا۔ قرآن کا اُٹھایا جانا۔ یمن و قعر عدن سے ایک آگ کا نکلنا۔ جو لوگوں کو محشر کی طرف ہانک لے جائے گی۔

ان سب کے حالات کے لئے ایک ضخیم کتاب چاہئے۔ بطور نمونہ یہاں دو تین پیشین گوئیوں کا ذکر درج کیا جاتا ہے:۔

حجاز کی آگ

صحیحین[1] میں بروایت سعید بن المسیب مذکور ہے۔ کہ حضرت ابوہریرہ نے مجھے خبر دی

[1] صحیح بخاری و صحیح مسلم۔ کتاب الفتن۔ امام بخاری کی ولادت ۱۹۴ھ میں اور وفات ۲۵۶ھ میں۔ امام مسلم کی ولادت ۲۰۴ھ میں اور وفات ۲۶۱ھ میں ہوئی۔

کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ قیامت قائم نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ ایک آگ حجاز کی زمین سے نکلے گی۔ جو بصرے[1] میں اونٹوں کی گردنیں روشن کرے گی۔

مذکورہ بالا پیشین گوئی کے مطابق وہ آگ سرزمین[2] حجاز میں ظاہر ہوئی۔ اس کے ظہور سے پہلے کئی زلزلے آئے جو اُس کا پیش خیمہ تھے۔ چنانچہ ماہ جمادی الاولی ۶۵۴ھ کی اخیر تاریخ کو مدینہ منورہ میں کئی دفعہ زلزلہ آیا۔ مگر چونکہ خفیف تھا۔ اس لئے بعض لوگوں کو معلوم نہ ہوا۔ سہ شنبہ کے روز سخت زلزلہ آیا اور عام و خاص سب نے محسوس کیا۔ شب چہار شنبہ ۳ جمادی الاخرے کو رات کے اخیر تہائی حصہ میں مدینہ میں ایسا سخت زلزلہ آیا۔ کہ لوگ ڈر گئے۔ اور اس کی ہیبت سے دل کانپ گئے۔ زلزلے کا یہ سلسلہ جمعہ کے دن تک رہا۔ اور اس کی آواز بجلی سے بڑھ کر تھی۔ زمین کانپتی تھی۔ اور دیواریں ہل رہی تھیں۔ یہاں تک کہ صرف دن کے وقت اٹھارہ دفعہ حرکت ہوئی۔ جمعہ کی چاشت کو زلزلہ بند ہوگیا۔ اور دوپہر کو مدینہ منورہ سے قریبًا ایک منزل جانب شرق یہ آگ نمودار ہوئی۔ اس کے محل ظہور سے آسمان کی طرف بکثرت دھواں اُٹھا جس نے اُفق کو گھیر لیا۔ جب تاریکی چھاگئی۔ اور رات آگئی۔ تو آگ کی شعاع بلند ہوئی۔ یہ آگ ایک بڑے شہر کی مانند معلوم ہوتی تھی جس کے گرد ایک فصیل ہو۔ اور اُس فصیل پر کنگرے اور برج اور مینار ہوں۔ غرض اس آگ کو دیکھ کر تمام اہل مدینہ ڈر گئے۔ چنانچہ قاضی سنان حسینی کا بیان ہے۔ کہ " میں امیر مدینہ عزالدین منیف بن شیحہ کے پاس گیا۔ اور اس سے کہا۔ کہ عذاب نے ہم کو گھیر لیا ہے۔ اللہ کی طرف رجوع کر۔ یہ سُن کر اُس نے اپنے تمام غلام آزاد کر دیئے۔ اور لوگوں کے مظالم اُن کو واپس کر دیئے۔ پھر وہ اپنے قلعہ سے نکل کر حرم شریف میں آیا۔ اور اُس نے اور تمام اہل مدینہ حتی کہ عورتوں اور بچوں نے جمعہ کی رات اور ہفتہ کی رات حرم شریف میں گذاری۔ اور باغات میں کوئی نہ رہا۔ جو حرم شریف میں نہ آیا ہو۔ لوگ رات کو گریہ وزاری اور تضرع کرتے تھے۔ اور حجرہ شریف کے گرد ننگے سر اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے

---

[1] بصرے ملک شام میں ایک شہر کا نام ہے۔ یہ بصرہ نہیں جو عراق عرب میں ہے۔

[2] مفصل حالات کے لئے دیکھو وفاء الوفا باخبار دار المصطفٰے للعلامۃ السمہودی المتوفی ۹۱۱ھ۔ جزء اول صفحہ ۹۹ تا ۱۰۶۔

گڑگڑا کر دعا مانگ رہے تھے۔ اور نبی الرحمۃ صلے اللہ علیہ وسلم سے پناہ مانگ رہے تھے۔

قطب قسطلانی جو اُس وقت مکہ معظمہ میں مقیم تھے۔ اُن کا بیان ہے۔ کہ یہ آگ بڑھتی چلی آئی یہاں تک کہ حرّہ اور وادی شظات کے متصل آپہنچی۔ اور وادی شظات میں سے جس کی ایک طرف وادی حمزہ رضی اللہ عنہ ہے گزر کر حرم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابل ٹھیر گئی۔ اس آگ کے شعلے ایسے تیز تھے کہ شجر و حجر جو اُس کے راستے میں آتا۔ اُسے پارہ پارہ کر دیتی اور گھلا دیتی۔ غرض اس رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی تربت شریف کی برکت سے یہ آگ حرم شریف سے خارج ہی رہی۔ اور وہاں سے پیچھے ہٹ کر اپنا رُخ جانب شمال کر لیا۔ اور ۵۲ دن تک روشن رہی۔

یہ آگ مکہ۔ ینبع اور تیماء سے دکھائی دیتی تھی۔ اور شہر بصرے کے حاضرین کو اس کی روشنی میں اونٹوں کی گردنیں نظر آگئیں۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ مورخین کا قول ہے۔ کہ یہ آگ چار فرسنگ لمبی اور چار میل چوڑی اور ڈیڑھ قامت عمیق وادی میں چلتی تھی۔ اس کی حرارت سے پتھر رانگ کی مانند پگھل جاتا تھا۔ اس طرح وادی کے اخیر میں حرّہ کے منتہا کے نزدیک پگھلے ہوئے پتھر جمع ہوتے گئے۔ اور آخر کار اُن سے وادی شظات کے وسط میں کوہ وعیرہ کی طرف ایک سد بن گئی۔ اس سد کے آثار باقی ہیں۔ اور اہل مدینہ اُسے حبس کہتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں اس آگ کا ظہور ایسا مشہور ہے۔ کہ مورخین کے نزدیک حد تواتر کو پہنچا ہوا ہے۔ کذا فی وفاء الوفاء للسمہودی۔

امام نووی (متوفی ۶۷۶ھ) جو اُس زمانے میں موجود تھے۔ اس آگ کی نسبت شرح صحیح مسلم (مطبوعہ انصاری۔ جلد ثانی۔ کتاب الفتن۔ صفحہ ۳۹۳) میں یوں تحریر فرماتے ہیں:-

وقد خرجت فی زماننا نار بالمدینة سنة اربع وخمسین وستمائة وکانت نارًا عظیمة جدًا خرجت من جنب المدینة الشرقی وراء الحرة تواتر العلم بها عند جمیع اهل الشام وسائر البلدان و	اور تحقیق ہمارے زمانے میں ۶۵۴ھ میں ایک آگ نکلی۔ اور وہ نہایت بڑی آگ تھی جو مدینہ کے مشرقی پہلو سے حرہ کے پیچھے نکلی۔ شام اور باقی شہروں کے تمام باشندوں کو بطریق تواتر اس کا علم ہوا۔ اور مجھے اہل مدینہ میں سے ایک شخص نے خبر دی۔ جس نے

اخبرنی من حضرھا من اھل المدینۃ | اُس آگ کو دیکھا۔

علامہ تاج الدین سبکی (متوفی ۷۷۱ھ) طبقات الشافعیۃ الکبرےٰ (جزء خامس۔ صـ۱۱۲)
میں لکھتے ہیں۔ کہ جب ماہ جمادی الاخرےٰ ۶۵۴ھ کی پانچویں تاریخ ہوئی۔ تو مدینۃ النبی میں اِس
آگ کا ظہور ہوا۔ اور دو راتیں اس سے پہلے ایک بڑی آواز ظاہر ہوئی۔ پھر ایک بڑا زلزلہ آیا۔
پھر قریظہ کے قریب حرہ میں یہ آگ ظاہر ہوئی۔ اہل مدینہ اپنے گھروں سے اسے دیکھتے تھے۔ اس
آگ کی رَوئیں پانی کی طرح جاری ہوئیں۔ اور پہاڑ آگ بن کر رواں ہوئے۔ یہ آگ حاجیوں کے
رستہ عراقی کی طرف روانہ ہوئی۔ پھر ٹھہر گئی۔ اور زمیں کو کھانے لگی۔ رات کے اخیر حصہ سے
چاشت کے وقت تک اس میں سے ایک بڑی آواز آتی تھی۔ لوگوں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے
مدد طلب کی۔ اور گناہ ترک کر دیئے۔ یہ آگ ایک مہینہ سے زیادہ روشن رہی۔ اور یہ وہی آگ ہے
جس کی خبر جناب مصطفٰے صلوات اللہ علیہ نے دی تھی۔ کیونکہ آپ نے فرمایا تھا۔ کہ "قیامت قائم
نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ سرزمین حجاز سے ایک آگ نکلے گی جس سے بصرے میں اونٹوں کی گردنیں
روشن ہو جائیں گی"۔ ایک شخص سے جو رات کے وقت بصرے میں تھا روایت ہے کہ اُس کو اِس
آگ کی روشنی میں اونٹوں کی گردنیں نظر آگئیں۔

تاتاریوں کا فتنہ اور حادثہ بغداد

حضرت ابوبکر صدیق سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میری امت
کے لوگ ایک پست زمین میں جس کا نام بصرہ ہوگا۔ ایک دریا کے نزدیک اُتریں گے۔ جس کو دجلہ
کہتے ہیں۔ اُس دریا پر ایک پل ہوگا۔ بصرہ کے باشندے بکثرت ہوں گے۔ اور وہ شہر مسلمانوں
کے بڑے شہروں میں سے ہوگا۔ جب آخر زمانہ آئے گا۔ تو قنطوراء کے بیٹے آئیں گے۔ جن کے
چہرے فراخ اور آنکھیں چھوٹی ہوں گی۔ یہاں تک کہ وہ اُس دریا کے کنارے پر اُتریں گے۔
پس بصرہ کے باشندے تین گروہ ہو جائیں گے۔ ایک گروہ بیلوں کی دُموں[۱] اور بیابان میں
پناہ لے گا اور ہلاک ہو جائے گا۔ اور ایک گروہ اپنی جانوں کے لئے طالب امان ہوگا۔ اور
ہلاک ہو جائے گا۔ اور ایک گروہ اپنی اولاد کو پس پشت ڈال دے گا۔ اور اُن سے لڑے گا۔ اور

---

[۱] یعنی اہل و عیال اور مال و اسباب کو بیلوں پر لاد کر جنگل کو چلے جائیں گے۔

وہی حقیقی شہید ہوں گے۔ اس حدیث کو ابو داؤد[1] نے روایت کیا ہے[2]۔

اس حدیث میں قنطوراء سے مراد تاتاری لوگ یعنی ترک ہیں۔ کیونکہ قنطوراء حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک لونڈی کا نام ہے جس کی نسل سے یہ لوگ ہیں۔ اُن کے چہروں کے کشادہ اور آنکھوں کے چھوٹا ہونے میں کسی کو کلام نہیں۔ البتہ حدیث میں بصرہ کا لفظ ہے۔ مگر اس سے مراد شہر بغداد ہے۔ کیونکہ دریائے دجلہ اور پل بغداد میں ہیں نہ کہ بصرہ میں۔ اور نیز ترک لڑائی کے لئے اس کیفیت سے جو حدیث میں مذکور ہے۔ بصرہ میں نہیں آئے۔ بلکہ بغداد میں آئے ہیں۔ جیسا کہ مشہور و معروف ہے۔ پس حدیث میں بصرہ کا ذکر اس لئے ہے۔ کہ بغداد کی نسبت بصرہ قدیم شہر ہے۔ جس کے مضافات میں سے وہ گاؤں اور مواضع تھے۔ جن میں شہر بغداد بنا۔ علاوہ ازیں بغداد کے قریب ایک گاؤں کا نام بھی بصرہ ہے[3]۔

یہ پیشین گوئی ماہ محرم ۶۵۶ھ میں پوری ہوئی۔ جبکہ چنگیز خان تاتاری کے پوتے ہلاکو نے شہر بغداد پر لشکر کشی کی۔ اس کی مختصر کیفیت[4] یہ ہے۔ کہ اُس وقت بغداد میں خاندان عباسیہ کا آخری خلیفہ مستعصم باللہ مسند خلافت پر متمکن تھا۔ اس کا وزیر مؤید الدین محمد بن علی العلقمی فاضل و ادیب مگر رافضی تھا۔ اور اس کے دل میں اسلام اور اہل اسلام کی طرف سے کینہ وبغض تھا۔ وزیر مذکور شہزادہ ابوبکر اور امیر کبیر رکن الدین دویدار کا بھی دشمن تھا۔ کیونکہ یہ دونوں اہل سنت تھے۔ اور انہوں نے یہ سُن کر کہ کرخ[5] کے رافضیوں نے اہل سنت سے تعرض کیا ہے۔ کرخ کو لوٹ لیا تھا۔ اور روافض کو سخت سزائیں دی تھیں۔ ابن علقمی چونکہ بظاہر ان کے خلاف کچھ نہ کر سکتا تھا۔ اس لئے اُس نے پوشیدہ طور پر بذریعہ کتابت تاتاریوں کو عراق پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ ہلاکو کے دربار میں حکیم نصیر الدین طوسی رافضی تھا جس نے ابن علقمی کی ترغیب کو اور سہارا دیا۔ اور آخر کار ہلاکو کو حملہ بغداد پر آمادہ کر دیا۔ چنانچہ ہلاکو بڑی تیاری کے ساتھ

---

[1] ابو داؤد کی ولادت ۲۰۲ھ میں اور وفات ۲۷۵ھ میں ہوئی۔

[2] مشکوٰۃ۔ کتاب الفتن۔ باب الملاحم۔ فصل ثانی۔

[3] اشعۃ اللمعات ترجمہ مشکوٰۃ۔ کتاب الفتن۔ باب الملاحم۔

[4] مفصل حالات کے لئے دیکھو طبقات الشافعیۃ الکبریٰ للتاج السبکی المتوفی ۷۷۱ھ جزء خامس صفحہ ۱۱۰-۱۱۹

[5] کرخ بفتح اول وثانی وخائے معجمہ دیہے است قریب بغداد وتمیل محلہ از بغداد۔ غیاث اللغات۔

بغداد پر چڑھ آیا۔ لشکر بغداد بسرکردگی رکن الدین دویدار مقابلہ کے لئے بڑھا۔ اور بغداد سے دو منزل کے فاصلہ پر ہلاکو کے مقدمہ لشکر سے جس کا سردار تاپجو تھا مٹھ بھیڑ ہوئی۔ بغدادیوں کو شکست ہوئی کچھ تہ تیغ ہوئے۔ کچھ پانی میں ڈوب گئے۔ اور باقی بھاگ گئے۔ تاپجو آگے بڑھا۔ اور دریائے دجلہ کے مغربی کنارہ پر اُترا۔ ہلاکو نے مشرق سے حملہ کیا۔ اور بغداد کو گھیر لیا۔ اس وقت ابن علقمی نے خلیفہ کو صلح کا مشورہ دیا۔ اور کہا کہ میں صلح کی شرائط ٹھہرانے جاتا ہوں چنانچہ وہ گیا اور واپس آکر خلیفہ مستعصم سے کہنے لگا۔ اے امیر المومنین! ہلاکو کی دلی خواہش ہے۔ کہ اپنی بیٹی کا نکاح آپ کے بیٹے امیر ابوبکر سے کر دے۔ اور آپ کو منصب خلافت پر قائم رکھے۔ مگر وہ صرف آپ سے اتنا چاہتا ہے۔ کہ آپ اس کی اطاعت تسلیم کریں۔ پھر وہ اپنا لشکر لے کر واپس چلا جائے گا۔ لہٰذا آپ اس پر عمل کریں۔ کیونکہ اس طرح مسلمان خونریزی سے بچ جائیں گے یہ سُن کر خلیفہ مع ارکان و اعیان سلطنت طالب امن و امان ہو کر نکلا۔ وہاں پہنچ کر وہ ایک خیمہ میں اُتارا گیا۔ پھر وزیر مذکور شہر میں آیا اور علماء و فقہاء سے کہا کہ آپ شہزادہ کے عقد میں شامل ہوں چنانچہ وہ بغداد سے نکلے اور قتل کئے گئے۔ اسی طرح عقد کے بہانہ سے ایک کے بعد دوسرا گروہ بلایا گیا اور قتل کیا گیا۔ پھر خلیفہ کے حاشیہ نشین طلب ہوئے اور قتل کئے گئے۔ پھر خلیفہ کی سب اولاد قتل ہوئی۔ خلیفہ کی نسبت کہا گیا ہے۔ کہ کافر ہلاکو نے اُسے رات کے وقت بلایا۔ اور کئی باتیں دریافت کیں۔ پھر اس کے قتل کا حکم دیا۔ ہلاکو ظالم سے کہا گیا۔ کہ اگر خلیفہ کا خون گرایا جائے گا۔ تو دنیا تاریک ہو جائے گی۔ اور تیرا ملک تباہ ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ رسول اللہ کے چچا کی اولاد میں سے ہے۔ اور دنیا میں خلیفۃ اللہ ہے۔ اس پر وہ سنگدل حکیم نصیر الدین طوسی کھڑا ہوا۔ اور کہنے لگا کہ وہ مار ڈالا جائے۔ اور اس کا خون نہ گرایا جائے۔ چنانچہ ۲۸ محرم ۶۵۶ھ کو اس بیچارے کو ایک بوری میں بند کر کے ہتھوڑوں سے مار ڈالا گیا۔ بعضے کہتے ہیں کہ اسے لاتوں سے مار ڈالا گیا اور اُس کے امیروں میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑا گیا۔ پھر شہر بغداد میں خونریزی شروع ہوئی اکثر باشندے شہید ہوئے۔ تیس دن سے کچھ اوپر قتل جاری رہا۔ کہا گیا ہے کہ مقتولین کی کل تعداد اٹھارہ لاکھ تھی۔ اس کے بعد امان دی گئی۔ پس جو لوگ چھپے ہوئے تھے۔ ان میں سے اکثر تو زمین کے نیچے ہی طرح طرح کی مصیبتوں سے مر گئے۔ جو زندہ نکل آئے۔ انہوں نے بڑی

دقتیں اُٹھائیں۔ پھر گھروں کو کھود کر بے شمار دفائن نکالے گئے۔ پھر نصاریٰ بلائے گئے۔ تاکہ علانیہ شراب خوری کریں اور سور کا گوشت کھائیں۔ اور مسلمان بھی ان کے ساتھ شریک ہوں۔ ستمگار ہلاکو سوار ہو کر قصرِ خلافت کے آستانہ تک آیا۔ اور حرم کی بے آبروئی کی گئی۔ اور وہ محل ایک عیسائی کو دیا گیا۔ مسجدوں میں شراب بہادی گئی۔ اور مسلمانوں کو علانیہ اذان دینے سے منع کیا گیا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

یہ سب کچھ ایک بغداد میں ہوا۔ بغداد کے علاوہ اور جگہ بھی تاتاریوں نے بہت کچھ کیا۔ اسی واسطے کہا گیا ہے۔ کہ تاتاریوں کے فتنہ سے بڑھ کر دنیا میں کوئی فتنہ وقوع میں نہیں آیا ہے۔ خلیفہ مستعصم کے ساتھ خاندان عباسیہ کا خاتمہ ہو گیا۔ بلکہ یوں سمجھو کہ عرب کی سلطنت روئے زمین سے اُٹھ گئی جو قرب قیامت کے آثار میں سے ہے۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ (متوفی ۶۹۱ھ) نے جو حادثہ بغداد کے وقت زندہ تھے مستعصم باللہ کا ایک نہایت دردناک مرثیہ لکھا ہے۔ جس میں سے چند اشعار ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں بر زوالِ مُلکِ مستعصم امیر المومنیں	آسمان پر واجب ہے کہ امیر المومنین مستعصم کی سلطنت کی تباہی پر زمین پر خون برسائے۔
۲۔ اے محمدؐ گر قیامت را برآری سر ز خاک سر برآر و ایں قیامت درمیانِ خلق بیں	اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اگر آپ قیامت کو تربت شریف سے نکلیں گے تو ابھی نکل کر خلقت میں یہ قیامت دیکھ لیجئے۔
۳۔ نازنینان حرم را خونِ حلقِ نازنیں ز آستاں بگزشت و ما را خونِ دل از آستیں	محل کے ناز پروردوں کا خون ڈیوڑھی سے بہ گیا اور ہمارے دل کا خون آستین سے ٹپک نکلا۔
۴۔ زینہار از دورِ گیتی و انقلابِ روزگار در خیال کس نگشتی کاچناں گردد چنیں	زمانے کی گردش اور دنیا کے انقلاب سے پناہ مانگنی چاہئے۔ یہ بات کسی کے خیال میں نہ آتی تھی۔ کہ یوں سے یوں ہو جائے گا۔
۵۔ دیدہ بردار ایکہ دیدی شوکتِ بیت الحرام قیصرانِ روم سر بر خاک و خاقاں بر زمیں	اے مخاطب کہ تونے بیت الحرام کی کی شان و شوکت دیکھی ہے جہاں روم کے قیصر خاک پر سر رگڑتے تھے اور چین کے خاقان زمین پر بیٹھتے تھے۔ ذرا آنکھ اُٹھا کر دیکھ۔ کہ حضرت مصطفےٰؐ کے بنی عم کا خون اس خاک پر بہایا گیا ہے جہاں بڑے بڑے بادشاہ ماتھا رگڑتے تھے۔
۶۔ خونِ فرزندانِ عمِّ مصطفےٰ شد ریختہ ہم بر آں خاکے کہ سلطاناں نہادندے جبیں	

۷۔ دجلہ خوں ناب است زیں پس گر نہد سر در نشیب خاکِ نخلستانِ بطحا را کند با خوں عجیں	دریائے دجلہ کا پانی خالص خون ہو گیا ہے۔ اگر پستی کی طرف بہے گا۔ تو نخلستان بطحا کی خاک کو خون سے رنگین کر دے گا۔

کعبہ شریف کی حجابت

ہم پہلے فتح مکہ میں اس کے متعلق حضرت عثمان بن طلحہ کی روایت نقل کر آئے ہیں۔ جس میں تین پیشین گوئیاں ہیں۔ ایک یہ کہ ہجرت سے پہلے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن طلحہ سے فرما دیا تھا۔ کہ ایک دن یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی۔ سو اسی کے مطابق فتح مکہ کے روز وقوع میں آیا۔ دوسری یہ کہ آپ نے قریش کی نسبت فرمایا تھا۔ کہ وہ اس دن بجائے ہلاک و ذلیل ہونے کے زندگی و عزت پائیں گے۔ سو اسی کے مطابق فتح مکہ کے دن واقع ہوا۔ کہ قریش نے اسلام میں داخل ہو کر دارین میں حیات طیبہ حاصل کی اور عزت پائی۔ واقع میں وہ اس سے پہلے ذلت کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ کہ اُن بتوں کے آگے سر جھکاتے تھے جنہیں خود انہیں کے ہاتھوں نے تراشا تھا۔ فتح کے دن وہ اس ذلت سے نکل گئے۔ اور اُن کو خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کا شرف حاصل ہوا۔ تیسری یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عثمان بن طلحہ کو کنجی دیتے وقت فرمایا۔ کہ یہ کنجی ہمیشہ تمہارے پاس رہے گی۔ ظالم کے سوا کوئی اسے تم سے نہ چھینے گا۔ سو آج تک کہ قریبًا ساڑھے تیرہ سو سال ہو چکے ہیں۔ خانہ کعبہ کی کنجی حضرت عثمان بن طلحہ کے خاندان میں رہی اب ابن سعود نجدی نے جو سلوک اس خاندان سے کیا ہے اُس سے صاف ظاہر ہے کہ نجدی مذکور حسب ارشاد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ظالم ہے۔ اللہ تعالے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے اس فتنہ نجدیہ کا جلدی خاتمہ کر دے۔ آمین ثم آمین۔

محاسن ظاہری و باطنی حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے اوصاف جمیلہ و اخلاق جلیلہ منجملہ دلائل نبوت ہیں۔ آپ کی طلاقت آپ کا حسن منظر اور آپ کا اعتدال صورت ایسا تھا۔ کہ اپنوں کا تو کیا ذکر بیگانے بھی جب روئے مبارک کو دیکھتے۔ تو بے ساختہ پکار اُٹھتے۔ وجھہ لیس بوجہ کذّاب (یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے)۔ ان شمائل کے ساتھ آپ کے حسنِ اخلاق و آداب پر غور کریں آپ اُمّی تھے۔ آپ کی ولادت ایسے شہر میں ہوئی۔ جہاں کوئی ذریعہ تعلیم نہ تھا۔ اور نہ آپ نے کبھی وطن کو چھوڑ کر کسی دوسرے شہر میں جا کر علم حاصل کیا۔ بلکہ ایّامِ بچپن ہی میں یتیمی کی حالت میں

نشو ونما پایا پس علوم ومعارف سے قطع نظر یہ مکارمِ اخلاق اور محاسن آداب آپ نے بجز وحی الٰہی کہاں سے سیکھے۔

الغرض جو شخص بنظرِ انصاف آپ کی صورت۔ آپ کی سیرت۔ آپ کے اقوال۔ آپ کے افعال۔ اور آپ کے احوال کا مطالعہ کرتا ہے۔ اُسے آپ کی نبوت کی صحت میں ذرا بھی شک نہیں رہتا۔ کیونکہ جو اوصاف آپ میں مجتمع تھے۔ وہ آپ سے پہلے یا آپ کے زمانہ میں کبھی کسی میں جمع نہ ہوئے۔ اور نہ قیامت تک ہوں گے۔

نصاریٰ کا اعتراض

پوشیدہ نہ رہے۔ کہ معجزوں کا اکثر ذکر قرآن میں پایا جاتا ہے۔ مگر کوئی آیت نظر نہیں آتی۔ جس سے ثابت ہو۔ کہ حضرت محمد صاحب نے معجزے دکھائے۔ بہت سی آیتیں ہیں۔ جن میں معجزے نہ دکھلانے کا سبب درج ہے۔ اور بعض ایسی بھی ہیں۔ جن میں وہ صاف ظاہر کرتا ہے کہ میں معجزے دکھلانے کو نہیں بھیجا گیا۔ سورۂ عنکبوت میں یوں مرقوم ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ	کہتے ہیں کہ اگر اُس کے خدا کی طرف سے کوئی نشانی اُس پر نازل نہ ہوگی۔ تو ہم ایمان نہ لاویں گے۔ پس اے محمدؐ! تو کہہ کہ نشانیاں خدا کے پاس ہیں۔ میں تو ایک نصیحت دینے والا ہوں۔

پھر سورۂ بنی اسرائیل میں لکھا ہے:۔

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ کَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ	کوئی چیز ہمیں مانع نہیں ہوئی۔ کہ تجھے معجزے کے ساتھ بھیجیں۔ مگر یہ کہ اگلے پیغمبروں کو جو ہم نے معجزے دے کر بھیجا تھا۔ انہیں لوگوں نے جھوٹا جانا۔

مگر اس مضمون کا بہت طول بیان کرنا ضروری نہیں۔ قرآن کا ہر ایک بے تعصب پڑھنے والا اس قول کی تصدیق کا اقرار کرے گا۔ سچ ہے کہ اکثر محمدی مصنف معجزوں کا ذکر کرکے محمد صاحب سے منسوب کرتے ہیں۔ مگر یہ گمان یہاں تک محمدؐ صاحب کی باتوں کے خلاف ہے۔ کہ بالکل قابلِ اعتبار نہیں۔ (خطوط بنام جوانانِ ہند۔ پنجاب ریلجس بک سوسائٹی۔ لودیانہ امریکن مشن

پریس ۱۸۹۰ء صفحہ ۲۴۳-۲۴۴)۔

جواب

عیسائی لوگ مسلمانوں پر اکثر یہ اعتراض کرتے ہیں۔ مگر انہیں اپنے گھر کی بھی خبر نہیں۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے معجزات کی نسبت جو کچھ اناجیل اربعہ میں آیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) متی باب ۱۲۔ آیہ ۳۸-۳۹ میں ہے۔ کہ بعض فقیہوں اور فریسیوں نے مسیحؑ سے ایک نشان طلب کیا۔ جس کے جواب میں آپ نے فرمایا:۔

"اس زمانے کے بد اور حرامکار لوگ نشان ڈھونڈتے ہیں۔ پر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی نشان انہیں دکھایا نہ جائے گا کیونکہ جیسا یونس تین رات دن مچھلی کے پیٹ میں رہا۔ ویسا ہی ابن آدم تین رات دن زمین کے اندر رہے گا"

اسی طرح متی باب ۱۶۔ آیہ ۱-۴ میں ہے کہ فریسیوں اور صدوقیوں نے آزمائش کے لئے حضرت مسیحؑ سے آسمانی نشان طلب کیا۔ مگر یہاں بھی آپ نے وہی جواب دیا۔ کہ یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی نشان انہیں نہ دکھایا جائے گا۔ اگر بنظرِ غور دیکھیں تو یہ جواب بھی قابلِ اعتبار نہیں۔ کیونکہ سوال تو آسمانی نشان کا تھا۔ اور جواب میں زمینی نشان کا وعدہ ہوا۔ سوال از آسمان جواب از ریسمان۔ باوجود اس کے اسی انجیل میں مسیح علیہ السلام سے بہت سے معجزے منسوب کئے گئے ہیں۔ چنانچہ پانچ روٹیوں سے چار ہزار آدمیوں کا پیٹ بھرا (باب ۱۴۔ آیہ ۱۵-۲۱) اور دریا پر اپنے پاؤں سے چلے (باب ۱۴۔ آیہ ۲۵۔) پھر سات روٹیوں سے چار ہزار کو کھلایا۔ (باب ۱۵۔ آیہ ۳۸) پھر دو اندھوں کو بینا کیا (باب ۲۰۔ آیہ ۳۰-۳۴)۔ پھر انجیر کے درخت کو سکھا دیا (باب ۲۱۔ آیہ ۱۹) وغیرہ۔ اسی طرح جب سردار کاہنوں اور قوم کے بزرگوں نے حضرت مسیح علیہ السلام سے اُن کے اختیار کی بابت پوچھا (باب ۲۱۔ آیہ ۲۳-۲۴) تب بھی آپ نے کچھ صاف جواب نہ دیا۔

(۲) مرقس باب ۸۔ آیہ ۱۱-۱۳ میں ہے کہ فریسیوں نے مسیح کے امتحان کے لئے آسمان سے کوئی نشان چاہا۔ اُس نے اپنے دل سے آہ کھینچ کر کہا:۔

"اس زمانے کے لوگ کیوں نشان چاہتے ہیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں۔ کہ اس زمانے کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا"۔

یہاں یونس نبی کے نشان کا کوئی ذکر نہیں۔ با ایں ہمہ اس انجیل میں بھی اندھے کو چنگا کرنا۔ چار ہزار کو سات روٹیوں سے سیر کرنا۔ کوڑھی کو چنگا کرنا وغیرہ معجزات حضرت عیسیٰؑ کی طرف منسوب کئے گئے ہیں۔

(۳) لوقا باب ۱۱۔ آیہ ۱۴۔ ۱۶ و ۳۰ میں ہے۔ کہ مسیح نے ایک دیو کو نکالا۔ مگر دیکھنے والوں نے اس معجزے کو تسلیم نہ کیا۔ بلکہ آزمائش کے لئے ایک آسمانی نشان مانگا۔ آپ نے یونس نبی کے نشان کا وعدہ فرمایا۔ با ایں ہمہ اس انجیل میں بھی بہت سے معجزات آپ سے منسوب کئے گئے ہیں۔ اسی طرح مسیح نے ہیرودیس کے آگے کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ اگرچہ ہیرودیس کو آپ کی کوئی کرامات دیکھنے کی امید تھی۔ آپ سے اُس نے بہتیری باتیں پوچھیں پر آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔

(۴) یوحنا باب ۶۔ آیہ ۳۰ میں ہے۔ کہ یہودیوں نے حضرت مسیحؑ سے کہا۔ "پس تو کونسا نشان دکھاتا ہے۔ تاکہ ہم دیکھ کر تجھ پر ایمان لاویں تو کیا کرتا ہے"۔ یہاں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ بلکہ یونس نبی کے نشان کا بھی وعدہ نہ فرمایا۔ با ایں ہمہ اس انجیل میں بھی بہت سے معجزے حضرت مسیحؑ سے منسوب ہیں۔

اب ہم اس اعتراض کے تحقیقی جواب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس میں شک نہیں۔ کہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے اس قدر معجزات دکھائے کہ کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں دکھائے۔ اور وہ ایسے متواتر و مشہور طریقوں سے ثابت ہیں۔ کہ دنیا کے کسی اور مذہب میں اس کی نظیر نہیں پائی جاتی۔ جیساکہ اس کتاب کے ناظرین پر روشن ہے۔ مگر کفار قریش کے مکابرہ کا یہ عالم تھا۔ کہ وہ معجزات اُن کے نزدیک گویا معجزے ہی نہ تھے۔ اس لئے سرکشی و عناد کے سبب سے انہوں نے اور نشانیاں طلب کیں۔ جو عطا نہ کی گئیں۔ جن دو آیتوں سے معترض نے استدلال کیا ہے۔ اُن میں ایسی نشانیوں کے نہ ملنے کی وجہ مذکور ہے۔ جس کی تفصیل ذیل میں درج ہے:

وَمَا مَنَعَنَآ اَنۡ نُّرۡسِلَ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّاۤ اَنۡ كَذَّبَ بِهَا الۡاَوَّلُوۡنَ ؕ وَاٰتَيۡنَا ثَمُوۡدَ النَّاقَةَ مُبۡصِرَةً فَظَلَمُوۡا بِهَا ؕ وَمَا نُرۡسِلُ بِالۡاٰيٰتِ اِلَّا تَخۡوِيۡفًا ۝ (بنی اسرائیل ع)	ہم کو نہیں روکا نشانیاں بھیجنے سے کسی شئے نے مگر یہ کہ جھٹلایا ان کو اگلوں نے اور ہم نے دی ثمود کو اونٹنی سوجھانے کو پھر اُس کا حق نہ مانا۔ اور ہم نہیں بھیجتے نشانیاں مگر ڈرانے کو۔

اس آیت کا خلاصہ تفسیر یہ ہے۔ کہ باری تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ قریش جو باوجود معجزات کثیرہ دیکھنے کے اور نشانیاں (مثلاً کوہ صفا کا سونا ہو جانا۔ مکہ کے پہاڑوں کا دور کیا جانا۔ تاکہ زمین قابل زراعت ہو جائے۔ اور نہروں کا جاری ہونا۔ تاکہ باغات لگ جائیں) طلب کرتے ہیں۔ ان نشانیوں کے دینے سے ہمیں اس امر نے روکا ہے کہ اس قسم کی نشانیاں ہم نے پہلی امتوں کو طلب کرنے پر عطا کیں۔ مگر وہ ایمان نہ لائے اور ہلاک ہوئے۔ چنانچہ قوم ثمود نے جن کی ہلاکت کے آثار بوجہ قرب دیار یہ قریش آتے جاتے دیکھتے ہیں حضرت صالح علیہ السلام سے نشانی طلب کی۔ اور ہم نے اُن کی دعا پر پتھر سے اونٹنی نکالی۔ مگر اس قوم نے اس سے انکار ہی نہیں کیا۔ بلکہ اُس کے پاؤں کاٹ ڈالے۔ اس لئے وہ لوگ ہلاک ہو گئے۔ کیونکہ ہماری عادت یوں جاری ہے۔ کہ ہم کسی قوم کے سوال پر ایسی آیات کو صرف عذاب استیصال سے ڈرانے کے لئے بطور پیش خیمہ بھیجا کرتے ہیں۔ پس اگر وہ قوم ان آیات کے بعد ایمان نہ لائے۔ تو ہم ضرور اُن پر عذاب استیصال نازل کر دیتے ہیں۔ اسی طرح اگر کفار قریش کے سوال پر وہ نشانیاں ہمارے حبیب کی دعا سے عطا کی جائیں۔ تو یہ بھی اُنہیں کی طرح تکذیب کریں گے۔ اور عذاب استیصال کے مستوجب ہوں گے۔ مگر ہم نے بمقتضائے حکمت[۲] اس امت کو عذاب استیصال سے محفوظ رکھا ہے۔ لہٰذا ہم نے وہ نشانیاں اُن کو عطا نہیں کیں[۱]۔

وَقَالُوۡا لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَيۡهِ اٰيٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهٖ ؕ قُلۡ اِنَّمَا الۡاٰيٰتُ عِنۡدَ اللّٰهِ ؕ وَاِنَّمَاۤ اَنَا	اور کہتے ہیں کیوں نہ اُتریں اُس پر کچھ نشانیاں اُس کے رب سے۔ تو کہہ نشانیاں تو ہیں اختیار میں اللہ کی۔ اور میں تو

۱؎ مَاۤ اٰمَنَتۡ قَبۡلَهُمۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ اَهۡلَكۡنٰهَا ۚ اَفَهُمۡ يُؤۡمِنُوۡنَ ۝ (انبیاء ع)	نہیں مانا ان سے پہلے کسی بستی نے جس کو ہلاک کیا ہم نے۔ اب کوئی یہ مانیں گے۔

۲؎ حکمت یہ کہ اُن میں سے بعض ایمان لائیں گے۔ اور بعض کی نسل سے مومن پیدا ہوں گے۔ فافہم۔

نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ○ اَوَلَمْ یَکْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْکِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِکْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ○ (عنکبوت - ع ۵)

سنا دینے والا ہوں کھول کر۔ کیا ان کو بس نہیں۔ کہ ہم نے تجھ پر اُتاری کتاب کہ اُن پر پڑھی جاتی ہے۔ بے شک اس میں بڑی رحمت ہے اور سمجھانا اُن لوگوں کو جو مانتے ہیں ؎

ان آیتوں کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ کفار قریش باوجود ملاحظہ آیات سرکشی و عناد کے سبب سے ہمارے حبیب پاک کی نسبت کہتے ہیں۔ کہ ان پر ایسی نشانیاں کیوں نہیں اُتریں جیساکہ ناقۂ صالحؑ اور عصائے موسیٰؑ اور مائدہ عیسےٰؑ۔ اے ہمارے حبیب! ان کفار سے کہہ دیجئے۔ کہ ایسی نشانیاں اللہ کی قدرت و حکم میں ہیں۔ وہ اُن کو حسب مقتضائے حکمت نازل کرتا ہے۔ میرا کام تو یہ ہے۔ کہ اُن آیات کے ساتھ جو مجھے ملی ہیں۔ کفار کو ڈراؤں۔ نہ یہ کہ وہ نشانیاں لاؤں جو وہ عناد و تعنت سے طلب کرتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالےٰ ان کفار کی تردید میں جو ایسی نشانیاں طلب کرتے ہیں یوں فرماتا ہے۔ کہ کیا اُن کو ایک نشانی کافی نہیں۔ جو تمام نشانیوں سے مستغنی کر دینے والی ہے۔ یعنی قرآن کریم جو ہم نے تجھ پر اُتارا ہے۔ وہ ایک زندہ معجزہ ہے۔ ہر مکان و زمان میں ان پر پڑھا جاتا ہے۔ اور ہمیشہ کے لئے اُن کے ساتھ رہے گا۔ اُس میں بڑی رحمت اور تذکرہ ہے ایمان لانے والوں کے لئے نہ اُن کے لئے جو عناد رکھتے ہیں۔

اِس تقریر سے واضح ہوگیا۔ کہ آیات بالا سے معجزات کی نفی نہیں پائی جاتی۔ بلکہ اُن میں باوجود کثرت معجزات ان خاص نشانیوں کے نہ ملنے کی وجہ بیان ہوئی ہے۔ جو کفار نے محض عناد سے طلب کیں۔ لہٰذا عیسائیوں کا یہ کہنا کہ قرآن میں کوئی آیت نظر نہیں آتی جس سے ثابت ہو۔ کہ آنحضرت نے معجزے دکھائے۔ صرف عناد پر مبنی ہے۔ وہ اپنے منہ سے بڑا بول بولتے ہیں (یہوداہ - ۱۶)

کَبُرَتْ کَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا (کهف - ع ۱)

کیا بڑی بات ہو کر نکلتی ہے اُن کے منہ سے۔ سب جھوٹ ہے جو کہتے ہیں ؎

آٹھواں باب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و خصائص کا بیان

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل و کمالات کا احاطہ طاقت بشری سے خارج ہے، علمائے ظاہر و باطن سب یہاں عاجز ہیں۔ چنانچہ شیخ ابوالحسن خرقانی قدس سرہ (متوفی روز عاشورہ ۴۲۵ھ) یوں فرماتے ہیں:۔

"سہ چیز را غایت ندانستم۔ غایت درجات مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم ندانستم۔ وغایت کید نفس ندانستم۔ وغایت معرفت ندانستم۔" (نفحات الانس)۔

مجھے ان تین چیزوں کی غایت وحد معلوم نہ ہوئی۔ حضرت مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے درجات۔ مکر نفس۔ معرفت۔

امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۶۹۴ھ) اپنے قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں:۔

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّهِمْ
وَاحْکُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِیْهِ وَاحْتَکِمِ
وَانْسُبْ اِلٰی ذَاتِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ شَرَفٍ
وَانْسُبْ اِلٰی قَدْرِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ عِظَمٍ
فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَیْسَ لَهٗ
حَدٌّ فَیُعْرِبَ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمٍ

چھوڑ کر دعوٰے وہ جس کے ہیں نصارٰے مدعی
چاہو جو مانو اُسے زیبا ہے اس کی قسم
جو شرف چاہو کرو منسوب اُس کی ذات سے
کوئی عظمت کیوں نہ ہو ہے منزلت سے اُس کی کم
حد نہیں رکھتی فضیلت کچھ رسول اللہ کی
لب کشائی کیا کریں اہلِ عرب اہلِ عجم

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج النبوۃ میں یوں فرماتے ہیں ؎

ہر رتبہ کہ بود در امکاں بروست ختم
ہر نعمتے کہ داشت خدا شد بروتمام

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:۔

یَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَیَا سَیِّدَ الْبَشَرِ
مِنْ وَّجْهِكَ الْمُنِیْرِ لَقَدْ نُوِّرَ الْقَمَرُ

اے صاحب جمال اے سید البشر
آپ کے روشن چہرہ سے چاند روشن ہے

لَا یُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقُّہٗ	آپ کی ثنا کما حقہ ممکن نہیں
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر	قصہ مختصر یہ کہ خدا کے بعد آپ ہی بزرگ ہیں۔

جو معجزات وکمالات وفضائل دیگر انبیائے کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین میں جدا جدا موجود تھے۔ ان سب کے نظائر یا اُن سے بھی بڑھ کر حضور انور بابی ہو واُمّی کی ذات شریف میں مجتمع تھے۔

؎ خوبی وشکل وشمائل حرکات وسکنات — آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

بغرض توضیح صرف چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:-

	سیدنا ومولنا محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
١- حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ آپ کو اللہ تعالےٰ نے تمام چیزوں کے ناموں کا علم دیا آپ کو فرشتوں نے سجدہ کیا۔	آپ کو اللہ تعالےٰ نے اسماء کے علاوہ مسمیات کا بھی علم دیا جیسا کہ حدیث طبرانی ومسند فردوس کے حوالہ سے پہلے آچکا ہے۔ آپ پر اللہ اور اللہ کے فرشتے درود بھیجتے رہتے ہیں۔ اور مومنین بھی سلام ودرود بھیجتے ہیں۔ یہ شرف اتم واکمل ہے۔ کیونکہ سجدہ تو ایک دفعہ ہو کر منقطع ہوگیا۔ اور یہ درود وسلام ہمیشہ کے لئے جاری ہے۔ اور اعم بھی ہے۔ کیونکہ سجدہ تو صرف فرشتوں سے ظہور میں آیا۔ اور درود میں اللہ اور فرشتے اور مومنین شامل ہیں۔ علاوہ ازیں امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ نے فرشتوں کو اس لئے سجدے کا حکم دیا تھا کہ نور محمدی حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں تھا۔
٢- حضرت ادریس علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اُٹھایا۔	آپ کو اللہ تعالےٰ نے شب معراج میں آسمانوں کے اوپر مقام قاب قوسین تک اُٹھایا۔
٣- حضرت نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور آپ پر ایمان	آپ کے وجود کی برکت سے آپ کی امت عذاب استیصال سے محفوظ رہی۔ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ وَاَنْتَ فِیْھِمْ[1]۔ اللہ تعالیٰ نے کشتی نوح کو بھی آپ ہی کے نور کی برکت سے غرق ہونے سے

[1] یعنی اللہ تعالیٰ اُن کو عذاب نہیں دینے کا جس حال میں کہ آپ اُن میں موجود ہیں۔

انبیائے سابقین علیہم السلام	سیدنا و مولانا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
لانے والوں کو غرق ہونے سے نجات دی۔	بچایا۔ کیونکہ اس وقت نور محمدی حضرت سام کی پیشانی میں تھا۔[1]
۴۔ حضرت ہود علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ آپ کی مدد کے لئے اللہ تعالےٰ نے ہوا بھیجی۔	آپ نے فرمایا کہ باد صبا[2] سے میری مدد کی گئی اور قوم عاد مغربی ہوا سے ہلاک کی گئی۔
۵۔ حضرت صالح علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ آپ کے لئے اللہ تعالےٰ نے پتھر میں سے اونٹنی نکالی۔ آپ فصاحت میں یگانۂ روزگار تھے۔	اونٹ نے آپ کی اطاعت کی اور آپ سے کلام کیا۔ فصاحت میں کوئی آپ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔
۶۔ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کے لئے آگ کو ٹھنڈا کر دیا۔	آپ ہی کے نور[3] کی برکت سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ پر آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ آپ کی ولادت شریف پر فارس کی آگ جو ہزار برس سے نہ بجھی تھی گُل ہو گئی۔ شب معراج میں کرۂ نار سے آپ کا گزر ہوا۔ اور کوئی تکلیف نہ پہنچی۔ آپ کی اُمت میں بھی ایسے بزرگ گزرے ہیں۔ کہ آگ میں ڈالے گئے اور سلامت رہے۔ چنانچہ ابو مسلم[4] خولانی و ذویب[5] بن کلیب۔

[1] دیکھو زرقانی علی المواہب۔ جزء ثالث۔ ص۸۲۔
[2] خصائص کبرےٰ۔ بحوالہ صحیحین۔ جزء اول۔ صفحہ ۲۳۰۔
[3] جب غزوۂ تبوک کے بعد رمضان ۹ھ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ تو حضرت عباس نے آپ کی اجازت سے آپ کی مدح میں چند شعر کہے ہیں۔ اُن میں سے ایک شعر یہ ہے ؎

وردت نار الخلیل مکتتما | آپ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی آگ میں پوشیدہ داخل ہوئے
فی صلبه انت کیف یحترق | آپ اُن کی پشت میں تھے۔ وہ کیسے جل سکتے تھے۔

طبرانی وغیرہ نے اس قصے کو روایت کیا ہے۔ دیکھو مواہب و زرقانی۔ غزوۂ تبوک۔
[4] خصائص کبرےٰ۔ جزء ثانی۔ ص۷۹۔
[5] زرقانی علی المواہب۔ جزء خامس۔ ص۱۹۳۔

انبیائے سابقین علیہم السلام	سیدنا و مولانا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم
آپ کو مقام خلت عطا ہوا۔ اسی واسطے آپ کو خلیل اللہ کہتے ہیں	آپ کو درجہ خلت عطا ہوا اور اس سے بڑھ کر درجہ محبت عطا ہوا۔ اسی واسطے آپ کو حبیب اللہ کہتے ہیں۔
آپ نے اپنی قوم کے بت خانے کے بت توڑے	آپ نے خانہ کعبہ کے گرد اور اوپر جو تین سو ساٹھ بُت نصب تھے محض ایک لکڑی کے اشارے سے یکے بعد دیگرے گرا دیئے۔
آپ نے خانہ کعبہ بنایا۔	آپ نے بھی خانہ کعبہ بنایا۔ اور حجر اسود کو اس کی جگہ پر رکھ دیا۔ تاکہ آپ کی امت کے لوگ طواف وہاں سے شروع کیا کریں۔
۷۔ حضرت اسماعیل علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ آپ کو والد بزرگوار ذبح کرنے لگے۔ تو آپ نے صبر کیا۔	اس کی نظیر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا شق صدر ہے۔ جو وقوع میں آیا۔ حالانکہ ذبح اسماعیل وقوع میں نہ آیا۔ بلکہ ان کی جگہ دنبہ ذبح کیا گیا۔
۸۔ حضرت یعقوب علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ آپ کو جب برادران یوسف نے خبر دی کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ تو آپ نے بھیڑیئے کو بلا کر پوچھا۔ بھیڑیا بولا کہ میں نے یوسف کو نہیں کھایا۔ (خصائص کبریٰ جزو ثانی ص ۱۸۲)	آپ سے بھی بھیڑیئے نے کلام کیا جیسا کہ پہلے آچکا ہے۔
آپ فراق یوسفؑ میں مبتلا ہوئے اور صبر کیا۔ یہانتک کہ غم کے مارے آپ کی آنکھیں سفید ہو گئیں۔ اور قریب تھا کہ مضمحل یا ہلاک ہو جاتے	آپ اپنے صاحبزادے ابراہیم کی دائمی مفارقت میں مبتلا ہوئے۔ مگر آپ نے صبر کیا حالانکہ اُس وقت اور کوئی صاحبزادہ آپ کا نہ تھا۔
۹۔ حضرت یوسف علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ	آپ کو ایسا حُسن عطا ہوا کہ کسی کو نہیں ہوا۔ حضرت یوسف

انبیائے سابقین علیہم السلام	سیدنا ومولانا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم
والسلام ۔ آپ کو اللہ تعالےٰ نے بڑا حسن وجمال عطا فرمایا۔	علیہ السلام کو تو نصف حسن ملا تھا۔ مگر آپ کو تمام ملا۔
آپ خوابوں کی تعبیر کرتے تھے مگر قرآن مجید میں صرف تین خوابوں کی تعبیر آپ سے وارد ہے۔	آپ سے تعبیر رؤیا کی کثیر مثالیں احادیث میں مذکور ہیں۔
آپ اپنے والدین اور وطن کے فراق میں مبتلا ہوئے۔	آپ نے اپنے اہل اور رشتہ داروں اور دوستوں اور وطن کو چھوڑ کر ہجرت کی۔
۱۰۔ حضرت ایوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ آپ صابر تھے۔	صبر میں آپ کے احوال حد حصر سے خارج ہیں۔
۱۱۔ حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ آپ کو ید بیضا عطا ہوا۔	آپ کی پشتِ مبارک پر مہر نبوت تھی۔ علاوہ ازیں آپ سراپا نور تھے۔ اگر آپ نے نقاب بشریت نہ اوڑھا ہوتا۔ تو کوئی آپ کے جمال کی تاب نہ لاتا۔
آپ نے عصا مار کر پتھر سے پانی جاری کر دیا۔	آپ نے اپنی انگلیوں سے چشموں کی طرح پانی جاری کر دیا۔ اور یہ اُس سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ پتھر سے پانی کا نکلنا متعارف ہے۔ مگر خون وگوشت میں سے متعارف نہیں۔
آپ کو عصا عطا ہوا جو اژدہا بن جاتا تھا۔	ستون حنانہ جو کھجور کا ایک خشک تنہ تھا۔ آپ کے فراق میں رو دیا۔ اور اُس سے بچہ کی سی آواز نکلی جو ماں کے فراق میں رو رہا ہو۔
آپ نے کوہ طور پر اپنے رب سے کلام کیا۔	آپ نے عرش پر مقام قاب قوسین میں اپنے رب سے کلام کیا اور دیدار الٰہی سے بھی بہرہ ور ہوئے اور حالت تمکین میں رہے۔ ؎ موسیٰ ز ہوش رفت بیک پرتو صفات تو عین ذات مے نگری در تبسمی
آپ نے عصا سے بحیرۂ قلزم کو دو پارہ	آپ نے انگشت شہادت سے چاند کو دو ٹکڑے کر دیا۔ معجزہ

سیدنا و مولانا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم	انبیائے سابقین علیہم السلام
کلیم تو زمین پر تھا۔ اور یہ آسمان پر وہاں عصا کا سہارا تھا اور یہاں صرف انگلی کا اشارہ تھا۔	کر دیا۔
آپ کے لئے بھی آفتاب غروب ہونے سے روکا گیا۔	۱۲۔ حضرت یوشع علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ آپ کے لئے آفتاب ٹھہرایا گیا
آپ نے بدر کے دن جبارین سے جہاد کیا اور ان پر فتح پائی۔ آپ وفات شریف تک جہاد کرتے رہے۔ اور جہاد قیامت تک آپ کی امت میں جاری رہے گا۔	آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جبارین سے جہاد کیا۔
آپ کے ہاتھ مبارک میں سنگریزوں نے تسبیح پڑھی۔ بلکہ آپ نے دوسروں کے ہاتھ میں بھی کنکروں سے تسبیح پڑھوا دی۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے۔ کہ آپ کے طعام میں سے تسبیح کی آواز آیا کرتی تھی۔ کیونکہ پہاڑ تو خشوع وخضوع سے متصف ہیں۔ مگر طعام سے تسبیح معہود نہیں۔	۱۳۔ حضرت داؤد علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ آپ کے ساتھ پہاڑ تسبیح پڑھتے تھے۔
پرندوں کے علاوہ حیوانات (اونٹ بھیڑیے۔ شیر وغیرہ) آپ کے مسخر و مطیع کر دیئے گئے۔	پرندے آپ کے مسخر کر دیئے گئے۔
آپ کے لئے شب معراج میں صخرۂ بیت المقدس خمیر کی مانند ہو گیا۔ پس آپ نے اُس سے اپنا براق باندھا۔ (دلائل حافظ ابو نعیم اصبہانی)۔	آپ کے ہاتھ میں لوہا موم کی طرح نرم ہو جاتا تھا۔
آپ بھی نہایت خوش آواز تھے۔ چنانچہ ترمذی نے حدیث انس میں نقل کیا ہے۔ وکان نبیکم احسنہم وجھًا و احسنہم صوتًا۔	آپ نہایت خوش آواز تھے
آپ کو اللہ تعالےٰ نے اختیار دیا۔ کہ نبوت کے ساتھ ملک لیں یا عبودیت۔ آپ نے عبودیت کو پسند فرمایا۔ بایں ہمہ	۱۴۔ حضرت سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ آپ کو ملک عظیم عطا ہوا۔

انبیائے سابقین علیہم السلام	سیدنا و مولانا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
	اللہ تعالےٰ نے خزائن الارض کی کنجیاں آپ کو عطا فرمائی ہیں۔ اور آپ کو اختیار دیا ہے۔ کہ جس کو چاہیں عطا کریں۔
آپ کے تخت کو جہاں چاہتے ہوا اُڑا لے جاتی۔ صبح سے زوال تک ایک مہینہ کی مسافت اور زوال سے شام تک ایک مہینے کی مسافت طے کرتے تھے۔	آپ کو شب معراج میں براق عطا ہوا جو ہوا بلکہ بجلی سے بھی تیز رفتار تھا۔
جنّ بقہر و غلبہ آپ کے مطیع تھے۔	جنّ بطوع و رغبت آپ پر ایمان لائے۔
آپ پرندوں کی بولی سمجھتے تھے۔	آپ اونٹ بھیڑیے وغیرہ حیوانات کا کلام سمجھتے تھے۔ آپ سے پتھر نے کلام کیا۔ جسے آپ نے سمجھ لیا۔
۱۵۔ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام۔ آپ مردوں کو زندہ اور اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو اچھا کر دیتے تھے۔	آپ نے مُردوں کو زندہ اور اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو اچھا کیا۔ جب خیبر فتح ہوا۔ تو وہاں کی ایک یہودی عورت نے آپ کو زہر آلودہ بکری کا گوشت بطور ہدیہ بھیجا۔ آپ نے بکری کا بازو لیا اور اس میں سے کچھ کھایا۔ وہ بازو بولا۔ کہ مجھ میں زہر ڈالا گیا ہے۔ یہ مردے کو زندہ کرنے سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ یہ میّت کے ایک جزو کا زندہ ہونا ہے۔ حالانکہ اس کا بقیہ جو اس سے منفصل تھا مردہ ہی تھا۔
آپ نے مٹی سے پرندہ بنا دیا۔	غزوۂ بدر میں حضرت عکاشہ بن محصن کی تلوار ٹوٹ گئی۔ آپ نے اُن کو ایک خشک لکڑی دے دی جب انہوں نے اپنے ہاتھ میں لے کر ہلائی تو وہ سفید مضبوط لمبی تلوار بن گئی۔
آپ نے گہوارہ میں لوگوں سے کلام کیا	آپ نے ولادت شریف کے بعد کلام کیا۔
آپ بڑے زاہد تھے۔	آپ کا زہد سب سے زیادہ تھا۔

خصائص سید المرسلین
صلے اللہ علیہ وسلم

فضائل ومعجزات مذکورہ بالا تو وہ ہیں۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے درمیان مشترک ہیں۔ ان کے علاوہ اور فضائل ومعجزات وغیرہ ہیں۔ جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مخصوص ہیں۔ ان کو آپ کے خصائص کہتے ہیں۔ یہ خصائص بھی بکثرت اور حدو حصر سے خارج ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بیس سال بڑی محنت سے احادیث وآثار وکتب تفسیر وشروح حدیث وفقہ واصول وتصوف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خصائص کا تتبع کیا۔ اور خصائص کبرے اور انموذج اللبیب فی خصائص الحبیب تصنیف فرمائیں۔ جن میں ہزار سے زائد خصائص مذکور ہیں۔ جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء۔ قطب شعرانی نے کشف الغمہ میں اپنے استاد علامہ سیوطی کے خط سے یہی خصائص نقل کئے ہیں۔

یہ خصائص چار قسم کے ہیں۔ اوّل وہ واجبات جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے مختص ہیں۔ مثلاً نماز تہجد۔ دوّم وہ احکام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر حرام ہیں۔ دوسروں پر نہیں مثلاً تحریم زکوٰۃ۔ سوّم وہ مباحات جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مختص ہیں۔ مثلاً نماز بعد عصر۔ چہارم وہ فضائل وکرامات جو حضور انور ربابی ہو وامی سے مخصوص ہیں۔ اس مختصر میں صرف قسم چہارم میں سے بعض خصائص ذکر کئے جاتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:۔

۱۔ اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب نبیوں سے پہلے پیدا کیا۔ اور سب سے اخیر میں مبعوث فرمایا۔

۲۔ عالم ارواح ہی میں آپ کو نبوت سے سرفراز فرمایا گیا۔ اور اسی عالم میں دیگر انبیائے کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی روحوں نے آپ کی روح انور سے استفاضہ کیا۔

۳۔ عالم ارواح میں دیگر انبیائے کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی روحوں سے اللہ تعالےٰ نے عہد لیا۔ کہ اگر وہ حضور انور کے زمانے کو پائیں۔ تو آپ پر ایمان لائیں اور آپ کی مدد کریں۔

۴۔ یوم الست میں سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بلیٰ کہا تھا۔

۵۔ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور تمام مخلوقات حضورِ انور ہی کے لئے پیدا کی گئی۔

۶ حضور کا اسم مبارک عرش کے پایہ پر اور ہر ایک آسمان پر اور بہشت کے درختوں اور محلات پر اور حوروں کے سینوں پر اور فرشتوں کی آنکھوں کے درمیان لکھا گیا ہے۔

۷۔ کتب الہامیہ سابقہ توارت وانجیل وغیرہ میں آپ کی بشارت درج ہے۔

۸۔ حضورِ انور بنی آدم کے بہترین قرون قرناً بعد قرن سے اور بہترین قبائل و خاندان سے ہیں۔ یعنی برگزیدہ ترین برگزیدگان اور بہترین بہتران اور مہترین مہتران ہیں۔

۹۔ حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضور کے والد ماجد تک اور حضرت حواء سے لے کر حضور کی والدہ ماجدہ تک حضور کا نسب شریف سفاح (زنا) سے پاک وصاف رہا ہے۔

۱۰۔ حضور انور کی ولادت شریف کے وقت بت اوندھے گر پڑے۔ اور جنوں نے اشعار پڑھے۔

۱۱۔ حضور ختنہ کئے ہوئے۔ ناف بریدہ اور آلودگی سے پاک وصاف پیدا ہوئے۔

۱۲۔ پیدائش کے وقت آپ حالت سجدہ میں تھے۔ اور ہر دو انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھائے ہوئے تھے۔

۱۳۔ آپ کے ساتھ پیدائش کے وقت ایسا نور نکلا۔ کہ اس میں آپ کی والدہ ماجدہ نے ملک شام کے محل دیکھ لئے۔

۱۴۔ فرشتے حضور کے گہوارے کو ہلایا کرتے تھے۔ آپ نے گہوارے میں کلام کیا۔ چنانچہ آپ چاند سے باتیں کیا کرتے۔ جس وقت آپ اس کی طرف انگشت مبارک سے اشارہ فرماتے۔ وہ آپ کی طرف جھک آتا۔

۱۵۔ بعثت سے پہلے گرمی کے وقت اکثر بادل آپ پر سایہ کرتا تھا۔ اور درخت کا سایہ آپ کی طرف آجاتا تھا۔

۱۶۔ حضور کا سینہ مبارک چار دفعہ شق کیا گیا۔ یعنی حالت رضاعت میں۔ دس برس کی

عمر شریف میں - غار حرا میں ابتدائے وحی کے وقت اور شب معراج میں جیساکہ پہلے مذکور ہوا۔

۱۷۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہر عضو کا ذکر کیا ہے۔ جس سے حق جل وعلا کی کمال محبت و عنایت پائی جاتی ہے۔

قلب مبارک { مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى۔ (نجم۔ ع۱)
نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ (شعراء۔ ع۱۱)

زبان مبارک { وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى۔ (نجم شروع)
فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ۔ (دخان۔ ع۳)

چشم مبارک۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى۔ (نجم۔ ع۱)

چہرہ مبارک۔ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ (بقرہ۔ ع۱۷)

ہاتھ مبارک اور گردن مبارک { وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ۔ (بنی اسرائیل ع۳)

سینہ مبارک اور پشت مبارک { اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ (انشراح شروع)

۱۸۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسم مبارک (محمدؐ) اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک (محمود) سے مشتق ہے۔

۱۹۔ حضور کے اسمائے مبارکہ میں سے قریبًا ستر نام وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہیں۔

۲۰۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک اسم مبارک احمدؐ ہے۔ آپ سے پہلے جب سے دنیا پیدا ہوئی کسی کا یہ نام نہ تھا۔ تاکہ کسی کو شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ کہ کتب سابقہ الہامیہ میں جو احمدؐ کا ذکر ہے وہ آپ ہی ہیں۔

۲۱۔ آپ کو آپ کا پروردگار بہشت کے طعام و شراب سے کھلاتا پلاتا تھا۔

۲۲۔ حضور اپنے پیچھے سے ایسا دیکھتے جیساکہ سامنے سے دیکھتے۔ اور رات کو اندھیرے میں ایسا دیکھتے جیساکہ دن کے وقت اور روشنی میں دیکھتے۔

۲۳۔ حضور کے دہن مبارک کا لعاب آب شور کو میٹھا بنا دیتا۔ اور شیر خوار بچوں کے لئے

دودھ کا کام دیتا۔

۲۴۔ جب آپ کسی پتھر پر چلتے۔ تو اُس پر آپ کے پاؤں مبارک کا نشان ہوجاتا۔ چنانچہ مقام ابراہیم میں ہو۔ اور سنگ مکہ میں آپ کی کُہنیوں کا نشان مشہور ہے۔

۲۵۔ حضور کی بغل شریف پاک وصاف اور خوشبودار تھی۔ اُس میں کسی قسم کی بوئے ناخوش نہ تھی۔

۲۶۔ آپ کی آواز مبارک اتنی دور تک پہنچتی کہ کسی دوسرے کی نہیں پہنچتی۔ چنانچہ جب آپ خطبہ دیا کرتے تھے۔ تو نوجوان لڑکیاں اپنے گھروں میں سُن لیا کرتی تھیں۔

۲۷۔ آپ کی قوت سامعہ سب سے بڑھ کر تھی۔ یہاں تک کہ اکثر ازدحام ملائک کے سبب سے آسمان میں جو آواز پیدا ہوتی ہے۔ آپ وہ بھی سن لیتے تھے۔

حضرت جبریل علیہ السلام ابھی سدرۃ المنتہیٰ میں ہوتے۔ کہ آپ اُن کے بازوؤں کی آواز سُن لیتے تھے۔ اور جب وہ وہاں سے آپ کی طرف وحی کے لئے اُترنے لگتے۔ تو آپ اُن کی خوشبو سونگھ لیتے۔ آسمان کے دروازوں کے کھلنے کی آواز بھی آپ سن لیا کرتے تھے۔

۲۸۔ خواب میں آپ کی آنکھ مبارک سو جاتی۔ مگر دل مبارک بیدار رہتا۔ بعضے کہتے ہیں کہ دیگر انبیاے کرام علیہم السلام کا بھی یہی حال تھا۔

۲۹۔ آپ نے کبھی جمائی اور انگڑائی نہیں لی۔ اور نہ کبھی آپ کو احتلام ہوا۔ دیگر انبیائے کرام بھی اس فضیلت میں مشترک ہیں۔

۳۰۔ حضور انور کا پسینہ مبارک کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔

۳۱۔ حضور میانہ قد مائل بہ درازی تھے۔ مگر جب دوسروں کے ساتھ چلتے یا بیٹھتے۔ تو سب سے بلند نظر آتے۔ تاکہ باطن کی طرح ظاہر وصورت میں بھی کوئی آپ سے بڑا معلوم نہ ہو۔

۳۲۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ کیونکہ آپ نور ہی نور تھے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔

۳۳۔ آپ کے بدن شریف پر مکھی نہ بیٹھتی اور کپڑوں میں جوں نہ پڑتی۔

۳۴۔ جب آپ چلتے۔ تو فرشتے (بغرض حفاظت) آپ کے پیچھے ہوتے۔ اسی واسطے

آپ نے اپنے اصحاب کرام سے فرمایا کہ تم میرے آگے چلو اور میری پیٹھ فرشتوں کے واسطے چھوڑ دو۔

۳۵۔ حضور انور کا خون اور تمام فضلات پاک تھے۔ بلکہ آپ کے بول کا پینا شفاء تھا۔

۳۶۔ حضور کے براز کو زمین نگل جایا کرتی تھی۔ اور وہاں سے کستوری کی خوشبو آیا کرتی تھی۔

۳۷۔ آپ جس گنجے کے سر پر اپنا دست شفاء پھیرتے۔ اسی وقت بال اُگ آتے۔ اور جس درخت کو لگاتے وہ اسی سال پھل دیتا۔

۳۸۔ آپ جس سر پر اپنا دست مبارک رکھتے۔ آپ کی دست مبارک کی جگہ کے بال سیاہ ہی رہا کرتے۔ کبھی سفید نہ ہوتے۔

۳۹۔ آپ رات کے وقت دولت خانے میں تبسم فرماتے۔ تو گھر روشن ہو جاتا۔

۴۰۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک سے خوشبو آتی تھی جس راستے سے آپ گزرتے۔ اُس میں بوئے خوش رہتی۔ جس سے پتہ چلتا۔ کہ آپ یہاں سے گزرے ہیں۔

۴۱۔ جس چوپائے پر آپ سوار ہوتے۔ وہ بول و براز نہ کرتا۔ جب تک کہ آپ سوار رہتے۔

۴۲۔ آپ کی بعثت پر کاہنوں کی خبریں منقطع ہو گئیں۔ اور شہاب ثاقب کے ساتھ آسمانوں کی حفاظت کر دی گئی۔ اور شیاطین تمام آسمانوں سے روک دئے گئے۔

۴۳۔ حضور کا قرین دموکل (جن سے) اسلام لے آیا۔

۴۴۔ شب معراج میں حضور کے لئے براق مع زین ولگام لایا گیا۔

۴۵۔ حضور انور شب معراج میں جسد مبارک کے ساتھ حالت بیداری میں آسمانوں سے اوپر تشریف لے گئے۔ ؎

بلکہ جائے کہ جا نبود آنجا   محرمے جز خدا نہ بود آنجا

اور آپ نے اپنے پروردگار جل شانہ کو آنکھوں سے دیکھا اور اُس کے ساتھ کلام کیا۔ اسی رات آپ بیت المقدس میں نماز میں دیگر انبیائے کرام اور فرشتوں کے امام بنے۔

۴۶۔ بعضے غزوات میں فرشتے آپ کے ساتھ ہو کر دشمنوں سے لڑے۔

۴۷۔ ہم پر واجب ہے، کہ حضور پر درود وسلام بھیجیں۔ پہلی اُمتوں پر واجب نہ تھا کہ اپنے

پیغمبروں پر درود بھیجیں۔

۴۸۔ قرآن کریم اور دیگر کتب الہامیہ میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے سوائے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی پیغمبر پر درود وارد نہیں۔

۴۹۔ حضور کو اللہ تعالےٰ نے وہ کتاب عطا فرمائی۔ جو تحریف سے محفوظ اور بلحاظ لفظ و معنےٰ معجز ہے۔ حالانکہ آپ اُمّی تھے۔ لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے۔ اور نہ عالموں کی صحبت میں رہے تھے۔

۵۰۔ حضور کو زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئیں۔ چنانچہ آپ کا ارشاد مبارک ہے۔ انما انا قاسم واللہ یعطی (میں تو بانٹنے والا ہوں اور اللہ دیتا ہے) پس ان خزانوں میں سے جو کچھ کسی کو ملتا ہے۔ وہ آپ ہی کے دستِ مبارک سے ملتا ہے۔ کیونکہ آپ حضرت باری تعالےٰ کے خلیفہ مطلق و نائب کل ہیں۔ باذن الٰہی عطا فرماتے ہیں۔ جو کچھ چاہتے ہیں۔

۵۱۔ اللہ تعالےٰ نے حضور کو جوامع کلم عطا فرمائے ہیں۔ یعنی آپ کے کلام شریف میں فصاحت و بلاغت اور غوامض معانی اور بدائع حکم اور محاسن عبارات بلفظ موجز لطیف سب پائے جاتے ہیں۔

۵۲۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو ہر شئے کا علم دیا۔ یہاں تک کہ روح اور اُن امور خمسہ کا علم بھی عنایت فرمایا جو سورۂ لقمان کے اخیر میں مذکور ہیں[1]۔

۵۳۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سارے جہان (انس و جن و ملائک) کے لئے پیغمبر بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

۵۴۔ حضور انور سارے جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

۵۵۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رعب کا یہ حال تھا۔ کہ دشمن خواہ ایک ماہ کی مسافت پر ہوتا۔ آپ اُس پر رعب سے فتح پاتے اور وہ مغلوب ہو جاتا۔ یہ تخصیص بہ نسبت دیگر انبیائے کرام علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ہے۔ سلاطین و جابرہ کا معاملہ خارج از بحث ہے۔

۵۶۔ آپ کے لئے (اور آپ کی امت کے لئے) غنائم حلال کر دی گئیں۔ آپ سے پہلے کسی پر حلال نہ تھیں۔

---

[1] کشف الغمہ للشعرانی بحوالہ خصائص للسیوطی۔ جزء ثانی۔ صـ۳۶

۵۷۔آپ کے لئے (اورآپ کی امت کے لئے) تمام روئے زمین سجدہ گاہ اور پاک کرنے والی بنادی گئی۔پس جہاں نماز کا وقت آجائے اور پانی نہ ملے۔چاہئے کہ تیمم کرکے وہیں نماز پڑھ لی جائے۔ دوسری امتوں کے لئے پانی کے سوا کسی اور چیز کے ساتھ طہارت نہ تھی۔اور نماز بھی معین جگہ کنیسہ وغیرہ کے سوا اور جگہ جائز نہ تھی۔

۵۸۔ چاند کا ٹکڑے ہونا۔ شجر وحجر کا سلام کرنا اور رسالت کی شہادت دینا۔ حنانہ کا رونا اور انگلیوں سے چشمے کی طرح پانی کا جاری ہونا۔یہ سب معجزات آپ کو عطا ہوئے۔

۵۹۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خاتم النبیین ہیں۔آپ کے بعد کوئی نیا نبی نہ آئے گا۔

۶۰۔حضور کی شریعت تمام انبیاء سابقین کی شریعتوں کی ناسخ ہے۔اور قیامت تک رہے گی:

۶۱۔ حضور کو اللہ تعالےٰ نے کنایہ سے خطاب و یاد فرمایا۔بخلاف دیگر انبیاء کے کہ انہیں اُن کے نام سے خطاب و یاد کیا ہے۔ دیکھو آیات ذیل:۔

۱۔وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔(پ۱-ع۴)

۲۔ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى۔(پ۱۶-طٰہٰ-ع۷)

۳۔ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ (پ۱۲-هود-ع۴)

۴۔ وَنَادٰى نُوْحُ ۨابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ (پ۱۲-هود-ع۴)

۵۔ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا۔ (پ۱۲-هود-ع۷)

۶۔ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (پ۱-بقرہ-ع۱۵)۔

۷۔قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ۔ (پ۹-اعراف-ع۱۷)

۸۔ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ۔ (پ۲۰۔ قصص۔ ع۲)

۹۔ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ۔ (پ۷۔ مائدہ۔ ع۱۵)

۱۰۔ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ۔ (پ۷۔ مائدہ۔ ع۱۵)

۱۱۔ يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (پ۲۳۔ ص۔ ع۲)

۱۲۔ وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ (پ۲۳۔ ص۔ ع۳)

۱۳۔ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا (پ۱۶۔ مریم۔ ع۱)

۱۴۔ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا (پ۳۔ اٰل عمران۔ ع۴)

۱۵۔ يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ۔ (پ۱۶۔ مریم۔ ع۱)

۱۶۔ وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ (پ۱۷۔ انبیاء۔ ع۶)

مگر ہمارے آقائے نامدار بابی ہو وامی کو اللہ تعالیٰ یوں خطاب فرماتا ہے۔

۱۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (پ۱۰۔ مائدہ۔ ع۱)۔

۲۔ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ۔ (پ۶۔ مائدہ۔ ع۱۰)۔

۳۔ يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ۔ (پ۲۹۔ مزمل شروع)۔

۴۔ يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ (پ۲۹۔ مدثر شروع)۔

جہاں اللہ تعالےٰ نے حضور کے نام مبارک کی تصریح فرمائی ہے۔ وہاں ساتھ ہی رسالت یا کوئی اور وصف مذکور فرمایا ہے۔ دیکھو آیاتِ ذیل:۔

۱۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ۔ (پ۴۔ اٰل عمران۔ ع۱۵)۔

۲۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ (پ۲۶۔ فتح۔ ع۴)

۳۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۔ (پ۲۲۔ احزاب۔ ع۵)

۴۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰي مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ۔ (پ۲۶۔ محمد۔ ع۱)۔

۵۔ جہاں اللہ تعالےٰ نے اپنے خلیل وحبیب کا یکجا ذکر کیا ہے۔ وہاں اپنے خلیل کا نام لیا ہے۔ اور اپنے حبیب کو نبوت کے ساتھ یاد فرمایا ہے۔ چنانچہ یوں ارشاد ہوا ہے۔ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَھٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (پ۳۔ آل عمران۔ ع۷)۔

۶۲۔ حضور کو نام مبارک کے ساتھ خطاب کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا۔ حالانکہ دیگر اُمتیں اپنے اپنے نبیوں کو نام کے ساتھ خطاب کیا کرتی تھیں۔ دیکھو آیات ذیل:۔

۱۔ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ (پ۹۔ اعراف۔ ع۱۶)

۲۔ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَاۗىِٕدَةً مِّنَ السَّمَاۗءِ ۭ (پ۷۔ مائدہ۔ ع۱۵)۔

۳۔ قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ۔ (پ۱۲۔ ھود۔ ع۵)۔

۴۔ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ۔ (پ۱۲۔ ھود۔ ع۶)

مگر ہمارے آقائے نامدار بابی ہو وامی کی نسبت یوں ارشاد باری ہوتا ہے:۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَاۗءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاۗءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۭ (پ۱۸۔ نور۔ ع۹)	مت مقرر کرو پکارنا پیغمبر کا درمیان اپنے جیسا پکارنا بعضے تمہارے کا ہے بعضوں کو۔

۶۳۔ حضور کا نام مبارک اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک میں طاعت ومعصیت۔ فرائض واحکام اور وعدہ و وعید کا ذکر کرتے وقت اپنے پاک نام کے ساتھ یاد فرمایا ہے دیکھو آیات ذیل:۔

۱۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (پ۵۔

نساء-ع۸)

۲- یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ-

(پ۹-انفال-ع۳)

۳- وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ م یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ط اُولٰٓئِكَ سَیَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ط اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ- (پ۱۰-توبہ-ع۹)

۴- اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْهُ ط (پ۱۸-نور-ع۹)

۵- یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ج (پ۹-انفال-ع۳)

۶- وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ یُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ط وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ o وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ یُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِیْهَا ص وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ- (پ۴-نساء-ع۲)

۷- اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا- (پ۲۲-احزاب-ع۷)-

۸- بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَی الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ- (پ۱۰-توبہ-شروع)-

۹- وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَی النَّاسِ یَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۵ وَرَسُوْلُهٗ ط (پ۱۰-توبہ-ع۱)

۱۰- اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ یَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِیْنَ وَلِیْجَةً ط وَاللّٰهُ خَبِیْرٌ م بِمَا تَعْمَلُوْنَ o (پ۱۰-توبہ-ع۲)

۱۱- اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِیْهَا ط

ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ۔ (پ۱۰ - توبہ - ع۸)

۱۲- اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ (پ۶ - مائدہ - ع۵)

۱۳- قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۔ (پ۱۰ - توبہ - ع۴)

۱۴- قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (پ۹ - انفال شروع)

۱۵- وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ (پ۹ - انفال ع۲)

۱۶- فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (پ۵ - نساء - ع۸)

۱۷- وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ۔ (پ۱۰ - توبہ - ع۷)

۱۸- وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ۔ (پ۱۰ - شروع)

۱۹- وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ (پ۱۰ - توبہ - ع۱۰)

۲۰- وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ (پ۱۰ - توبہ - ع۱۲)

۲۱- وَاِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ (پ۲۲ - احزاب - ع۵)

۶۴- اللہ تعالےٰ نے حضور کا ذکر بلند کیا ہے۔ چنانچہ اذان اور خطبے اور تشہد میں اللہ عزوجل کے ساتھ آپ کا ذکر بھی ہے۔

۶۵- حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر آپ کی امت پیش کی گئی۔ اور جو کچھ آپ کی امت میں

قیامت تک ہونے والا ہے۔ وہ سب آپ پر پیش کیا گیا۔ بلکہ باقی امتیں بھی آپ پر پیش کی گئیں۔ جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو ہر چیز کا نام بتایا گیا۔

۶۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں۔ اور محبت وخلّت اور کلام و رؤیت کے جامع ہیں۔

۶۷۔ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے پہلے نبیوں کو ان کے مانگنے کے بعد عطا فرمایا۔ وہ آپ کو بن مانگے عنایت فرمایا۔ دیکھو امثلہ ذیل:۔

(ا) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا تعالیٰ سے سوال کیا۔

وَلَا تُخْزِنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ (شعراء۔ ع۵)	اور رسوا نہ کر مجھ کو جس دن جی کر اُٹھیں۔

حضور سرور انبیاء صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے بارے میں خدا تعالیٰ یوں ارشاد فرماتا ہے:۔

يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ (تحریم۔ ع۲)	جس دن اللہ رسوا نہ کرے گا نبی کو اور جو ایمان لائے ہیں اُس کے ساتھ

پس یہاں سوال سے پہلے بشارت ہے۔

(ب)۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام یوں دعا کرتے ہیں:۔

وَاجْنُبْنِىْ وَبَنِىَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ (ابراھیم۔ ع۶)	مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی عبادت سے بچا۔

حضور سرور انبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں بن مانگے خدا فرماتا ہے:۔

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا۔ (احزاب۔ ع۴)	اللہ یہی چاہتا ہے۔ کہ دور کرے تم سے گندی باتیں اے گھر والو۔ اور ستھرا کرے تم کو ستھرا کرنا۔

یہ ابلغ ہے اُس سے جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے حق میں ہوا۔ کیونکہ دعائے خلیل تو فقط عبادت اصنام کی نفی کے لئے تھی۔ اور یہ ہر گناہ ونقص کو عام ہے۔ وہ تو اپنے بیٹوں کے حق میں خاص تھی۔ اور یہ عام ہے ہر ایک کو کہ شامل ہے اُس کو بیت حضور نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کا یعنی آپ کے ازواج مطہرات اور اولاد وغیرہ۔

(ج) حضرت خلیل اللہ علیہ السلام یوں دعا کرتے ہیں:۔

وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ (شعراء۔ع۵)	مجھے جنت نعیم کے وارثوں میں سے کر۔

حضور سرور انبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کے حق میں بن مانگے خدا فرماتا ہے۔

اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ۔ (کوثر)	ہم نے تجھ کو کوثر عطا کیا۔
وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی (ضحٰی)	اور آگے دے گا تجھ کو تیرا رب۔ پھر تو راضی ہو جائے گا۔

(د) حضرت خلیل اللہ علیہ السلام یوں دعا کرتے ہیں:۔

وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ (شعراء۔ع۵)	یعنی آئندہ اُمتوں میں قیامت تک میرا ذکر جمیل قائم رکھ۔

حضور سرور انبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالےٰ نے بن مانگے اس سے بڑھ کر عطا فرمایا۔ چنانچہ سورۂ الم نشرح میں یوں وارد ہے:۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ	اور ہم نے تیرا نام بلند کیا۔

لہٰذا حضور از عرش تا فرش مشہور ہیں۔ اور نماز و خطبہ و آذان میں اللہ کے نام مبارک کے ساتھ آپ کا نام مبارک مذکور ہے۔ اور عرش پر۔ قصور بہشت پر۔ حوروں کے سینوں پر درختان بہشت کے پتوں پر اور فرشتوں کے چشم و ابرو پر آپ کا اسم شریف لکھا ہوا ہے۔ اور آپ سے پہلے جس قدر انبیاء گزرے ہیں۔ وہ سب آپ کے ثناخواں رہے ہیں۔ اور قیامت کو ثناخواں ہوں گے۔

(ہ) حضرت موسیٰ علیہ السلام یوں دعا کرتے ہیں:۔

رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ (طٰہٰ۔ع۲)	اے میرے پروردگار میرا سینہ میرے واسطے روشن کردے

حضور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بن مانگے یوں ارشاد ہوتا ہے:۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ (انشراح۔ شروع)	کیا ہم نے تیرے واسطے تیرا سینہ روشن نہیں کیا۔

(و) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالےٰ سے کتاب کا سوال کیا۔ اللہ تعالےٰ نے

ان سے تیس راتوں کا وعدہ فرمایا۔ پھر دس راتیں اور زیادہ کی گئیں۔ بعد ازاں کتاب تورات عطا ہوئی۔

مگر حضور سرور انبیاء صلے اللہ علیہ وسلم پر بغیر کسی وعدہ سابق کے نزول قرآن شروع ہوا۔ چنانچہ باری تعالےٰ یوں ارشاد فرماتا ہے:۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْآ اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ (قصص۔ع)	اور تو قع نہ رکھتا تھا تو۔ کہ اُتاری جائے تجھ پر کتاب مگر فضل ہو کر تیرے رب کی طرف سے۔

۶۸۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کی رسالت پر قسم کھائی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں وارد ہے۔

يٰسٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۙ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ	یٰس۔ قسم ہے قرآن محکم کی۔ تحقیق تو البتہ پیغبروں سے ہے۔

۶۹۔ اللہ تعالےٰ نے حضور کی زندگی کی اور آپ کے شہر کی اور آپ کے زمانے کی قسم کھائی ہے۔

(ا) لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (حجر۔ع)	یعنی تیری زندگی کی قسم! وہ (قوم لوط) البتہ اپنی مستی میں سرگردان ہیں۔

اللہ تعالےٰ نے کسی اور پیغمبر کی زندگی کی قسم نہیں کھائی۔

(ب) لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۙ (سورہ بلد)	میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی حالانکہ تو اترنے والا ہے اس شہر میں۔

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر یعنی مکّہ معظمہ کی قسم کھائی ہے۔ جسے پہلے ہی شرف ذاتی حاصل تھا۔ مگر حضور انور کے نزول سے اور شرف حاصل ہوگیا۔ مدارج النبوۃ میں یوں لکھا ہے۔" در مواہب لدنیہ میگوید کہ روایت کردہ شدہ است از عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کہ گفت مر آنحضرت را صلے اللہ علیہ وسلم۔ بابی انت واُمّی یا رسول اللہ! بتحقیق رسیدہ است فضیلت تو نزد خدا بمرتبہ کہ سوگند خورد خدا تعالیٰ بحیات تو نہ بحیات سائر انبیاء علیہم السلام۔ ورسیدہ است فضیلت تو نزد خدا تعالیٰ بحدیکہ سوگند خورد بخاک پائے تو وگفت لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔ یعنی سوگند خوردن بہ بلد کہ عبارت است

از زمین کہ پے سپر سیکند آنرا پائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سوگند بخاک پائے حضرت رسالت است ونظر بحقیقت معنی صاف وپاک است کہ غبارے براں نمے نشیند۔"

(ج) وَالْعَصْرِ ۙ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۙ (سورہ عصر)	قسم ہے زمانہ کی! بالتحقیق انسان ٹوٹے میں ہے۔

۷۰۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وحی کی تمام قسموں کے ساتھ کلام کیا گیا۔

۷۱۔ حضور کا رؤیا وحی ہے۔ یہی حال تمام پیغمبروں کا ہے۔ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام

۷۲۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت اسرافیل علیہ السلام نازل ہوئے۔ جو آپ سے پہلے کسی اور نبی پر نازل نہیں ہوئے۔

۷۳۔ حضور بہترینِ اولاد آدمؑ ہیں۔

۷۴۔ آپ کے پچھلے اگلے گناہ (بالفرض والتقدیر) معاف کئے گئے ہیں یعنی اگر آپ سے کسی گناہ (ترک اولیٰ جسے بلحاظ آپ کے منصب جلیل کے گناہ سے تعبیر کیا جائے) کا صدور تصور کیا جائے۔ تو اُس کی معافی کی بشارت خدا نے دے دی ہے۔ حالانکہ ایسا تصور میں نہیں آسکتا۔ کیونکہ آپ سے کبھی کوئی گناہ (خواہ ترک اَولیٰ ہی ہو) صادر نہیں ہوا۔ کسی دوسرے پیغمبر کو خدا تعالےٰ نے حیات دنیوی میں ایسی مغفرت کی بشارت نہیں دی۔

۷۵۔ حضور اللہ تعالےٰ کے نزدیک اکرم الخلق ہیں۔ اس لئے دیگر انبیا ومرسلین اور ملائک سے افضل ہیں۔

۷۶۔ اجتہاد (بر تقدیر تسلیم وقوع) میں حضور سے خطا جائز نہیں۔

۷۷۔ قبر میں میّت سے حضور کی نسبت سوال ہوتا ہے۔

۷۸۔ حضور کے بعد آپ کی ازواج مطہرات سے نکاح حرام کیا گیا۔

۷۹۔ حضور کی ازواج مطہرات کے اشخاص واجسام کا اظہار خواہ چادروں میں پوشیدہ ہوں (باستثنائے ضرورت) جائز نہ تھا۔ اسی طرح اُن پر شہادت وغیرہ کے لئے منہ ہاتھ کا ننگا کرنا حرام تھا۔

۸۰۔ حضور کی صاحبزادیوں کی اولاد آپ کی طرف منسوب ہے۔ چنانچہ حضرت امام حسن

اور امام حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہما آپ کے صاحبزادے کہلاتے ہیں۔

۸۱۔ حضور کی صاحبزادیوں پر تزوج حرام تھا۔ یعنی اگر آپ کی کوئی صاحبزادی کسی مرد کے نکاح میں ہو۔ تو اُس مرد پر حرام تھا۔ کہ کسی دوسری عورت سے نکاح کرے۔

۸۲۔ جس محراب کی طرف حضور نے نماز پڑھی۔ اُس میں کسی کو اجتہاد و تحری سے دائیں بائیں ہونا جائز نہیں۔ اور اگر کوئی شخص ایسا کرے اور اعتراف کرے۔ کہ یہ محراب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اسی طرح تھی۔ تو وہ کافر ہوگیا۔ اور اگر یہ تاویل کرے۔ کہ یہ محراب جواب ہے۔ وہ نہیں جو حضور انور کے زمانے میں تھی۔ بلکہ اُس میں تغیر آگیا ہے۔ تو وہ کافر نہیں ہوتا۔

۸۳۔ جس نے حضور کو خواب میں دیکھا۔ اُس نے بے شک آپ ہی کو دیکھا۔ کیونکہ شیطان آپ کی صورت شریف کی طرح نہیں بن سکتا۔ اس بات پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ کہ جس صورت سے کسی نے آپ کو خواب میں دیکھا۔ اُس نے آپ ہی کو دیکھا۔ تفاوت آئینے کے حال میں ہے۔ جس کا آئینۂ خیال زیادہ صاف اور اسلام کے نور سے زیادہ منور ہے۔ اُس کا دیکھنا درست تر اور کامل تر ہے۔ بعضے کہتے ہیں کہ شیطان کسی نبی کی صورت سے متمثل نہیں ہوسکتا۔

۸۴۔ حضور کا اسم شریف محمدؐ کر کے نام رکھنا مبارک اور دنیا اور آخرت میں نافع ہے۔ مگر ابوالقاسم کنیت کرنے میں اختلاف ہے۔ بعضوں نے اسم و کنیت کے درمیان جمع کرنے سے منع کیا ہے۔ اور افراد یعنی اسم و کنیت میں سے ایک کا رکھنا جائز بتایا ہے۔ تفصیل مطولات میں دیکھنی چاہیئے۔

۸۵۔ کسی کے لئے جائز نہیں۔ کہ اپنی انگوٹھی پر محمد رسول اللہ نقش کرائے جیساکہ حضور کی انگوٹھی پر تھا۔

۸۶۔ حضور کی حدیث شریف کے پڑھنے کے لئے غسل و وضو کرنا اور خوشبو ملنا مستحب ہے۔ اور یہ بھی مستحب ہے۔ کہ حدیث شریف کے پڑھنے میں آواز دھیمی کی جائے۔ جیساکہ حضور کی حیات شریف میں جس وقت آپ کلام کرتے حکم الٰہی تھا۔ کہ آپ کی آواز پر اپنی آواز کو

بلند نہ کرو۔ آپ کے وصال شریف کے بعد آپ کا کلام مروی و ماثور عزت و رفعت میں مثل اُس کلام کے ہے جو آپ کی زبان مبارک سے سنا جاتا تھا۔ لہٰذا کلام ماثور کی قراءت کے وقت بھی وہی ادب ملحوظ رکھنا چاہئے۔ اور یہ بھی مستحب ہے۔ کہ حدیث شریف اونچی جگہ پر پڑھی جائے اور پڑھتے وقت کسی کی تعظیم کے لئے خواہ کیسا ہی ذوشان ہو۔ کھڑا نہ ہووے۔ کیونکہ یہ خلاف ادب ہے۔

۸۷۔ حضور کی حدیث شریف کے قاریوں کے چہرے تازہ و شاداں رہیں گے۔

۸۸۔ جس شخص نے بحالتِ ایمان ایک لمحہ یا ایک نظر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا۔ اُسے صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوگیا۔ طولِ صحبت شرط نہیں۔ ہاں تابعی ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ صحابی کی صحبت میں دیر تک رہا ہو۔

۸۹۔ حضور کے تمام صحابۂ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم عادل ہیں۔ لہٰذا شہادت و روایت میں اُن میں سے کسی کی عدالت سے بحث نہ کی جائے جیسا کہ دیگر راویوں میں کی جاتی ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام کی تعدیل ظواہر کتاب و سنت سے ثابت ہے۔

۹۰۔ نمازی تشہد میں حضور سے یوں خطاب کرتا ہے السلام علیك ایها النبی (آپ پر سلام اے نبی!) اور آپ کے سوا کسی اور مخلوق کو اس طرح خطاب نہیں کرتا۔ شب معراج میں اللہ تعالےٰ نے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو انہیں الفاظ سے خطاب کیا تھا۔ فقہاء کرام لکھتے ہیں کہ نمازی کو چاہئے۔ کہ تشہد میں شب معراج کے واقعہ کی حکایت و اخبار کا ارادہ نہ کرے۔ بلکہ انشاء کا قصد کرے۔ کہ گویا وہ اپنی طرف سے اپنے نبی پر سلام بھیجتا ہے۔ اگر حکایت و اخبار کی نیت ہوگی۔ تو وہ سلام نمازی کا نہ ہوگا اور تشہد جو واجب ہے۔ ادا نہ ہوگا۔ لہٰذا نماز واجب الاعادہ ہوگی۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں۔ کہ نمازی کو چاہئے۔ کہ اپنے قلب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جسم کریم کو حاضر کر کے کہے۔ السلام علیك ایها النبی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں "ونیز آنحضرت ہمیشہ نصب العین مومنان وقرۃ العین عابداں است در جمیع احوال و اوقات۔ خصوصاً در حالت عبادت و آخر آں کہ وجود نورانیت و انکشاف دریں محل بیشتر و قوی تر است۔ و بعضے از عرفاء گفتہ اند

کہ ایں خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است در ذرائرِ موجودات و افراد ممکنات۔ پس آنحضرت در ذات مصلیان موجود و حاضر است۔ پس مصلی باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد و ازیں شہود غافل نبود تا بہ انوار قرب و اسرارِ معرفت متنور و فائض گردد۔"

امام عبدالوہاب شعرانی میزانِ کبریٰ (باب صفۃ الصلوٰۃ) میں لکھتے ہیں۔ کہ میں نے سیدی علی خواص رحمہ اللہ تعالیٰ کو یہ فرماتے سنا ہے۔ کہ شارع علیہ السلام نے نمازی کو التحیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کا اس لئے امر کیا ہے۔ کہ غافلوں کو آگاہ کردے۔ کہ تم جو اللہ عزوجل کے سامنے بیٹھے ہو۔ اُس دربار میں تمہارے نبی موجود ہیں۔ کیونکہ آپ بارگاہِ الٰہی سے کبھی جدا نہیں ہوتے۔ اس واسطے نمازی آپ کو سلام کے ساتھ روبرو خطاب کرتے ہیں۔"

۹۱۔ جس مومن کو حضور پکاریں۔ اُس پر آپ کو جواب دینا واجب ہے۔ خواہ وہ نماز میں ہو۔ حضرت ابو سعید بن معلیٰ کا بیان ہے کہ میں مسجد میں نماز پڑھ رہا تھا۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا۔ میں نہ آیا۔ نماز سے فارغ ہو کر حاضرِ خدمت ہوا۔ تو میں نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ کیا اللہ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا۔

اِسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ (انفال۔ ع ۳)	قبول کرو خدا و رسول کا پکارنا۔ جب وہ پکاریں تمہیں اُس چیز کے لئے۔ جو تم کو زندہ کرے (صحیح بخاری۔ تفسیر سورہ انفال)

اگر کوئی مومن آپ کو جواب نہ دے۔ تو بالاتفاق گنہگار ہے۔ اُس کی نماز کے بارے میں اختلاف ہے۔ کہ باطل ہو جاتی ہے۔ یا کہ نہیں۔

۹۲۔ حضور پر جھوٹ باندھنا ایسا نہیں جیسا کہ آپ کے غیر پر ہے۔ حدیث صحیحین میں آیا ہے۔ کہ آپ نے فرمایا۔ کہ "جس شخص نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا۔ وہ آگ سے اپنا ٹھکانا بنالے۔" ایسے شخص کی روایت خواہ وہ توبہ کرے ہرگز قبول نہ کی جائے گی۔ بعضوں کے نزدیک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر عمداً جھوٹ باندھنا کفر ہے۔ مگر حق یہ ہے۔ کہ سخت گناہ عظیم و کبیرہ ہے۔

۹۳- حضور کی ازواج مطہرات کے حجروں کے باہر سے آپ کو پکارنا حرام ہے۔ ارشاد باری تعالے ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (حجرات ع)	البتہ وہ لوگ جو پکارتے ہیں تجھ کو حجروں کے باہر سے۔ ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے۔ اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تو اُن کی طرف نکلتا۔ تو یہ البتہ اُن کے لئے بہتر ہوتا۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

۹۴- حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بلند آواز سے کلام کرنا حرام ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔

۹۵- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں گناہ صغیرہ اور کبیرہ سے عمداً اور سہواً قبل نبوت اور بعد نبوت۔ یہی مذہب مختار ہے۔

۹۶- حضور پر جنون جائز نہیں اور نہ لمبی بیہوشی جائز ہے۔ کیونکہ یہ منجملہ نقائص ہیں۔ علامہ سبکی نے کہا۔ کہ پیغمبروں پر نابینائی جائز نہیں کیونکہ نقص ہے۔ کوئی پیغمبر نابینا نہیں ہوا۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی نسبت جو کہا گیا۔ کہ وہ نابینا تھے۔ سو وہ ثابت نہیں۔ (بر تقدیر ثبوت وہ نابینائی مضر نہیں۔ کیونکہ وہ تحقق نبوت کے بعد طاری ہوئی) رہے حضرت یعقوب علیہ السلام۔ سو اُن کی آنکھوں پر پردہ آ گیا تھا۔ اور وہ دور ہو گیا۔ مشہور یہ ہے کہ کوئی پیغمبر اصم (بہرا) نہ تھا۔

۹۷- حضور کی برأت و تنزیہ خود اللہ تعالے نے فرما دی بخلاف دیگر انبیائے کرام کے کہ اپنے مکذبین کی تردید وہ خود کیا کرتے تھے۔ چنانچہ قوم نوحؑ نے جب اُن سے کہا۔

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ	تحقیق ہم تجھے صریح گمراہی میں دیکھتے ہیں۔

اس کی نفی خود حضرت نوح علیہ السلام نے یوں کی۔

يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (پ۔ اعراف۔ ع)	اے میری قوم مجھ میں گمراہی نہیں ولیکن میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔

قوم ہودؑ نے اُن سے کہا۔

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ	تحقیق ہم تجھ کو بیوقوفی میں دیکھتے ہیں اور تجھے جھوٹوں سے گمان کرتے ہیں۔

اس پر ہود علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ (پ۔ اعراف۔ ع ۹)	اے میری قوم مجھ میں بیوقوفی نہیں۔ ولیکن میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔

فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا:۔

اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا	تحقیق میں تجھے اے موسیٰ جادو کیا ہوا گمان کرتا ہوں۔

اِس پر حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔

وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا۔ (پ ۵۔ بنی اسرائیل۔ ع ۱۲)	تحقیق میں تجھے اے فرعون البتہ ہلاک کیا گیا گمان کرتا ہوں!

قوم شعیبؑ نے اُن سے کہا۔

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْنَا ضَعِیْفًا وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ وَمَا اَنْتَ عَلَیْنَا بِعَزِیْزٍ۔ (ھود۔ ع ۸)	تحقیق البتہ ہم تجھ کو اپنے درمیان کمزور دیکھتے ہیں۔ اگر تیری برادری نہ ہوتی۔ تو البتہ ہم تجھ کو سنگسار کر دیتے۔ اور تو ہم پر قدر والا نہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام اِس کا جواب یوں دیتے ہیں۔

یٰقَوْمِ اَرَهْطِیْٓ اَعَزُّ عَلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِیًّا اِنَّ رَبِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ۔	اے میری قوم! کیا میری برادری تم پر اللہ سے زیادہ عزیز ہے۔ اور تم نے اُس کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈالا ہوا ہے۔ تحقیق میرا پروردگار گھیرنے والا ہے اُس چیز کو کہ تم کرتے ہو

کفار نے ہمارے آقائے نامدار صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت جو طعن وتنقیص کی۔ حق سبحانہ نے بذات خود اُس کی تردید فرما دی۔ جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان محبوبیت عیاں ہے۔ بغرض توضیح چند مثالیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

کفار کا اعتراض وطعن	بارتیعالے عزاسمہ کا جواب
یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ (۱)	مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ (قلم۔ ع)

کفّار کا اعتراض وطعن	باریتعالے عزاسمہ کا جواب
لَمَجْنُوْنٌ (حجر-ع۱) اے وہ شخص کہ اُتارا گیا اُس پر قرآن۔ تو البتہ دیوانہ ہے۔	نہیں تو اپنے رب کے فضل سے دیوانہ۔
(۲) اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ (صافات) کیا ہم چھوڑ دینے والے ہیں اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کے واسطے۔	بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ (صافات) بلکہ وہ لایا ہے حق اور سچا کیا ہے پیغمبروں کو وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ (یٰس-ع۵) اور ہم نے اُس کو شعر نہیں سکھایا۔ اور اُس کے لائق نہیں
(۳) اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا (بنی اسرائیل-ع۵) نہیں پیروی کرتے تم مگر ایک مرد مسحور (جادو مارا) کی۔	اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا (بنی اسرائیل) دیکھ کیونکر بیان کیں انہوں نے تیرے واسطے مثالیں۔ پس وہ گمراہ ہو گئے۔ پس نہیں پا سکتے کوئی راہ (طعن کی)
(۴) لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (انفال-ع۴) اگر ہم چاہیں۔ تو کہہ دیں ایسا۔ یہ کچھ نہیں مگر قصے کہانیاں پہلوں کی	قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (بنی اسرائیل ع۱۰) کہہ دے اگر جمع ہوویں آدمی اور جن اس پر کہ لاویں ایسا قرآن۔ نہ لاویں گے ایسا خواہ مدد کریں ایک کی ایک۔
(۵) اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ (یونس-ع۴) کیا لوگ کہتے ہیں۔ کہ وہ بنا لایا ہے اس کو	قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (یونس)

کفار کا اعتراض وطعن	باریتعالیٰ عزاسمہ کا جواب
	کہہ دے تم لے آؤ ایک سورت ایسی۔ اور پکارو جس کو پکار سکو اللہ کے سوا۔ اگر ہو تم سچے۔
(۶) لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً (فرقان۔ ع۳) کیوں نہ اتارا گیا اس پر قرآن اکٹھا ایک بار۔	كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا (فرقان) اسی طرح اتارا ہم نے تاکہ ثابت رکھیں ہم اس کے ساتھ تیرے دل کو۔ اور آہستہ آہستہ پڑھا ہم نے اس کو آہستہ (یعنی ہر بات کے وقت پر اس کا جواب اتارا ہے۔ تو پیغمبر کا دل ثابت رہے۔ موضح)
(۷) لَسْتَ مُرْسَلًا (رعد۔ اخیر آیت) تو رسول نہیں	قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ (رعد) کہہ دے کافی ہے اللہ گواہی دینے والا درمیان میرے اور درمیان تمہارے اور وہ شخص کہ اس کے پاس ہے علم کتاب کا۔ يٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۔ یٰس۔ قسم ہے قرآن محکم کی۔ تحقیق تو البتہ رسولوں میں سے ہے
(۸) اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ (بنی اسرائیل ع۱۱) کیا اللہ نے آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا۔	قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل) کہہ دے اگر ہوتے زمین میں فرشتے چلا کرتے آرام سے۔ تو البتہ ہم اتارتے ان پر آسمان سے فرشتے کو پیغمبر بنا کر۔ مطلب یہ کہ تجانس موجب توانس اور تخالف موجب تباین ہے۔ اس لئے فرشتوں کے لئے فرشتہ مبعوث

کفار کا اعتراض وطعن	باریتعالےٰ عزاسمہ کا جواب
	ہونا چاہئے۔ اور اہل ارض کے لئے بشر رسول چاہئے۔
(۹) مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ (فرقان ع) کیا ہے اِس پیغمبر کو کہ کھاتا ہے کھانا اور چلتا ہے بازاروں میں۔	وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ (فرقان۔ ع) اور نہیں بھیجے ہم نے تجھ سے پہلے پیغمبر مگر تحقیق وہ البتہ کھاتے تھے کھانا اور چلتے تھے بازاروں میں۔
(۱۰) لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ (زخرف۔ ع) کیوں نہ اُتارا گیا یہ قرآن ایک بڑے مرد پر ان دو بستیوں سے۔	اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ۔ (زخرف) کیا وہ بانٹتے ہیں تیرے پروردگار کی رحمت کو۔ ہم نے بانٹی ہے ان کے درمیان ان کی روزی حیات دنیا میں۔ اور ہم نے بلند کیا ان میں سے بعض کو بعض کے اوپر درجوں میں۔ تاکہ پکڑیں بعضے ان کے بعضوں کو محکوم۔ اور تیرے پروردگار کی رحمت بہتر ہے اُس چیز سے کہ وہ جمع کرتے ہیں۔
(۱۱) هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ (سبا۔ ع) کیا ہم راہ بتاویں تم کو اُس شخص کی طرف جو خبر دیتا ہے تم کو کہ جب تم	اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ۝ (سبا۔ ع) کیا باندھ لیا ہے اُس نے اللہ پر جھوٹ یا اُس کو جنون ہے۔ بلکہ وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے عذاب اور گمراہی دور میں ہیں۔

کفار کا اعتراض وطعن	باریتعالیٰ عزاسمہ کا جواب
ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے نہایت ریزہ ریزہ ہو جانا۔ تحقیق تم البتہ نئی پیدائش میں ہو گے۔	
(۱۲)	
ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام سے نکل رہے تھے کہ باب بنی سہم میں عاص بن وائل سہمی آپ سے ملا اور کلام کیا۔ جب وہ مسجد میں داخل ہوا۔ تو اشقیائے قریش نے پوچھا کہ تم کس سے باتیں کر رہے تھے۔ عاص بولا۔ کہ اُسی ابتر (بے نسل) سے۔ حضور کا صاحبزادہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بطن مبارک سے انتقال کر چکا تھا۔ اس لئے عاص نے حضور کو یہ طعن دیا کہ زندگی تک ان کا نام ہے۔ پیچھے کون نام لے گا۔ (مدارج النبوۃ)	اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ۔ (کوثر) تحقیق تیرا دشمن وہی ہے بے نسل۔ چنانچہ عاص مذکور کا نام نابود ہو گیا۔ مگر حضور انور بابی ہو وامی کا نام قیامت تک روشن ہے۔ اور آپ کی ذریت قیامت تک رہے گی۔
(۱۳)	
حضرت کو کئی دن وحی نہ آئی۔ دل مکدر رہا۔ تہجد کو نہ اُٹھے۔ کافروں نے کہا۔ اس کو چھوڑ دیا اِس کے رب نے (موضح القرآن)	وَالضُّحٰی ۝ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۝ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ۝ قسم ہے دن چڑھے کی اور رات کی جب ڈھانپ لیوے۔ نہیں چھوڑ دیا تجھ کو تیرے رب نے اور نہ ناخوش رکھا۔ موضح القرآن میں ہے کہ پہلے قسم فرمائی دھوپ روشن کی

کفار کا اعتراض وطعن	باریتعالےٰ عزاسمہ کا جواب
	اور رات اندھیری کی۔ یعنی ظاہر میں بھی اللہ تعالیٰ کی قدرتیں ہیں۔ باطن میں بھی کبھی چاندنا ہے کبھی اندھیرا۔ دونوں اللہ کے ہیں۔ اللہ سے دور کبھی نہیں بندہ۔
(۱۴) هُوَ اُذُنٌ۔ (توبہ۔ ع۸) وہ ہر کسی کی بات سن کر لگ جانے والا ہے۔	قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ (توبہ) کہہ دے وہ اچھا سننے والا ہے تمہارے واسطے۔ ایمان لاتا ہے اللہ پر اور باور کرنے والا ہے مومنوں کی بات اور رحمت ہے واسطے اُن (منافقوں) کے جنہوں نے اظہار ایمان کیا تم میں سے۔
(۱۵) منافقوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترمہ عائشہ صدیقہ رضؓ پر بہتان لگایا تھا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔	خود اللہ تعالےٰ نے حضرت صدیقہ رضؓ کی براءت آسمان سے نازل فرمائی۔ دیکھو سورہ نور۔ ع۲

۹۸۔ جو شخص حضور کو سب وشتم کرے۔ یا کسی وجہ سے صراحتاً یا کنایۃً آپ کی تنقیص شان کرے۔ اُس کا قتل کرنا بالاتفاق واجب ہے۔ مگر اس میں اختلاف ہے۔ کہ یہ قتل کرنا بطریق حد ہے۔ کہ بالفعل مار ڈالنا چاہئے اور توبہ نہ کرانی چاہئے۔ یا بطریق ردت ہے کہ اُس سے توبہ طلب کی جائے۔ اگر توبہ کرے تو بخش دینا چاہئے۔ اس مسئلے میں مختار قول اول ہے۔ یہ حکم اُس صورت میں ہے کہ اہانت کرنے والا مسلمان ہو۔ اگر کافر ہو اور اسلام لاوے۔ تو درگزر کرنا چاہئے۔

۹۹۔ اگر حضور بذات شریف جہاد کے لئے نکلیں۔ تو ہر مسلمان پر واجب تھا۔ کہ آپ کے ساتھ نکلے۔ اور اگر کوئی ظالم آپ کا قصد کرے۔ تو جو مسلمان حاضر ہو اُس پر واجب تھا۔ کہ آپ کی

حفاظت میں اپنی جان سے دریغ نہ کرے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالٰے ہے۔

مَاكَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ (توبہ - ع ۱۵)	نہ چاہئے مدینے والوں کو اور جو اُن کے گرد اعراب ہیں کہ رہ جاویں رسول اللہ کے ساتھ سے۔ اور نہ یہ کہ اپنی جان کو چاہیں زیادہ اُس کی جان سے۔

۱۰۰۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جس شخص کے لئے جس حکم کی تخصیص چاہتے کر دیتے۔ چنانچہ آپ نے حضرت خزیمہ انصاری کے لئے یہ تخصیص فرمائی۔ کہ اُس کی شہادت حکم دو شہادت کا رکھتی ہے۔ اسی طرح آپ نے حضرت ام عطیہ انصاریہ کو نیاحت کی رخصت دی اور حضرت اسماء بنت عمیس کو رخصت دی۔ کہ وہ اپنے خاوند حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت پر صرف تین دن سوگواری کرے۔ بعد ازاں جو چاہے کرے۔ اور حضرت ابو بردہ بن نیار کو اجازت دے دی۔ کہ تمہارے واسطے قربانی میں ایک سال سے کم کا بزغالہ کافی ہے۔ اور آپ نے ایک فقیر سے ایک عورت کا نکاح کر دیا۔ اور اُس کا مہر یہ مقرر فرمایا۔ کہ فقیر کو جتنا قرآن یاد تھا وہ اُس عورت کو پڑھا دے۔

۱۰۱۔ حضور کو تپ اس شدت سے چڑھتا تھا۔ جیسا کہ دو آدمیوں کو چڑھتا ہے۔ تاکہ ثواب دوچند ملے۔

۱۰۲۔ مرض موت میں حضور انور کی عیادت کے لئے حضرت جبریل علیہ السلام تین دن حاضر خدمت ہوتے رہے۔

۱۰۳۔ جب ملک الموت حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو اذن طلب کیا۔ آپ سے پہلے اُس نے کسی نبی سے اذن طلب نہیں کیا۔

۱۰۴۔ حضور کے جنازے شریف کی نماز مسلمانوں نے گروہا گروہ الگ الگ بغیر امامت کے پڑھی۔ آپ کے غلام شقران نے جسد مبارک کے نیچے لحد میں قطیفہ نجرانیہ بچھادی جو آپ اوڑھا کرتے تھے۔ نماز بے جماعت اور قطیفہ کا بچھانا آپ کے خصائص سے ہے۔

واضح رہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا وصال شریف دوشنبہ کے دن دوپہر ڈھلے ہوا

وصال شریف کے بعد زمین تاریک ہوگئی اس صدمہ سے صحابہ کرام کا جو حال ہوا وہ بیان نہیں ہوسکتا۔ حضرت علی مرتضٰے نے آپ کو غسل دیا۔ حضرت عباس وفضل بن عباس حضور کے پہلو بدلنے میں حضرت مرتضٰے کی مدد کر رہے تھے۔ اور قُثم بن عباس اور اسامہ اور حضور کا غلام شُقران پانی ڈال رہے تھے۔ سوائے حضرت علی کے باقی سب نے آنکھوں پر رومال باندھے ہوئے تھے تاکہ جسد شریف پر نظر نہ پڑے۔ حضور کے کفن میں تین سوتی کپڑے سحول کے بنے ہوئے تھے جن میں قمیص و عمامہ نہ تھا۔

شب چہارشنبہ میں حضور کو دفن کیا گیا۔ تاخیر کی وجہ کئی امور تھے۔ چنانچہ مہاجرین وانصار میں بیعت کے بارے میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ اس اختلاف کا فیصلہ ہوتے ہی اس امر میں اختلاف آراء ہوا کہ حضور کو کہاں دفن کیا جائے۔ قبر شریف میں لحد چاہئے یا شق۔ آخر کار حضرت ابو طلحہ انصاری نے لحد کھودی۔ نماز جنازہ حجرہ شریف کے اندر ہی بغیر امامت الگ الگ پڑھی گئی۔ پہلے مَردوں نے پھر عورتوں نے پھر بچوں نے پھر غلاموں نے نماز پڑھی۔ بعد ازاں حضور کو بالاتفاق حجرہ شریف ہی میں جہاں وصال شریف ہوا تھا دفن کر دیا گیا۔ بنا بر قول اصح حضرت عباس و علی و قُثم و فضل قبر شریف میں اترے۔ لحد کی اینٹیں کچی نو تھیں۔ حضرت قُثم سب سے اخیر میں قبر مبارک سے نکلے۔

۱۰۵۔ آپ کے جسم مقدس کو مٹی نہیں کھاتی۔ تمام پیغمبروں کا یہی حال ہے۔ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔

۱۰۶۔ حضور نے بطور میراث کچھ نہیں چھوڑا۔ جو کچھ آپ نے چھوڑا وہ صدقہ و وقف تھا۔ اور اُس کا مصرف وہی تھا۔ جو آپ کی حیات شریف میں تھا۔ چنانچہ آپ کا ارشاد مبارک ہے۔

لَا نُوْرِثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ۔ (بخاری کتاب الجہاد)	ہم (انبیاء) کسی کو وارث نہیں بناتے۔ جو کچھ ہم چھوڑ جائیں وہ صدقہ و وقف ہے۔

حضرت عمرو بن حارث سے جو ام المومنین جویریہؓ کے بھائی تھے یوں روایت ہے:۔

مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ مَوْتِهٖ دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی موت کے وقت نہ کوئی دینار چھوڑا۔ نہ درہم۔ نہ غلام۔

وَلَا عَبْدًا وَّلَا اَمَةً وَّلَا شَيْئًا اِلَّا بَغْلَتَهُ الْبَيْضَاءَ وَسِلَاحَهُ وَاَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً (بخاری - کتاب الوصایا)	نہ لونڈی۔ نہ کچھ اور۔ مگر اپنا سفید خچر اور اپنا ہتھیار اور کچھ زمین جسے آپ نے صدقہ و وقف بنادیا۔

ابوداؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ کی روایت اس طرح ہے:۔

مَا تَرَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِيْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا وَّلَا بَعِيْرًا وَّلَا شَاةً	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کوئی دینار چھوڑا نہ درہم نہ اونٹ۔ نہ بکری۔

روایات مذکورہ بالا سے پایا جاتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکات میں ایک سفید خچر (دُلدُل)۔ کچھ ہتھیار اور زمین (اموال بنونضیر وخیبر وفدک) تھی۔ حضور کے ارشاد مبارک کے مطابق ان میں سے کسی میں قاعدۂ اِرث جاری نہیں ہوا۔ اِسی واسطے دُلدُل اور ذوالفقار دونوں حضرت علی مرتضےٰ کے پاس تھے۔ ورنہ بجائے علی کے حضرت عباس و فاطمہ زہراء اور ازواج مطہرات حقدار تھیں۔ اموال بنونضیر وغیرہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبضہ مالکانہ نہ تھا بلکہ متولیانہ تھا۔ ابوداؤد میں مالک بن اوس کی روایت میں حضرت عمر فاروق کا قول ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاں تین صفایا تھیں۔ ایک اموال بنونضیر۔ دوسرے خیبر۔ تیسرے فدک۔ اموال بنونضیر آپ کے حوادث وحوائج کے لئے محبوس وموقوف تھے۔ فدک مسافروں کے لئے مخصوص تھا۔ خیبر کی آمدنی کے آپ نے تین حصے کئے تھے۔ دو حصے مسلمانوں کے لئے اور ایک حصہ اپنی ازواج مطہرات کے لئے مقرر کر دیا تھا۔ اپنے اہل کے نفقہ میں سے جو کچھ بچ رہتا۔ وہ آپ فقراء و مہاجرین میں تقسیم فرمادیتے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ جائدادیں بحیثیت وقف حضرت صدیق اکبر کے زیر اہتمام رہیں۔ انہوں نے ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح تصرف کیا۔ حضرت صدیق اکبر کے بعد حضرت عمر فاروق اُن پر اُسی حیثیت سے دو سال قابض رہے۔ پھر حضرت عباس وعلی کے اصرار پر مال بنونضیر اُن دونوں کی تولیت میں کر دیا۔ اور خیبر وفدک کو اپنی تحویل میں رکھا۔ کچھ دنوں کے بعد تولیت و تصرف میں شرکت حضرت عباس پر ناگوار گزری۔ وہ چاہنے لگے کہ تولیت میں تقسیم ہو جائے۔ تاکہ ہر ایک اپنے حصہ کے تصرف میں مستقل بن جائے۔

حضرت علی مرتضےٰ مانع ہوئے۔ اس لئے فیصلہ کے لئے دونوں دربار فاروقی میں حاضر ہوئے۔ مگر حضرت عمر فاروق نے تقسیم تولیت سے انکار کر دیا۔ بعد ازاں حضرت علی نے حضرت عباس پر غلبہ پاکر مال بنو نضیر کو اپنے تصرف میں کر لیا۔ حضرت علی کے بعد حسن بن علی اور پھر حسین بن علی کے ہاتھ میں رہا۔ امام حسین کے بعد علی بن حسین اور حسن بن حسن دونوں کے ہاتھ میں رہا۔ دونوں نوبت بنوبت اس میں تصرف کرتے تھے۔ پھر زید بن حسن کے ہاتھ میں آیا۔ (صحیح بخاری)۔

حضرت عمر فاروق کے بعد خیبر و فدک بحیثیت وقف عام حضرت عثمان غنی و علی مرتضیٰ کے تصرف میں رہے۔ جب سنہ ۴۱ھ میں حضرت معاویہ کی امارت پر اجماع ہو گیا۔ تو آپ نے فدک مروان حاکم مدینہ کو دے دیا۔ شاید بدیں تاویل کہ جو امر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص ہو۔ وہی آپ کے خلیفہ کے لئے ہوتا ہے۔ چونکہ حضرت معاویہ کو خود تو ضرورت نہ تھی۔ لہذا اپنے بعض اقرباء کے ساتھ سلوک کیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ آخر الامر خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے اپنی خلافت میں فدک کو اسی حالت پر بحال کر دیا جس پر وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے عہد میں تھا۔ (طبقات ابن سعد)۔ مزید تفصیل کے لئے تحفہ شیعہ مؤلفہ خاکسار دیکھو۔

متروکات مذکورہ بالا کے سوا اور اشیاء بھی تھیں۔ جو بطور تبرک مختلف اشخاص کے پاس تھیں۔ ان کا ذکر آثار شریفہ میں آئے گا انشاء اللہ تعالےٰ۔

ارباب سیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھوڑوں خچروں دراز گوشوں اونٹوں اور بکریوں کی جو لمبی فہرست دی ہے وہ آپ کے ہاں مختلف اوقات میں موجود تھے۔ مگر وفات شریف سے پہلے ہی آپ نے ان کو حسب عادت شریف ہبہ یا خیرات کر دیا تھا۔ وفات شریف کے وقت صرف ایک سفید خچر یعنے دُلدُل باقی تھا جیسا کہ روایات مذکورہ بالا سے ظاہر ہے۔

۱۰۷۔ حضور اپنے مرقد شریف میں حیات حقیقیہ کے ساتھ زندہ ہیں۔ اور اذان و اقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں تمام پیغمبروں کا یہی حال ہے۔ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔

۱۰۸۔ حضور کا مرقد منورہ کعبہ مکرمہ اور عرش معلی سے بھی افضل ہے۔

۱۰۹۔ آپ کے مرقد منور پر ایک فرشتہ مؤکل ہے۔ جو آپ کی امت کے درود آپ کو پہنچاتا ہے۔ جیسا کہ امام احمد و نسائی کی روایت میں ہے۔ جس وقت کوئی شخص آپ پر درود بھیجتا ہے۔ وہ فرشتہ عرض کرتا ہے۔ کہ یا محمدؐ! اس وقت فلاں بن فلاں آپ پر درود بھیجتا ہے۔ حاکم کی روایت میں ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اللہ کے فرشتے ہیں۔ جو زمین میں گشت کرتے ہیں۔ وہ میری اُمت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں؛

۱۱۰۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم پر ہر روز صبح و شام آپ کی امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ نیک اعمال پر آپ اللہ کا شکر بجا لاتے ہیں اور بُرے اعمال کے لئے بخشش طلب فرماتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک نے حضرت سعید بن مسیب سے روایت کی کہ کوئی روز ایسا نہیں۔ مگر یہ کہ صبح و شام اُمت کے اعمال نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر پیش کئے جاتے ہیں۔ پس آپ اُن کو پیشانیوں سے اور اُن کے اعمال کو پہچانتے ہیں!

۱۱۱۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے قبر مبارک سے نکلیں گے۔ آپ کا حشر اس حالت میں ہوگا۔ کہ آپ براق پر سوار ہوں گے۔ اور ستر ہزار فرشتے ہمرکاب ہوں گے۔ حضرت کعب احبار کی روایت میں ہے۔ کہ "ہر روز صبح کو ستر ہزار فرشتے آسمان سے اُتر کر حضور انور کی قبر مبارک کو گھیر لیتے ہیں۔ اور اپنے بازو ہلاتے ہیں۔ (اور آپ پر درود بھیجتے ہیں) اسی طرح شام کے وقت وہ آسمان پر چلے جاتے ہیں۔ اور ستر ہزار اور حاضر ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب آپ قبر شریف سے نکلیں گے۔ تو ستر ہزار فرشتے آپ کے ساتھ ہوں گے۔" موقف میں آپ کو بہشت کے حلوں کی نہایت نفیس خلعت عطا ہوگی۔

۱۱۲۔ آپ کے منبر منیف اور قبر مبارک کے مابین بہشت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

۱۱۳۔ حضور کو قیامت کے دن مقام محمود عطا ہوگا۔ جس سے مراد بقول مشہور مقام شفاعت ہے۔

۱۱۴۔ قیامت کے دن اہل موقف طول وقوف کے سبب سے گھبرا جائیں گے۔ اور بغرض شفاعت دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے پاس یکے بعد دیگرے جائیں گے۔

اور آخر کار حضور خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔ آپ کو اہل موقف میں فصل قضاء کے لئے شفاعت عظمیٰ عطا ہوگی۔ اور ایک جماعت کے حق میں بغیر حساب جنت میں داخل کیا جانے کے لئے اور دوسری جماعت کے رفع درجات کے لئے شفاعت کی اجازت ہو جائے گی۔ اس طرح ستّر ہزار بہشت میں بے حساب داخل ہوں گے۔ اور ستّر ہزار کے ساتھ اور بہت سے بے حساب بہشت میں جائیں گے۔ اس کے علاوہ آپ کو اپنی امت کے لئے اور کئی قسم کی شفاعت کی اجازت حاصل ہوگی۔

۱۱۵۔ قیامت کے دن حضور سے تبلیغ پر شاہد طلب نہ کیا جائے گا۔ حالانکہ باقی انبیائے کرام علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سے طلب کیا جائے گا۔ اور آپ تمام انبیائے کرام کے لئے تبلیغ کی شہادت دیں گے۔

۱۱۶۔ حضور انور کو حوض کوثر عطا ہوگا۔

۱۱۷۔ حضور کا منبر منیف آپ کے حوض پر ہوگا۔

۱۱۸۔ قیامت کے دن حضور کی اُمت پہلے سب پیغمبروں کی اُمتوں سے زیادہ ہوگی۔ کل اہل بہشت کی دو تہائی آپ ہی کی اُمت ہوگی۔

۱۱۹۔ قیامت کے دن ہر ایک نسب وسبب منقطع ہوگا۔ (یعنی سودمند نہ ہوگا) مگر حضور کا نسب وسبب منقطع نہ ہوگا۔ اسی واسطے حضرت عمر فاروق نے ام کلثوم بنت فاطمہ زہراء سے نکاح کیا تھا۔

۱۲۰۔ قیامت کے دن لوائے حمد حضور کے دست مبارک میں ہوگا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام اور اُن کے سوا اور اُس جھنڈے تلے ہوں گے۔

۱۲۱۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام (اُمت سمیت) سب سے پہلے پل صراط سے گذریں گے۔

۱۲۲۔ حضور سب سے پہلے بہشت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔ خازن جنت پوچھے گا۔ کہ کون ہیں۔ آپ فرمائیں گے۔ کہ میں محمد ہوں۔ وہ عرض کرے گا۔ کہ میں اُٹھ کر کھولتا ہوں۔ میں آپ سے پہلے کسی کے لئے نہیں اُٹھا اور نہ آپ کے بعد کسی کے لئے اُٹھوں گا۔ پھر آپ سب سے پہلے بہشت میں داخل ہوں گے۔

۱۲۳- آپ کو وسیلہ عطا ہوگا۔ جو جنت میں اعلیٰ درجہ ہے۔

۱۲۴- جنت میں حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی کنیت اُن کی تمام اولاد میں سے سوائے حضور کے کسی اور کے نام پر نہ ہوگی۔ چنانچہ اُن کو ابو محمدؐ کہا جائے گا۔

۱۲۵- جنت میں سوائے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتاب (قرآن کریم) کے کوئی اور کتاب نہ پڑھی جائے گی۔ اور نہ سوائے حضور کی زبان کے کسی اور زبان میں کوئی تکلم کرے گا۔

نواں باب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور اولاد کرام کا بیان

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات کی فضیلت قرآن کریم سے ثابت ہے۔ چنانچہ سورہ احزاب میں باریتعالیٰ عزاسمہ ارشاد فرماتا ہے:-

(۱) يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ○

اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دیجئے۔ کہ اگر تم دنیا کی زندگانی اور اُس کی زینت چاہتی ہو۔ تو آؤ میں تمہیں کچھ فائدہ دوں اور خوش اسلوبی سے رخصت کردوں۔

(۲) وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا ○

اور اگر تم خدا اور اُس کے رسول اور سرائے آخرت کو چاہتی ہو۔ تو تم میں سے نیکو کاروں کے لئے خدا نے بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔

(۳) يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ مِنْكُنَّ

اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو صریح بیحیائی کا کام کرے گی

ف موضح القرآن میں ہے۔ کہ یہ جو فرمایا کہ جو نیکی پر ہیں۔ اُن کو بڑا ثواب ہے۔ حضرت کی ازواج سب نیک ہی رہیں۔ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ۔ مگر حق تعالےٰ صاف خوشخبری کسی کو نہیں دیتا تا نڈر نہ ہو جاوے۔ خاتمہ کا ڈر لگا رہے۔ مدارک وبیضاوی میں ہے کہ مِنْكُنَّ میں مِنْ بیانیہ ہے۔ کیونکہ ازواج مطہرات سب محسنات تھیں۔

بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ؀	اُس کو دوہری سزا دی جائے گی۔ اور یہ خدا پر آسان ہے۔
(۴) وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ؀	اور جو تم میں سے اللہ اور اُس کے رسول کے لئے فرمانبرداری اور نیک عمل کرے گی ہم اُس کو دوہرا ثواب دیں گے اور اُس کے لئے ہم نے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے۔
(۵) يٰنِسَاۗءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَاۗءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؀	اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی مثل نہیں ہو۔ اگر تم پرہیزگاری رکھو۔ تو دبی زبان سے بات نہ کیا کرو۔ جس سے وہ جس کے دل میں بیماری ہے لالچ کرے۔ اور تم نیک بات کہا کرو۔
(۶) وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ؀	اور تم اپنے گھروں میں ٹکی رہو۔ اور پہلی جاہلیت کے سے بناؤ سنگار دکھاتی نہ پھرو۔ اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور خدا اور اُس کے رسول کی فرمانبرداری کرو۔ اے اہل بیت نبی! خدا تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے پلیدی کو دور کر دے اور تم کو خوب پاک کرے۔
(۷) وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ؀	اور تمہارے گھروں میں جو خدا کی آیتیں اور دانائی کی باتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔ اُن کو یاد کرو بے شک اللہ لطف کرنے والا خبردار ہے۔

آیات مذکورہ بالا کے متعلق امور ذیل قابل غور ہیں:-

آیہ (۱) و (۲)۔ ہجرت کے نویں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات سے ایلاء کیا۔ جب ۲۹ دن گزرنے پر مہینہ پورا ہوا۔ تو حضرت جبرئیل یہ آیۂ تخییر لائے۔ اُس وقت ازواج مطہرات نو تھیں یعنی حضرات عائشہ وحفصہ وام حبیب بنت ابی سفیان وسودہ بنت زمعہ وام سلمہ بنت ابی امیہ وصفیہ بنت حیی بن اخطب ومیمونہ بنت حارث ہلالیہ وزینب بنت جحش اسدیہ وجویریہ بنت حارث رضی اللہ تعالےٰ عنہن۔ ان سب نے

زینت دنیا پر اللہ اور رسول کو اختیار کیا۔ پس ثابت ہوا کہ وہ نہ دنیا چاہتی تھیں اور نہ ان کے دلوں میں دنیا کی زینت کی کچھ ہوس تھی۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مفارقت کر کے دے دلاکر رخصت فرما دیتے۔ مگر آپ نے ایسا نہیں کیا۔ پس معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات رضائے خدا و رسول کی طلبگار تھیں۔ اور حسن آخرت کی متمنی تھیں۔ اس عمل نیک پر اللہ تعالےٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو انہیں نو پر مقصور کر دیا اور فرمادیا:-

لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ۔	اس کے بعد تیرے واسطے اور عورتیں حلال نہیں اور نہ یہ کہ تو ان سے اور بیویاں بدل ڈالے اگرچہ ان کا حسن تجھ کو اچھا لگے۔ مگر وہ جن کا مالک ہو گیا تیرا دایاں ہاتھ

یعنی چونکہ انہوں نے آپ کو اختیار کیا ہے۔ اس لئے آپ بھی ان پر دوسری عورتوں کو اختیار نہ کریں۔

آیہ (۳) و (۴)۔ اسی عمل نیک پر جزائے مذکورہ کے علاوہ اللہ تعالےٰ نے ازواج مطہرات کو یہ شرف بخشا۔ کہ خود ان سے خطاب کیا۔ اور ان کو اپنے حبیب پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت دے کر فرمایا۔ اے نبی کی بیویو! تم میں سے اگر کوئی ناشائستہ حرکت کرے گی۔ تو دیگر عورتوں کی نسبت اسے دگنا عذاب ہوگا۔ اور اگر نیک عمل کرے گی۔ تو اسے دوسری عورتوں سے دگنا ثواب ملے گا۔ موضح القرآن میں ہے۔ یہ بڑے درجے کا ذمہ ہے۔ نیکی کا ثواب دونا۔ پیغمبر کو بھی فرمایا:-

اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَ ضِعْفَ الْمَمَاتِ۔ (بنی اسرائیل ع)	اس وقت البتہ ہم تجھے چکھاتے دگنا عذاب زندگانی کا اور دگنا عذاب موت کا رانجے۔

اس سے ازواج مطہرات کا مقربات درگاہ الٰہی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے حر کی حد رقیق کی حد سے دگنی ہے۔ اور انبیائے کرام علیہم السلام کو ان امور پر عتاب ہوتا ہے۔ جن پر دوسرے لوگوں کو نہیں ہوتا۔ یہاں سے یہ بھی پایا جاتا ہے۔ کہ ازواج مطہرات باقی تمام عورتوں سے بہتر تھیں۔ کیونکہ ان کا عذاب و ثواب باقی تمام عورتوں کے عذاب و ثواب سے دگنا ہے۔ یہاں ازواج مطہرات کے لئے یہ بھی بشارت ہے۔ کہ ان سے کوئی

کھلی ناشایستہ حرکت سرزد نہ ہوگی۔ کیونکہ آیہ (۳) از قبیل لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ[1]
ہے۔ با اینہمہ جو لوگ ازواج مطہرات کے حق میں دریدہ دہنی کرتے ہیں۔ وہ اپنی عاقبت خراب
کر رہے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب پاک کی ازواج کو ناشایستہ حرکات سے محفوظ
رکھا ہے۔ اور اجر مضاعف کے علاوہ اُن کے لئے آخرت میں رزق کریم تیار کر رکھا ہے۔
اِس سے اُن کا بہشتی ہونا ظاہر ہے۔

آیہ (۵)۔ اِس آیت میں خدا تعالےٰ نے ازواج مطہرات کے لئے تضعیف ثواب و عذاب
کی وجہ بیان فرمادی۔ کہ تم اور عورتوں جیسی نہیں ہو۔ تم میں وہ وصف ہے جو اوروں میں
نہیں۔ یعنی تم تحریم نکاح اور ادر احترام و تعظیم کے لحاظ سے مومنوں کی مائیں ہو (وَاَزْوَاجُہٗ
اُمَّھٰتُھُمْ) اور زوجاتِ سید المرسلین ہو۔ پھر فرمایا۔ کہ اگر تم حکم الٰہی اور رضائے رسول کی
مخالفت سے ڈرتی ہو۔ تو پسِ پردہ سے مردوں کے ساتھ نرمی سے کلام نہ کرو۔ کیونکہ ایسا کرنا
اگرچہ فاجر سے فاجر مومن میں کسی شہوت و طمع کا باعث نہیں ہوسکتا۔ مگر منافق میں ہوسکتا
ہے۔ اور تم ایسی نیک بات کیا کرو جو تہمت و اطماع سے پاک ہو۔ یعنی سنجیدگی و خشونت سے
کلام کیا کرو اور ناز و کرشمہ سے بات نہ کیا کرو۔

آیہ (۶)۔ اور تم اپنے گھروں میں رہا کرو۔ کیونکہ تمہارا تبرز یعنی باہر نکلنا کرشمہ آمیز کلام سے
بھی زیادہ طمع دلانے والا ہے۔ اور تم جاہلیت اُولیٰ کی عورتوں کی طرح چلنے میں تبختر نہ کرو۔
کیونکہ تبختر تو تبرز سے بھی اشد ہے۔ اور تم نماز و زکوٰۃ ادا کیا کرو۔ اور تمام اوامر و نواہی
میں خدا اور رسول کی اطاعت کرو۔ کیونکہ اے اہل بیتِ نبی! اللہ تعالےٰ تو یہی چاہتا ہے۔ کہ
تم سے پلیدی کو دور کر دے۔ اور پاک صاف بنائے جیسا کہ پاک صاف بنانے کا حق ہے۔

آیہ (۷)۔ اور تمہارے گھروں میں جو آیات تلاوت کی جاتی ہیں۔ تم اُن کو یاد کر لو تاکہ
خود عمل کرو اور دوسروں کو بھی بتاؤ۔

آیہ (۹) میں جسے آیہ تطہیر کہتے ہیں اس بات کا ثبوت ہے کہ ازواجِ مطہرات رسول اللہ

[1] یہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے۔ یعنی اگر بر سبیل فرض و تقدیر تو شرک کرے گا اگرچہ
یہ محال ہے۔ تیرا عمل باطل ہو جائے گا (زمر۔ ع)

صلے اللہ علیہ وسلم کے اہلبیت ہیں۔ اسی واسطے ازواج کے ساتھ لفظ مطہرات استعمال کیا جاتا ہے۔ آیہ (۱) سے آیہ (۷) تک اُن ہی سے خطاب اور اُن ہی کا ذکر ہے۔ اور اُن ہی کے لئے اوامر و نواہی بیان ہوئے ہیں۔ مگر شیعہ کہتے ہیں کہ آیات سابقہ ولاحقہ کے احکام تو ازواج کے لئے ہیں۔ درمیان میں صرف آیہ (۶) میں اُن سے خطاب نہیں۔ بلکہ فقط حضرات علی و فاطمہ و حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم مخاطب ہیں۔ اُن کا یہ قول محض ہٹ دھرمی ہے۔ اِن چاروں کا آیات میں ذکر تک نہیں۔ باعتبار سوار و آیات سابقہ ولاحقہ کسی اجنبی کے ساتھ فصل موجب فساد بلاغت ہے۔ زوجہ کا مرد کے اہلبیت میں ہونا نص قرآن سے ثابت ہے۔ دیکھو آیات ذیل:-

قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ؕ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ۝ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝

(ھود - ۷ع)

فرشتے (ابراہیمؑ سے) بولے۔ ڈرومت۔ ہم تو قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ اور اُن کی بیوی (سارہ) کھڑی تھی۔ وہ ہنس پڑی۔ ہم نے اُس کو اسحاق اور اسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت دی۔ وہ کہنے لگی۔ ہائے میری خرابی! کیا میرے اولاد ہوگی حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور یہ میرا شوہر بوڑھا ہے۔ بے شک یہ عجیب بات ہے۔ فرشتے بولے۔ کیا تو خدا کے امر سے تعجب کرتی ہے۔ اے اہل بیت نبی! تم پر خدا کی رحمت اور اُس کی برکتیں ہیں۔ وہ بے شک تعریف کیا گیا اور بزرگ ہے۔

اِن آیتوں میں فرشتوں نے حضرت سارہ کو بیٹا اور پوتا پیدا ہونے کی بشارت دی ہے۔ حضرت سارہ اِس پر تعجب کرتی ہیں۔ فرشتے حضرت سارہ کو لفظ اہلبیت سے خطاب کر کے فرماتے ہیں۔ کہ یہ جائے تعجب نہیں۔ تم پر خدا کی رحمت اور برکتیں ہیں۔ جن میں سے ایک یہ بھی ہے۔ مزید بحث کے لئے تحفہ شیعہ مؤلفہ خاکسار دیکھو۔

ازواج مطہرات کی تعداد میں اختلاف ہے۔ گیارہ پر سب کا اتفاق ہے۔ جن میں سے چھ (حضرات خدیجہ۔ عائشہ۔ حفصہ۔ ام حبیبہ۔ ام سلمہ۔ سودہ) قبیلہ قریش سے اور چار (حضرات زینب بنت جحش۔ میمونہ۔ زینب بنت خزیمہ۔ جویریہ) عربیات غیر قریش حلفائے

قریش سے ہیں۔ اور ایک (حضرت صفیہ) غیر عربیہ بنی اسرائیل سے ہے۔ ذیل میں بہ ترتیب تزوّج ان سب کا حال[1] بطریق اختصار لکھا جاتا ہے۔

حضرت خدیجہ بنت خویلد

ان کا سلسلہ نسب قصی میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ملتا ہے حضور کی بعثت سے پہلے طاہرہ کے لقب سے مشہور تھیں۔ ان کی پہلی شادی ابو ہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوئی جن سے دو لڑکے ہند و ہالہ نام پیدا ہوئے۔ یہ دونوں صحابی ہیں۔ حضرت ہند کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ شریف منقول ہے۔

ابو ہالہ کے انتقال کے بعد دوسری شادی عتیق بن عایذ مخزومی سے ہوئی جن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کا نام بھی ہند تھا۔ یہ اسلام لائیں اور اپنے چچیرے بھائی صیفی بن امیہ بن عایذ مخزومی سے شادی کی۔ ان سے ایک لڑکا محمد بن صیفی پیدا ہوا جس کی اولاد کو حضرت خدیجہ کے تعلق کے سبب سے بنو طاہرہ کہتے ہیں۔

عتیق کے انتقال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ جس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی تمام اولاد سوائے ابراہیم کے اسی نیک نہاد بیوی کے بطن مبارک سے تھی۔ تفصیل آگے آئے گی انشاء اللہ تعالےٰ۔

حضرت خدیجہ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔ نکاح کے بعد پچیس برس تک زندہ رہیں۔ ان کی زندگی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوسری شادی نہیں کی۔ انہوں نے اپنے مال سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مدد دی۔ ایک روز حراء میں حضور اقدس کے لئے کھانا لا رہی تھیں۔ حضرت جبرئیلؑ نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی۔ کہ خدیجہ جب آئیں۔ تو آپ ان کو ان کے رب کی طرف سے اور میری طرف سے سلام پہنچا دیں اور بہشت میں ایک موتیوں کے محل کی بشارت دیں۔

ازواج مطہرات میں حضرت خدیجہ و عائشہ باقی سب سے افضل تھیں۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے

---

[1] یہ حالات عموماً زرقانی علی المواہب سے ماخوذ ہیں۔ زرقانی نے بحوالہ دیگر کتب ان کو یکجا جمع کر دیا ہے۔

ہجرت سے تین سال پہلے ۶۵ سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ اور کوہ حجون میں دفن ہوئیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو قبر میں اُتارا۔ اُن پر نماز نہ پڑھی گئی۔ کیونکہ اُس وقت تک نماز جنازہ فرض نہ ہوئی تھی۔

حضرت سودہ بنت زمعہ

ان کا سلسلہ نسب لؤی بن کعب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔ قدیم الاسلام تھیں۔ پہلے اپنے والد کے چچیرے بھائی سکران بن عمرو بن عبد شمس کے عقد نکاح میں تھیں۔ حضرت سکران بھی قدیم الاسلام تھے۔ دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ کی۔ جب مکہ میں واپس آئے۔ تو حضرت سکران نے وفات پائی۔ اور ایک لڑکا یادگار چھوڑا جس کا نام عبد الرحمٰن تھا۔ حضرت عبد الرحمٰن نے جنگ جلولاء (آخر سنہ ۱۶ھ) میں شہادت پائی۔

حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے انتقال سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت پریشانی ہوئی کیونکہ گھر بار بال بچوں کا انتظام اُن ہی کے متعلق تھا۔ یہ دیکھ کر خولہ بنت حکیم نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ نکاح کر لیجئے۔ فرمایا کہ کس سے؟۔ خولہ نے حضرت عائشہ و سودہ کا نام لیا۔ آپ نے دونوں سے خواستگاری کی اجازت دے دی۔ خولہ حضرت سودہ کے پاس گئیں۔ اور کہا کہ خدا نے تم پر کیسی خیر و برکت نازل فرمائی ہے!۔ سودہ نے پوچھا کہ وہ کیا ہے؟ خولہ نے کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے آپ کے پاس بغرض خواستگاری بھیجا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے منظور ہے۔ مگر میرے باپ سے بھی دریافت کر لو۔ چنانچہ خولہ اُن کے والد کے پاس گئیں اور جاہلیت کے طریق پر سلام کیا۔ یعنی اَنْعِمْ صَبَاحًا کہا۔ انہوں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟۔ خولہ نے اپنا نام بتایا۔ پھر نکاح کا پیغام سنایا۔ انہوں نے کہا کہ محمدؐ شریف کفو ہیں۔ مگر سودہ سے بھی دریافت کر لو۔ خولہ نے کہا کہ وہ راضی ہیں۔ یہ سُن کر زمعہ نے کہا کہ نکاح کے لئے آجائیں۔ اس طرح بابِ نبوت کے دسویں سال سودہ کا نکاح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کر دیا۔ سودہ کا بھائی عبداللہ بن زمعہ آیا۔ تو یہ معلوم کر کے کہ بہن کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو چکا ہے اُس نے اپنے سر پہ خاک ڈال لی۔ عبداللہ مذکور جب اسلام لائے۔ تو اُن کو اپنے اِس فعل پر افسوس آیا کرتا تھا۔ حضرت عائشہ کے نکاح کا قصہ آگے آتا ہے۔

حضرت سودہ طبیعت کی فیاض تھیں۔ ایک روز حضرت فاروق نے ایک درہموں کی تھیلی آپ کی خدمت میں بھیجی۔ آپ نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ لانے والوں نے جواب دیا کہ درہم ہیں آپ نے فرمایا کہ درہم کھجوروں کی طرح تھیلی میں بھیجے جاتے ہیں۔ یہ کہہ کر اسی وقت تمام درہم تقسیم کر دئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی تعمیل میں آپ امتیازی حیثیت رکھتی تھیں۔ چنانچہ امام احمد نے بروایت ابوہریرہ نقل کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنی ازواج مطہرات سے فرمایا۔ کہ یہ حج اسلام ہے۔ جو گردن سے ساقط ہو گیا۔ اس کے بعد تم بوریا کو غنیمت سمجھنا (یعنی گھر سے نہ نکلنا)۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد تمام ازواج مطہرات سوائے سودہ اور زینب بنت جحش کے حج کو جایا کرتی تھیں۔ اور وہ دونوں فرماتی تھیں۔ کہ خدا کی قسم! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے سننے کے بعد ہم چوپایہ پر سوار نہ ہوں گی۔

حضرت سودہ سے کتب متداولہ میں پانچ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے ایک صحیح بخاری میں ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس اور یحییٰ بن عبدالرحمٰن بن اسعد بن زرارہ نے ان سے روایت کی ہے۔ انہوں نے خلافت فاروقی کے آخری زمانہ میں انتقال فرمایا۔ بعضے سال وفات ۵۴ھ یا ۵۵ھ بتلاتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت عائشہ بنت ابی بکر صدیق

ان کا نسب مرۃ بن کعب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ملتا ہے بعثت کے چار برس بعد پیدا ہوئیں۔ اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر کے تعلق سے اُمّ عبداللہ کنیت کرتی تھیں۔

چھ برس کی تھیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عقد نکاح میں آئیں۔ پہلے جبیر بن مطعم کے صاحبزادے سے منسوب تھیں۔ خولہ بنت حکیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء سے امّ رومان (والدۂ عائشہ صدیقہ) کے پاس گئیں۔ اور نکاح کا پیغام سُنایا۔ امّ رومان نے رضامندی ظاہر کی۔ حضرت ابوبکر گھر آئے۔ تو ان سے تذکرہ کیا۔ انہوں نے کہا۔ کہ عائشہ تو رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے بھائی کی بیٹی ہے۔ کیا یہ جائز ہے؟۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہلا بھیجا۔ کہ تم اسلام میں میرے بھائی ہو اور میں تمہارا بھائی ہوں۔ یہ نکاح جائز ہے۔ حضرت ابوبکر نے امّ رومان سے کہا۔ کہ "مطعم بن عدی اپنے پوتے کے لئے خواستگاری کر چکا ہے۔ واللہ! ابوبکر نے کبھی وعدہ کے خلاف نہیں کیا"۔ اِس لئے وہ مطعم کے پاس گئے۔ اور اُس سے تذکرہ کیا۔ مطعم نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ بیوی نے حضرت صدیق اکبر سے کہا۔ کہ اگر ہم نے اِس لڑکے کا نکاح تمہارے ہاں کر دیا۔ تو شاید تم اس کو صابی بنالو گے اور اپنے دین میں داخل کر لو گے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر وہاں سے اُٹھ آئے۔ اور خولہ کے ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ نکاح کے لئے تشریف لے آئیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔ اور حضرت ابوبکر نے (ماہ شوال سنہ۱۰ نبوت میں) حضرت عائشہ کا نکاح کر دیا۔ اور ہجرت کے پہلے سال ماہ شوال میں مدینہ منورہ میں نو سال کی عمر میں آپ کی رسم عروسی ادا کی گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے وقت حضرت عائشہ کی عمر مبارک اٹھارہ سال کی تھی۔ انہوں نے چھیاسٹھ برس کی عمر میں ۵۸ھ میں انتقال فرمایا۔ اور حسب وصیت رات کے وقت جنت بقیع میں دفن ہوئیں۔ حضرت ابوہریرہ نے جو مروان بن الحکم کی طرف سے اُس وقت حاکم مدینہ تھے نماز جنازہ پڑھائی۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ صدیقہ سے زیادہ محبت تھی۔ اِن کو دوسری ازواج پر اور کئی باتوں میں فضیلت تھی۔ چنانچہ ان کے سوا کسی اور زوجہ کے والدین مہاجر نہ تھے۔ ان کی براءت اللہ تعالےٰ نے آسمان سے نازل فرمائی۔ حضرت جبرئیلؑ ان کی صورت ایک ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے۔ اور عرض کیا کہ ان سے شادی کر لیجئے۔ ان کے سوا کسی اور زوجہ نے حضرت جبرئیلؑ کو نہیں دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ ایک برتن میں غسل فرمایا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے اور یہ سامنے لیٹی ہوتیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی اور آپ اور یہ ایک لحاف میں ہوتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال شریف اِن ہی کی گود میں اور

ان ہی کی نوبت میں ہوا۔ اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان ہی کے حجرے میں دفن ہوئے۔

حضرت عائشہ صدیقہ عالمہ فصیحہ تھیں۔ حضرت موسیٰ بن طلحہ ذکر کرتے ہیں۔ کہ میں نے عائشہ سے بڑھ کر کسی کو فصیح نہیں پایا۔ حضرت ابو موسےٰ اشعری کا بیان ہے۔ کہ صحابہ کرام کو کوئی ایسا مشکل مسئلہ پیش نہیں آیا۔ کہ جس کا حل انہوں نے حضرت عائشہ کے پاس نہ پایا ہو۔ محمود بن لبید کا بیان ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو بہت سی حدیثیں یاد تھیں۔ مگر حضرت عائشہ وام سلمہ ان میں ممتاز تھیں۔ حضرت عائشہ حضرت عمر وعثمان کے عہد میں فتوے دیا کرتی تھیں یہاں تک کہ انتقال فرما گئیں یرحمہا اللہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے اکابر عمر وعثمان حضور کے بعد حضرت صدیقہ کی خدمت میں کسی کو بھیج کر حدیثیں پوچھا کرتے تھے۔

آپ کثیرۃ الحدیث تھیں۔ دو ہزار دو سو دس حدیثیں آپ سے مروی ہیں۔ جن میں سے ۱۷۴ پر شیخین کا اتفاق ہے۔ اور ۵۴ میں امام بخاری اور ۶۸ میں امام مسلم منفرد ہیں۔

آپ وقائع واشعار عرب سے خوب واقف تھیں۔ حضرت عروہ بیان کرتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت عائشہ سے بڑھ کر کسی کو قرآن وفریضہ وحلال وحرام وفقہ وشعر وطب وحدیث عرب ونسب کا عالم نہیں پایا۔

آپ زاہدہ اور سخی تھیں۔ ام درہ روایت کرتی ہیں۔ کہ ایک روز حضرت عائشہ روزہ دار تھیں۔ ان کے پاس ایک لاکھ (درہم) آئے۔ انہوں نے وہ سب تقسیم کر دئے۔ میں نے کہا۔ کیا آپ یوں نہ کر سکتی تھیں کہ ایک درہم بچا لیتیں۔ جس سے گوشت خرید کر روزہ افطار کرتیں۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ اگر تو مجھے یاد دلا دیتی۔ تو میں ایسا ہی کر لیتی۔

حضرت حفصہ بنت عمر فاروق

بعثت سے پانچ برس پہلے جب قریش خانہ کعبہ تعمیر کر رہے تھے پیدا ہوئیں۔ پہلے خُنیس بن حذافہ سہمی کے نکاح میں تھیں۔ اُن ہی کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی۔ حضرت خنیس نے غزوہ بدر میں کئی زخم کھائے۔ اور غزوہ کے بعد ان ہی زخموں کی وجہ سے انتقال فرما گئے۔

ؔ۵ طبقات ابن سعد۔ جزو ثانی۔ قسم ثانی۔ ص ۱۲۶

حضرت خنیس کی شہادت کے بعد حضرت عمر فاروق کو اپنی بیٹی کے نکاح کی فکر ہوئی۔ فتح بدر کے دن حضرت رقیہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس لئے حضرت فاروق نے حضرت عثمان غنی سے کہا۔ کہ اگر تم چاہو۔ تو میں حفصہ کا نکاح تم سے کر دیتا ہوں۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ میں اس معاملہ میں غور کروں گا۔ پھر چند روز کے بعد کہہ دیا کہ میرا ارادہ ان ایام میں نکاح کرنے کا نہیں ہے۔ بعد ازاں حضرت فاروق نے حضرت ابوبکر صدیق سے ذکر کیا۔ مگر وہ چپ ہو رہے اور کچھ جواب نہ دیا۔ اس پر حضرت عمر کو رنج ہوا۔ اس کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خواستگاری کی۔ اور شعبان ۳ھ میں نکاح ہو گیا۔ نکاح کے بعد حضرت صدیق اکبر نے حضرت فاروق اعظم سے کہا۔ کہ میری بے التفاتی کی وجہ صرف یہ تھی۔ کہ مجھے معلوم تھا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے حفصہ کا ذکر کیا تھا۔ میں حضور کا راز افشاء کرنا نہ چاہتا تھا۔ اگر حضور حفصہ سے نکاح نہ کرتے۔ تو میں قبول کر لیتا۔

حضرت حفصہ سے ساٹھ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے صرف پانچ بخاری میں ہیں۔ انہوں نے شعبان ۴۵ھ میں حضرت معاویہ کی خلافت میں انتقال فرمایا۔ مروان بن الحکم نے جو مدینہ کا گورنر تھا نماز جنازہ پڑھائی۔ اور بنو حزم کے گھر سے مغیرہ کے گھر تک جنازہ کو کندھا دیا۔ اور مغیرہ کے گھر سے قبر تک حضرت ابوہریرہ نے یہ شرف حاصل کیا۔

حضرت ام سلمہ بنت ابی امیہ

ہند نام۔ ام سلمہ کنیت تھی۔ باپ کا نام حذیفہ اور بقول بعض سہیل تھا۔ ماں کا نام عاتکہ بنت عامر کنانیہ تھا۔ پہلے اپنے چچا زاد بھائی ابو سلمہ (عبد اللہ) بن عبد الاسد بن مغیرہ کے نکاح میں تھیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی تھے۔ ام سلمہ و ابو سلمہ دونوں قدیم الاسلام تھے۔ دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ چنانچہ ان کے بیٹے سلمہ حبشہ ہی میں پیدا ہوئے۔ پھر مکہ میں آئے اور مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ام سلمہ پہلی عورت ہیں جو ہجرت کر کے مدینہ میں آئیں۔ مدینہ ہی میں ان کے ہاں عمر اور درہ و زینب پیدا ہوئیں۔

حضرت ابو سلمہ بدر و اُحد میں شریک ہوئے۔ اُحد میں زخمی ہو گئے۔ ایک ماہ کے بعد زخم چنگا ہو گیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک سریہ میں بھیج دیا۔ ایک ماہ کے بعد

واپس آئے۔ تو زخم پھر پھوٹ آیا۔ اور ۸ جمادی الاخریٰ ۴ھ میں وفات پائی۔ وفات کے وقت حضرت ام سلمہ حاملہ تھیں۔ وضع حمل کے بعد حضرت ابوبکر و عمر نے خواستگاری کی۔ تو ام سلمہ نے انکار کر دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کا پیغام بھیجا۔ تو مرحبا کہہ کر یہ عذر پیش کئے:۔

(۱) میں سخت غیور عورت ہوں۔

(۲) صاحب عیال ہوں۔

(۳) میرے اولیاء میں سے کوئی یہاں نہیں کہ میرا نکاح کر دے۔ ایک روایت میں ہے کہ میری عمر زیادہ ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان عذروں کا تسلی بخش جواب دیا اور نکاح ہو گیا۔

جب حدیبیہ میں صلحنامہ لکھا جا چکا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا۔ کہ اب اٹھو۔ قربانیاں دو اور سر منڈواؤ۔ چونکہ صحابہ کرام کو بے نیل مرام واپسی سے رنج و ملال تھا۔ انہوں نے تعمیل ارشاد میں تامل کیا۔ حضور خفا ہو کر حضرت ام سلمہ کے خیمہ میں تشریف لے آئے۔ اور امتثال امر میں توقف کی شکایت کی۔ ام سلمہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ ان کو معذور رکھیں۔ اُن پر ایک امر عظیم گزرا ہے۔ ان کا خیال تو فتح مکہ کا تھا۔ ان کو یقین تھا کہ وہ مکہ میں عمرہ بجا لائیں گے۔ باوجود فقدان مطلوب آپ نے قریش سے صلح کر لی۔ اور اُن کی نہ سُنی۔ اگر خاطر اشرف اِس پر ہے کہ وہ نحر و حلق کریں۔ تو آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں۔ اور خود نحر و حلق فرمائیں۔ یہ دیکھ کر ان کو بجز اتباع چارہ نہ ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ اور حضرت ام سلمہ کی تدبیر سے وہ مشکل حل ہو گئی۔ اور یہ اُن کی دانشمندی اور صواب رائے کی واضح دلیل ہے۔

حضرت ام سلمہ سے کتب متداولہ میں ۳۷۸ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے تیرہ پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔ اور تین کے ساتھ امام بخاری اور تیرہ کے ساتھ امام مسلم منفرد ہیں۔ باقی دیگر کتب میں ہیں۔

ازواج مطہرات میں سب کے بعد حضرت ام سلمہ نے ۸۴ برس کی عمر میں وفات پائی۔ ان کے

سنہ وفات میں سخت اختلاف ہے۔ واقدی کا قول ہے کہ شوال ۵۹ھ میں انتقال فرمایا۔ اور حضرت ابوہریرہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ امام بخاری تاریخ کبیر میں ۵۹ھ لکھتے ہیں۔ بقول ابن حبان امام حسین کی شہادت کی خبر آنے کے بعد آخر ۶۱ھ میں وفات پائی۔ ابراہیم حربی ۶۲ھ بتاتے ہیں۔ مگر صحیح مسلم میں ہے۔ کہ حارث بن عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عبداللہ بن صفوان حضرت ام سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور اُن سے اُس لشکر کی بابت پوچھا جو زمین میں دھنس جائے گا۔ یہ سوال اُس وقت کیا گیا جب یزید بن معاویہ نے مسلم بن عقبہ کو لشکر شام کے ساتھ مدینہ کی طرف بھیجا تھا اور واقعہ حرہ پیش آیا تھا جو ۶۳ھ میں تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ام سلمہ واقعہ حرہ تک زندہ تھیں۔

حضرت امّ حبیبہ

اصلی نام رملہ اور کنیت ام حبیبہ تھی۔ آپ حضرت عثمان غنی کی دختر بلند اختر اور حضرت معاویہ کی بہن تھیں۔ پہلے عبیداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔ دونوں نے اسلام لاکر حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ کی۔ وہیں ان کی لڑکی حبیبہ پیدا ہوئی۔ عبیداللہ عیسائی ہوکر حبشہ ہی میں مرگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ام حبیبہ کی حالت و غربت کو مدنظر رکھتے ہوئے نجاشی کی معرفت نکاح کا پیغام دیا۔ جسے انہوں نے نہایت خوشی سے قبول کیا۔ چنانچہ نجاشی نے ۷ھ میں اُن کا نکاح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کر دیا جیسا کہ اِس کتاب میں پہلے آچکا ہے۔ جب نکاح کے تمام رسومات ادا ہوگئے۔ تو نجاشی نے ان کو شرجبیل بن حسنہ کے ساتھ حضور کی خدمت اقدس میں روانہ کر دیا۔

حضرت ام حبیبہ کی روایت سے کتبِ متداولہ میں ۶۵ حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے دو پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔ اور ایک کے ساتھ امام مسلم منفرد ہیں۔ باقی دیگر کتب میں ہیں۔ آپ کا وصال مدینہ منورہ میں ۴۴ھ میں ہوا۔ اور وہیں دفن ہوئیں۔

حضرت زینب بنت جحش اسدیہ

ان کی پہلی شادی حضرت زید بن حارثہ سے تھی۔ حضرت زید قبیلہ قضاعہ میں سے تھے لڑکپن میں گرفتار ہوکر مکہ میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے ہاتھ بطور غلام فروخت ہوئے۔ حضرت

خدیجہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کردئے۔ حضور نے نبوت سے پہلے ان کو آزاد کرکے متبنٰی بنالیا۔ اس لئے لوگ اِن کو زید بن محمدؐ کہا کرتے تھے حضرت زید سابقین الی الاسلام میں سے تھے۔ اُن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص توجہ تھی۔ آپ اہم امور میں ان سے کام لیتے۔ اور لشکر کی قیادت تک اُن کے سپرد کردیتے۔ اسی وجہ سے حضور نے اِن کا نکاح اپنی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی صاحبزادی زینب بنت جحش سے کردینا چاہا۔ مگر زینب اور ان کا بھائی راضی نہ ہوئے۔ اس پر یہ آیت اتری۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ؕ

(احزاب)

کسی مسلمان مرد یا عورت کو لائق نہیں جس وقت خدا اور اُس کا رسول کوئی کام مقرر کردے۔ کہ ان کو اپنے کام میں اختیار ہو۔ اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے۔ وہ صریح گمراہ ہوگیا۔

پس حضرت زینب نکاح پر راضی ہوگئیں اور نکاح ہوگیا۔

حضرت زید اگرچہ عربی الاصل تھے۔ مگر قریشی نہ تھے۔ قریش کی لڑکیوں خصوصًا اولاد عبدالمطلب کے لئے اشراف قریش میں کفو تلاش کئے جایا کرتے تھے۔ اس لئے کچھ عرصہ کے بعد طبعی طور پر حضرت زید حضرت زینب کی حرکات عادیہ کو کبر و تعاظم پر محمول کرنے لگے۔ اور حضرت زینب بھی اُن سے متکدر رہنے لگیں۔ چنانچہ حضرت زید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کی شکایت کی حضور نے فرمایا۔ کہ اِس طرح کی باتوں پر طلاق نہیں دیا کرتے۔ اسی امر کی طرف آیہ ذیل میں اشارہ ہے:۔

وَإِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِيْٓ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشٰىهُ ؕ

اور جس وقت تو کہہ رہا تھا اُس شخص سے جس پر اللہ نے اور تو نے انعام کیا ہے کہ اپنی بیوی کو اپنے لئے تھام رکھ اور خدا سے ڈر۔ اور تو اپنے جی میں چھپاتا تھا اُس چیز کو جسے اللہ ظاہر کرنے والا ہے اور تو لوگوں سے ڈرتا تھا۔ اور اللہ زیادہ لائق ہے اس کا کہ تو اس سے ڈرے

باینہمہ اگر زید اُن کو طلاق دیتے - تو ایسی سیدہ شریفہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کفو اور کون ہو سکتا تھا؟ - اِس لئے حضور انور کے خاطر اشرف میں آتا تھا - کہ بصورت طلاق زینب کی تطییب خاطر اور اُس کے حقوق کی رعایت کے لئے اُن سے نکاح کر لینا ضروری ہو گا - مگر آپ اسے ظاہر نہ کر سکتے تھے - کیونکہ جاہلیت میں متبنیٰ کو بمنزلہ ولد حقیقی سمجھتے تھے اور یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ متبنیٰ کی مطلقہ کے ساتھ نکاح جائز نہیں -

آخر کار حضرت زید نے طلاق دے دی - عدت گزرنے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید ہی کو نکاح کا پیغام دینے کے لئے زینب کے پاس بھیجا - حضرت زینب نے جواب دیا کہ میں استخارہ کر لوں - پس اللہ تعالے نے یہ آیت نازل فرمائی :-

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْ لَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا ۚ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝ (احزاب)	پس جب زید نے اُس سے حاجت پوری کر لی - ہم نے اُس کو تجھ سے بیاہ دیا تاکہ مومنوں پر اُن کے لے پالکوں کی بیویوں میں تنگی نہ ہو جب وہ اُن سے حاجت پوری کر لیں اور امر الٰہی ہو کر رہتا ہے -

اس طرح حضرت زینب کا نکاح (سنہ ۳ھ یا ۵ھ میں) ۳۵ برس کی عمر میں ہو گیا - حضرت زینب فخر کیا کرتی تھیں - کہ دیگر ازواج مطہرات کا نکاح تو ان کے باپ یا بھائی یا اہل نے کر دیا - مگر میرا نکاح اللہ تعالےٰ نے آسمان سے کر دیا - اس نکاح میں یہ حکمت بھی تھی کہ پسر خواندہ کی مطلقہ کا حکم معلوم ہو گیا :

جب یہ نکاح ہو گیا - تو مخالفوں نے کہا - کہ محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح حرام کر دیا - مگر خود اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا - اس پر یہ آیتیں اُتریں :-

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۝ (احزاب)	محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں - لیکن خدا کے پیغمبر اور خاتم النبیین ہیں -
وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ ۚ	اور تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے نہیں بنایا

ذٰلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِاَفْوَاهِكُمْ (احزاب)	یہ تمہارے مونہوں کی بات ہے۔

پس حضرت زید جو زید بن محمدؐ کہلاتے تھے اِس کے بعد زید بن حارثہ کہلانے لگے۔

حضرت زینب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن ہونے کے علاوہ جمال میں بھی ممتاز تھیں۔ اس لئے ازواج مطہرات میں سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ کے ساتھ ہمسری کا دم بھرتی تھیں۔ چنانچہ خود حضرت صدیقہ فرماتی ہیں۔

كَانَتْ تُسَامِيْنِيْ	وہ میرا مقابلہ کرتی تھیں

آپ نہایت راستگو اور پارسا تھیں۔ جب حضرت عائشہ صدیقہ پر بہتان لگایا گیا۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ سے حضرت عائشہ کی نسبت پوچھا۔ آپ نے صاف کہہ دیا۔

اَللّٰهِ مَا عَلِمْتُ اِلَّا خَيْرًا	واللہ! مجھ کو عائشہ کی بھلائی کے سوا کسی چیز کا علم نہیں۔

اِسی راستی سے متاثر ہو کر حضرت عائشہ نے فرمایا ہے۔ کہ میں نے کوئی عورت زینب سے دین میں بہتر۔ خدا سے زیادہ ڈرنے والی۔ زیادہ سچ بولنے والی اور زیادہ صلہ رحم اور خیرات کرنے والی نہیں دیکھی۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ مال مہاجرین میں تقسیم فرما رہے تھے۔ حضرت زینب اس معاملہ میں کچھ بول اُٹھیں۔ حضرت عمر فاروق نے ان کو جھڑک دیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ عمر! ان کو جانے دو۔ یہ اوّاہ یعنی خاشع متضرع ہیں۔

حضرت زینب زاہدہ اور طبیعت کی فیاض تھیں۔ اپنے ہاتھ سے معاش پیدا کرتیں اور خدا کی راہ میں لٹا دیتیں۔ حضرت عمر فاروق نے ان کا سالانہ وظیفہ بارہ ہزار درہم مقرر کیا تھا۔ جو انہوں نے صرف ایک سال لیا۔ اور اپنے حاجتمند رشتہ داروں میں تقسیم کر کے دعا مانگی۔ کہ خدایا! یہ عطیہ مجھے آیندہ سال نہ ملے۔ حضرت فاروق کو یہ خبر لگی۔ تو انہوں نے حضرت زینب کے لئے ایک ہزار اور بھیجا۔ مگر حضرت زینب نے اُسے بھی تقسیم کر دیا۔ آپ کی دعا قبول ہوگئی۔ اور آیندہ سال میں وفات پائی۔

ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات سے فرمایا۔

اَسْرَعُكُنَّ لِحَاقًا بِيْ اَطْوَلُكُنَّ يَدًا۔	تم میں سے مجھ سے جلدی ملنے والی وہ ہے۔ جس کا ہاتھ لمبا ہے

ازواج مطہرات اِس ارشاد کو حقیقت پر محمول کرتی تھیں۔ چنانچہ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال شریف کے بعد جب ہم کسی ایک کے حجرے میں جمع ہوتیں۔ تو ہم دیوار پر اپنے ہاتھوں کو ناپا کرتی تھیں۔ ہمارا یہی خیال رہا یہانتک کہ حضرت زینبؓ جو کوتاہ قد تھیں ہم سب سے پہلے انتقال فرمایا۔ اُس وقت ہماری سمجھ میں آیا کہ ارشاد مذکور میں ہاتھ کا لمبا ہونا فیاضی کی طرف اشارہ تھا۔

جب حضرت زینب کی وفات کا وقت قریب آیا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے اپنا کفن تیار کر رکھا ہے۔ حضرت عمر فاروق بھی ایک کفن بھیجیں گے۔ دونوں میں سے ایک کو خیرات کر دینا۔ چنانچہ اس وصیت پر عمل کیا گیا۔ حضرت زینب نے مدینہ منورہ میں ۲۰ھ میں پچاس یا ترپن برس کی عمر میں انتقال فرمایا۔ حضرت عمر فاروق نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت فاروق کی یہ آرزو تھی کہ خود حضرت زینب کو قبر میں اتاریں۔ اِس لئے ازواج مطہرات سے دریافت کیا کہ ان کو قبر میں کون اتارے۔ جواب آیا کہ جو حیات میں ان کے گھر میں داخل ہوا کرتا تھا۔

حضرت زینب سے گیارہ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے دو پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔

حضرت زینب بنت خزیمہ ہلالیہ

آپ مساکین کو کثرت سے کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ اِس لئے ام المساکین کی کنیت سے مشہور تھیں۔ پہلے حضرت عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں۔ حضرت عبداللہ نے جنگ اُحد میں ۳ھ میں شہادت پائی۔ اِسی سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ اور صرف دو تین مہینے حضور کی خدمت میں رہنے پائی تھیں۔ کہ تیس سال کی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اور جنت بقیع میں دفن ہوئیں۔ حضرت خدیجۃ الکبرٰے کے بعد یہی ایک بی بی تھیں جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف میں انتقال فرمایا۔

حضرت میمونہ بنت حارث ہلالیہ

ان کی بہن ام الفضل لبابہ کبرٰے حضرت عباس بن عبدالمطلب کے نکاح میں تھیں۔ حضرت میمونہ پہلے مسعود بن عمرو بن عمیر ثقفی کے نکاح میں تھیں۔ مسعود نے طلاق دے دی۔ تو ابورُہم بن عبدالعزٰے نے ان سے شادی کر لی۔ ابورُہم کے انتقال کے بعد حضرت عباس نے ان کا نکاح

مقام سرف میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیا۔ سرف ہی میں ۵۱ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ حضرت ابن عباس نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور قبر میں اتارا۔ جب جنازہ اُٹھانے لگے۔ تو حضرت ابن عباس نے کہا۔ کہ یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی زوجہ ہیں۔ ان کے جنازے کو زیادہ حرکت نہ دو۔ آہستہ لے چلو۔ ان کی روایت سے ۷۶ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے سات پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔

حضرت جویریہ خزاعیہ مصطلقیہ

حضرت جویریہ کا والد حارث بن ابی ضرار تھا۔ جو قبیلہ بنی مصطلق کا سردار تھا۔ یہ پہلے مسافع بن صفوان مصطلقی کے نکاح میں تھیں۔ جو غزوہ مریسیع (۵ھ) میں قتل ہوا۔ اس غزوہ میں بہت سے لونڈی غلام مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ چنانچہ حضرت جویریہ حضرت ثابت بن قیس بن شماس انصاری کے حصہ میں آئیں۔ مگر انہوں نے حضرت ثابت سے نو اوقیہ سونے پر کتابت کر لی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یوں عرض کی: "یا رسول اللہ! میں حارث کی بیٹی جویریہ ہوں۔ میرا حال آپ سے پوشیدہ نہیں۔ میں ثابت بن قیس ابن شماس کے حصہ میں آئی ہوں۔ میں نے ان سے نو اوقیہ سونے پر کتابت کر لی ہے۔ یہ رقم میرے مقدور سے زائد ہے۔ مگر میں نے آپ کی فیاضی کی امید پر منظور کر لی ہے۔ اور اب اسی کا سوال کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تم اس سے بہتر چیز نہیں چاہتی ہو؟ انہوں نے پوچھا کہ وہ چیز کیا ہے؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ کہ میں تمہارا زرِ کتابت ادا کر دیتا ہوں اور تم سے نکاح کر لیتا ہوں۔ حضرت جویریہ نے عرض کیا کہ مجھے منظور ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت کو بلایا۔ وہ بھی راضی ہو گئے۔ چنانچہ حضور انور نے نو اوقیہ سونا ادا کر دیا۔ اور حضرت جویریہ کو آزاد کر کے اُن سے نکاح کر لیا۔ جب لوگوں کو اس نکاح کی خبر لگی۔ تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ مصاہرت کی رعایت سے بنی مصطلق کے باقی تمام لونڈی غلاموں کو آزاد کر دیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ کا ارشاد ہے۔ کہ "ہم نے کوئی عورت ایسی نہیں دیکھی۔ جو اپنی قوم کے لئے جویریہ سے بڑھ کر باعث برکت ہو۔ کیونکہ ان کے سبب سے بنی مصطلق کے سینکڑوں گھرانے آزاد ہو گئے۔"

جب حضرت جویریہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔ تو ان کی عمر بیس سال کی تھی۔ ان کا نام برہ تھا۔ حضور انور نے بدل کر جویریہ رکھا۔ ربیع الاول ۵۰ھ میں انتقال فرما گئیں اور مدینہ منورہ میں بقیع میں دفن ہوئیں۔ ان کی روایت سے سات حدیثیں منقول ہیں۔ جن میں سے دو بخاری میں اور دو مسلم میں اور باقی دیگر کتب میں ہیں۔

حضرت صفیہ اسرائیلیہ

باپ کا نام حیی بن اخطب تھا جو بنو نضیر کا سردار تھا۔ ماں کا نام ضرہ تھا جو بنو قریظہ کے سردار سموأل کی بیٹی تھی۔ حضرت صفیہ کی پہلی شادی سلام بن مشکم قریظی سے ہوئی۔ طلاق کے بعد کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح میں آئیں۔ جب غزوہ خیبر (۷ھ) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ابی الحقیق کا قلعہ قموص فتح کیا۔ تو کنانہ قتل ہوا۔ حضرت صفیہ کا باپ اور بھائی کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئیں۔ جب خیبر کے تمام قیدی جمع کئے گئے۔ تو دحیہ کلبی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک لونڈی کی درخواست کی۔ حضور انور نے فرمایا۔ کہ جاؤ۔ ایک لونڈی لے لو۔ چنانچہ انہوں نے حضرت صفیہ کو لے لیا۔ ایک صحابی نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی۔ "یا رسول اللہ! آپ نے صفیہ جو رئیسۂ قریظہ و نضیر ہے دحیہ کو عطا فرما دی۔ وہ تو آپ ہی کے لائق ہے"۔ اس پر حضور نے دحیہ کو دوسری لونڈی عطا فرما دی۔ اور خود صفیہ کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔ جب خیبر سے روانہ ہو کر صہباء میں پہنچے۔ تو رسم عروسی ادا کی گئی۔ اور لوگوں سے ماحضر جمع کر کے دعوت ولیمہ دی گئی۔

حضرت صفیہ نے قریباً ساٹھ سال کی عمر میں ۵۰ھ میں انتقال فرمایا اور بقیع میں دفن ہوئیں ان کی روایت سے دس حدیثیں منقول ہیں۔ جن میں سے صرف ایک متفق علیہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولادِ کرام

پہلے آچکا ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تمام اولاد سوائے ابراہیم کے جو حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن مبارک سے تھے حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے تھی۔ صاحبزادیاں بالاتفاق چار تھیں۔ چاروں نے زمانہ اسلام پایا اور شرف ہجرت حاصل کیا۔ مگر صاحبزادوں کی تعداد میں

اختلاف ہے۔ قاسم وابراہیم پر اتفاق ہے۔ بقول زبیر بن بکار (متوفی ۲۵۶ھ) صاحبزادے تین تھے۔ قاسم۔ عبدالرحمن جن کو طیب وطاہر بھی کہتے تھے۔ ابراہیم رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ اکثر اہل نسب کی یہی رائے ہے۔

حضرت قاسم

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اولاد کرام میں حضرت قاسم بعثت سے پہلے پیدا ہوئے اور قبل بعثت ہی سب سے پہلے انتقال فرما گئے۔ ابن سعد نے بروایت محمد بن جبیر بن مطعم نقل کیا ہے کہ دو سال زندہ رہے۔ بقول مجاہد سات دن اور بقول مفضل بن غسان غلابی تیرہ مہینے زندہ رہے ابن فارس کہتے ہیں کہ سنِ تمیز کو پہنچ گئے تھے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم ان ہی کے نام پر ہے۔

حضرت زینب

صاحبزادیوں میں سب سے بڑی تھیں۔ بعثت سے دس سال پہلے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک تیس سال کی تھی پیدا ہوئیں۔ اِن کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص لقیط بن ربیع سے ہوئی۔ ابوالعاص[1] حضرت خدیجۃ الکبرٰی کی بہن ہالہ کے بطن سے تھے۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجۃ الکبرٰی کے کہنے سے ان کا نکاح بعثت سے پہلے حضرت زینب سے کر دیا تھا۔ جب حضور انور کو منصب رسالت عطا ہوا۔ تو حضرت خدیجہ اور آپ کی صاحبزادیاں آپ پر ایمان لائیں۔ مگر ابوالعاص شرک پر قائم رہا۔ اسی طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت سے پہلے اپنی صاحبزادی رقیہ کا نکاح عتبہ بن ابی لہب سے اور امّ کلثوم کا نکاح عتیبہ بن ابی لہب سے کر دیا تھا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کا کام شروع کیا۔ تو قریش نے آپس میں کہا۔ کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی بیٹیاں چھوڑ دو۔ اور اُن کو اس طرح تکلیف پہنچاؤ۔ چنانچہ وہ ابوالعاص سے کہنے لگے کہ تو زینب کو طلاق دے دے۔ ہم تیرا نکاح قریش کی جس لڑکی سے تو چاہے کرا دیتے ہیں۔ ابوالعاص نے انکار کیا۔ مگر ابولہب کے بیٹوں نے حضرت رقیہ وام کلثوم کو

---

[1] دیکھو طبقات ابن سعد۔ ترجمہ زینب ورقیہ وام کلثوم رضی اللہ تعالٰی عنہن۔ اور سیرت ابن ہشام۔ غزوہ بدر۔

ہم بستری سے پیشتر طلاق دے دی۔

اگرچہ اسلام نے حضرت زینب و ابو العاص میں تفریق کر دی تھی۔ مگر مسلمانوں کی ضعف کے سبب سے عمل در آمد نہ ہو سکا۔ یہاں تک کہ ہجرت وقوع میں آئی۔ جب قریش جنگ بدر کے لئے آئے تو ابو العاص بھی ان کے ساتھ آئے اور گرفتار ہو گئے۔ حضرت زینب نے ان کے بھائی عمرو کے ہاتھ مکّہ سے ان کا فدیہ بھیجا جس میں وہ ہار بھی تھا۔ جو حضرت خدیجۃ الکبرٰے نے حضرت زینب کو پہنا کر پہلے پہل ابو العاص کے ہاں بھیجا تھا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُس ہار کو دیکھا۔ تو آپ پر نہایت رقّت طاری ہوئی[1]۔ اور حضرت خدیجۃ الکبرٰے کا زمانہ یاد آگیا۔ حضور کے ارشاد سے صحابہ کرام نے فدیہ واپس کر دیا۔ اور ابو العاص کو بھی چھوڑ دیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ابو العاص سے وعدہ لیا کہ مکّہ جا کر حضرت زینب کو مدینہ میں بھیج دیں گے۔

جب ابو العاص مکہ کو روانہ ہوئے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ اور ایک انصاری کو بھیجا کہ حضرت زینب کو بطن یاجج سے مدینہ لے آئیں۔ ابو العاص نے مکّہ میں پہنچ کر ایفائے وعدہ کیا۔ اور حضرت زینب سے کہہ دیا۔ کہ تم اپنے والد کے ہاں چلی جاؤ۔ حضرت زینب نے چپکے چپکے سفر کی تیاری کر لی۔ ابو العاص کے بھائی کنانہ نے ان کو اونٹ پر سوار کر لیا اور تیر و کمان لے کر دن کے وقت روانہ ہوا۔ قریش کے چند آدمیوں نے تعاقب کیا۔ اور ذو طوے میں جا گھیرا۔ ہبار بن اسود جو بعد میں ایمان لایا آگے بڑھا۔ اُس نے حضرت زینب کو نیزہ سے ڈرا کر اونٹ پر سے گرا دیا۔ وہ حاملہ تھیں۔ حمل ساقط ہو گیا۔ یہ دیکھ کر کنانہ نے ترکش میں سے تیر نکال کر زمین پر رکھ لئے۔ اور کہنے لگا۔" جو شخص میرے نزدیک آئے گا۔ وہ تیر سے بچ کر نہ جائے گا۔" یہ سُن کر لوگ پیچھے ہٹ گئے۔ ابو سفیان نے کہا۔" ٹھہرو۔ ہماری بات سُن لو۔" اس پر کنانہ رُک گیا۔ ابو سفیان بولا۔" ہمیں محمدؐ کے ہاتھ سے جو مصیبتیں پہنچی ہیں وہ تمہیں معلوم ہیں۔ اب اگر تم دن دہاڑے ان کی لڑکی کو لے جاؤ گے۔ تو لوگ اِسے ہماری کمزوری پر محمول کریں گے۔ ہمیں زینب کے روکنے کی ضرورت نہیں۔ جب شور و ہنگامہ کم ہو جائے گا۔ تو رات کو اُسے چوری چھُپے لے جانا۔" کنانہ نے اس رائے کو تسلیم کیا۔ اور چند روز کے بعد ایک رات حضرت

[1] سنن ابی داؤد۔

زینب کو اونٹ پر سوار کر کے لے آیا۔ اور زید اور انصاری کے حوالہ کر دی۔ وہ دونوں اُن کو مدینہ میں لے آئے۔

جمادی الاولیٰ ۶ھ میں ابوالعاص ایک قافلہ قریش کے ساتھ بغرض تجارت ملک شام کو گئے۔ اُن کے پاس قریش کا بہت سامال تھا۔ مقام عیص کے نواح میں اُن کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا سریہ ملا۔ جو حضور نے بسرکردگی حضرت زید بن حارثہ بھیجا تھا۔ اس سریہ نے ابوالعاص کا تمام مال لے لیا۔ ابوالعاص ہمراہیوں سمیت گرفتار ہو گئے۔ حضرت زینب نے ابوالعاص کو پناہ دی۔ صبح کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر سے فارغ ہوئے۔ تو حضرت زینب نے پکار کر کہا۔ کہ میں نے ابوالعاص کو پناہ دی ہے۔ حضور نے فرمایا کہ مجھے یہ معلوم نہ تھا۔ مسلمانوں میں سے ایک ادنے شخص پناہ دے سکتا ہے۔ اس لئے ہم نے بھی اُس کو پناہ دی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش پر ابوالعاص کا تمام مال واپس کر دیا گیا۔ ابوالعاص نے مکہ میں پہنچ کر وہ مال قریش کے حوالہ کر دیا۔ پھر کہا۔ اے گروہِ قریش! کیا تم میں سے کسی کا مال میرے ذمہ باقی ہے؟ سب بولے کہ نہیں۔ خدا تجھے جزائے خیر دے۔ بعد ازاں ابوالعاص نے کلمہ شہادت پڑھ کر کہا۔ "اللہ کی قسم! حضرت کے پاس اسلام لانے سے مجھے یہی امر مانع ہوا۔ کہ تم گمان کرتے کہ میں نے صرف تمہارے مال ہضم کر جانے کے لئے ایک حیلہ کیا ہے۔" اس کے بعد ابوالعاص نے محرم ۷ھ میں مدینہ میں آکر اظہارِ اسلام کیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب نکاح اول (یا نکاح جدید) کے ساتھ اُن کے حوالہ کر دی۔

حضرت زینب نے ۸ھ میں انتقال فرمایا۔ ام ایمن۔ سودہ بنت زمعہ اور ام سلمہ نے غسل دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور ابوالعاص نے قبر میں اُتارا۔

حضرت زینب کی اولاد ایک لڑکا علی نام اور ایک لڑکی امامہ تھی۔ حضرت علی نے اپنی والدہ ماجدہ کی زندگی میں چھوٹی عمر میں قریب بلوغ کے وفات پائی۔ ابن عساکر کہتے ہیں کہ بعض اہل نسب نے ذکر کیا ہے کہ وہ جنگ یرموک میں شہید ہوئے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اُمامہ سے بڑی محبت تھی۔ نماز میں بھی ان کو اپنے کندھے پر رکھ لیتے۔ جب رکوع کرتے۔ تو اُتار دیتے۔ اور جب سجدہ سے سر اُٹھاتے۔ تو پھر سوار کر لیتے۔

ایک دفعہ نجاشی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک حُلّہ بھیجا جس میں ایک سونے کی انگوٹھی تھی۔ انگوٹھی کا نگینہ حبشی تھا۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے وہ انگوٹھی اُمامہ کو عطا فرمائی

حضرت عائشہ صدیقہ بیان فرماتی ہیں۔ کہ ایک روز کسی نے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ بھیجا۔ جس میں ایک زرین ہار تھا۔ ازواج مطہرات سب ایک مکان میں جمع تھیں۔ امامہ مکان کے ایک گوشہ میں مٹی سے کھیل رہی تھیں۔ حضور نے ہم سب سے پوچھا کہ یہ ہار کیسا ہے؟ ہم نے عرض کیا۔ کہ اس سے خوبصورت وعجیب ہار ہمارے دیکھنے میں نہیں آیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میں اسے اپنے محبوب ترین اہل کو دوں گا۔ ازواج مطہرات سمجھیں کہ عائشہ کو ملے گا۔ مگر حضور نے امامہ کو بلایا۔ اور اپنے دست مبارک سے وہ ہار ان کے گلے میں ڈال دیا۔

حضرت ابو العاص حضرت زبیر بن العوام سے امامہ کے نکاح کر دینے کی وصیت کر گئے تھے۔ حضرت فاطمہ زہراء نے مرتے وقت حضرت علی مرتضےٰ سے وصیت کی۔ کہ میرے بعد امامہ سے نکاح کر لینا۔ اس لئے حضرت زہراء کے بعد حضرت زبیر نے امامہ کا نکاح حضرت علی سے کر دیا۔ حضرت علی نے حضرت مغیرہ بن نوفل سے وصیّت کی کہ میرے بعد تم امامہ سے نکاح کر لینا۔ چنانچہ حضرت مغیرہ نے حضرت علی کی شہادت کے بعد امامہ سے نکاح کر لیا۔ اور اُن سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام یحییٰ تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ امامہ کی کوئی اولاد نہیں۔ حضرت امامہ نے حضرت مغیرہ کے ہاں وفات پائی۔

حضرت رقیہ

حضرت رقیہ اور ام کلثوم دونوں کی شادی ابولہب کے بیٹوں سے ہوئی تھی جیساکہ اوپر مذکور ہوا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کا کام شروع کیا۔ تو ابولہب لعین نے اپنے بیٹوں سے کہا۔ "اگر تم محمدؐ کی بیٹیوں سے علیحدگی اختیار نہیں کرتے۔ تو تمہارے ساتھ میری نشست برخاست حرام ہے۔" عتبہ اور عتیبہ دونوں نے باپ کے حکم کی تعمیل کی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے رقیہ کا نکاح حضرت عثمان غنی سے کر دیا۔

نکاح کے بعد حضرت عثمان نے حضرت رقیہ کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ ان کے ہاں وہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام عبداللہ تھا۔ عبداللہ نے اپنی ماں کے بعد ۴ھ میں چھ برس

کی عمر میں وفات پائی۔

حضرت عثمان حبشہ سے مکہ میں آئے۔ اور مکہ سے دونوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ ایام بدر میں حضرت رقیہ بیمار تھیں۔ اس لئے حضرت عثمان ان کی تیمارداری کے لئے غزوہ بدر میں شامل نہ ہوئے۔ جس روز حضرت زید بن حارثہ فتح کی بشارت لے کر مدینہ میں آئے۔ اسی روز حضرت رقیہ نے بیس سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم غزوہ بدر کے سبب سے جنازہ میں شریک نہ ہو سکے۔

حضرت اُمّ کلثوم

کنیت کے ساتھ ہی مشہور ہیں۔ پہلے عتیبہ بن ابی لہب کے نکاح میں تھیں۔ جب عتیبہ نے ان کو اپنے باپ کے کہنے سے طلاق دی۔ تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گستاخی سے پیش آیا اور اس نے حضور کی قمیص پھاڑ دی۔ حضور کی زبان مبارک سے نکلا "یا اللہ! اپنے کتوں میں سے ایک کتے کو اس پر مسلط کر دے"۔ کچھ مدت کے بعد ابولہب اور عتیبہ بغرض تجارت ایک قافلہ کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک راہب کے صومعہ کے پاس اُترے۔ راہب نے کہا کہ یہاں درندے بہت ہیں۔ ابولہب نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ کہ تمہیں میری عمر اور میرا حق معلوم ہے؟ وہ بولے کہ ہاں۔ ابولہب نے کہا کہ محمدؐ نے میرے بیٹے پر بددعا کی ہے۔ تم اپنی متاع صومعہ پر جمع کر دو۔ اور عتیبہ کے لئے اس کے اوپر بستر کر دو۔ اور خود اس کے گرداگرد سو جاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ رات کو ایک شیر آیا۔ اس نے سب کو سونگھا پھر متاع پر کود کر عتیبہ کا سر کاٹ دیا۔ اہل قافلہ نے ہر چند شیر کو تلاش کیا۔ مگر نہ ملا۔

حضرت رقیہ کے بعد ربیع الاول ۳ھ میں ام کلثوم کا نکاح حضرت عثمان غنی سے ہوا۔ اور شعبان ۹ھ میں انتقال ہوا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت فاطمہ زہراء

فاطمہ نام۔ اور زہراء اور بتول لقب ہیں۔ جمال و کمال کے سبب سے زہراء کہلاتی تھیں۔ اور ماسوا سے انقطاع کی وجہ سے بتول تھیں۔ بعثت کے پہلے سال یا بعثت سے ایک سال پہلے یا پانچ سال پہلے بنابر اختلاف روایات پیدا ہوئیں۔

ہجرت کے دوسرے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت علی مرتضےٰ سے کردیا۔ آپ نے حضرت علی سے پوچھا کہ ادائے مہر کے واسطے تمہارے پاس کچھ ہے؟ حضرت علی نے جواب دیا کہ ایک گھوڑا اور زرہ ہے۔ فرمایا کہ گھوڑا جہاد کے لئے ضروری ہے۔ زرہ کو فروخت کرڈالو۔ چنانچہ وہ زرہ حضرت عثمان غنی نے ۴۸۰ درہم کو خریدی۔ حضرت علی نے قیمت لاکر حضور کے آگے ڈال دی۔ حضور نے اس میں سے کچھ حضرت بلال کو دیا کہ خوشبو خرید لائے۔ اور باقی جہیز وغیرہ کے لئے ام سُلیم کے حوالہ کیا۔ اس طرح عقد ہوگیا۔ جہیز میں یہ چیزیں[۱] تھیں۔ ایک لحاف۔ ایک چمڑے کا تکیہ جس میں درخت خرما کی چھال بھری ہوئی تھی۔ دو چکیاں۔ ایک مشک۔ دو گھڑے۔ اسی سال ماہ ذی الحجہ میں رسم عروسی ادا کی گئی۔ حضرت علی مرتضیٰ نے ادائے رسم کے لئے مکان کرایہ پر لیا۔ پھر حضرت حارثہ بن نعمان نے اپنا مکان دے دیا[۲]۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنے اہل میں فاطمہ سب سے پیاری تھیں۔ جب سفر کو جایا کرتے۔ تو اخیر میں فاطمہ سے مل کر جاتے۔ جب واپس آتے۔ تو سب سے پہلے فاطمہ سے ملتے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ "فاطمہ میرا پارۂ گوشت ہے جس نے فاطمہ کو ناراض کیا۔ اُس نے مجھے ناراض کیا"۔ فاطمہ ہی کی نسبت حضور کا ارشاد ہے۔ خیر نساء ھٰذہ الامۃ۔ سیدۃ نساء العالمین۔ سیدۃ نساء اھل الجنۃ۔ سیدۃ نساء المؤمنین۔ افضل نساء الجنۃ۔ صاحبزادیوں میں صرف حضرت فاطمہ زہراء سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سلسلہ نسل جاری ہے اور قیامت تک رہے گا۔

حضرت فاطمہ کو گھر کا تمام کام کرنا پڑتا تھا۔ ایک روز خبر لگی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لونڈی غلام آئے ہیں۔ اس لئے وہ ایک خادمہ کی درخواست کرنے کے لئے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے دولتخانہ میں آئیں۔ آخرکار بارگاہ رسالت سے جو جواب ملا۔ اس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اعادہ کی ضرورت نہیں۔

خانگی معاملات میں بعض دفعہ حضرت علی وفاطمہ میں رنجش ہو جایا کرتی تھی۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دونوں میں مصالحت کرادیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک روز کا ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

[۱] طبقات ابن سعد۔ جزء ثامن۔ ترجمہ فاطمہ زہراء۔

[۲] وفاء الوفا للسمہودی۔

علیہ وسلم حضرت فاطمہ زہراء کے دولتخانہ میں تشریف لے گئے۔ حضرت علی کو وہاں نہ پایا۔ آپ نے حضرت زہراء سے (محاورۂ عرب کے موافق) پوچھا کہ تیرے چچا کا بیٹا کہاں ہے؟۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم دونوں میں کچھ ان بن ہوگئی ہے۔ وہ ناراض ہو کر نکل گئے اور میرے ہاں قیلولہ نہیں فرمایا۔ حضور نے ایک شخص سے فرمایا کہ دیکھو تو کہاں ہیں؟۔ اس نے آکر عرض کیا۔ یارسول اللہ! وہ مسجد میں سوئے ہوئے ہیں۔ حضور مسجد میں تشریف لے گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہ پہلو کے بل لیٹے ہوئے ہیں۔ چادر پہلو سے گری ہوئی ہے۔ اور خاک آلودہ ہو رہے ہیں۔ حضور خاک جھاڑنے لگے۔ اور فرمایا۔ اے ابوتراب! اُٹھ بیٹھ۔ اس حدیث کے راوی حضرت سہل بن سعد بیان کرتے ہیں۔ کہ حضرت علی کو اس نام سے پیارا کوئی نام نہ تھا۔ (صحیحین)

فتح مکہ کے بعد حضرت علی نے ابوجہل کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہا۔ حضرت زہراء نے سنا۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر کہنے لگیں "آپ کی قوم کہتی ہے کہ آپ اپنی صاجزادیوں کے لئے ناراض نہیں ہوتے۔ یہ دیکھئے کہ علی ابوجہل کی لڑکی سے نکاح کرنے لگے ہیں"۔ یہ سُن کر حضور نے فرمایا "امابعد میں نے ابوالعاص سے اپنی صاجزادی کا نکاح کر دیا۔ اُس نے مجھ سے بات کہی اور سچ کر دکھائی۔ مجھ سے وعدہ کیا اور پورا کر دیا۔ فاطمہ میرا گوشت پارہ ہے۔ میں پسند نہیں کرتا کہ اُسے تکلیف پہنچے۔ اللہ کی قسم! رسول خدا کی لڑکی اور دشمن خدا کی لڑکی ایک شخص کے ہاں جمع نہ ہوں گی"۔ یہ سُن کر حضرت علی نے خواستگاری چھوڑ دی۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد حضرت فاطمہ کبھی ہنستی نہ دیکھی گئیں۔ اور وصال شریف کے چھ ماہ بعد ۳ رمضان ۱۱ھ میں انتقال فرماگئیں۔ حضرت عباس نے نماز جنازہ پڑھائی۔ بقیع میں رات کے وقت دفن ہوئیں۔ حضرات علی و عباس و فضل نے قبر میں اُتارا۔

حضرت زہرا کی اولاد تین لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔ امام حسن و امام حسین جو اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ محسن و رقیہ جو بچپن میں انتقال کر گئے۔ ام کلثوم جن کی شادی حضرت عمر فاروق سے ہوئی۔ زینب جن کا نکاح عبداللہ بن جعفر سے ہوا۔ ان میں سے سوائے حضرات حسنین رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے کسی سے نسل نہیں رہی۔

حضرت عبداللہ

حضرت خدیجۃ الکبرٰی کی اولاد میں یہ سب سے چھوٹے ہیں۔ بعثت کے بعد پیدا ہوئے اور بچپن میں انتقال فرما گئے۔ طیب و طاہر ان ہی کے لقب ہیں

حضرت ابراہیم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے آخری اولاد ہیں۔ ذی الحجہ ۸ھ میں مقام عالیہ میں جہاں ان کی والدہ حضرت ماریہ قبطیہ رہا کرتی تھیں پیدا ہوئے۔ اسی سبب سے عالیہ کو مشربہ ابراہیم بھی کہنے لگے تھے۔ ابو رافع کی بیوی سلمٰی نے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کی پھوپھی صفیہ کی لونڈی تھیں دایہ گری کی خدمت انجام دی۔ جب ابو رافع نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی ولادت کی بشارت دی۔ تو حضور نے ابو رافع کو ایک غلام عطا فرمایا۔ ساتویں دن عقیقہ دیا اور سر کے بالوں کے برابر چاندی خیرات کی اور حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کے نام پر ابراہیم نام رکھا۔

دود پلانے کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم کو ام سیف کے حوالہ کیا۔ ام سیف کا شوہر ابو سیف لوہار تھا۔ حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم کے دیکھنے کے لئے عوالی مدینہ میں تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ہم آپ کے ساتھ ہوا کرتے۔ حضور ابراہیم کو گود میں لے کر چوما کرتے اور گھر دھوئیں سے پر ہوا کرتا۔ بعض دفعہ میں پیشتر پہنچ کر ابو سیف کو اطلاع کر دیتا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔ دھواں نہ کرو۔ یہ سن کر ابو سیف اپنا کام بند کر دیتے۔

حضرت ابراہیم نے ام سیف ہی کے ہاں انتقال فرمایا۔ حضرت جابر سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی کہ ابراہیم حالت نزع میں ہے۔ اس وقت عبدالرحمٰن بن عوفؓ آپ کے پاس تھے۔ حضور ان کو ساتھ لے کر وہاں پہنچے۔ دیکھا کہ نزع کی حالت ہے۔ گود میں اٹھا لیا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ عبدالرحمٰن نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ ایسا کرتے ہیں! فرمایا۔ ابن عوف! یہ رحمت و شفقت (میت پر) ہے۔ پھر فرمایا۔ ابراہیم! ہم تیری جدائی سے غمگین ہیں۔ آنکھیں اشکبار ہیں دل غمگین ہے۔ ہم وہی کہتے ہیں جس سے ہمارا رب

راضی ہو:

چھوٹی سی چارپائی پر جنازہ اٹھایا گیا۔ بقیع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عثمان بن مظعون کی قبر کے متصل دفن ہوئے۔ فضل و اسامہ نے قبر میں اتارا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے کنارے کھڑے تھے۔ آپ کے ارشاد سے ایک انصاری پانی کی مشک لایا۔ اور قبر پر چھڑک دیا۔ اور شناخت کے لئے ایک نشان قائم کیا گیا جیسا کہ حضرت عثمان کی قبر پر کیا گیا تھا۔ حضرت ابراہیم کی عمر حسب روایت صحاح ۱۷ یا ۱۸ ماہ تھی۔

عرب جاہلیت کا اعتقاد تھا۔ کہ جب کوئی بڑا شخص مرجاتا یا کوئی حادثہ عظیم وقوع میں آتا ہے۔ تو سورج یا چاند میں گہن لگ جاتا ہے۔ اتفاق سے حضرت ابراہیم کی وفات کے دن سورج میں گہن لگ گیا تھا۔ اس لئے لوگ کہنے لگے کہ یہ ابراہیم کی موت کے سبب سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ سورج چاند خدا تعالےٰ کے دو نشان ہیں۔ کسی کی موت سے ان میں گہن نہیں لگتا۔

اعتراض

یہود و نصاریٰ اور ان کے کاسہ لیس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کثرت ازواج پر طعن کرتے ہیں۔ اور آپ کی شان میں دریدہ دہنی کرتے ہیں۔

جواب

اس اعتراض کا جواب اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام پاک میں یوں دیا ہے:-

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ (رعد-ع۶)	اور البتہ بے شک ہم نے تجھ سے پہلے پیغمبر بھیجے۔ اور ان کو عورتیں اور اولاد دی۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ اپنے حبیب پاک صلے اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرماتا ہے۔ کہ تجھ سے پہلے جو پیغمبر گزرے ہیں۔ ہم نے اُن کو عورتیں دیں جیسا کہ تجھ کو دیں۔ اس کی تفصیل بائبل میں پائی جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں تین بیویاں تھیں (پیدائش باب ۱۱۔ آیہ ۲۹۔ باب ۱۶۔ آیہ ۳-۴۔ باب ۲۵۔ آیہ اول)۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کی چار بیویاں تھیں۔ (پیدائش باب ۲۹۔ باب ۳۰۔ آیہ ۴ و ۹) ان چار میں سے راحیل کی

کی نسبت لکھا ہے:۔

"راحیل خوبصورت اور خوشنما تھی۔ یعقوب (نکاح سے پہلے) راحیل پر عاشق تھا" (پیدائش باب ۲۹۔ آیہ ۱۷۔ ۱۸)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دو بیویاں تھیں (خروج باب ۲۔ آیہ ۲۱۔ اعداد باب ۱۲۔ آیہ اول)۔ حضرت جدعون نبی کی بہت سی بیویاں تھیں جن سے ستر لڑکے پیدا ہوئے (قضاۃ باب ۸۔ آیہ ۳۰)۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاں بہت سی بیویاں تھیں (اول سموئیل باب ۱۸۔ آیہ ۲۷۔ باب ۲۵۔ آیہ ۴۲۔ ۴۳۔ دوم سموئیل باب ۳۔ آیہ ۲ تا ۵۔ باب ۵۔ آیہ ۱۳)۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے حالت پیری میں ابی ساج سونمی سے نکاح کیا تاکہ وہ گرم رہیں (اول سلاطین۔ باب اول) حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاں بہت سی عورتیں تھیں۔ چنانچہ اول سلاطین (باب ۱۱۔ آیہ ۳۔ ۴) میں یوں ہے:۔

"اُس کی سات سو جوروان بیگمات تھیں اور تین سو حرمیں۔ اور اُس کی جوروؤں نے اُس کے دل کو پھیرا۔ کیونکہ ایسا ہوا۔ کہ جب سلیمان بوڑھا ہوا۔ تو اُس کی جوروؤں نے اُس کے دل کو غیر معبودوں کی طرف مائل کیا۔"

پس ثابت ہوا کہ ایک سے زائد زوجہ کا ہونا نبوت کے منافی نہیں۔ بائبل میں جو پیغمبروں کی نسبت دریدہ دہنی کی گئی ہے۔ ہم اُسے غلط سمجھتے ہیں۔ اور پیغمبروں کو معصوم جانتے ہیں۔ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔

حدیث شریف میں وارد ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

حُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا النِّسَاءُ وَالطِّیْبُ وَجُعِلَ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ۔ (نسائی باب۔ حب النساء)	دنیا سے میرے نزدیک عورتیں اور خوشبو محبوب بنائی گئی اور میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں بنائی گئی۔

اس حدیث کے معنے میں دو قول بیان کئے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ حبّ ازواج میں زیادہ ابتلاء و تکلیف ہے۔ تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حب نساء کے سبب سے ادائے رسالت سے غافل نہ ہو جائیں۔ پس حبّ نساء میں حضور کے لئے مشقت زیادہ اور اجر اعظم ہے۔ دوسرے

یہ کہ حب نساء اس واسطے ہوئی۔ کہ حضور کے خلوات اپنی ازواج کے ساتھ ہوں۔ تاکہ مشرکین جو آپ کو ساحر و شاعر ہونے کی تہمت لگاتے تھے وہ جاتی رہے۔ پس عورتوں کا محبوب بنایا جانا آپ کے حق میں لطف ربانی ہے۔ غرض بہر دو صورت یہ حبّ آپکے لئے فضیلت ہے۔

اس حدیث کے اخیر حصہ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ وہ محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پروردگار کے ساتھ کمال مناجات سے مانع نہیں۔ بلکہ حضور باوجود اس محبت کی اللہ تعالیٰ کی طرف ایسے منقطع ہیں۔ کہ اُس کی مناجات میں آپ کی آنکھیں ٹھنڈی رہتی ہیں۔ اور ماسوا میں آپ کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں۔ پس حضور کی محبت حقیقت میں صرف اپنے خالق تبارک و تعالےٰ کے لئے ہے۔ اور حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ حبّ نساء جب حقوق عبودیت کے ادا میں مخل نہ ہو۔ بلکہ انقطاع الے اللہ کے لئے ہو۔ تو وہ از قبیل کمال ہے۔ ورنہ از قبیل نقصان ہے۔

شیخ تقی الدین سبکی فرماتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جو چار سے زیادہ ازواج کی اجازت دی گئی۔ اُس میں بھید یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے چاہا کہ بواطن شریعت و ظواہر شریعت اور وہ امور جن کے ذکر سے حیاء آتی ہے اور وہ جن کے ذکر سے شرم نہیں آتی یہ سب بطریق نقل اُمت تک پہنچ جائیں۔ چونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ شرمیلے تھے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے آپ کے لئے عورتیں کر دیں۔ جو شرع میں سے نقل کریں حضرت کے افعال آنکھوں دیکھے اور اقوال کانوں .... سُنے جن کو حضور مردوں کے سامنے بیان کرنے سے حیاء کرتے تھے۔ تاکہ اِس طرح نقل شریعت کامل ہو جائے۔ حضور کی ازواج کی تعداد کثیر ہو گئی تاکہ اس طرح کے اقوال و افعال کے نقل کرنے والے زیادہ ہو جائیں۔ ازواج مطہرات ہی سے غسل و حیض و عدّت وغیرہ کے مسائل معلوم ہوئے۔ یہ کثرت ازواج حضور کی طرف سے معاذاللہ شہوت کی غرض سے نہ تھی۔ اور نہ آپ وطی کو العیاذ باللہ لذت بشریہ کے لئے پسند فرماتے تھے۔ عورتیں آپ کے لئے صرف اِس واسطے محبوب بنائی گئیں کہ وہ آپ سے ایسے مسائل نقل کریں۔ جن کے زبان پر لانے سے حضور شرم و حیاء کرتے تھے۔ پس آپ بدیں وجہ ازواج سے محبت رکھتے تھے۔ کہ اس میں شریعت کے ایسے مسائل کے نقل کرنے پر اعانت تھی۔ ازواج مطہرات نے وہ مسائل نقل کئے جو کسی اور نے نہیں کئے۔ چنانچہ انہوں نے حضور کے منام اور حالت

خلوت میں جو نبوت کی آیات بینات دیکھیں اور عبادت میں آپ کا جو اجتہاد دیکھا اور وہ امور دیکھے کہ ہر ایک عاقل شہادت دیتا ہے کہ وہ صرف پیغمبر میں ہوتے ہیں اور ازواج مطہرات کے سوا کوئی اور ان کو نہ دیکھ سکتا تھا۔ یہ سب ازواج مطہرات سے مروی ہیں۔ اِس طرح حضور کی کثرت ازواج سے نفع عظیم حاصل ہوا[1]۔

دسواں باب

اُمت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کا بیان

(۱) ایمان و اتّباع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت پر ایمان لانا فرض ہے۔ آپ جو کچھ اللہ تعالٰی کی طرف سے لائے ہیں اُس کی تصدیق فرض ہے۔ ایمان بالرسول کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا۔

وَمَنْ لَّمْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَاِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَعِيْرًا۔ (فتح - ع۲)

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لایا پس تحقیق ہم نے کافروں کے لئے آگ تیار کی ہے؛

اس آیت میں بتا دیا گیا ہے۔ کہ جو شخص ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کا جامع نہ ہو۔ وہ کافر ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طاعت واجب ہے آپ کے اوامر کا امتثال اور آپ کے نواہی سے اجتناب لازم ہے۔

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (سورۂ حشر)

اور جو کچھ رسول تم کو دے۔ تم اسے لے لو۔ اور جس سے تم کو منع فرمائے تم باز رہو اور اللہ سے ڈرو۔ تحقیق اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے۔

حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت و سنت کا اقتداء و اتباع واجب ہے۔

---

[1] زہر الربی للسیوطی و حاشیہ سندی بر نسائی۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۗ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (آل عمران - ع ۴)	کہہ دیجئے اگر تم اللہ کی محبت رکھتے ہو۔ تو میری پیروی کرو۔ کہ اللہ تم کو دوست رکھے اور تم کو تمہارے گناہ بخش دے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا۔ (احزاب - ع ۳)	بے شک تمہارے واسطے رسول اللہ میں اچھی پیروی تھی اس شخص کے لئے جو ثواب خدا اور روز آخر کی توقع رکھتا تھا۔ اور جس نے اللہ کو بہت یاد کیا۔
اَلنَّبِیُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ۔ (احزاب - ع ۱)	نبی مومنوں کے لئے ان کی جانوں سے سزاوار تر ہیں اور ازواجِ پیغمبر اُن کی مائیں ہیں۔

اس آیت سے ظاہر ہے۔ کہ دین و دنیا کے ہر امر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مومنوں کو اپنی جانوں سے زیادہ پیارے ہیں۔ اگر حضور کسی امر کی طرف بلائیں اور ان کے نفوس کسی دوسرے امر کی طرف بلائیں۔ تو حضور کی فرمانبرداری لازم ہے۔ کیونکہ حضور جس امر کی طرف بلاتے ہیں۔ اس میں اُن کی نجات ہے۔ اور ان کے نفوس جس امر کی طرف بلاتے ہیں۔ اُس میں ان کی تباہی ہے۔ اس لئے واجب ہے۔ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مومنوں کو اپنی جانوں سے زیادہ محبوب ہوں۔ وہ اپنی جانیں حضور پر فدا کر دیں۔ اور جس چیز کی طرف آپ بلائیں اُس کا اتباع کریں۔

حضرت سہل بن عبد اللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں اس آیت کے تحت میں تحریر فرماتے ہیں:-

"جو شخص یہ نہ سمجھا۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی میری جان کے مالک ہیں۔ اور یہ نہ سمجھا کہ تمام حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت (حکم و تصرف) نافذ ہے۔ اُس نے کسی حال میں آپ کی سنت کی حلاوت نہیں چکھی۔ کیونکہ آپ اولیٰ بالمومنین ہیں۔"

ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ جن سے اندازہ لگ سکتا ہے۔ کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم حضور سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کیسے بے چون وچرا کیا کرتے تھے۔

(۱) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی وفات سے چند گھنٹے پیشتر اپنی صاحبزادی

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے دریافت[1] کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے کفن میں کتنے کپڑے تھے۔ حضور کی وفات شریف کس دن ہوئی۔ اس سوال کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی آرزو تھی۔ کہ کفن ویوم وفات میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موافقت نصیب ہو۔ حیات میں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع تھا ہی۔ وہ ممات میں بھی آپ ہی کا اتباع چاہتے تھے۔ اللہ اللہ یہ شوق اتباع! کیوں نہو۔ صدیق اکبر تھے۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔

(۲) حضرت صدیق اکبر فرماتے ہیں۔ کہ جس امر پر رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم عمل کیا کرتے تھے۔ میں اُسے کئے بغیر نہیں چھوڑتا۔ اگر میں آپ کے حال سے کسی امر کو چھوڑ دوں۔ تو مجھے ڈر ہے کہ میں سنت سے منحرف[2] ہو جاؤں گا۔

(۳) زید کے باپ اسلم سے روایت ہے۔ کہ میں نے حضرت عمر بن خطاب کو دیکھا۔ کہ حجر اسود کو بوسہ دیا۔ اور (اُس کی طرف نگاہ کر کے) فرمایا۔ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا۔ تو میں تجھ کو بوسہ نہ دیتا۔ (بخاری۔ کتاب المناسک)۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی۔ آپ نے اُس کو نکال کر پھینک دیا اور فرمایا۔ کیا تم میں سے کوئی چاہتا ہے۔ کہ آگ کی انگاری اپنے ہاتھ میں ڈالے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد اُس شخص سے کہا گیا۔ کہ تو اپنی انگوٹھی کو اُٹھا لے۔ اور (بیچ کر) اُس سے فائدہ اُٹھا۔ اُس نے جواب دیا۔ نہیں۔ اللہ کی قسم! میں اُسے کبھی نہ لوں گا۔ حالانکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اُسے پھینک دیا ہے۔ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیح مسلم۔ باب الخاتم)

(۵) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا گزر ایک جماعت پر ہوا۔ جن کے سامنے بھنی ہوئی بکری رکھی تھی۔ انہوں نے آپ کو بلایا۔ آپ نے کھانے سے انکار کیا اور فرمایا۔ کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم دنیا سے رحلت فرما گئے۔ اور جَو کی روٹی پیٹ بھر کر نہ کھائی۔ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیح بخاری۔ باب فضل الفقراء)۔

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الجنائز۔ باب موت یوم الاثنین۔

[2] نسیم الریاض بحوالہ ابوداؤد و بخاری۔

(۶) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے آٹے کی بھوسی کبھی صاف نہ کی جاتی تھی۔ (بخاری کتاب الاطعمہ)۔ ابن سعد نے بروایت ابو اسحاق روایت کیا ہے۔ کہ حضرت عمر فاروق نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بن چھان آٹے کی روٹی کھاتے دیکھا ہے۔ اس لئے میرے واسطے آٹا نہ چھانا جایا کرے۔ (طبقات ابن سعد۔ جزء اول۔ قسم ثانی۔ صفحہ ۱۰۹)۔

(۷) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما کو دیکھا گیا۔ کہ اپنی اونٹنی ایک مکان کے گرد پھرا رہے ہیں۔ اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا۔ کہ میں نہیں جانتا۔ مگر اتنا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے۔ اس لئے میں نے بھی کیا (امام احمد و بزار) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکابر صحابہ امور عادیہ میں بھی حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا اقتداء کیا کرتے تھے۔

(۸) مسجد نبوی سے ملحق حضرت عباس بن عبد المطلب کا مکان تھا جس کا پرنالہ بارش میں آنے جانے والے نمازیوں کے سروں پر گرا کرتا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسے اُکھاڑ دیا۔ حضرت عباس آپ کے پاس آئے۔ اور کہنے لگے۔ اللہ کی قسم اس پرنالے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے میری گردن پر سوار ہو کر لگایا تھا۔ یہ سُن کر حضرت عمر فاروق نے جواب دیا۔ کہ آپ میری گردن پر سوار ہو کر اس کو پھر اُسی جگہ لگا دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔[1]

(۲) محبّت و عشق

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی محبّت واجب ہے۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ	کہہ دیجئے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارا قبیلہ و کنبہ اور مال جو تم نے کمائے ہیں۔ اور تجارت جس کا مندا ہونے سے تم ڈرتے ہو۔ اور گھر جو تم پسند رکھتے ہو۔ تمہارے نزدیک اللہ اور اس کے رسول اور اس کے راہ میں جہاد سے

[1] وفاء الوفا جز اول۔ صفحہ ۳۴۸۔

فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ۭ وَاللّٰہُ لَا یَہْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۔ (توبہ ۔ ع)	زیادہ پیارے ہیں۔ تو تم انتظار کرو۔ یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اس آیت سے ثابت ہے کہ ہر مسلمان پر اللہ اور رسول کی محبت واجب ہے۔ کیونکہ اس میں بتا دیا گیا ہے۔ کہ تم کو اللہ اور رسول کی محبت کا دعوٰی ہے۔ اس لئے کہ تم ایمان لائے ہو۔ پس اگر تم غیر کی محبت کو اللہ اور رسول کی محبت پر ترجیح دیتے ہو تو تم اپنے دعوٰے میں صادق نہیں ہو۔ اگر تم اس طرح محبت غیر سے اپنے دعوٰے کی تکذیب کرتے رہو گے۔ تو خدا کے قہر سے ڈرو۔ آیت کے اخیر حصے سے ظاہر ہے۔ کہ جس کو اللہ و رسول کی محبت نہیں وہ فاسق ہے۔

حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ تم میں سے کوئی مومن (کامل) نہیں بن سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ اور اس کی اولاد اور تمام لوگوں کی نسبت زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ (بخاری کتاب الایمان)

ذیل میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں جن سے ظاہر ہے۔ کہ صحابہ کرام اور سلف صالحین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیسی محبت تھی۔

(۱) ایک روز حضرت عمر فاروق نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کہ بے شک آپ سوائے میری جان کے جو میرے دو پہلوؤں میں ہے۔ میرے نزدیک ہر شئے سے زیادہ محبوب ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم میں سے کوئی ہرگز مومن (کامل) نہیں بن سکتا۔ جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کی جان سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں" یہ سُن کر حضرت عمر نے جواب میں عرض کیا۔ کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ بے شک آپ میرے نزدیک میری جان سے جو میرے دونوں پہلوؤں میں ہے۔ زیادہ محبوب ہیں۔ اس حضور نے ان سے فرمایا۔ اَلْاٰنَ یَا عُمَرُ ۔ یعنے اے عمر! اب تمہارا ایمان کامل ہو گیا (صحیح بخاری)

(۲) حضرت عمرو بن العاص کی وفات کا وقت آیا۔ تو آپ نے اپنے صاحبزادے سے اپنے تین حالتیں بیان کیں۔ دوسری حالت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"کوئی شخص میرے نزدیک رسول اللہ سے زیادہ محبوب اور میری آنکھوں میں آپ سے زیادہ

جلالت وہیبت والانہ تھا۔ میں آپ کی ہیبت کے سبب سے آپ کی طرف نظر بھر کر نہ دیکھ سکتا تھا۔" (صحیح مسلم)

(۳) جب فتح مکہ کے دن حضرت ابوبکر صدیق کے والد ابو قحافہ ایمان لائے۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے۔ اس پر حضرت صدیق نے عرض کیا:۔

"قسم ہے اُس ذات کی جس نے آپ کو دینِ حق دے کر بھیجا ہے۔ اِس (ابو قحافہ) کے اسلام کی نسبت (آپ کے چچا) ابو طالب کا اسلام (اگر وہ اسلام لاتے) میری آنکھوں کو زیادہ ٹھنڈا کرنے والا ہوتا۔ اس واسطے کہ ابو طالب کا اسلام آپ کی آنکھ کو (بہت سے امور کی نسبت) زیادہ ٹھنڈا کرنے والا تھا۔"[۱]

(۴) حضرت ثمامہ بن آثال یمامی جو اہلِ یمامہ کے سردار تھے ایمان لاکر کہنے لگے:۔

"اے محمدؐ! خدا کی قسم میرے نزدیک روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ کے چہرے سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ آج وہی چہرہ مجھے سب چہروں سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ کی قسم میرے نزدیک کوئی دین آپ کے دین سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ اب وہی دین میرے نزدیک سب دینوں سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ کی قسم میرے نزدیک کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ مبغوض نہ تھا۔ اب وہی شہر میرے نزدیک سب شہروں سے زیادہ محبوب ہے۔" (صحیح بخاری۔ باب وفد بنی حنیفہ)۔

(۵) حضرت ہند بنت عتبہ (زوجۂ ابو سفیان بن حرب) جو حضرت امیر حمزہ کا کلیجہ چبا گئی تھیں ایمان لاکر کہنے لگیں:۔

"یارسول اللہ! روئے زمین پر کوئی اہلِ خیمہ میری نگاہ میں آپ کے اہلِ خیمہ سے زیادہ مبغوض نہ تھے۔ لیکن آج میری نگاہ میں روئے زمین پر کوئی اہلِ خیمہ آپ کے اہلِ خیمہ سے زیادہ محبوب نہیں رہے۔" (صحیح بخاری۔ باب ذکر ہند بنت عتبہ)۔

(۶) حضرت صفوان بن امیہ کا بیان ہے۔ کہ حنین کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مال عطا فرمایا۔ حالانکہ آپ میری نظر میں مبغوض ترین خلق تھے۔ آپ مجھے عطا فرماتے رہے

---

[۱] نسیم الریاض بحوالۂ احمد و ابن اسحاق۔ اصابہ ترجمہ ابو طالب۔

یہاں تک کہ آپ میری نظر میں محبوب ترین خلق ہو گئے۔ (جامع ترمذی، باب ما جاء فی اعطاء المؤلفۃ قلوبہم)۔

(۷) فتح مکہ میں حضرت عباس ابو سفیان بن حرب کو جو اب تک ایمان نہ لائے تھے اپنے پیچھے خچر پر سوار کر کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ حضرت عمر فاروق نے عرض کیا۔ اگر اجازت ہو۔ تو اس دشمن خدا کی گردن اڑا دوں۔ حضرت عباس نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے ابو سفیان کو پناہ دی ہے۔ جب حضرت عمر فاروق نے اصرار کیا۔ تو حضرت عباس نے کہا۔ اے ابن خطاب اگر ابو سفیان قبیلہ بنو عدی میں سے ہوتے۔ تو آپ ایسا نہ کہتے۔ اس پر حضرت عمر فاروق نے کہا۔ اے عباس! جس دن آپ اسلام لائے۔ آپ کا اسلام میرے نزدیک خطاب کے اسلام سے (اگر وہ اسلام لاتا) زیادہ محبوب تھا۔ کیونکہ آپ کا اسلام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک زیادہ محبوب تھا۔[1]

(۸) جنگ اُحد میں ایک عفیفہ کے باپ بھائی اور شوہر شہید ہو گئے۔ اُسے یہ خبر لگی۔ تو کچھ پروا نہ کی۔ اور پوچھا کہ یہ تو بتاؤ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں؟ جب اُسے بتا دیا گیا۔ کہ حضور بحمد اللہ بخیر ہیں۔ تو بولی۔ کہ مجھے دکھا دو۔ حضور کو دیکھ کر کہنے لگی:۔

كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ	تیرے ہوتے ہر ایک مصیبت ہیچ ہے۔ (سیرت ابن ہشام)

(۹) حضرت عبد الرحمٰن بن سعد کا بیان ہے۔ کہ حضرت ابن عمر کا پاؤں سُن ہو گیا۔ اُن سے ایک شخص نے کہا۔ کہ آپ کے نزدیک جو سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہے۔ اُسے یاد کیجئے۔ یہ سُن کر آپ نے کہا۔ یا محمدؐ[2] (اور آپ کا پاؤں اچھا ہو گیا)۔

(۱۰) حضرت بلال بن رباح کی وفات کا وقت آیا۔ تو اُن کی بیوی نے کہا۔ واحزناہ (ہائے غم)۔ یہ سن کر حضرت بلال نے کہا:۔

واطرباہ غداً القی الاحبۃ محمداً وحزبہٗ[3]	وائے خوشی! میں کل دوستوں یعنی محمدؐ اور آپ کے اصحاب سے ملوں گا۔

---

[1] بیہقی و بزار۔ اصابہ ترجمہ ابو طالب بحوالہ ابن اسحاق۔
[2] ادب مفرد للبخاری۔ باب ما یقول الرجل اذا خدرت رجلہٗ۔
[3] شفا شریف۔

(۱۱) جب سنہ ۷ھ میں قبیلہ اشعریین میں سے حضرت ابو موسےٰ وغیرہ مدینہ شریف کو آئے تو زیارت سے مشرف ہونے سے پہلے پکار پکار کر یوں کہنے لگے:۔

غداً نلقی الاحبۃ محمداً و حزبہ	ہم کل دوستوں یعنی محمدؐ اور آپ کے اصحاب سے ملیں گے۔[۱]

(۱۲) جنگ اُحد کے بعد قبیلہ عضل و قارہ کے چند اشخاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کہنے لگے۔ کہ آپ اپنے چند اصحاب کو ہمارے ساتھ روانہ کر دیں۔ تاکہ وہ ہم کو اسلام کی تعلیم دیا کریں۔ آپ نے مرثد بن ابی مرثد۔ خالد بن بکیر۔ عاصم بن ثابت۔ خبیب بن عدی زید بن دثنہ اور عبد اللہ بن طارق کو اُن کے ساتھ بھیج دیا۔ جب وہ آب رجیع پر پہنچے۔ تو انہوں نے بیوفائی کی۔ اور قبیلہ ہذیل کو بلا لیا۔ ہذیل نے مسلح ہو کر اُن اصحاب کو گھیر لیا۔ اور کہا کہ خدا کی قسم ہم تم کو قتل کرنا نہیں چاہتے۔ ہم تمہارے عوض میں اہل مکہ سے کچھ لینا چاہتے ہیں۔ حضرت مرثد و خالد و عاصم نے اپنے تئیں دشمنوں کے حوالے نہ کیا۔ اور مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے باقی تینوں کے ہاتھ انہوں نے جکڑ لئے۔ جب ظہران میں پہنچے۔ تو عبد اللہ بن طارق نے اپنا ہاتھ نکال لیا۔ اور تلوار ہاتھ میں لی۔ دشمن پیچھے ہٹ گئے۔ اور دُور سے پتھر پھینکتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت عبد اللہ شہید ہو گئے۔ باقی دو کو انہوں نے قریش کے ہاتھ بیچ دیا۔ چنانچہ حضرت زید کو صفوان بن امیہ نے خریدا۔ تاکہ اُن کو اپنے باپ امیہ بن خلف کے بدلے قتل کرے۔ صفوان نے حضرت زید کو اپنے غلام نسطاس کے ساتھ تنعیم میں بھیج دیا۔ جب حضرت زید کو قتل کرنے کے لئے حد حرم سے باہر لے گئے۔ تو ابو سفیان نے (جو اب تک اسلام نہ لائے تھے) اُن سے یوں کہا:۔

"اے زید! میں تم کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں۔ کیا تم یہ بات پسند کرتے ہو۔ کہ اس وقت ہمارے پاس بجائے تمہارے محمدؐ ہوں جن کو ہم قتل کر دیں اور تم آرام سے اپنے اہل میں بیٹھو؟"

حضرت زید نے جواب دیا:۔

"اللہ کی قسم! میں پسند نہیں کرتا۔ کہ محمدؐ اس وقت جس مکان میں تشریف رکھتے ہیں۔ اُن کو ایک کانٹا لگنے کی تکلیف بھی ہو اور میں آرام سے اپنے اہل میں بیٹھا رہوں۔"

---

[۱] زرقانی علی المواہب بحوالہ امام احمد وغیرہ۔

یہ سُن کر ابو سفیان نے کہا:۔

"میں نے لوگوں میں سے کسی کو نہیں دیکھا۔ کہ دوسرے سے ایسی محبت رکھتا ہو جیسا کہ محمدؐ کے اصحاب محمدؐ سے رکھتے ہیں"۔

اس کے بعد نسطاس نے حضرت زید کو شہید کر دیا۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہ۔ (سیرت ابن ہشام بروایت ابن اسحاق)۔

علاماتِ حُبِّ صادق

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے محب صادق میں علامات ذیل پائی جاتی ہیں۔ اگر کوئی شخص حُبِّ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ کرے۔ اور اُس میں یہ علامات نہ پائی جائیں۔ تو وہ حُبّ میں صادق و کامل نہیں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال و آثار کا اقتداء۔ آپ کی سنت پر عمل۔ آپ کے اوامر کا امتثال۔ اور آپ کی نواہی سے اجتناب اور آپ کے آداب سے آراستہ ہونا۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کثرت سے کرنا۔ مثلاً درود شریف کثرت سے پڑھنا۔ حدیث شریف پڑھنا۔ مولود شریف کا پڑھنا۔ یا مجالس میلاد مبارک میں شامل ہونا۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونے کا نہایت اشتیاق۔ جیسا کہ حضرت بلال و ابو موسےٰ وغیرہ کو تھا۔

(۴) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کرنا۔ (تفصیل آگے آئے گی انشاء اللہ تعالےٰ)

(۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن سے محبت رکھتے تھے (اہل بیت عظام و صحابہ کرام مہاجرین و انصار) اُن سے محبت رکھنا۔ اور جو شخص اُن بزرگواروں سے عداوت رکھے۔ اُس سے عداوت رکھنا۔ اور جو ان کو سبّ و شتم کرے۔ اُس کو بُرا جاننا۔

صحابہ کرام کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت تھی۔ کہ مباحات میں بھی جو اشیاء حضور کو محبوب و پسندیدہ تھیں وہی صحابہ کرام کو بھی محبوب تھیں۔ جیسا کہ واقعاتِ ذیل سے ظاہر ہے:۔

حضرت عبید بن جریج سے روایت ہے کہ اُس نے حضرت عمرؓ سے کہا۔ میں نے دیکھا

کہ تم بیل کے دباغت کٹے ہوئے چمڑے کا بے بال جوتا پہنتے ہو۔ حضرت فاروق نے فرمایا۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ کہ آپ ایسا جوتا پہنا کرتے تھے جس میں بال نہ ہوں۔ اور اسی میں وضو کیا کرتے تھے۔ اس لئے میں دوست رکھتا ہوں کہ ایسا جوتا پہنوں۔ (شمائل ترمذی)۔

حضرت انس سے روایت ہے۔ کہ ایک درزی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کے لئے بلایا۔ جو اُس نے تیار کیا تھا۔ میں بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ گیا۔ جو کی روٹی اور شوربا حضور کے آگے لایا گیا جس میں کدو اور خشک کیا ہوا نمکین گوشت تھا۔ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا کہ پیالے کے اطراف سے کدو کی قاشیں تلاش کرتے تھے۔ اس لئے میں اُس دن کے بعد کدو کو ہمیشہ پسند کرتا رہا۔ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین۔ کتاب الاطعمہ) امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے سامنے اس روایت کا ذکر آیا۔ کہ حضور سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم کدو کو پسند فرماتے تھے۔ ایک شخص نے کہا۔ انا ما اُحبہٗ (میں اس کو پسند نہیں کرتا)۔ یہ سن کر امام موصوف نے تلوار کھینچ لی اور فرمایا۔

جدّد الایمان واِلّا لاقتلنّک | تجدید ایمان کرو ورنہ میں تجھے ضرور قتل کردوں گا۔ (مرقاۃ جزء ثانی ص۲۷)

ایک روز حضرات حسن بن علی اور عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب حضرت سلمٰی (خادمۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ ہمارے واسطے وہ کھانا تیار کرو جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پسند فرمایا کرتے اور خوش ہو کر کھایا کرتے تھے۔ اُس نے (امام حسن سے) کہا۔ بیٹا! آج تم اُسے پسند نہ کرو گے۔ حضرت امام نے کہا۔ کہ تم ہمارے واسطے وہی تیار کردو۔ پس حضرت سلمٰی نے کچھ جَو کا آٹا ایک ہنڈیا میں چڑھا دیا۔ اوپر سے روغن زیتون اور کالی مرچیں اور زیرہ ڈال دیا۔ پک گیا۔ تو اُن کے آگے رکھ کر کہا۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس کھانے کو پسند فرمایا کرتے تھے اور خوش ہو کر کھایا کرتے تھے۔ (شمائل ترمذی)۔

(۶) جو لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بغض و دشمنی رکھیں۔ اُن کو اپنا دشمن سمجھنا اور مخالف سنت و مبتدع سے دور رہنا۔ اور مخالف شریعت سے نفرت کرنا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالےٰ ہے:۔

لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ (مجادلہ ع۳)	تو نہ پائے گا کسی قوم کو جو اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ دوستی کریں ایسوں سے جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں۔ اگرچہ وہ لوگ اُن کے باپ یا اُن کے بیٹے یا اُن کے بھائی یا اُن کے گھرانے کے ہوں۔

اس آیت پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالے عنہم کا پورا پورا عمل تھا۔ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اعانت میں اپنی آبرو اور جان و مال سے دریغ نہ کیا۔ کفار و مشرکین کے ہاتھوں سے اذیتیں برداشت کیں۔ خدا و رسول کے لئے اپنا وطن چھوڑا۔ خویش و اقارب سے رشتۂ اُلفت توڑا۔ اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کیا۔ اور خدا و رسول کی خوشنودی کے لئے اعداءِ اسلام کو خواہ اقارب ہی ہوں قتل کیا یا کرنا چاہا۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ بن جراح نے یومِ بدر میں اپنے والد کو قتل کر دیا[1]۔ عبد اللہ بن اُبَیّ جو رأس المنافقین تھا۔ اس کے صاحبزادے حضرت عبد اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کہ اجازت ہو تو مَیں ابن اُبَیّ کو قتل کر دوں۔ مگر حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہ دی[2]۔ حضرت عمر فاروق نے جنگ بدر میں اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ مخزومی کو قتل کر دیا[3]۔ بدر کے دن حضرت ابو بکر صدیق کے لڑکے عبد الرحمٰن نے جو اس وقت تک ایمان نہ لائے تھے مبارز طلب کیا۔ تو خود حضرت صدیق اکبر تلوار کھینچ کر کھڑے ہو گئے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہ دی[4]۔ جنگ اُحد میں حضرت مصعب بن عمیر نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا[5]۔ حضرات علی و حمزہ و عبیدہ بن حارث نے جنگ بدر میں عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ کو جو اُن کے گھرانے کے تھے۔ قتل کر ڈالا۔ جنگ بدر کے خاتمہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کے

[1] اصابہ بحوالہ طبرانی۔
[2] اصابہ۔ ترجمہ عبد اللہ بن عبد اللہ بن اُبَیّ۔
[3] سیرت ابن ہشام۔
[4] استیعاب۔ ترجمہ عبد الرحمٰن بن ابی بکر۔
[5] نسیم الریاض وغیرہ۔

بارے میں اپنے اصحاب سے مشورہ کیا۔ حضرت صدیق اکبر نے فدیہ لے کر چھوڑ دینے کا مشورہ دیا۔ لیکن حضرت فاروق نے عرض کیا۔ کہ آپ ان کو ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم ان کو قتل کر دیں۔ مثلاً عقیل کو حضرت علی کے حوالے کر دیں۔ اور میرے فلاں رشتہ دار کو میرے سپرد کر دیں۔ مگر حضور رحمۃ للعالمین نے حضرت صدیق اکبر کی رائے پر عمل کیا۔[1]

(۷) قرآن کریم سے محبت رکھنا۔ جس کو رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا خُلق بنایا ہوا تھا۔ قرآن کریم سے محبت رکھنے کی نشانی یہ ہے۔ کہ ہمیشہ اُس کی تلاوت کرے۔ اور اُس کے معانی سمجھے۔ اور اُس کے احکام پر عمل کرے۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں۔

"خدا کی محبت کی نشانی قرآن سے محبت رکھنا ہے۔ اور قرآن سے محبت رکھنے کی علامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کی علامت آپ کی سنت سے محبت رکھنا ہے۔ اور سنت سے محبت رکھنے کی نشانی آخرت سے محبت رکھنا ہے۔ اور آخرت سے محبت رکھنے کی علامت دنیا سے بغض رکھنا ہے اور بغض دنیا کی علامت یہ ہے۔ کہ اُس سے بجز کفاف و قوت لایموت کے ذخیرہ نہ کرے جیسا کہ مسافر اپنے ساتھ اسی قدر توشہ لے جاتا ہے کہ جس سے منزل مقصود پر پہنچ جائے۔"

(۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر شفقت رکھنا اور اُن کی خیر خواہی کرنا۔ جیسا کہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کیا کرتے تھے۔

(۹) دنیا میں رغبت نہ کرنا۔ اور فقر کو غنا پر ترجیح دینا۔ حضرت عبداللہ بن مغفل کا بیان ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! خدا کی قسم میں بے شک آپ سے محبت رکھتا ہوں۔ حضور نے فرمایا۔ دیکھ تو کیا کہتا ہے۔ اس نے تین مرتبہ یہی عرض کیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اگر تو مجھ سے محبت رکھتا ہے۔ تو فقر و فاقے کے لئے برگستوان تیار کر لے۔ کیونکہ فقر و فاقہ میرے محب کی طرف اس سے بھی جلدی پہنچتا ہے۔ کہ پانی کی رَو اپنے منتہیٰ کی طرف پہنچتی ہے۔[2]

اس حدیث میں برگستوان کنایہ صبر سے ہے جس طرح لڑائی میں برگستوان گھوڑے کو

---

[1] صحیح مسلم۔ باب الامداد بالملائکہ فی غزوۃ بدر
[2] ترمذی۔ ابواب الزہد۔

اذیت سے بچاتی ہے۔ اسی طرح صبر عاشق رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو فقروفاقے کی اذیت سے بچاتا ہے۔ کیونکہ صبر کے بغیر نفوس فقر کی تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتے۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتے اور آپ کی اطاعت کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ آپ کیا فرماتے ہیں اُس شخص کی نسبت جو ایسی قوم سے محبت رکھتا ہے۔ جن سے اُس کو ملاقات نہیں ہوئی۔ آپ نے فرمایا۔ المرء مع من احب۔ یعنی انسان قیامت کے دن اُن لوگوں کے زمرہ میں اُٹھے گا جن سے وہ محبت رکھتا تھا۔[1]

حضرت انس کا بیان ہے۔ کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ کہ قیامت کب ہوگی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ تجھ پر افسوس! تو نے اُس دن کے لئے کیا تیار کیا ہے اُس نے جواب دیا۔ کہ میں نے کچھ تیار نہیں کیا۔ ہاں میں خدا اور رسول سے محبت رکھتا ہوں آپ نے فرمایا۔ کہ تو اُس کے ساتھ ہوگا۔ کہ جس سے محبت رکھتا ہے۔[2] اس حدیث کے تحت میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"چوں خدا را دوست مے داری۔ در جوار رحمت و عزت وے خواہی بود۔ و چوں رسول خدا را دوست داری نیز از مقام قربت و عنایت وے بہرہ ور باشی۔ اگر چہ مقام او بلند تر و عزیز تر است کہ کسے بآنجا نرسد۔ اما نور محبت و تبعیت وے بر محبان و تابعان وے خواہد تاخت۔ و بمعیت و قربت وے مشرف خواہد ساخت"

حضرت عائشہ صدیقہ بیان فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ بے شک میرے نزدیک میری جان اور میری اولاد سے زیادہ پیارے ہیں۔ میں اپنے گھر میں ہوتا ہوں۔ مگر جس وقت آپ یاد آجاتے ہیں۔ تو جب تک آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کو دیکھ نہ لوں۔ صبر نہیں آتا۔ جب میں اپنی موت اور آپ کی موت کو یاد کرتا ہوں۔ تو میں یقین کرتا ہوں۔ کہ جنت میں داخل ہو کر آپ انبیائے کرام کے ساتھ

---

[1] مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین۔ باب الحب فی اللہ ومن اللہ۔

[2] در منثور۔ بحوالہ طبرانی وابن مردویہ وابونعیم فی الحلیہ والضیاء المقدسی فی صفۃ الجنۃ۔

بلند مرتبہ میں اُٹھائے جائیں گے۔ اور میں جب جنت میں داخل ہوں گا۔ تو (ادنے درجہ میں ہونے کے سبب سے) مجھے ڈر ہے کہ آپ کو نہ دیکھ سکوں گا۔ یہ سُن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے کچھ جواب نہ دیا۔ یہاں تک کہ حضرت جبرئیل یہ آیت لے کر نازل ہوئے:۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ۝ (نساء۔ع ۹)

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے۔ پس وہ اُن لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی پیغمبروں۔ صدیقوں۔ شہیدوں اور نیکوں کے ساتھ اور یہ اچھے رفیق ہیں۔

(۳) تعظیم و توقیر

ذیل میں وہ آیات پیش کی جاتی ہیں۔ جن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کا ذکر ہے:۔

ا۔ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ؕ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ (فتح۔ ع ۱)

ہم نے تجھے احوال بتانے والا اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ تاکہ تم اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو۔ اور خدا کو صبح و شام پاکی کے ساتھ یاد کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کے واجب ہونے کی تعلیم دی ہے۔

ب۔ (۱) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو۔ تحقیق اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

(۲) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا

اے ایمان والو! تم اپنی آواز نبی کی آواز سے اونچی نہ کرو۔ اور اس سے بات اونچی نہ کہو جیسا کہ تم

ے درمنثور بحوالہ طبرانی و ابن مردویہ و ابونعیم فی الحلیہ و الضیاء المقدسی فی صفۃ الجنۃ۔

لَہٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝

ایک دوسرے سے کہتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال اکارت جاویں۔ اور تمہیں خبر نہ ہو۔

(۳) اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝

تحقیق جو لوگ رسول اللہ کے پاس اپنی آوازیں پست کرتے ہیں۔ وہی ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پرہیزگاری کے لئے جانچا ہے۔ ان کے لئے معافی اور بڑا ثواب ہے۔

(۴) اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝

تحقیق وہ لوگ جو تجھے حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں۔ ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے۔

(۵) وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (حجرات شروع)

اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تو اُن کی طرف نکلتا۔ تو ان کے واسطے بہتر ہوتا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

سورہ حجرات کی اِن پانچ آیتوں میں اللہ تعالےٰ نے مومنوں کو آداب تعلیم فرمائے ہیں۔ آیۂ (۱) میں بتایا گیا ہے۔ کہ تم کسی قول یا فعل یا حکم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پیش دستی نہ کرو۔ مثلاً جب حضور کی مجلس میں کوئی سوال کرے۔ تو تم حضور سے پہلے اس کا جواب نہ دو۔ جب کھانا حاضر ہو تو تم حضور سے پہلے کھانا شروع نہ کرو۔ جب حضور کسی جگہ کو تشریف لے جائیں۔ تو تم بغیر کسی مصلحت کے حضور کے آگے نہ چلو۔ امام سہل بن عبد اللہ تستری اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے مومن بندوں کو یہ ادب سکھایا۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے تم بات نہ کرو۔ جب آپ فرمائیں۔ تو تم آپ کے ارشاد کو کان لگا کر سنو اور چپ رہو۔ آپ کے حق کی فروگذاشت اور آپ کے احترام و توقیر کے ضائع کرنے میں تم خدا سے ڈرو۔ خدا تمہارے قول کو سنتا اور تمہارے عمل کو جانتا ہے۔

آیۂ (۲) کا شانِ نزول یہ ہے۔ کہ ۹ھ میں بنی تمیم کا ایک وفد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ انہوں نے عرض کیا۔ کہ آپ ہم پر کسی کو امیر مقرر فرما دیں۔ حضرت ابو بکر صدیق نے عرض کیا۔ کہ آپ قعقاع بن معبد کو امیر بنا دیں۔ حضرت عمر فاروق نے عرض کیا۔

کہ اقرع بن حابس کو امیر بنا دیں۔ حضرت صدیق نے حضرت فاروق سے کہا۔ کہ آپ میری مخالفت کرتے ہیں۔ حضرت فاروق نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس طرح دونوں جھگڑ پڑے۔ اور ان کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت فاروق اس قدر دھیمی آواز سے کلام کیا کرتے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دوبارہ دریافت کرنے کی حاجت پڑتی۔[1] اور حضرت صدیق نے بقول حضرت ابن عباس قسم کھالی۔ کہ میں رسول اللہ سے کلام نہ کیا کروں گا مگر اس طرح جیسا کہ کوئی اپنے ہمراز سے پوشیدہ باتیں کرتا ہے۔[2]

حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں۔ کہ جب آیہ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ نازل ہوئی۔ تو حضرت ثابت بن قیس (جو بلند آواز اور خطیب انصار تھے) گھر میں بیٹھ گئے۔ کہنے لگے۔ کہ میں دوزخیوں میں سے ہوں۔ اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر نہ ہوئے۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن معاذ سے پوچھا۔ کہ ثابت کا کیا حال ہے۔ کیا وہ بیمار رہے؟ حضرت سعد نے عرض کیا۔ کہ وہ میرا ہمسایہ ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ بیمار ہے۔ اس کے بعد سعد نے حضرت ثابت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ذکر کر دیا۔ حضرت ثابت نے کہا۔ کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے۔ تمہیں معلوم ہے۔ کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے تم سب سے زیادہ بلند آواز ہوں۔ اس لئے میں دوزخیوں میں سے ہوں۔ حضرت سعد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ذکر کر دیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ نہیں بلکہ وہ بہشتیوں میں سے ہے۔[3] اس آیت کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف میں بلند آواز سے بولنا اتنا بھاری گناہ تھا کہ اس سے اعمال اکارت و برباد ہو جاتے۔

اللہ تعالےٰ کو حضرات شیخین و امثالہما رضی اللہ تعالےٰ عنہم کا طریق ادب ایسا پسند آیا۔ کہ ان کی مدح میں آیہ (۳) نازل فرمائی۔ اور ان کو متقی ہونے کی سند عطا فرمائی۔ اور قیامت کے دن ان کو مغفرت و اجر عظیم کی بشارت دی۔

---

[1] بخاری۔ تفسیر سورۂ حجرات۔

[2] اسباب نزول للواحدی۔

[3] صحیح مسلم۔ باب مخافۃ المؤمن ان یحبط عملہ۔

ایک دفعہ بعض لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حجروں کے باہر سے یا محمدؐ یا محمدؐ کہہ کر پکارا۔ اس پر آیہ (۴) نازل ہوئی جس میں بتادیا گیا ہے۔ کہ اس طرح پکارنا سوءادب ہے۔ ایسی جرأت وہ لوگ کرتے ہیں جن کو عقل نہیں حسن ادب اور تعظیم حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم تو اس میں تھی۔ کہ وہ لوگ حضور کے درِ دولت پر بیٹھ جاتے۔ اور انتظار کرتے۔ یہاں تک کہ حضور خود باہر تشریف لاتے۔ اس طرح کا حسنِ ادب ان کے لئے موجب ثواب تھا۔ جیسا کہ آیۂ (۵) میں ہے۔

ج۔ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ (نور۔ ع ۹)	تم اپنے درمیان رسول کا پکارنا ایسا نہ ٹھہراؤ جیسا کہ ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

اس آیت میں بتادیا گیا ہے۔ کہ تم رسول اللہ کو نام لے کر (یا محمدؐ یا محمدؐ) نہ پکارا کرو۔ جیسا کہ ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہو۔ بلکہ حضور کو ادب سے یوں پکارا کرو یا رسول اللہ۔ یا نبی اللہ۔ یا خیر خلق اللہ۔ اس کا مزید بیان پہلے آچکا ہے۔

د۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○ (بقرہ۔ ع ۱۳)	اے ایمان والو! تم راعنا نہ کہو اور انظرنا کہو اور بغور سنو اور کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ ارشاد فرماتے تو مسلمان عرض کیا کرتے۔ راعنا۔ (ہماری طرف متوجہ ہوجئے یعنی ذرا ٹھہریئے کہ ہم سمجھ لیں) عبرانی زبان میں اس لفظ کے معنی شریر کے ہیں۔ یہود اس لفظ کو بطریق استہزاء استعمال کرتے تھے۔ اور تعریض واشارہ اسی معنی کی طرف کیا کرتے تھے۔ چونکہ راعنا کا التباس عبرانی لفظ سے ہوتا تھا۔ اس لئے اللہ تعالے نے مومنوں کو تعلیم دی۔ کہ تم بجائے راعنا کے انظرنا (ہمارا انتظار کیجئے) استعمال کیا کرو جس کے معنے وہی ہیں جو راعنا کے ہیں۔ اور اس میں کسی قسم کی تلبیس کا احتمال نہیں۔ اور تم بغور سنا کرو۔ تاکہ دوبارہ پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے۔ یہود جو اس طرح تعریض واستہزاء کرتے ہیں۔ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اس آیت شریف سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک میں ایسے الفاظ محتملہ استعمال نہ کرنے چاہئے۔ کہ جن میں تعریض ہو۔ اور تنقیص شان کا وہم ہوئے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر اور ادب کے طریقے

ذیل میں چند ایسی مثالیں درج کی جاتی ہیں جن سے اندازہ لگ سکتا ہے۔ کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم کس کس طرح اپنے آقائے نامدار صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر بجالاتے اور آپ کا ادب ملحوظ رکھتے تھے۔

(۱) ماہ ذی قعدہ ۶ھ میں جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں تھے۔ تو بدیل بن ورقہ خزاعی کے بعد عتبہ بن مسعود جو اُس وقت تک ایمان نہ لائے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کے لئے حاضر خدمت اقدس ہوئے۔ وہ واپس جاکر قریش سے یوں کہنے لگے۔

یا قوم واللہ لقد وفدت علی الملوك ووفدت علی قیصر وکسریٰ والنجاشی واللہ ان رأیت ملکا قط یعظمہ اصحابہ ما یعظم اصحاب محمد محمدًا واللہ ان تنخّم نخامۃ الا وقعت فی کف رجل منہم فدلك بہا وجہہٗ وجلدہٗ و اذا امرھم ابتدروا امرہٗ و اذا توضأ کادوا یقتتلون علی وضوئہ واذا تکلّم خفضوا اصواتھم عندہٗ وما یحدون علیہ النظر تعظیمًا لہٗ وانہ قد عرض علیکم خطۃ رشد فاقبلوھا[۱]

اے میری قوم! اللہ کی قسم میں البتہ بادشاہوں کے دربار میں حاضر ہوا ہوں۔ اور قیصر و کسرےٰ و نجاشی کے ہاں گیا ہوں۔ اللہ کی قسم میں نے کبھی کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا کہ جس کے اصحاب اُس کی ایسی تعظیم کرتے ہوں جیسا کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی کرتے ہیں۔ اللہ کی قسم اُس (محمدؐ) نے جب کبھی کھنکار پھینکا ہے۔ تو وہ اصحاب میں سے کسی نہ کسی کے ہاتھ میں گرا ہے۔ جسے انہوں نے اپنے منہ اور جسم پر مل لیا ہے۔ جب وہ اپنے اصحاب کو حکم دیتے ہیں۔ تو وہ اس کی تعمیل کے لئے دوڑتے ہیں۔ اور جب وضو کرتے ہیں۔ تو ان کے وضو کے پانی کے لئے باہم جھگڑنے کی نوبت پہنچنے لگتی ہے۔ اور جب وہ کلام کرتے ہیں۔ تو اصحاب ان کے سامنے اپنی آوازیں دھیمی کر دیتے ہیں۔ اور ازروئے تعظیم اُن کی طرف تیز نگاہ نہیں کرتے۔ انہوں نے تم پر ایک نیک امر پیش کیا ہے۔ پس تم اُسے قبول کر لو۔

(۲) حضرت طلحہ بن عبید اللہ تیمی روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[۱] صحیح بخاری۔ کتاب الشروط۔

اصحاب نے ایک جاہل اعرابی سے کہا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرو۔ کہ قرآن میں جو سورۂ احزاب میں آیا ہے:۔

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ (احزاب)

بعضے مسلمانوں میں سے وہ مرد ہیں۔ کہ سچ کیا انہوں نے وہ عہد جو اللہ سے باندھا تھا پس بعض اُن میں سے وہ ہے جو پورا کر چکا کام اپنا۔

اس آیت میں قضٰی نحبہٗ کون ہے۔ اصحاب کرام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کرنے کی جرأت نہ کیا کرتے تھے۔ وہ آپ کی توقیر کیا کرتے تھے۔ اور آپ سے ہیبت کھاتے تھے۔ اس اعرابی نے آپ سے سوال کیا۔ تو آپ نے مُنہ پھیر لیا۔ دوبارہ پوچھا تو بھی آپ نے اُس سے منہ پھیر لیا۔ پھر میں مسجد کے دروازے سے سبز کپڑوں میں نمودار ہوا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا۔ تو فرمایا۔ کہ وہ سائل کہاں ہے۔ اعرابی نے کہا۔ یا رسول اللہ سائل میں ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (میری طرف اشارہ کر کے) فرمایا۔ یہ اُن میں سے ہے جس نے اپنا عہد پورا کیا۔[1]

(۳) حضرت انس روایت کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب مہاجرین و انصار میں تشریف لاتے اور وہ بیٹھے ہوتے۔ ان کے درمیان حضرت ابوبکر و عمر بھی ہوتے۔ ان میں سے سوائے ابوبکر و عمر کے کوئی حضور کی طرف نظر نہ اُٹھاتا۔ وہ دونوں حضور کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھتے اور حضور ان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھتے۔ وہ دونوں حضور کی طرف دیکھ کر تبسم فرماتے اور حضور ان کی طرف دیکھ کر تبسم فرماتے۔[2]

(۴) حضرت علی مرتضٰے حاضرینِ مجلس کے ساتھ حضور کی سیرت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ''جس وقت آپ کلام شروع کرتے۔ تو آپ کے ہمنشین اس طرح سر جھکا لیتے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے ہیں۔ جس وقت آپ خاموش ہو جاتے۔ تو وہ کلام کرتے۔ اور کلام میں آپ کے سامنے تنازع نہ کرتے۔ اور جو آپ کے سامنے کلام کرتا۔ اُسے خاموش ہو کر سنتے۔ یہاں تک

[1] ترمذی۔ کتاب التفسیر۔ تفسیر سورۂ احزاب۔

[2] ترمذی۔ ابواب المناقب۔

کہ وہ اپنے کلام سے فارغ ہو جاتا[۱]"

اس حدیث کا خلاصہ مطلب یہ ہے۔ کہ حضور کی مجلس میں سب سے پہلے خود حضور ارشاد فرماتے تھے۔ حاضرینِ مجلس سب سکون کی حالت میں باادب بیٹھے سُنا کرتے تھے۔ آپ کے بعد صحابہ کرام عرض کرتے۔ مگر وہ کلام میں تنازع نہ فرماتے تھے۔ مجلس میں ایک وقت میں دو شخص کلام نہ کرتے۔ اور نہ کوئی دوسرے کے کلام کو قطع کرتا تھا۔ بلکہ متکلم کے کلام کو سنتے رہتے یہاں تک کہ وہ فارغ ہو جاتا۔

(۵) حضرت انس بن مالک بیان کرتے ہیں۔ کہ صحابہ کرام (بپاس ادب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازوں کو ناخنوں سے کھٹکھٹایا کرتے تھے[۲]۔

(۶) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ذی قعدہ ۶ھ میں عمرہ کے ارادے سے روانہ ہوئے جب حدیبیہ میں پہنچے۔ تو قریش ڈر گئے۔ اس لئے آپ نے حضرت عثمان غنی کو مکہ میں بھیجا۔ اور ان سے فرمایا۔ کہ تم قریش کو اطلاع دے دو۔ کہ ہم عمرہ کے لئے آئے ہیں۔ لڑائی کے لئے نہیں آئے۔ اور یہ بھی فرمایا۔ کہ ان کو دعوتِ اسلام دو۔ اور مسلمان مردوں اور عورتوں کو جو مکہ میں ہیں۔ فتح کی بشارت دو۔ راستے میں حضرت ابان بن سعید اموی جواب تک ایمان نہ لائے تھے۔ حضرت عثمان سے ملے۔ انہوں نے حضرت عثمان کو جوار دی۔ اور اپنے پیچھے گھوڑے پر سوار کر کے مکہ میں لے آئے۔ حضرت عثمان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچا دیا۔ حدیبیہ میں مسلمان کہنے لگے۔ کہ عثمان خوش نصیب ہے۔ کہ جس نے بیت اللہ کا طواف کر لیا۔ یہ سُن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے۔ کہ میرا گمان ہے۔ کہ عثمان ہمارے بغیر طواف کعبہ نہ کریں گے۔ اسی اثنا میں یہ غلط خبر اُڑی۔ کہ حضرت عثمان مکہ میں قتل کر دیئے گئے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے بیعت رضوان لی۔ حضرت عثمان چونکہ مکہ میں تھے۔ اس لئے حضور انور نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر مار کر ان کو بیعت کے شرف میں داخل کیا۔ اس طرح

---

[۱] شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی خلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔

[۲] ادب مفرد للبخاری۔ باب قرع الباب۔ اس روایت سے پایا جاتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دروازوں میں حلقے نہ تھے۔ صحابہ کرام بپاس ادب بجائے دستک دینے کے ناخنوں سے کھٹکھٹایا کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ حضرت عثمان کا ہاتھ قرار پایا۔ بیعت رضوان کے بعد جب حضرت عثمان واپس تشریف لائے۔ تو مسلمانوں نے ان سے کہا۔ کہ آپ خوش نصیب ہیں۔ کہ بیت اللہ کا طواف کر لیا۔ اس پر حضرت عثمان نے جواب دیا۔ کہ تم نے میری نسبت گمانِ بد کیا۔ اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر میں وہاں ایک سال ٹھہرا رہتا۔ اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں ہوتے۔ تو میں آپ کے بغیر طواف نہ کرتا۔ قریش نے مجھ سے کہا تھا کہ طواف کر لو۔ مگر میں نے انکار کر دیا تھا[۵]۔

حضرت عثمان غنی کا یہ ادب قابل غور ہے۔ کہ کفار مکہ آپ سے کہہ رہے ہیں۔ کہ تم بیت اللہ کا طواف کر لو۔ مگر آپ جواب دیتے ہیں۔ کہ مجھ سے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کہ اپنے آقائے نامدار صلے اللہ علیہ وسلم کے بغیر اکیلا طواف کروں۔ ادھر جب مسلمانوں نے کہا۔ کہ خوشحال عثمان کا کہ ان کو خانہ کعبہ کا طواف نصیب ہوا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سُن کر فرماتے ہیں۔ کہ عثمان بغیر ہمارے ایسا نہیں کر سکتا۔ آقا ہو تو ایسا۔ خادم ہو تو ایسا۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے قصیدہ ہمزیہ میں کیا خوب فرمایا ہے:۔

وابی ان یطوف بالبیت اذ لم یدن منہ الی النبی فناء	اور حضرت عثمان نے بیت اللہ کے طواف سے انکار کر دیا۔ اس لئے کہ بیت اللہ کی کوئی طرف رسول اللہ کے قریب نہ تھی۔
فجزتہ عنہا ببیعۃ رضوا نٍ ید من نبیہ بیضاء	پس ان کو رسول اللہ کے ید بیضا نے بیعت رضوان میں اس عمل نیک کا بدلہ دیا۔ یہ اکیلا طواف نہ کرنا عثمان میں
ادب عندہ فضاعفت الاعمال بالترک حبذا الادباء	ایک بڑا ادب تھا جس کے سبب ان کو طواف سے دگنا ثواب ملا۔ اصحاب محمدؐ کیا خوب ادیب تھے۔

اس میں شک نہیں کہ صحابہ کرام سب کے سب با ادب تھے۔ مگر حضرت عثمان میں یہ خوبی بصرت خصوصیت سے تھی۔ کیونکہ اُن میں وصف حیاء جو منشاء ادب ہے۔ سب سے زیادہ تھا۔ آپ نے جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔ اپنا دایاں ہاتھ کبھی اپنی شرمگاہ پر نہ رکھا۔

(۷) حضرت عمرو بن عاص کی موت کا وقت آیا۔ تو آپ نے اپنے صاحبزادے سے اپنی

---

[۵] زاد المعاد لابن قیم۔ قصہ حدیبیہ۔ اور در منثور للسیوطی تفسیر سورہ فتح۔

تین حالتیں بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ پہلی حالت یہ تھی۔ کہ میں سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانی دشمن تھا۔ اگر میں اس حالت میں مرجاتا تو دوزخی تھا۔ دوسری حالت اسلام کی تھی۔ کہ کوئی شخص میرے نزدیک رسول اللہ سے زیادہ محبوب اور میری آنکھوں میں آپ سے زیادہ جلالت وہیبت والا نہ تھا۔ اور میں آپ کی ہیبت کے سبب سے آپ کی طرف نظر بھر کر دیکھ سکتا تھا۔ اس واسطے اگر مجھ سے حضور کا حلیہ شریف دریافت کیا جائے۔ تو میں بیان نہیں کرسکتا۔ اگر میں اِس حال میں مرجاؤں تو امید ہے۔ کہ اہل جنت میں سے ہوں گا۔ تیسری حالت حکمرانی کی تھی۔ کہ جس میں مَیں اپنا حال نہیں جانتا۔[۱]

(۸) حضرت اسلع بن شریک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے۔ کہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ناقہ کا کجاوہ کسا کرتا تھا۔ موسم سرما میں ایک رات مجھے غسل کی حاجت ہوگئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کا ارادہ کیا۔ مَیں نے حالتِ جنابت میں کجاوہ کسنا پسند نہ کیا۔ اور میں ڈرا کہ اگر ٹھنڈے پانی سے غسل کروں۔ تو مرجاؤں گا یا بیمار ہوجاؤں گا۔ اس لئے میں نے انصار میں سے ایک شخص سے کجاوہ کسوایا۔ پھر میں نے پانی گرم کر کے غسل کیا۔ اور رسول اللہ اور آپ کے احباب سے جا ملا۔ آپ نے فرمایا۔ اے اسلع آج کجاوہ اپنی جگہ سے کیوں ہل گیا۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میں نے نہیں کسا۔ ایک انصاری نے کسا ہے۔ آپ نے سبب دریافت فرمایا۔ میں نے عرض کیا۔ مجھے غسل کی حاجت ہوگئی تھی۔ اور ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے سے مجھے اپنی جان کا خوف تھا۔ اس لئے میں نے اُس سے کسوایا تھا۔ اور پھر پانی گرم کر کے میں نے غسل کیا تھا۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے آیۂ تیمم یعنی يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْتُمْ سُكَارٰى۔ الآیہ (نساء ع) نازل فرمائی۔[۲]

(۹) ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوہریرہ سے ملے۔ ان کو غسل کی حاجت تھی۔ ان کا بیان ہے۔ کہ میں پیچھے ہٹ گیا۔ پھر غسل کر کے حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے پوچھا

---

[۱] صحیح مسلم۔ باب کون الاسلام یہدم ماقبلہ وکذا الحج والعمرۃ۔

[۲] اصابہ بحوالہ طبرانی۔ ترجمہ اسلع الاعرجی۔ تفسیر در منثور بحوالہ طحاوی ودار قطنی وطبرانی وبیہقی وغیرہ۔

کہ تم کہاں گئے تھے۔ میں نے عرض کی کہ مجھے غسل کی حاجت تھی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ مومن پلید نہیں ہوتا۔[1]

(۱۰) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حذیفہ بن الیمان سے ملے۔ آپ حضرت حذیفہ سے مصافحہ کرنے لگے حضرت حذیفہ پیچھے ہٹ گئے۔ اور یہ عذر کیا۔ کہ مجھ کو غسل کی حاجت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ مسلمان جب اپنے بھائی سے مصافحہ کرتا ہے۔ تو اس کے گناہ یوں دور ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ درخت کے پتے جھڑ جاتے ہیں۔ جب وہ دونوں ایک دوسرے سے سوال کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالےٰ اُن میں سو رحمت نازل فرماتا ہے۔ جن میں سے ننانوے اس کے لئے ہیں جوان دونوں میں سے زیادہ بشاش و کشادہ رُو اور نکوکار اور اپنے بھائی کی حاجت روائی میں احسن ہو۔[2]

(۱۱) حضرت عثمان بن عفان نے حضرت قباث بن اشیم سے پوچھا کہ تم بڑے ہو یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم؟ انہوں نے جواب دیا۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مجھ سے بڑے ہیں۔ میں پیدائش میں حضورؐ سے پہلے ہوں۔[3]

(۱۲) حضرت سعید بن یربوع قرشی مخزومی کا نام صرم تھا۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا۔ کہ ہم میں کون بڑا ہے۔ میں یا تو؟ انہوں نے جواب دیا۔ کہ آپ مجھ سے بڑے اور نیک ہیں۔ میں عمر میں آپ سے زیادہ ہوں۔ یہ سُن کر آپ نے اُن کا نام بدل دیا۔ اور فرمایا کہ تم سعید ہو۔[4]

(۱۳) حضرت عائشہ صدیقہ کا بیان ہے۔ کہ میں نے حدیث و کلام میں حضرت فاطمہ سے بڑھ کر کسی کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مشابہ نہیں دیکھا۔ جب وہ حضور کی خدمت میں آتیں تو آپ اُن کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ اور مرحبا کہہ کر اُن کو چومتے اور اپنی جگہ میں بٹھاتے۔ اور

---

[1] ترمذی۔ کتاب الطہارت۔ باب ماجاء فی مصافحۃ الجُنُب۔

[2] کشف الغمہ للشعرانی۔ جزء ثانی۔ صد ۱۸۴۔

[3] جامع ترمذی۔ باب ماجاء فی میلاد النبی صلے اللہ علیہ وسلم۔

[4] اصابہ ترجمہ سعید بن یربوع۔

جب حضور اُن کے ہاں تشریف لے جاتے۔ تو وہ آپ کے لئے کھڑی ہو جاتیں اور آپ کا دستِ مبارک پکڑ کر مرحبا کہتیں اور چومتیں اور اپنی جگہ میں بٹھاتیں۔ جب مرض موت میں وہ حضور کی خدمت اقدس میں آئیں۔ تو حضور نے مرحبا کہہ کر اُن کو چوما[۱]۔

(۱۴) دو یہودی حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ سے نو ظاہر نشانیاں دریافت کیں۔ آپ نے بیان فرمادیں۔ تو انہوں نے آپ کے دونوں ہاتھ مبارک اور دونوں پاؤں مبارک کو بوسہ دیا۔ اور کہا۔ کہ ہم گواہی دیتے ہیں۔ کہ آپ پیغمبر ہیں[۲]۔

(۱۵) صفوان بن عسال روایت کرتے ہیں۔ کہ یہودیوں کی ایک قوم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک اور ہر دو پائے مبارک کو بوسہ دیا[۳]۔

(۱۶) حضرت ابن عمر کا بیان ہے۔ کہ ہم کسی غزوہ میں تھے۔ لوگ پسپا ہو گئے۔ ہم نے کہا۔ کہ ہم نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے کس طرح ملیں گے۔ حالانکہ ہم لشکر سے بھاگ آئے ہیں۔ اور خدا کا غضب لے پھرے ہیں۔ پس ہم نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نماز فجر سے پہلے حاضر ہوئے۔ حضور نماز سے فارغ ہو کر نکلے اور فرمایا کہ یہ لوگ کون ہیں؟ ہم نے عرض کیا۔ کہ ہم فراری ہیں۔ آپ نے فرمایا:۔

لا بل انتم العکارون	نہیں بلکہ تم عکاری (ہٹ کر حملہ کرنے والے) ہو

یہ سن کر ہم نے حضور کے دستِ مبارک کو بوسہ دیا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میں تمہارا گروہ ہوں۔ میں مسلمانوں کا گروہ ہوں۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:۔

اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَیِّزًا اِلٰی فِئَۃٍ (انفال۔ ع)	مگر مٹنے والا لڑائی کے لئے یا پناہ ڈھونڈنے والا ایک گروہ کی طرف[۴]۔

(۱۷) امّ ابان بنت وازع بن زارع اپنے دادا زارع سے جو وفد عبد القیس میں تھے

---

[۱] ادب مفرد للبخاری۔ باب الرجل یقبل ابنتہ۔

[۲] جامع ترمذی۔ ابواب الاستیذان والادب۔ باب ماجاء فی قبلۃ الید والرجل۔

[۳] ابن ماجہ۔ باب الرجل یقبل ید الرجل۔

[۴] ادب مفرد للبخاری۔ باب تقبیل الید۔ تفسیر درمنثور بحوالہ ابوداؤد و ترمذی و ابن ماجہ وغیرہ۔

روایت کرتی ہیں۔ کہ انہوں نے کہا۔ کہ جب ہم مدینہ میں پہنچے۔ تو ہم اپنے کجاووں سے جلدی جلدی اُتر کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک اور پائے مبارک کو چومنے لگے۔ منذر اشج (رئیس وفد) کچھ دیر کے بعد لباس تبدیل کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور نے فرمایا کہ تم میں دو خصلتیں ہیں۔ جن کو اللہ تعالےٰ دوست رکھتا ہے۔ حلم و وقار۔ منذر نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ خصلتیں مجھ میں کسبی ہیں یا جبلّی۔ حضور نے فرمایا۔ جبلّی ہیں۔ یہ سُن کر منذر نے کہا۔ سب ستایش خدا کو ہے جس نے مجھے ایسی دو خصلتوں پر پیدا کیا ہے۔ جن کو اللہ اور اللہ کا رسول دوست رکھتے ہیں[۱]۔ روایت بیہقی میں ہے۔ کہ منذر نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر حضور کے دستِ مبارک کو پکڑ کر بوسہ دیا[۲]۔

(۱۸) حضرت بریدہ روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا۔ یا رسول اللہ! میں اسلام لایا ہوں۔ مجھے کوئی ایسی چیز دکھائیے۔ جس سے میرا یقین زیادہ ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ تو کیا چاہتا ہے؟۔ اُس نے عرض کیا۔ کہ آپ اُس درخت کو اپنے پاس بلالیں۔ آپ نے فرمایا کہ تو جا کر اُسے بُلا لا۔ وہ اُس کے پاس گیا اور کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تجھے بلاتے ہیں۔ یہ سُن کر وہ ایک طرف کو جھکا اور اُس کی جڑیں اکھڑیں۔ پھر دوسری طرف کو جھکا اور جڑیں اکھڑیں۔ اسی طرح وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کیا۔ السلام علیك یا رسول الله۔ یہ دیکھ کر اعرابی نے کہا۔ کہ مجھے کافی ہے۔ مجھے کافی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس درخت سے فرمایا کہ اپنی جگہ پر چلا جا۔ چنانچہ وہ چلا گیا اور اپنی جڑوں پر قائم ہو گیا۔ اعرابی نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کے سر مبارک اور ہر دو پائے مبارک کو بوسہ دوں۔ حضور نے اجازت دے دی (اور اُس نے سر مبارک و پائے مبارک کو چُوما) پھر اس نے عرض کیا۔ کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کو سجدہ کروں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ ایک شخص دوسرے کو سجدہ نہ کرے۔ اگر میں ایسے سجدے کی اجازت دیتا۔ تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔ کیونکہ شوہر کا اُس پر بڑا حق ہے[۳]۔

---

[۱] ابو داؤد۔ کتاب الادب۔ باب فی قبلۃ الجسد۔ ادب مفرد للبخاری۔ باب تقبیل الید۔
[۲] زرقانی علی المواہب۔ وفد عبد القیس۔ ادب مفرد للبخاری۔ باب التؤدۃ فی الامور۔
[۳] دلائل حافظ ابی نعیم۔ مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن۔ صـ ۱۳۸۔

(۱۹) حضرت ابوبزہ مکی مخزومی بیان کرتے ہیں۔ کہ میں اپنے آقا عبداللہ بن سائب کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے اُٹھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک اور پائے مبارک کو بوسہ دیا۔ (اصابہ۔ ترجمہ ابوبزہ مکی)۔

(۲۰) حضرت مسور بن مخرمہ ذکر کرتے ہیں۔ کہ میرے والد مخرمہ نے مجھ سے کہا۔ بیٹا! مجھے خبر ملی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس قبائیں آئی ہیں۔ جنہیں وہ تقسیم فرما رہے ہیں۔ ہمیں ان کے پاس لے چل۔ چنانچہ ہم وہاں حاضر ہوئے۔ اُس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دولتخانہ میں تھے۔ والد نے مجھ سے کہا۔ بیٹا! نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو میرے واسطے بلا دو۔ مجھ پر یہ امر ناگوار گزرا۔ مَیں نے کہا۔ کیا میں تمہارے واسطے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو آواز دوں؟۔ میرے والد نے کہا۔ بیٹا! وہ جبار نہیں ہیں۔ تب میں نے آپ کو آواز دی۔ آپ نکلے۔ اور آپ کے پاس ایک دیبا کی قبا تھی۔ جس کے تکمے سونے کے تھے۔ آپ نے فرمایا۔ اے مخرمہ! یہ ہم نے تمہارے واسطے چھپا رکھی ہے۔ اور مخرمہ کو عطا فرما دی[1]۔

(۲۱) حضرت قیس بن سعد بن عبادہ انصاری ذکر کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غریب خانہ پر تشریف لائے۔ اور دروازے میں فرمایا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ میرے باپ نے دھیمی آواز سے جواب دیا۔ مَیں نے کہا۔ کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر آنے کی اجازت نہیں دیتے؟۔ انہوں نے کہا۔ اسی طرح رہنے دیجئے تاکہ حضور ہم پر زیادہ سلام بھیجیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری بار اِسی طرح سلام کہا۔ حضرت سعد نے دھیمی آواز سے جواب دیا۔ حضور تیسری بار سلام کہہ کر واپس ہو گئے۔ حضرت سعد آپ کے پیچھے نکلے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں آپ کا سلام سنتا رہا اور دھیمی آواز سے جواب دیتا رہا تاکہ آپ ہم پر زیادہ سلام بھیجیں۔ یہ سن کر حضور حضرت سعد کے ساتھ واپس تشریف لائے۔ آپ نے حضرت سعد کی درخواست پر غسل فرمایا۔ حضرت سعد نے زعفران سے رنگی ہوئی چادر پیش کی جو آپ نے اوڑھ لی۔ اور پھر آپ نے دونوں ہاتھ اُٹھا کر یوں دعا فرمائی۔ اللهم اجعل صلواتك ورحمتك على آل سعد بن عبادة۔ بعد ازاں آپ نے کھانا تناول فرمایا۔ جب آپ واپس ہونے لگے۔ تو میرے

[1] صحیح بخاری۔ کتاب اللباس۔ باب المزرر بالذہب۔

والد نے سواری کے لئے ایک دراز گوش پیش کیا جس پر لحاف پڑا ہوا تھا۔ اور مجھ سے کہا کہ ساتھ ہو لو۔ میں حضور کے ساتھ ہو لیا۔ حضور نے مجھ سے فرمایا کہ میرے ساتھ سوار ہو جاؤ۔ میں نے انکار کیا۔ آپ نے فرمایا کہ سوار ہو جاؤ ورنہ واپس ہو جاؤ۔ اِس لئے میں واپس چلا آیا۔ (ابوداؤد۔ کتاب اللادب)

(۲۲) حضرت جابر بن عبداللہ انصاری کے والد بزرگوار بہت سا قرض چھوڑ گئے تھے۔ جب کھجوروں کے توڑنے کا وقت آیا۔ تو حضرت جابر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یوں عرض کیا:۔

"آپ کو معلوم ہے کہ میرے والد جنگ احد کے دن شہید ہو گئے۔ اور اپنے اوپر بہت سا قرض چھوڑ گئے۔ میں چاہتا ہوں کہ قرضخواہ آپ کی زیارت کریں"

حضرت جابر نے یوں نہ کہا کہ آپ قرضخواہوں کے پاس چلئے۔ بلکہ بپاس ادب عرض کیا کہ قرضخواہ آپ کی زیارت کریں۔ (بخاری۔ باب قضاء الوصی دیون المیت بغیر محضر من الورثۃ)

(۲۳) ایک روز قبیلہ اسلم کے چند صحابہ کرام تیر اندازی میں باہم مقابلہ کر رہے تھے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا گزر وہاں ہوا۔ جب حضرت محجن بن ادرع ایک اسلمی سے مقابلہ کر رہے تھے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے بنی اسماعیل! تم تیر اندازی کرو کیونکہ تمہارا باپ تیر انداز تھا۔ تم تیر پھینکتے جاؤ۔ میں ابن ادرع کے ساتھ ہوں۔ یہ سُن کر حضرت نضلہ بن عبید اسلمی نے اپنے ہاتھ سے کمان پھینک دی۔ اور عرض کیا:۔

"جس حال میں حضور ابن ادرع کے ساتھ ہیں۔ میں اس کے ساتھ تیر نہیں پھینکتا۔ کیونکہ جس کے ساتھ آپ ہیں وہ مغلوب نہیں ہو سکتا"

یہ سُن کر حضور نے فرمایا۔ کہ تم تیر اندازی کرو۔ میں تم سب کے ساتھ ہوں۔[۱]

(۲۳) جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے۔ تو آپ نے حضرت ابوایوب انصاری کے مکان میں قیام فرمایا۔ آپ مکان کے نیچے کے حصے میں ٹھہرے اور ابوایوب مع عیال اوپر کے حصے میں رہے۔ ایک رات ابوایوب بیدار ہوئے۔ اور کہنے لگے کہ ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے اوپر چلتے پھرتے ہیں۔ یہ کہہ کر انہوں نے

[۱] اصابہ بحوالہ ابن اسحاق۔ ترجمہ محجن بن ادرع اسلمی۔ نیز مشکوٰۃ بحوالہ بخاری۔ باب اعداد آلۃ الجہاد

اُس جگہ سے ہٹ کر ایک جانب میں رات بسر کی۔ پھر صبح کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ نیچے کے حصے میں ہمارے واسطے آسانی ہے۔ انہوں نے عرض کیا۔ کہ میں اُس چھت پر نہیں چڑھتا جس کے نیچے آپ ہوں۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اوپر کے حصے میں تشریف لے گئے۔ اور ابوایوب نیچے کے حصے میں چلے آئے۔ ابوایوب حضور کے لئے کھانا بھیجا کرتے۔ جو بچ کر آتا۔ خادم سے دریافت کرتے کہ طعام میں حضور اقدس کی انگلیاں کس جگہ تھیں۔ پھر اُسی جگہ سے کھاتے۔ ایک روز کھانا تیار کیا گیا۔ جس میں لہسن تھا۔ جب کھانا واپس آیا۔ تو حضرت ابوایوب نے حسب معمول خادم سے حضور انور کی انگلیوں کی جگہ دریافت کی۔ جواب ملا کہ حضور نے کھایا ہی نہیں۔ یہ سن کر ابوایوب ڈر گئے۔ اور اوپر جا کر عرض کیا۔ کہ کیا یہ (لہسن) حرام ہے؟ آپ نے فرمایا کہ حرام تو نہیں۔ لیکن میں اسے پسند نہیں کرتا۔ یہ سُن کر انہوں نے عرض کیا کہ میں بھی اُس چیز کو ناپسند کرتا ہوں جسے آپ ناپسند فرماتے ہیں۔ (حضور کی کراہت کی وجہ یہ کہ) آپ کے پاس فرشتے اور وحی آیا کرتی تھی۔[۱]

(۲۴) حضرت قیلہ بنت مخرمہ عنبریہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں دیکھا۔ آپ اکڑوں بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن کا بیان ہے کہ جب میں نے آپ کو نہایت خشوع سے اس حالت میں بیٹھے ہوئے دیکھا۔ تو (ہیبت وجلال کے سبب سے) میں خوف سے کانپنے لگی (شمائل ترمذی۔ باب ماجاء فی جلسۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)۔

(۲۵) حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں۔ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ پوچھنا چاہتا۔ تو اُسے (آپ کی ہیبت کی وجہ سے) دو سال (یا سالوں) تاخیر میں ڈال دیتا۔[۲]

(۲۶) حضرت حذیفہ فرماتے ہیں۔ کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک طعام ہوتے۔ تو ہم طعام میں ہاتھ نہ ڈالتے یہانتک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے شروع فرماتے اور اپنا دست مبارک اُس میں ڈالتے۔ (صحیح مسلم۔ باب آداب الطعام والشراب واحکامہا)

[۱] صحیح مسلم۔ باب اباحۃ اکل الثوم۔

[۲] شفا شریف۔ علی القاری شرح میں لکھتے ہیں کہ اسے ابویعلیٰ نے روایت کیا ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر جس طرح آپ کی حیات دنیوی میں واجب تھی۔ اُسی طرح وفات شریف کے بعد بھی واجب ہے۔ سلف و خلف کا یہی طریقہ رہا ہے۔ ذیل میں چند مثالیں بغرض توضیح درج کی جاتی ہیں۔

(۱) حضرت اسحاق تجیبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ذیقعدہ ۳۵۲ھ) فرماتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے بعد جب آپ کا ذکر آتا۔ تو صحابہ کرام خشوع و انکسار ظاہر کیا کرتے۔ اُن کے بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے۔ اور وہ حضور کے فراق اور اشتیاق زیارت میں رویا کرتے۔ یہی حال بہت سے تابعین کا تھا۔ (شفا شریف)۔

(۲) حضرت سائب بن یزید کا بیان ہے۔ کہ میں مسجد نبوی میں لیٹا ہوا تھا۔ ایک شخص نے مجھ پر کنکر ماری۔ میں نے سر اُٹھایا۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالٰے عنہ ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اُن دو شخصوں کو بُلا لاؤ۔ میں بلا لایا۔ آپ نے اُن سے پوچھا کہ تم کون ہو یا کہاں سے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تم اس شہر کے رہنے والے ہوتے۔ تو میں دُرّے لگاتا۔ کیا تم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں اپنی آوازیں بلند کرتے ہو؟ (صحیح بخاری۔ باب رفع الصوت فی المسجد)۔

(۳) حضرت نافع روایت کرتے ہیں۔ کہ عشاء کے وقت حضرت عمر فاروق مسجد نبوی میں تھے۔ ناگاہ ایک شخص کے ہنسنے کی آواز کان میں آئی۔ آپ نے اُسے بُلا کر پوچھا کہ تم کون ہو؟ اُس نے کہا کہ قبیلہ ثقیف سے ہوں۔ پھر دریافت کیا۔ تم اِس شہر کے رہنے والے ہو؟ اُس نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ طائف کے رہنے والا ہوں۔ یہ سُن کر آپ نے اُسے دھمکایا اور فرمایا کہ اگر تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے۔ تو میں تمہیں سزا دیتا۔ اس مسجد میں آوازیں بلند نہیں کی جاتیں (وفاء الوفاء۔ جزء ثانی۔ ص ۳۵۴)۔

(۴) خلیفہ ابو جعفر منصور عباسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں امام مالک سے مناظرہ کیا۔ اور اثنائے مناظرہ میں آواز بلند کی۔ حضرت امام نے فرمایا۔ اے امیر المومنین اس مسجد میں اپنی آواز کو بلند مت کیجئے۔ کیونکہ اللہ تعالٰے نے ایک قوم کو یوں ادب سکھایا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ۔ الآیہ۔ اور ایک قوم جو آداب بجا لائی اُن کی یوں تعریف کی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَھُمْ۔ الآیہ۔ اور ایک قوم کی یوں مذمت کی۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ۔ الآیہ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا احترام وفات شریف کے بعد ویسا ہی ہے۔ جیسا کہ حالت حیات میں تھا۔ یہ سُن کر ابوجعفر دھیما پڑ گیا۔ کہنے لگا۔ اے ابو عبداللہ (امام مالک) کیا میں قبلہ رُو ہو کر دعا مانگوں یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی جانب منہ کروں؟۔ امام مالک نے جواب دیا۔ کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنا منہ کیوں پھیرتے ہو حالانکہ وہ قیامت کے دن تمہارے وسیلہ اور تمہارے باپ آدمؑ کے وسیلہ ہیں۔ بلکہ تم حضور ہی کی طرف منہ کرو اور آپ ہی کے وسیلہ سے دعا مانگو۔ اللہ تعالےٰ قبول کرے گا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالےٰ ہے:۔

وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا۔ (نساء۔ ع ۹)

اور اگر یہ لوگ جس وقت کہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں آپ کے پاس آتے اور خدا سے بخشش مانگتے اور پیغمبر اُن کے لئے بخشش مانگتا۔ تو وہ اللہ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔ (شفا شریف)

(۵) شیخ الاسلام نورالدین علی بن احمد سمہودی (متوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں۔ کہ ہمارے زمانے میں منکرات سے ایک امر جس میں متصدیان صیغہ تعمیر تساہل کرتے ہیں یہ ہے۔ کہ مسجد نبوی میں ارہ کش اور بڑھئی اور سنگتراش کام کرنے کے لئے لائے جاتے ہیں۔ اشیاء کے توڑنے پھوڑنے اور چیرنے وغیرہ سے سخت شور وشغب برپا ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ سب کام مسجد سے باہر تیار ہو سکتا ہے۔ اسی طرح عمارت کا مصالح خچروں اور گدھوں پر مسجد میں لایا جاتا ہے۔ حالانکہ اُسے آدمی مسجد کے دروازے میں سے اندر لا سکتے ہیں۔ ہم پہلے بیان[1] کر آئے ہیں۔ کہ حضرت عائشہ صدیقہ اگر مسجد نبوی کے گرد کسی مکان میں میخ کے ٹھوکنے کی آواز سنتیں تو کہلا بھیجتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت نہ دو۔ اور یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ نے اپنی گھر کے دونوں کواڑ مناصع[2] میں تیار کروائے۔ کہ مبادا تیاری میں لکڑی کی آواز سے رسول اللہ

[1] وفاء الوفا بحوالہ ابن زبالہ۔ جزو اول۔ ص ۳۹۸۔

[2] مناصع مدینہ منورہ سے باہر ایک جگہ کا نام ہے۔ جہاں عورتیں زمانہ جاہلیت میں رات کے وقت بول وبراز کے لئے جایا کرتی تھیں۔ کذا فی معجم البلدان للیاقوت۔

صلے اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچے۔ انتہیٰ۔ (وفاء الوفا۔ جزء اول۔ ص۴۲۹)۔

(۶) امام مالک فرماتے ہیں۔ کہ میں ایوب سختیانی۔ محمد بن منکدر تیمی۔ امام جعفر صادق۔ عبدالرحمن بن قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق۔ عامر بن عبداللہ بن زبیر۔ صفوان بن سلیم اور امام محمد بن مسلم زہری سے ملا کرتا تھا۔ میں نے ان کا یہ حال دیکھا۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا۔ تو ان کا رنگ زرد ہو جاتا۔ وہ شوق زیارت میں رویا کرتے۔ بلکہ بعضے تو بیخود ہو جایا کرتے (شفا شریف)

(۷) امام مالک نے اپنی تمام عمر مدینہ منورہ میں بسر کی۔ بپاس ادب کبھی مدینہ شریف کے حرم کی حد میں بول و براز نہیں کیا۔ (شفا شریف)۔

(۸) امام شافعی کا بیان ہے۔ کہ میں نے امام مالک کے دروازے پر کئی خراسانی گھوڑے اور مصری خچریں دیکھیں۔ کہ جن سے بہتر میں نے نہیں دیکھیں۔ میں نے امام مالک سے کہا کہ یہ کیسے اچھے ہیں!۔ انہوں نے کہا کہ یہ سب میری طرف سے آپ کے لئے ہدیہ ہیں۔ میں نے کہا۔ کہ اپنی سواری کے لئے ان میں سے رکھ لیں۔ انہوں نے کہا۔ کہ مجھے خدا سے شرم آتی ہے۔ کہ اُس زمین کو جس میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اپنے گھوڑے کے سُموں سے پامال کروں۔ (وفاء الوفا۔ جزء ثانی۔ ص۴۵۰)

(۹) ایک شخص نے کہا۔ کہ مدینہ طیبہ کی مٹی خراب ہے۔ امام مالک نے فتوے دیا۔ کہ اُسے تیس درّے مارے جائیں اور قید کیا جائے۔ اور فرمایا۔ کہ ایسا شخص تو اس لائق ہے کہ اُس کی گردن ماری جائے۔ وہ زمین جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے ہیں اُس کی نسبت وہ گمان کرتا ہے کہ خراب ہے۔ (شفا شریف)۔

(۱۰) حضرت احمد بن فضلویہ بڑے غازی اور تیرانداز تھے۔ انہوں نے جب سنا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کمان کو اپنے دست مبارک میں لیا ہے۔ تو اُس روز سے بپاس ادب کبھی کمان کو بے وضو نہیں چھوا۔ (شفا شریف)۔

(۱۱) حضرت عثمان غنی کے ہاتھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عصا تھا۔ حضرت جہجاہ غفاری نے یوم دار سے پہلے ان کے ہاتھ سے چھین لیا۔ اور اپنے گھٹنے پر رکھ کر اُسے توڑنا چاہا (یا توڑ دیا)۔ اِس جرأت پر حاضرین چلا اٹھے۔ ان کے گھٹنے میں مرض اکلہ پیدا ہو گیا۔

انہوں نے بدیں خیال کہ مبادا مرض بدن میں سرایت کر جائے گھٹنے کو کاٹ دیا۔ مگر ایک سال تمام نہ ہونے پایا کہ وفات پائی۔[1]

(۱۲) حضرت ابو الفضل جوہری اندلسی رحمۃ اللہ علیہ نے زیارت کے لئے مدینہ منورہ کا قصد کیا۔ جب اُس کے مکانات کے قریب پہنچے۔ تو سواری سے اُتر پڑے اور یہ اشعار پڑھتے ہوئے پیدل چلے:۔

وَلَمَّا رَأَيْنَا رَسْمَ مَنْ لَمْ يَدَعْ لَنَا
فُؤَادًا لِعِرْفَانِ الرُّسُوْمِ وَلَا لُبًّا
نَزَلْنَا عَنِ الْاَكْوَارِ نَمْشِيْ كَرَامَةً
لِمَنْ بَانَ عَنْهُ اَنْ نُلِمَّ بِهٖ رَكْبًا
(شفا شریف)

جب ہم نے اُس ذات شریف کے آثار دیکھے جس نے آثار شریفہ کی پہچان کے لئے ہمارے واسطے نہ دل چھوڑا نہ عقل خالص ہم پالانوں سے اُتر پڑے اور اُس ذات شریف کی تعظیم کے لئے پیدل چلنے لگے جس کی زیارت سواری کی حالت میں بعید از ادب ہے۔

بعض مشائخ کرام پیدل حج کو گئے۔ ان سے سبب دریافت کیا گیا۔ تو فرمایا کہ غلام مغرور اپنے مولا کے دروازے پر سوار ہو کر نہیں آتا۔ اگر مجھ میں طاقت ہوتی تو میں سر کے بل آتا۔ (شفا شریف)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر میں سے یہ امر بھی ہے کہ آپ کی آل اطہار اور ذریت طیبہ اور ازواج مطہرات کی تعظیم و تکریم اور ان کے حقوق کی رعایت کی جائے۔ اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام کی تعظیم و توقیر کرنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعظیم و تکریم ہے۔ صحابہ کرام کے درمیان جو اختلافات و مشاجرات وقوع میں آئے۔ اُن کی تاویل نیک کرنی چاہئے۔ وہ مجتہد تھے۔ جو کچھ انہوں نے کیا۔ از روئے اجتہاد و خلوص کیا۔ وہ کسی طرح مورد طعن نہیں ہیں۔ رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین۔ تفصیل کی اس مختصر میں گنجایش نہیں۔

ع ترسم آں قوم کہ بر دُرد کشاں مے خندند در سرِ کارِ خرابات کنند ایماں را

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ شفا شریف میں فرماتے ہیں۔ کہ وہ تمام چیزیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہے اُن کی تعظیم و تکریم کرنا۔ اور حرمین شریفین میں آپ کے مشاہد و مساکن کی تعظیم کرنا۔ اور آپ کے منازل اور وہ چیزیں جن کو آپ کے دست مبارک یا کسی اور عضو نے چھوا

[1] تاریخ صغیر للبخاری مطبوعہ انوار احمدی الہ آباد۔ صہ ۴۲

یا آپ کے نام سے پکاری جاتی ہوں ان سب کا اکرام کرنا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی تعظیم و تکریم میں داخل ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث شریف کا ادب

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعظیم میں سے ایک امر یہ ہے۔ کہ آپ کی حدیث شریف کی تعظیم کی جائے۔ حدیث شریف کے پڑھنے یا سننے کے لئے غسل کرنا اور خوشبو لگانا مستحب ہے۔

جب حدیث شریف پڑھی جائے۔ تو اپنی آواز کو بلند نہ کرنا چاہئے بلکہ دھیمی کر دینی چاہئے جیسا کہ حیات شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تکلم کے وقت ہوا کرتا تھا۔ اور مستحب ہے کہ حدیث شریف اونچی جگہ پڑھی جائے۔ حدیث پڑھتے پڑھاتے وقت کسی کی تعظیم کے لئے اٹھنا مکروہ ہے۔

جب لوگ امام مالک کے پاس طلب علم کے لئے آتے۔ تو خادمہ دولتخانہ سے نکل کر اُن سے دریافت کیا کرتی۔ کہ حدیث شریف کے لئے آئے ہو یا مسائل فقہیہ کے لئے۔ اگر وہ کہتے کہ مسائل کے لئے آئے ہیں۔ تو امام موصوف فوراً نکل آتے۔ اور اگر وہ کہتے کہ ہم حدیث کے لئے آئے ہیں۔ تو حضرت امام غسل کر کے خوشبو لگاتے۔ پھر تبدیل لباس کر کے نکلتے۔ آپ کے لئے ایک تخت بچھایا جاتا۔ جس پر بیٹھ کر آپ روایت حدیث کرتے۔ اثنائے روایت میں مجلس میں عُود جلایا جاتا۔ یہ تخت صرف روایت حدیث کے لئے رکھا ہوا تھا۔ جب امام موصوف سے اس کا سبب پوچھا گیا۔ تو فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی تعظیم کروں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک بیان کرتے ہیں۔ کہ میں امام مالک کے ساتھ عقیق کی طرف جا رہا تھا۔ راستے میں میں نے ان سے ایک حدیث کی بابت پوچھا۔ انہوں نے مجھے جھڑک دیا اور فرمایا۔ کہ مجھے تم سے توقع نہ تھی کہ راستہ چلتے ہوئے مجھ سے حدیث شریف کی بابت سوال کرو گے۔

قاضی جریر بن عبدالحمید نے امام مالک سے حالت قیام میں ایک حدیث کی بابت پوچھا۔ امام موصوف نے ان کے لئے قید کا حکم دیا۔ جب حضرت امام سے اس کا سبب دریافت کیا گیا۔ تو فرمایا کہ قاضی تادیب کا زیادہ سزاوار ہے۔

ہشام بن عمار نے امام مالک سے جو کھڑے تھے ایک حدیث پوچھی۔ آپ نے اُس کے بیس

کوڑے مارے۔ پھر ترس کھا کر بیس حدیثیں روایت کیں۔ یہ دیکھ کر ہشام نے کہا۔ کاش وہ اور کوڑے مارتے اور زیادہ حدیثیں روایت کرتے۔

حضرت ابن سیرین تابعی بعض وقت ہنس پڑتے۔ مگر جب ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا ذکر آتا۔ تو ان پر خشوع طاری ہو جاتا۔ حضرت قتادہ کی نسبت مروی ہے کہ جب وہ حدیث سنتے۔ تو ان کو گریہ و اضطراب لاحق ہو جاتا۔

حافظ عبدالرحمٰن بن مہدی (متوفی ۱۹۸ھ) جب حدیث پڑھتے۔ تو حاضرین مجلس کو چپ رہنے کا حکم دیتے۔ اور فرماتے کہ بفحوائے لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ حدیث شریف کی قراءت کے وقت سکوت واجب ہے جیسا کہ حیات شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قول مبارک کے سننے کے وقت واجب تھا۔

امام مالک کا قول ہے۔ کہ ایک شخص حضرت ابن مسیّب کے پاس آیا۔ آپ اُس وقت لیٹے ہوئے تھے۔ اُس نے آپ سے ایک حدیث دریافت کی۔ آپ اُٹھ بیٹھے اور حدیث بیان کی۔ اُس نے کہا کہ میں چاہتا تھا کہ آپ اُٹھنے کی تکلیف نہ فرماتے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ میں پسند نہیں کرتا کہ لیٹے ہوئے حدیث شریف بیان کروں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک روایت کرتے ہیں۔ کہ میں امام مالک کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ ہم سے حدیثیں بیان کر رہے تھے۔ اثنائے قراءت میں آپ کو ایک بچھو نے سولہ مرتبہ ڈنک مارا۔ آپ کا رنگ زرد ہو رہا تھا۔ مگر آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو قطع نہ کیا۔ جب آپ روایت حدیث سے فارغ ہوئے اور سامعین چلے گئے۔ تو میں نے عرض کیا۔ کہ میں نے آج آپ سے ایک عجیب بات دیکھی ہے۔ فرمایا۔ ہاں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی تعظیم و احترام کے لئے صبر کیا۔ (ماخوذ از مواہب و شفا شریف)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار شریفہ کی تعظیم

(۱) حضرت ابن سیرین تابعی نے حضرت عبیدہ سے کہا۔ کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ بال مبارک ہیں۔ جو ہمیں حضرت انس یا اہل انس سے ملے ہیں۔ یہ سُن کر حضرت عبیدہ نے کہا۔ کہ میرے پاس ان بالوں میں سے ایک بال کا ہونا میرے نزدیک دنیا و مافیہا سے

محبوب تر ہے۔ حضرت انس فرماتے ہیں۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر مبارک کے بال منڈواتے۔ تو حضرت ابوطلحہ سب سے پہلے آپ کے موے مبارک لیتے۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الوضوء۔ باب الماء الذی یغسل بہ شعر الانسان)۔

(۲) حضرت انس بن مالک کا بیان ہے۔ کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ حجام آپ کے سر مبارک کو مونڈ رہا تھا۔ صحابہ کرام آپ کے گرد حلقہ باندھے ہوئے تھے۔ وہ یہی چاہتے تھے۔ کہ حضور کا جو بال مبارک گرے۔ وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ میں ہو (صحیح مسلم۔ باب قربہ صلی اللہ علیہ وسلم من الناس وتبرکھم بہ)۔

(۳) حضرت انس بن مالک روایت کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (مزدلفہ سے) منیٰ میں آئے۔ اور جمرہ عقبہ میں کنکریاں پھینک کر اپنے مکان پر تشریف لائے۔ پھر آپ نے حجام کو بلایا۔ اور سر مبارک کے دہنی طرف کے بال منڈوائے۔ اور ابو طلحہ انصاری کو بلا کر عطا فرمائے۔ بعد ازاں حضور نے بائیں طرف کے بال منڈوا کر ابو طلحہ انصاری کو عنایت کئے اور ان سے فرمایا کہ یہ تمام بال لوگوں میں تقسیم کر دو۔ (مشکوٰۃ بحوالہ صحیحین۔ کتاب المناسک۔ باب الحلق)۔ ؎

مرا از زلف تو موے بسند است فضولی میکنم بوے بسند است

(۴) حضرت ام المومنین ام سلمہ رضؓ کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ سرخ رنگ بال تھے۔ جو ایک ڈبیہ بشکل جلجل میں رکھے ہوئے تھے۔ لوگ اُن بالوں سے نظر بد اور دیگر بیماریوں کا علاج کیا کرتے تھے۔ کبھی تو ان کو پانی کے پیالہ میں رکھتے۔ پھر پانی کو پی لیتے۔ اور کبھی جلجل کو پانی کے مٹکے میں رکھ دیتے۔ پھر اُس پانی میں بیٹھ جاتے۔ یہ ماحصل حدیث بخاری ہے۔ (صحیح بخاری۔ کتاب اللباس۔ باب مایذکر فی الشیب)۔

(۵) امام بخاری نے تاریخ میں بروایت ابوسلمہ نقل کیا ہے۔ کہ محمد بن عبداللہ بن زید نے مجھ سے بیان کیا کہ میرا باپ (عبداللہ بن زید رائی الاذان) منحر میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ حضور نے ضحایا تقسیم فرمائے۔ اور اُس کو اپنے بالوں میں سے دیا (اصابہ)۔

طبقاتؔ ابن سعد میں اس روایت میں اتنا اور ہے کہ محمد مذکور فرماتے ہیں کہ وہ بال مہندی

ؔ طبقات ابن سعد۔ جزء ثالث۔ قسم ثانی۔ صفحہ ۸۷

اور وسمہ سے رنگا ہوا ہمارے پاس موجود ہے۔

(۶) حضرت ابو محذورہ (موذنِ اہل مکہ) کے سر کے سامنے کے حصہ میں بالوں کا ایک جوڑا تھا۔ جب وہ زمین پر بیٹھتے اور اُس کو کھول دیتے۔ تو بال زمین سے لگ جاتے۔ کسی نے اُن سے کہا۔ کہ اِن بالوں کو منڈوا کیوں نہیں دیتے۔ انہوں نے جواب دیا۔ کہ میں ان کو منڈوا نہیں سکتا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک ان کو لگا ہوا ہے۔ (شفا شریف)۔

(۷) حضرت خالد بن ولید قرشی مخزومی کی ٹوپی جنگ یرموک میں گم ہوگئی۔ انہوں نے کہا کہ تلاش کرو۔ تلاش کرتے کرتے آخر کار مل گئی۔ لوگوں نے ان سے سبب پوچھا۔ تو فرمایا کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ بجالائے جب آپ نے سر مبارک منڈوایا۔ تو لوگ آپ کے موئے مبارک لینے کے لئے دوڑے۔ میں نے آپ کی پیشانی مبارک کے بال لے کر اس ٹوپی میں رکھ لئے۔ جس لڑائی میں یہ ٹوپی میرے پاس رہی۔ مجھے فتح نصیب ہوتی رہی ہے۔ (اصابہ۔ ترجمہ خالد بن ولید)۔

شفا شریف میں اِس طرح ہے کہ حضرت خالد بن ولید کی ٹوپی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ بال تھے۔ وہ ٹوپی کسی غزوہ میں گر گئی۔ حضرت خالد نے اُس کے لئے مڑ کر سخت حملہ کیا۔ جس میں بہت سے مسلمان کام آئے۔ صحابہ کرام نے ان پر اعتراض کیا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے یہ حملہ ٹوپی کے لئے نہیں کیا۔ بلکہ موئے مبارک کے لئے تھا جو اُس ٹوپی میں تھے۔ کہ مبادا ان کی برکت میرے پاس نہ رہے اور وہ کافروں کے ہاتھ لگ جائے۔

(۸) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ام سُلیم (والدۂ انسؓ) کے ہاں چمڑے کے فرش پر قیلولہ فرمایا کرتے تھے جب آپ اُٹھتے۔ تو وہ آپ کے پسینہ مبارک کو ایک شیشی میں جمع کر لیتیں۔ اور شانہ کرتے وقت جو بال گرتے اُن کو اور پسینہ مبارک کو سُکؔ[۱] میں ملا دیتیں۔ حضرت ثمامہ کا قول ہے کہ جب حضرت انس بن مالک کی وفات کا وقت آیا۔ تو مجھے وصیت کی۔ کہ اُس سُک میں سے کچھ میری حنوطؔ[۲] میں ڈال دیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الاستیذان۔ باب من زار قوماً فقال عندہم)۔

---

[۱] ایک قسم کی خوشبو ہے جو مرکب ہوتی ہے۔
[۲] کافور و صندل وغیرہ جو مُردے کے کفن و جسم پر مل دیا جاتا ہے۔

(۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ام سُلیم کے گھر میں آکر اُس کے بستر پر قیلولہ فرمایا کرتے اور وہ گھر میں نہ ہوا کرتیں۔ ایک روز حسب معمول حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اُن کے بستر پر سوئے ہوئے تھے۔ جب اُن کو خبر لگی۔ تو آکر دیکھا کہ حضور کا پسینہ بستر پر ایک چمڑے کے ٹکڑے پر پڑا ہوا ہے۔ انہوں نے اپنے ڈبّے میں سے ایک شیشی نکالی۔ اور پسینہ مبارک کو اُس میں نچوڑنے لگیں۔ حضور کی آنکھ کھلی۔ تو پوچھا کہ ام سلیم! تم کیا کر رہی ہو؟ ام سلیم نے عرض کیا کہ ہم اپنے بچوں کے لئے آپ کے پسینے کی برکت کے امیدوار ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے سچ کہا۔ (صحیح مسلم۔ باب طیب عرقہ صلے اللہ علیہ وسلم والتبرک بہ)۔

اِس روایت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ مبارک کو بچوں کے چہرے اور بدن پر مل دیا کرتے تھے۔ اور وہ تمام بلاؤں سے محفوظ رہا کرتے تھے۔

(۱۰) حضرت ثابت بنانی کا بیان ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت انس بن مالک نے مجھ سے کہا۔ کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں سے ایک بال ہے۔ جب مر جاؤں۔ تو اُسے میری زبان کے نیچے رکھ دینا۔ چنانچہ میں نے حسب وصیت ان کی زبان کے نیچے رکھ دیا۔ اور وہ اُسی حالت میں دفن کئے گئے۔ (اصابہ۔ ترجمہ انس بن مالک)۔

(۱۱) جب حضرت عمر بن عبد العزیز کی وفات کا وقت آیا۔ تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ بال اور ناخن منگوائے اور وصیت کی۔ کہ یہ میرے کفن میں رکھ دئے جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (طبقات ابن سعد۔ جزو خامس۔ صٓ۳۰)۔

(۱۲) حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں۔ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز سے فارغ ہوتے۔ تو مدینہ کے خدام اپنے برتن (جن میں پانی ہوتا) لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوتے۔ آپ ہر ایک برتن میں اپنا دست مبارک ڈبو دیتے۔ بعض وقت سردی ہوتی۔ تو بھی اسی طرح کرتے۔ (صحیح مسلم۔ باب قربہ صلے اللہ علیہ وسلم من الناس وتبرکہم بہ وتواضعہ لہم)۔

(۱۳) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وضوء فرماتے۔ تو وضوء کے پانی کے لئے حاضرین میں لڑائی تک کی نوبت پہنچنے لگتی۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الوضوء باب استعمال فضل وضوء الناس)۔

(۱۴) حضرت ابو جحیفہ (وہب بن عبد اللہ سوائیؓ) کا بیان ہے۔ کہ میں رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ چرمی سرخ قبہ میں تھے۔ میں نے حضرت بلال کو دیکھا کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضوء کا پانی لیا اور لوگ اُس پانی کو لینے کے لئے دوڑ رہے تھے۔ جس کو اُس میں سے کچھ ملتا۔ وہ اسے اپنے ہاتھوں پر ملتا۔ اور جس کو کچھ نہ ملتا۔ وہ دوسرے کے ہاتھ کی تری لے کر مل لیتا۔ (صحیح بخاری۔ کتاب اللباس۔ باب القبۃ الحمراء من ادم)۔

(۱۵) حضرت طلق بن علی یمامی کا بیان ہے کہ ہم اپنے وطن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نکلے۔ حاضر خدمت ہو کر ہم نے آپ سے بیعت کی۔ اور آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ اور عرض کیا کہ ہمارے وطن میں ہمارا ایک گرجا ہے۔ پھر ہم نے آپ سے درخواست کی کہ آپ اپنے وضوء کا بچا ہوا پانی عنایت فرمائیں۔ آپ نے پانی طلب فرمایا۔ اور وضو کر کے بقیہ آب کی ایک کلی ہمارے واسطے چھاگل میں ڈال دی۔ اور روانگی کی اجازت دے کر فرمایا۔ کہ جب تم اپنے وطن میں پہنچ جاؤ۔ تو اپنے گرجا کو توڑ ڈالو۔ اور اُس کی جگہ پر اس پانی کو چھڑک دو۔ اور گرجا کی جگہ پر مسجد بنا لو۔ ہم نے عرض کیا کہ ہمارا شہر مدینہ منورہ سے دور ہے۔ گرمی سخت ہے۔ یہ پانی خشک ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اس میں اور پانی ڈال لینا۔ برکت زیادہ ہو جائے گی۔ (مشکوٰۃ شریف بحوالہ نسائی۔ باب المساجد و مواضع الصلوٰۃ)۔

(۱۶) ایک روز حضرت خداش بن ابی خداش مکی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک پیالہ میں کھانا کھاتے دیکھا۔ اُس نے آپ سے وہ پیالہ بطور تبرک لے لیا۔ حضرت عمر فاروق جب حضرت خداش کے ہاں تشریف لے جاتے۔ تو اُن سے وہی پیالہ طلب فرماتے۔ اُسے آب زمزم سے بھر کر پیتے اور اپنے چہرے پر چھینٹے مارتے۔ (اصابہ۔ ترجمہ خداش)۔

(۱۷) حضرت اسماء بنت عمیس بیان کرتی ہیں۔ کہ ہم نے بعض ازواج مطہرات کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاں بطور عروس بھیجا۔ جب ہم خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں۔ تو آپ نے ایک بڑا پیالہ دودھ کا نکالا۔ اور اُس میں سے پی کر اپنی بیوی کو دیا۔ وہ بولیں کہ مجھے اشتہا نہیں۔ حضور نے فرمایا کہ تو بھوک اور جھوٹ کو جمع نہ کر۔ پھر مجھے عنایت فرمایا۔ میں اُس پیالہ کو اپنے ہونٹوں پر پھرانے لگی حالانکہ میں پیتی نہ تھی۔ محض بدیں غرض پھراتی تھی۔ کہ میرے ہونٹ اُس جگہ سے لگ جائیں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونٹ مبارک لگے تھے۔ بعد ازاں

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیوی کو چھوڑ آئے۔ (معجم صغیر طبرانی۔ اسم عبد الحمید)۔

(۱۸) حضرت عاصم احول روایت کرتے ہیں۔ کہ میں نے حضرت انس کے پاس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا پیالہ دیکھا۔ جو عریض و عمدہ اور چوب نضار (درخت گز یا شمشاد) کا بنا ہوا تھا۔ وہ ٹوٹ گیا تھا۔ حضرت انس نے اُسے چاندی کے تار سے جوڑا ہوا تھا۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ میں نے اس پیالہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بارہا پانی پلایا ہے۔ بقول ابن سیرین اُس میں لوہے کا ایک حلقہ تھا۔ حضرت انس نے چاہا کہ بجائے لوہے کے سونے یا چاندی کا حلقہ بنائے مگر ابو طلحہ نے کہا کہ جس چیز کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بنایا ہو۔ اُسے تبدیل نہ کرنا چاہئے۔ یہ سُن کر ویسا ہی رہنے دیا۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الاشربہ۔ باب الشرب من قدح النبی صلی اللہ علیہ وسلم وآنیتہ)۔

یہ پیالہ حضرت نضر بن انس کی میراث سے آٹھ لاکھ درہم کو خریدا گیا۔ اور امام بخاری سے روایت ہے کہ میں نے اِس پیالہ کو بصرہ میں دیکھا اور اس میں پانی پیا ہے۔ (شرح شمائل للبیجوری بحوالہ شرح مناوی)۔

(۱۹) ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب سقیفہ بنی ساعدہ میں رونق افروز تھے۔ حضور نے حضرت سہل بن سعد سے فرمایا کہ ہمیں پانی پلاؤ۔ چنانچہ حضرت سہل نے ایک پیالہ میں حضور کو اور آپ کے اصحاب کو پانی پلایا۔ حضرت ابو حازم کا بیان ہے کہ حضرت سہل نے وہی پیالہ ہمارے واسطے نکالا اور ہم نے اُسی میں پانی پیا۔ اِس پیالہ کو خلیفہ عمر بن عبد العزیز نے حضرت سہل سے مانگ کر لے لیا۔ (صحیح مسلم۔ باب اباحۃ النبیذ الذی لم یشتد و لم یصر مسکراً)۔

(۲۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن انیس کو عرنہ میں خالد بن (سفیان بن) نبیح ہذلی کے قتل کرنے کے لئے بھیجا۔ حضرت عبد اللہ نے اُسے قتل کر دیا۔ اور اس کا سر لے کر ایک غار میں داخل ہوئے۔ اُس غار پر مکڑی نے جالا تن دیا۔ دشمن جو تعاقب میں آئے۔ انہوں نے وہاں کچھ نہ پایا اور نا امید واپس ہو گئے۔ حضرت عبد اللہ غار سے نکل کر اٹھارہ دن کے بعد خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور خالد کے سر کو سامنے رکھ کر قصہ بیان کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک میں عصا تھا۔ آپ نے حضرت عبد اللہ کو عطا فرمایا اور یوں ارشاد فرمایا۔

تخصر بعضاہ فی الجنۃ	بہشت میں اس پر ٹیک لگانا۔

وہ عصا حضرت عبداللہ کے پاس رہا۔ جب اُن کی وفات کا وقت آیا۔ تو وصیت کی کہ اِس عصا کو میرے کفن میں رکھ کر میرے ساتھ دفن کر دینا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔[۵۱]

(۲۱) امام ابن مامون کا بیان ہے کہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالوں میں سے ایک پیالہ تھا۔ ہم اُس میں بغرض شفا بیماروں کو پانی پلایا کرتے تھے۔ (شفا شریف)۔

(۲۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اونی جُبّہ کسروانی تھا۔ جس کی جیب اور دونوں چاکوں پر دیبا کی سنجاف تھی۔ یہ جبہ پہلے حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس تھا۔ ان کے بعد حضرت اسماء بنت ابی بکر نے لے لیا۔ وہ فرماتی ہیں۔ کہ اِس جبہ کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پہنا کرتے تھے۔ ہم اِسے دھو کر بغرض شفاء بیماروں کو پلاتے ہیں۔[۵۲]

(۲۳) حضرت محمد بن جابر کے دادا سیار بن طلق یمامی وفد بنی حنیفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایمان لائے۔ انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے اپنی قمیص کا ایک ٹکڑا عنایت فرمائیے۔ میں اس کے ساتھ اپنا دل بہلایا کروں گا۔ حضور نے اُن کی درخواست منظور فرما کر اپنی قمیص کا ایک ٹکڑا عنایت فرمایا۔ محمد بن جابر کا بیان ہے کہ میرے باپ نے مجھ سے بیان کیا۔ کہ وہ ٹکڑا ہمارے پاس تھا۔ ہم اُسے دھو کر بغرض شفاء بیماروں کو پلایا کرتے تھے۔ (اصابہ۔ ترجمہ سیار بن طلق)۔

(۲۴) جب حضرت ولید بن ولید بن مغیرہ قرشی مخزومی مکہ میں قید سے بھاگ کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تو عرض کیا۔ کہ میں مرا جاتا ہوں۔ آپ مجھے اپنے کسی زائد کپڑے میں جو آپ کے جسد اطہر پر رہا ہو کفنانا۔ چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو اپنی قمیص میں کفنایا۔ (اصابہ۔ ترجمہ ولید بن ولید بن مغیرہ)۔

(۲۵) حضرت عبداللہ بن خازم کے پاس ایک سیاہ عمامہ تھا۔ جسے وہ جمعہ اور عیدین میں پہنا کرتے تھے۔ لڑائی میں جب فتح پاتے۔ تو بطور تبرک اُس عمامہ کو پہنتے اور فرماتے کہ یہ عمامہ مجھ

---

[۵۱] حیاۃ الحیوان للدمیری۔ تحت عنکبوت۔ زرقانی علی المواہب۔ باب ہجرۃ المصطفٰے واصحابہ الی المدینۃ۔
[۵۲] صحیح مسلم۔ باب تحریم اناء الذہب والفضۃ علی النساء والرجال۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پہنایا تھا۔ (اصابہ)۔

(۲۶) ایوب بن نجار بروایت ابو عبداللہ نقل کرتے ہیں۔ کہ اُس کے دادا کے پاس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا لحاف تھا۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنائے گئے۔ تو انہوں نے دادا موصوف کو کہلا بھیجا۔ چنانچہ وہ اس لحاف کو چمڑے میں لپیٹ کر لائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز اس سے اپنے چہرے کو ملنے لگے۔ (تاریخ صغیر للبخاری ۔ ص۱۱۱)

(۲۷) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بعض وقت حضرت شفاء بنت عبداللہ قرشیہ عدویہ کے ہاں تشریف لے جاتے۔ اور ان کے گھر میں قیلولہ فرماتے۔ حضرت شفاء نے حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک بچھونا اور ایک چادر بنوائی ہوئی تھی۔ جس میں آپ سو جایا کرتے۔ وہ بچھونا اور چادر حضرت شفاء کی خاندان میں رہی یہاں تک کہ مروان بن الحکم نے لے لی۔ (استیعاب و اصابہ)۔

(۲۸) جب حضرت کعب بن زہیر نے ایمان لاکر اپنا قصیدہ بانت سعاد پڑھا۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی چادر اُڑھائی۔ حافظ ابن حجر نے اصابہ میں بروایت سعید بن مسیب نقل کیا ہے۔ کہ یہ وہی چادر ہے۔ جسے خلفاء عیدین میں پہنتے ہیں۔ انتہیٰ۔

ابو بکر بن انباری (متوفی ۱۰ ذی الحجہ ۳۲۸ھ) کی روایت میں ہے۔ کہ جب حضرت کعب اِس شعر پر پہنچے:۔

اِنَّ الرَّسول لنورٌ یستضاء بہ مھند من سیوف اللہ مسلول

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف اپنی چادر مبارک پھینک دی۔ حضرت معاویہ نے اِس چادر کے لئے دس ہزار درہم خرچ کئے۔ مگر حضرت کعب نے کہا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر کے لئے میں کسی کو اپنی ذات پر ترجیح نہیں دیتا۔ حضرت کعب کی وفات کے بعد حضرت معاویہ نے ان کے ورثہ سے وہ چادر بیس ہزار درہم کو لے لی۔ ابن انباری کا قول ہے کہ وہی چادر آج تک سلاطین کے پاس ہے۔ (شرح قصیدہ بانت سعاد لابن ہشام المتوفی ۷۶۱ھ)۔

(۲۹) حضرت سہل بن سعد روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک عورت ایک چادر لے کر رسول اللہ

صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی۔ اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! یہ چادر میں نے اپنے ہاتھ سے بنی ہے۔ میں آپ کے پہننے کے لئے لائی ہوں۔ آپ کو ضرورت تھی۔ اِس لئے آپ نے قبول فرمائی پھر آپ اُسے بطور تہ بند باندھ کر ہماری طرف نکلے۔ صحابہ میں سے ایک نے دیکھ کر عرض کیا۔ کہ کیا اچھی چادر ہے۔ یہ مجھے پہنا دیجئے۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ کچھ دیر کے بعد آپ مجلس سے اُٹھ گئے۔ پھر واپس آئے۔ اور وہ چادر لپیٹ کر اُس سائل صحابی کے پاس بھیج دی۔ صحابہ کرام نے اس سے کہا۔ کہ تو نے اچھا نہ کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چادر کا سوال کیا حالانکہ تجھے معلوم ہے کہ آپ کسی کا سوال رد نہیں فرماتے۔ اُس صحابی نے کہا۔ اللہ کی قسم! میں نے صرف اِس واسطے سوال کیا کہ میرے مرنے پر یہ چادر میرا کفن بنے۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ چادر اُس کا کفن ہی بنی۔ (صحیح بخاری۔ کتاب اللباس۔ باب البرود والحبرۃ والشملۃ)۔

(۳۰) حضرت ابو بردہ بیان کرتے ہیں۔ کہ حضرت عائشہ صدیقہ نے ہمیں ایک کملی جو پیوندوں کی کثرت سے نمدہ کی مثل تھی اور ایک موٹا تہ بند نکال کر دکھایا اور فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں وصال فرمایا۔ (صحیح بخاری۔ کتاب اللباس۔ باب الاکسیۃ والخمائص)۔

(۳۱) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خاتم شریف جس میں تین سطریں یوں تھیں (اللہ / رسول / محمد) حضرت ابو بکر صدیق کے پاس تھی پھر حضرت عمر فاروق کے پاس رہی۔ بعد ازاں حضرت عثمان غنی کو ملی۔ جب ان کی خلافت کو چھ برس ہو گئے۔ تو ایک روز وہ چاہ اریس پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ہاتھ میں سے کوئیں میں گر پڑی۔ تین دن تلاش کرتے رہے۔ کوئیں کا تمام پانی نکالا گیا۔ مگر نہ ملی جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی خاتم گم ہوگئی تھی۔ تو ان کی بادشاہت جاتی رہی تھی۔ یہی راز حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتم شریف کے گم ہونے میں تھا۔ چنانچہ اس کے بعد اُس فتنہ کا آغاز ہوا جس کا انجام حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت پر ہوا۔ (وفاء الوفا۔ جزء ثانی۔ ص۱۳۱)۔

(۳۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار ذو الفقار حضرت امام زین العابدین کے پاس تھی۔ جب وہ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کے بعد یزید کے ہاں سے مدینہ منورہ میں تشریف لائے۔ تو حضرت مسور بن مخرمہ نے حضرت امام سے وہی تلوار مانگی تھی اور عرض کیا تھا کہ "آپ سے لے لیں گے۔ جب تک میرے جسم میں جان ہے کوئی مجھ سے نہ لے سکے گا۔" (صحیح بخاری۔

کتاب الجہاد۔ باب ما ذکر من درع النبی صلے اللہ علیہ وسلم وعصاہ وسیفہ الخ)۔

امام اصمعی (متوفی ۲۱۳ھ) ذکر کرتے ہیں کہ ایک روز میں خلیفہ ہاروں رشید کے ہاں گیا۔ انہوں نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار ذوالفقار دکھائی۔ جس سے بہتر میں نے کوئی تلوار نہیں دیکھی۔ (زرقانی۔ جزء ثالث۔ صفحہ ۳۷۸)۔

(۳۳) حضرت عیسیٰ بن طہمان کا بیان ہے۔ کہ حضرت انس بن مالک نے ہمیں دو پرانے نعلین نکال کر دکھائے۔ جن میں سے ہر ایک میں بندش کے دو دو تسمے تھے۔ اس کے بعد حضرت ثابت بنانی نے بروایت انس مجھ سے بیان کیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریفین ہیں۔ (صحیح بخاری۔ باب ما ذکر من درع النبی صلے اللہ علیہ وسلم الخ)۔

(۳۴) جنگ بدر میں حضرت زبیر نے جو برچھی عبیدہ بن سعید بن عاص کی آنکھ میں ماری تھی۔ وہ یادگار رہی بدیں طور کہ حضرت زبیر سے حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے مستعار لی۔ پھر آپ کے چاروں خلیفوں کے پاس بطور تبرک منتقل ہوتی رہی۔ بعد ازاں حضرت عبداللہ بن زبیر کے پاس رہی یہانتک کہ حجاج نے ان کو ۷۳ھ میں شہید کر دیا۔ (صحیح بخاری۔ باب شہود الملائکۃ ببدر)۔

(۳۵) جنگ اُحد میں حضرت عبداللہ بن جحش کی تلوار ٹوٹ گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک کھجور کی شاخ عطا فرمائی۔ وہ ان کے ہاتھ میں تلوار بن گئی۔ اس تلوار کو عرجون کہتے تھے۔ یہ بطور تبرک ان کے خاندان میں رہی یہانتک کہ بغا ترکی کے ہاتھ جو معتصم باللہ ابراہیم بن ہارون رشید کے امیروں میں سے تھا بغداد میں دو سو دینار کو فروخت ہوئی۔ (زرقانی علی المواہب۔ جزء ثانی۔ صفحہ ۴۳)۔

(۳۶) حضرت عِتبان بن مالک انصاری خزرجی کا بیان ہے کہ میری بصارت جاتی رہی۔ میں نے ایک شخص کو بھیج کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ قدم رنجہ فرمائیں اور میرے مکان میں نماز پڑھیں۔ تاکہ میں آپ کی جائے نماز کو مسجد مقرر کر لوں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع اصحاب تشریف لائے اور آپ نے میرے مکان میں نماز پڑھی۔ (صحیح مسلم۔ کتاب الایمان)۔

(۳۷) ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو مریم جہنی کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ اور وہیں میدان میں نماز پڑھ کر واپس ہو گئے۔ قبیلہ جہینہ کے چند اشخاص نے ابو مریم سے کہا۔ کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کریں کہ حضور بذات شریف ہمارے واسطے ایک مسجد کی حد بندی کر دیں۔ چنانچہ ابو مریم راستے ہی میں حضور سے جا ملے۔ اور عرض کیا کہ آپ میری قوم کے لئے ایک مسجد کی حدبندی کر دیں۔ چنانچہ حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے واپس ہو کر بنو جہینہ میں ایک مسجد کی حدبندی کر دی۔ (اصابہ۔ ترجمہ ابو مریم جہنی)۔

(۳۸) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے منبر شریف کے تین درجے تھے۔ حضور سب سے اوپر کے درجہ پر بیٹھتے اور درمیانی درجہ پر اپنے پاؤں مبارک رکھتے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر صدیق اپنے عہد خلافت میں بپاس ادب درمیانی درجہ پر کھڑے ہوتے۔ اور جب بیٹھتے۔ تو پاؤں سب سے نیچے کے درجہ پر رکھتے۔ حضرت عمر فاروق اپنی خلافت میں سب سے نیچے کے درجہ پر کھڑے ہوتے۔ اور جب بیٹھتے۔ تو پاؤں زمین پر رکھتے۔ حضرت عثمان غنی اپنی خلافت کے پہلے چھ سال حضرت عمر فاروق کی طرح کرتے رہے۔ پھر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جلوس کی جگہ پر چڑھے۔ (وفاء الوفاء جزء اول۔ صفحہ ۲۸۰)۔

کشف الغمہ للشعرانی (جزء اول۔ صفحہ ۱۲۱) میں ہے کہ جب حضرت عثمان غنی کا عہد آیا۔ تو انہوں نے منبر شریف کے درجات زیادہ کر دئے۔ وہ اوپر کے تینوں درجوں کو چھوڑ کر زیادت کے پہلے درجہ پر کھڑے ہوا کرتے تھے۔

(۳۹) حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالے عنہما کو دیکھا گیا کہ منبر منیف میں جو جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی تھی اُسے ہاتھ سے مس کیا۔ پھر اُس ہاتھ کو اپنے منہ پر پھیر لیا۔ (شفا شریف وطبقات ابن سعد)۔

(۴۰) یحییٰ بن سعید جو امام مالک کے استاد تھے جب عراق کو جاتے۔ تو منبر شریف کے پاس آکر اُسے مسح کرتے اور دعا مانگتے۔ (وفاء الوفا۔ جزء ثانی۔ صفحہ ۴۴۲)۔

(۴۱) مسجد نبوی میں پہلی آتش زدگی یکم رمضان ۶۵۴ھ میں ہوئی۔ اُس میں منبر نبوی کا بقایا بھی جل گیا۔ چنانچہ ابو الیمن بن عساکر جو آتش زدگی کے وقت زندہ تھے تحفۃ الزائر میں

یوں لکھتے ہیں:۔

"منبر نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا بقایا قدیمہ جل گیا۔ اس منبر کے رمانہ کو جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھنے کے وقت اپنا دست مقدس رکھا کرتے تھے۔ زائرین مس کیا کرتے تھے۔ اور دو خطبوں کے درمیان اور پیشتر حضور انور منبر کی جس جگہ پر بیٹھا کرتے تھے اس جگہ کو اور منبر پر رونق افروز ہونے کے وقت جس جگہ پر حضور کے ہر دو قدم مبارک ہوا کرتے تھے اس جگہ کو بھی زائرین مس کیا کرتے تھے۔ اب آتش زدگی سے وہ اس برکت عامہ و نفع عائد سے محروم ہو گئے" (وفاء الوفا۔ جزء اول۔ ص۴۳۵)۔

(۴۲) حضرت اسعد بن زرارہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک چارپائی بطور ہدیہ پیش کی تھی۔ جس کے پائے ساگون کی لکڑی کے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس پر سویا کرتے تھے۔ جب وفات شریف ہوئی۔ تو حضور کو اسی پر رکھا گیا۔ حضور کے بعد حضرت صدیق اکبر کو بھی وفات پانے پر اسی پر رکھا گیا۔ بعد ازاں عمر فاروق کو بھی اسی پر رکھا گیا۔ پھر لوگ بطور تبرک اپنے مُردوں کو اسی پر رکھا کرتے تھے۔ یہ چارپائی بنو امیہ کے عہد میں میراث عائشہ صدیقہ میں فروخت ہوئی۔ عبداللہ بن اسحاق نے اس کے تختوں کو چار ہزار درہم میں خرید لیا۔ (زرقانی علی المواہب بحوالہ ابن عماد۔ جزء ثالث۔ ص۳۸۳)۔

(۴۳) روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متروکات میں سے بعض چیزیں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس تھیں۔ وہ ایک کمرے میں محفوظ تھیں۔ ابن عبدالعزیز ہر روز ایک بار ان کی زیارت کیا کرتے تھے۔ اشراف میں سے اگر کوئی ان سے ملنے آتا۔ تو اس کو بھی ان کی زیارت کرایا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ اس کمرے میں ایک چارپائی۔ چمڑے کا تکیہ جس میں خرما کی چھال بھری ہوئی تھی۔ ایک جوڑہ موزہ۔ قطیفہ (لحاف)۔ چکی اور ایک ترکش تھی جس میں چند تیر تھے۔ لحاف میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کی میل کا اثر تھا۔ ایک شخص کو سخت بیماری لاحق تھی۔ جس سے شفا نہ ہوتی تھی۔ ابن عبدالعزیز کی اجازت سے اس میل میں سے کچھ دھو کر بیمار کی ناک میں ٹپکا دیا گیا۔ وہ چنگا ہو گیا۔ (مدارج النبوۃ۔ جزء ثانی۔ ص۶۰۱)۔

(۴۴) دلائل ابی نعیم میں ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے سخت پتھر ایسے نرم

ہو گئے۔ کہ غار بن گئے۔ چنانچہ اُحد کے دن حضور نے اپنا سر مبارک پہاڑ کی طرف مائل کیا تاکہ مشرکین سے اپنا جسم مبارک چھپائیں۔ پس اللہ تعالے نے پتھر کو ایسا نرم کیا کہ آپ نے اپنا سر مبارک اُس میں داخل کر دیا۔ وہ پتھر اب تک باقی ہے۔ اور لوگ اُس کی زیارت کرتے ہیں۔ اِسی طرح مکہ مشرفہ کے ایک درہ میں حضور نے نماز میں ایک سخت پتھر سے قرار پکڑا۔ وہ ایسا نرم ہوگیا۔ کہ آپ کے ہر دو بازو مبارک نے اُس میں اثر کیا۔ وہ پتھر مشہور ہے۔ جو لوگ حج کو جاتے ہیں۔ اُس کی زیارت کرتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے شب معراج میں صخرہ بیت المقدس خمیر کی مانند ہوگیا۔ آپ نے اُس سے اپنا براق باندھا۔ لوگ آج تک اُسے اپنے ہاتھ سے چھوتے ہیں۔ (دلائل النبوۃ للحافظ ابی نعیم الاصبہانی المتوفی ۴۳۰ھ۔ صفحہ ۲۱۵)۔

(۴۵) عبد الرحمٰن بن زید عراقی کا بیان ہے کہ ہم ربذہ میں حضرت سلمہ بن اکوع کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے اپنا ہاتھ ہماری طرف بڑھایا جو ایسا ضخیم تھا کہ گویا اونٹ کا سُم تھا۔ اور فرمایا کہ میں نے اس ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی ہے۔ پس ہم نے اُن کا ہاتھ پکڑ کر اُسے بوسہ دیا۔ (طبقات ابن سعد۔ جزء رابع۔ قسم ثانی۔ صفحہ ۳۹)۔

(۴۶) اسماعیل بن یعقوب تیمی روایت کرتے ہیں۔ کہ ابن منکدر (متوفی ۲۰۵ھ) مسجد نبوی کے صحن میں ایک خاص جگہ پر لوٹتے اور لیٹتے۔ اُن سے اس کا سبب دریافت کیا گیا۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ میں نے اس جگہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ راوی کا قول ہے کہ میرا گمان ہے کہ ابن منکدر نے کہا کہ خواب میں دیکھا ہے۔ (وفاء الوفا۔ جزء ثانی۔ صفحہ ۴۴۵)۔

امثلہ مذکورہ بالا کے مطالعہ کے بعد کسی مسلمان کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے آثار شریفہ سے تبرک کا انکار نہیں ہوسکتا۔ اولیاء و علماء جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات کے وارث اور ایراث برکات کے وارث ہیں ان کے آثار شریفہ میں بھی برکت ہوتی ہے۔ اس سے انکار کرنا حرمان و بدنصیبی کی علامت ہے۔ زیادہ تفصیل کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔

شیخ الاسلام حافظ ابو الفتح تقی الدین بن دقیق العید (متوفی ۱۱ صفر ۷۰۲ھ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں یوں فرماتے ہیں:-

یا سائراً نحو الحجاز مشمّراً — اے حجاز کی طرف تیزی سے چلنے والے!

اجهد فدیتك فی المسیر وفی السریٰ — میں تجھ پر فدا! تو رات دن چلنے میں کوشش کرنا۔

واذا سهرت اللیل فی طلب العلا — اور جب تو بزرگیوں کی طلب میں رات کو جاگے۔

فحذار ثم حذار من خدع الکریٰ — تو اونگھ کے فریب سے بچنا پھر بچنا۔

فالقصد حیث النور یشرق ساطعاً — تو اُس جگہ کا قصد کرنا جہاں نور خوب چمک رہا ہے۔

والطرف حیث تریٰ الثریٰ متعطراً — اور جہاں خاک خوشبودار نظر آتی ہے۔

قف بالمنازل والمناهل من لدن — تو اُن منازل اور چشموں پر ٹھہر جانا جو وادی قباء کے

وادی قباء الی حمی امّ القریٰ — قریب سے ام القریٰ (مکہ معظمہ) کے سبزہ زار تک ہیں۔

وتوخ آثار النبی فضع بها — اور نبی (صلے اللہ علیہ وسلم) کے آثار کا قصد کرنا اور ان کی زیارت سے

متشرفاً خدیك فی عفر الثریٰ — مشرف ہوتے ہوئے وہاں اپنے ہر دو رخسار کو روئے خاک پر رکھ دینا

واذا رأیت مهابط الوحی التی — اور جب تو وحی کے اُترنے کی جگہوں کو دیکھے جنہوں نے

نشرت علی الآفاق نوراً انورا — تمام دنیا پر نور انور پھیلا دیا ہے۔

فاعلم بانك ما رأیت شبیهها — تو جان لینا کہ تو نے اپنی گذشتہ عمر میں

مذ کنت فی ماضی الزمان ولا تریٰ — ان کی مثل نہیں دیکھا اور نہ آیندہ دیکھے گا۔

(فوات الوفیات۔ ترجمہ ابن دقیق العید)

(۴) درود شریف و زیارت قبر شریف

مومنوں پر واجب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا کریں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝ (احزاب)

تحقیق اللہ اور اُس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم ان پر درود بھیجو اور خوب سلام بھیجو۔

اس آیت میں تاکید کے لئے جملہ اسمیہ لایا گیا ہے جس کے شروع میں بغرض تاکید مزید حرف تاکید مذکور ہے۔ اس جملہ کی خبر فعل مضارع ہے۔ جو افادہ استمرار تجددی کرتا ہے۔ اللہ تعالےٰ

فرماتا ہے کہ میں اور میرے تمام فرشتے (جن کی گنتی مجھے ہی معلوم ہے) پیغمبر پر درود بھیجتے رہتی ہیں۔ اے مومنو! تم بھی اس وظیفہ میں میرا اور فرشتوں کا اقتداء کرو۔

واضح رہے کہ خدا کے درود بھیجنے سے مراد رحمت کا نازل کرنا اور فرشتوں اور مومنوں کے درود سے مراد ان کا بارگاہ رب العزت میں تضرع و دعا کرنا ہے کہ وہ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت وبرکت نازل فرمائے۔

مومنوں کی طرف سے درود بھیجنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔ اور بھیجنے والوں کا بھی فائدہ ہے۔ چنانچہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جو شخص مجھ پر ایک بار درود بھیجتا ہے۔ اللہ تعالےٰ اس پر دس بار درود بھیجتا ہے۔ مسلمانو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شان محبوبیت اور عظمت جاہ کو دیکھئے۔ کہ امت کا ایک بندہ حقیر ذلیل حبیب خدا صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہے۔ تو اس کا بدلہ خود رب جلیل جلّ شانہ دیتا ہے۔ اور ایک کے مقابلہ میں دس رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے یہ شرف صرف اسی امت کو عطا ہوا ہے۔ کیونکہ اس امت کے سوا کسی اور امت کو اپنے پیغمبر پر درود وسلام بھیجنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

درود شریف کے فوائد میں سے ایک یہ بھی ہے۔ کہ درود شریف اجابت دعاء کا ذریعہ ہے۔ کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا توسل بالنبی صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ دلائل الخیرات شریف میں ہے کہ حضرت ابو سلیمان عبد الرحمٰن بن علیہ دارانی (متوفی ۲۱۵ھ) نے فرمایا۔ کہ جب تم خدا تعالےٰ سے کچھ مانگو۔ تو دعا سے پہلے اور پیچھے درود شریف پڑھ لیا کرو۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ دونوں طرف کے درود شریف کو تو اپنے کرم سے قبول کر ہی لیتا ہے۔ اور یہ اس کے کرم سے بعید ہے کہ درمیان کی چیز کو ردّ کر دے۔ علامہ فاسی شرح دلائل میں لکھتے ہیں۔ کہ بعض کے نزدیک امام دارانی کے قول مذکور کا تتمہ یوں ہے۔" اور ہر ایک عمل مقبول ہوتا ہے یا مردود سوائے درود شریف کے کہ وہ مقبول ہی ہوتا ہے۔ مردود نہیں ہوتا۔" امام باجی نے بروایت ابن عباس نقل کیا ہے۔ کہ جب تم اللہ تعالےٰ سے کچھ مانگو۔ تو اپنی دعا میں درود شریف شامل کرو۔ کیونکہ درود شریف مقبول ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ بعض کو قبول کرے اور بعض کو

رد کرے۔ شیخ ابو طالب مکی نے یہ حدیث نقل کی ہے۔ کہ جب تم اللہ تعالےٰ سے کچھ مانگو۔ تو پہلے درود شریف پڑھو۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کی شان سے بعید ہے کہ اُس سے دو حاجتیں مانگی جائیں۔ جن میں سے ایک کو پورا کر دے اور دوسری کو رد کر دے۔ اس روایت کو امام غزالی نے احیاء العلوم میں نقل کیا ہے۔ امام عراقی نے کہا کہ میں نے اس روایت کو مرفوع نہیں پایا۔ وہ ابوالدرداء پر موقوف ہے۔ شفا شریف میں ہے کہ حدیث میں آیا ہے۔ کہ درود شریف کے درمیان کی دعا رد نہیں کی جاتی۔ ابو محمد جبر نے اس روایت کو کتاب شرف المصطفےٰ سے منسوب کیا ہے۔ کذا فی مطالع المسرات۔

علامہ شامی نے سلف کے قول (کہ درود شریف کبھی رد نہیں ہوتا) کی تاویل و تصحیح یوں کی ہے۔ کہ درود شریف (اللھم صل علیٰ سیدنا محمد) دعاء ہے۔ اور دعاء کبھی مقبول ہوتی ہے اور کبھی مردود۔ مگر درود شریف عموم دعاء سے مستثنےٰ ہے۔ کیونکہ نص قرآنی سے ثابت ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے رسول پر درود بھیجتا رہتا ہے۔ اُس نے اپنے مومن بندوں پر احسان کیا ہے۔ کہ اُن کو بھی درود بھیجنے کا حکم دیا ہے تاکہ ان کو زیادہ فضل و شرف حاصل ہو جائے۔ ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اپنے پروردگار کا درود ہی کافی ہے۔ پس مومن کو اپنے رب سے طلب درود کرنا قطعاً مقبول ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ خود خبر دے رہا ہے۔ کہ میں اپنے رسول پر درود بھیجتا رہتا ہوں۔ باقی تمام دعائیں اور عبادتیں اس کے برعکس ہیں۔ لہذا درود شریف کے مقبول ہی ہونے کی سند نص قرآنی ہے۔ رہا اس پر ثواب کا ملنا۔ سو وہ عدم عوارض سے مشروط ہے۔ اور وہ عوارض یہ ہیں۔ قلب غافل سے پڑھنا۔ ریا و سمعہ کے لئے پڑھنا۔ کسی حرام چیز پر استعمال کرنا وغیرہ۔ کذا فی رد المحتار۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روضہ شریف کی زیارت بالاجماع سنت اور فضیلت عظیمہ ہے۔ اس بارے میں بہت سی احادیث آئی ہیں۔ جن میں سے چند وفاء الوفا سے یہاں پیش کی جاتی ہیں:۔

(۱) من زار قبری وجبت له شفاعتی	جس نے میری قبر کی زیارت کی۔ اُس کے لئے میری شفاعت ثابت ہو گئی۔ (دار قطنی و بیہقی وغیرہ)۔

(۲) من زار قبری حلّت له شفاعتی

جس نے میری قبر کی زیارت کی۔ اُس کے واسطے میری شفاعت ثابت ہو گئی۔ (بزار)

(۳) من جاءنی زائرًا لا تحمله حاجة الا زیارتی کان حقًّا علیّ ان اکون له شفیعًا یوم القیامة

جو میری زیارت کو اس طرح آیا کہ میری زیارت کے سوا کوئی اور چیز اُس کو نہ لائی تو مجھ پر حق ہے کہ قیامت کے دن میں اُس کا شفیع ہوں گا۔ (کبیر و اوسط طبرانی۔ امالی دارقطنی وغیرہ)۔

(۴) من حج فزار قبری بعد وفاتی کان کمن زارنی فی حیاتی ۔

جس نے حج کیا۔ اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو وہ مثل اُس کے ہے جس نے میری زندگی میں میری زیارت کی (دار قطنی و طبرانی وغیرہ)

(۵) من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی ۔

جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی۔ اُس نے مجھ پر ستم کیا۔ (کامل ابن عدی)۔

(۶) من زارنی الی المدینة کنت له شهیدًا وشفیعًا۔

جس نے مدینہ میں آکر میری زیارت کی۔ میں اُس کے لئے گواہ اور شفیع ہوں گا۔ (سنن دار قطنی)۔

(۷) من زار قبری او من زارنی کنت له شفیعا اوشهیدا ومن مات فی احد الحرمین بعثه الله عزوجل فی الآمنین یوم القیامة ۔

جس نے میری قبر کی زیارت کی (یا فرمایا) جس نے میری زیارت کی۔ میں اُس کے لئے شفیع یا گواہ ہوں گا۔ اور جو شخص حرمین میں سے ایک میں مرگیا۔ اللہ عزوجل اُس کو قیامت کے دن امن والوں میں اُٹھائے گا۔ (ابو داؤد طیالسی)

(۸) من زارنی متعمدا کان فی جواری یوم القیامة ۔

جس نے بالقصد میری زیارت کی۔ وہ قیامت کے دن میری پناہ میں ہو گا۔ (ابو جعفر عقیلی)۔

(۹) من زارنی بعد مماتی فکأنما زارنی فی حیاتی ومن مات باحد الحرمین بعث من الآمنین یوم القیامة۔

جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی۔ اُس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی۔ اور جو حرمین میں سے ایک میں مرگیا۔ وہ قیامت کے دن امن والوں کے زمرہ میں اُٹھایا جائے گا (دار قطنی وغیرہ)۔

(۱۰) من حج الی مکة ثم قصدنی

جس نے مکہ میں حج کیا۔ پھر میری مسجد میں میری زیارت کی۔

فی مسجدی کتبت لہ حجتان مبرورتان | اُس کے لئے دو مقبول حج لکھے گئے۔ (مسند فردوس)۔

احادیث مذکورہ بالا کے علاوہ کتاب اللہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ عزوجل فرماتا ہے:۔

وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا۔ (نساء۔ ع۹) | اور اگر یہ لوگ جس وقت کہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں تیرے پاس آتے اور خدا سے بخشش مانگتے۔ اور پیغمبر اُن کے لئے بخشش مانگتا۔ تو وہ خدا کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔

اس آیت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت شریف میں حاضر ہو کر توبہ کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ مگر قبول توبہ کے لئے ایک تیسرے امر (گنہگاران امت کے لئے استغفارِ رسول) کی بھی ضرورت بیان ہوئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام مومنوں کے لئے طلب مغفرت فرمانا تو ثابت ہی ہے۔ کیونکہ حضور کو حکم الٰہی یوں ہے:۔

اِسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِکَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتِ | تو اپنے گناہ کے لئے اور مومنوں اور مومنات کے لئے بخشش مانگ۔

اور ظاہر بالبداہت ہے کہ حضور نے اس حکم کی تعمیل کی۔ پس اگر باقی دو امر (گنہگاروں کا بغرض توسل حاضر خدمت ہونا اور طلب مغفرت کرنا) پائے جائیں۔ تو وہ مجموعہ متحقق ہو جائے گا جو موجب قبول توبہ و رحمت الٰہی ہے۔

آیت زیر بحث میں استغفر لھم کا عطف جآءوک پر ہے۔ اِس لئے اس کا مقتضا یہ نہیں کہ استغفار رسول استغفار عاصیان کے بعد ہو۔ علاوہ ازیں ہم تسلیم نہیں کرتے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وفات شریف کے بعد گنہگاران امت کے لئے طلب مغفرت نہیں فرماتے۔ کیونکہ حضور (بلکہ تمام انبیائے کرام علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) وفات شریف کے بعد زندہ ہیں اور عاصیانِ اُمت کے لئے طلب مغفرت فرماتے ہیں۔ چنانچہ بزار نے صحیح کے راویوں کے ساتھ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے نقل کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

حیاتی خیر لکم تحدثون واحدث لکم ووفاتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما رأیت من خیر حمدت اللہ علیہ و ما رأیت من شر استغفرت اللہ لکم۔

میری زندگی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ تم مجھ سے باتیں کرتے ہو میں تمہیں احکام سناتا ہوں۔ اور میری وفات بھی تمہارے حق میں بہتر ہے۔ تمہارے اعمال میرے سامنے پیش ہوا کریں گے میں اچھے عملوں کو دیکھ کر اللہ کا شکر کروں گا۔ اور برے عملوں کو دیکھ کر تمہارے واسطے مغفرت کی دعا کیا کروں گا۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حیات شریف ہی میں عاصیان امت کو بشارت دے دی کہ میں وفات شریف کے بعد بھی ان کے لئے استغفار کیا کروں گا۔ اور حضور کے کمال رحمت سے معلوم ہے۔ کہ جو شخص اپنے رب سے طلب مغفرت کرتا ہوا حضور کی بارگاہ عالی میں حاضر ہوتا ہے۔ آپ اُس کے لئے استغفار فرماتے ہیں۔ اِسی واسطے علمائے کرام نے تصریح فرما دی ہے کہ حضور کا یہ رتبہ آپ کی وفات شریف سے منقطع نہیں ہوا۔

جو شخص یہ کہتا ہے کہ اس آیت کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت حیات شریف پر ہی مقصور ہے وہ غلطی پر ہے۔ کیونکہ یہ قاعدہ اصول ہے۔ کہ عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ مورد خاص کا۔ صحابہ کرام اور تابعین عموم الفاظ قرآنی سے حجت پکڑتے رہے باوجودیکہ وہ آیتیں خاص خاص موقعوں پر نازل ہوئیں۔ (اتقان للسیوطی)۔ اسی طرح آیت زیر بحث اگرچہ ایک خاص قوم کے حق میں حالت حیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نازل ہوئی۔ لیکن جہاں یہ وصف (عاصیان امت کا حضور سید الابرار کی بارگاہ میں گناہوں کی معافی کے لئے حاضر ہونا) پایا جائے گا عموم حالت کے موافق اُس کا حکم بھی عام اور ہر دو حالت حیات و بعد الوفات کو شامل ہوگا۔ چنانچہ علمائے کرام نے عموم ہر دو حالت ہی سمجھا ہے۔ اور جو شخص قبر شریف پر حاضر ہو اُس کے واسطے مستحب خیال کیا ہے کہ وہ اِس آیت کو پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگے۔ امام عتبی (امام شافعی کے استاد) کی حکایت اس باب میں مشہور ہے۔ اور مذاہب اربعہ کے علماء نے اُسے اپنے مناسک میں نقل کیا ہے۔ اور اُسے مستحسن سمجھ کر آداب زیارت میں شامل کیا ہے[۵]۔ ہم اس حکایت کو انشاءاللہ تعالیٰ بحث توسل میں لائیں گے۔

[۵] دیکھو وفاء الوفا للسمہودی اور شفاء السقام للسبکی۔

صحابہ کرام کے زمانے سے آج تک اہل اسلام حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے روضہ شریف کی زیارت اور حضور سے توسّل و استغاثہ کرتے رہے ہیں۔ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اہل بیت المقدس سے صلح کی۔ تو کعب احبار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ حضرت فاروق اعظم ان سے خوش ہوئے اور فرمایا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ میرے ساتھ مدینہ منورہ میں چلو اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت سے فائدہ اٹھاؤ۔ حضرت کعب احبار نے جواب دیا کہ ہاں۔ (زرقانی علی المواہب)۔ حافظ ابو عبداللہ محمد بن موسےٰ بن نعمان اپنی کتاب مصباح الظلام میں لکھتے ہیں۔ کہ حافظ ابو سعید سمعانی نے بروایت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نقل کیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دفن شریف کے تین دن بعد ایک اعرابی ہمارے پاس آیا۔ اُس نے اپنے تئیں قبر شریف پر گرا دیا اور قبر شریف کی کچھ مٹی اپنے سر پر ڈالی۔ اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! آپ نے جو کچھ فرمایا وہ ہم نے سُن لیا۔ اللہ تعالےٰ نے آپ پر قرآن نازل کیا جس میں ارشاد فرمایا۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ الاٰیہ۔ میں نے ظلم کیا۔ میں آپ کے پاس آیا ہوں۔ تا کہ آپ میرے حق میں طلب مغفرت فرمائیں۔ قبر شریف سے آواز آئی کہ تجھے بخش دیا گیا۔[۱] مسند امام ابی حنیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ میں بروایت امام منقول ہے۔ کہ حضرت ایوب سختیانی تابعی آئے۔ جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے نزدیک پہنچے۔ تو اپنی پیٹھ قبلہ کی طرف اور منہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کی طرف کر لیا۔ اور روئے۔[۲] دیگر مثالیں عنقریب مذکور ہوں گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

ذیل میں چند آداب زیارت بیان کئے جاتے ہیں۔ زائرین کو چاہئے کہ ان کو ملحوظ رکھیں۔

(۱) زائرین کے لئے مناسب ہے۔ کہ زیارت روضہ شریف کے ساتھ مسجد نبوی کی زیارت اور اُس میں نماز پڑھنے کی بھی نیت کریں۔ اگر مجرد زیارت روضہ شریف کی نیت کریں۔ تو اولےٰ ہے۔ دوسری بار اگر موقع ملے۔ تو ہر دو کی نیت کریں۔

(۲) مدینہ منورہ کے راستے میں درود و سلام کی کثرت رکھیں۔

---

[۱] وفاء الوفا۔ جزء ثانی۔ صـ۱۳۶ـ۔

[۲] وفاء الوفا۔ جزء ثانی۔ صـ۴۲۴ـ۔

(۳) راستے میں مساجد اور آثار شریفہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہیں۔ اُن کی زیارت کریں۔ اور اُن میں نماز پڑھیں۔

(۴) جب مدینہ منورہ کے مکانات نظر آجائیں۔ تو بپاس ادب پیدل ہو جائیں اور درود و سلام بھیجیں۔ اور شہر میں داخل ہونے سے پہلے یا داخل ہو کر غسل کریں اور تبدیل لباس کر کے خوشبو لگائیں۔

(۵) پہلے مسجد نبوی میں داخل ہو کر دو رکعت تحیہ مسجد پھر دوگانہ شکر ادا کریں۔ کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر پہنچا دیا۔

(۶) دوگانہ شکر کے بعد روضہ شریف پر حاضر ہوں۔ زیارت کے وقت اپنی پیٹھ قبلہ کی طرف اور منہ حضور کے چہرہ مبارک کی طرف کریں اور جالی مبارک کے قریب کھڑے ہو کر نہایت ادب و خشوع سے سلام عرض کریں۔ اور اگر کسی دوست وغیرہ نے حضرت نبوی میں سلام بھیجا ہو۔ تو اُس کی طرف سے سلام پہنچائیں۔

(۷) حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کے سلام سے فارغ ہو کر ایک ہاتھ اپنی دائیں طرف کو ہٹ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں سلام عرض کریں۔ پھر ایک ہاتھ اور دائیں طرف کو ہٹ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں سلام عرض کریں۔

(۸) بعد ازاں اپنی پہلی جگہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک کے سامنے کھڑے ہو کر درود و سلام عرض کریں۔ پھر گناہوں سے توبہ کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ سے دعا مانگیں۔

(۹) ایام قیام مدینہ منورہ میں نماز فرض ہو یا نفل مسجد نبوی میں پڑھا کریں۔

(۱۰) مسجد قبا میں جا کر نماز پڑھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار شریفہ و دیگر مزارات کی زیارت کریں۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے بارگاہِ الٰہی میں دعا کرنا مستحسن ہے۔ اس کو مختلف الفاظ توسّل و استغاثہ و تشفع و توجہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے توسّل و استغاثہ فعل انبیاء و مرسلین علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام اور سیرت سلف صالحین ہے۔

اور یہ توسل حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف سے پہلے اور ولادت شریف کے بعد اور عالم برزخ میں اور عرصات قیامت میں ثابت ہے۔

جب حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خطا سرزد ہوئی۔ تو انہوں نے آخر کار یوں دعا کی :۔

یا ربّ اسألك بحق محمد لما غفرت لی	اے میرے پروردگار! میں تجھ سے بحق محمدؐ سوال کرتا ہوں کہ میری خطا معاف کر دے۔

اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا۔ کہ اے آدم! تو نے محمدؐ کو کس طرح پہچانا حالانکہ میں نے ان کو پیدا نہیں کیا۔ حضرت آدمؑ نے عرض کیا۔ اے میرے پروردگار! جب تو نے مجھ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور مجھ میں اپنی روح پھونکی۔ تو میں نے سر اٹھایا۔ اور عرش کے پایوں پر یہ لکھا ہوا دیکھا۔ لا اله الا الله محمد رسول الله۔ پس میں جان گیا۔ کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ اسی کو ذکر کیا ہے جو تیرے نزدیک محبوب ترین خلق ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ اے آدم! تو نے سچ کہا۔ وہ میرے نزدیک احب الخلق ہیں۔ چونکہ تم نے ان کے وسیلہ سے دعا مانگی ہے۔ میں نے تم کو معاف کر دیا۔ اگر محمدؐ نہ ہوتے۔ میں تم کو پیدا نہ کرتا۔ (حاکم و طبرانی)۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہود اپنے دشمنوں پر فتح پانے کے لئے دعا میں حضور انور ہی کا وسیلہ پکڑا کرتے تھے۔ چنانچہ قرآن کریم میں وارد ہے :۔

وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا۔ (بقرہ۔ع)	اور وہ اس سے پہلے کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے۔

حافظ ابو نعیم نے دلائل میں عطاء و ضحاک کے طرق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہما کا یہ قول نقل کیا ہے۔ کہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے یہود بنی قریظہ و نضیر کافروں پر فتح کی دعا مانگا کرتے تھے۔ اور دعا میں یوں کہا کرتے تھے :۔

اللّٰھم انا نستنصرك بحق النبی الامی الا تنصرنا علیھم۔	خدایا! ہم تجھ سے بحق نبی امی دعا مانگتے ہیں کہ تو ہم کو ان پر فتح دے۔

اور فتح پایا کرتے تھے۔ (تفسیر درمنثور للسیوطی)۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیویہ میں آپ سے توسل و استغاثہ کیا جاتا تھا۔ حضرت عثمان

بن حنیف صحابی کا بیان ہے۔ کہ ایک نابینا پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس نے عرض کیا۔ کہ آپ اللہ سے دعا فرمائیں کہ وہ مجھے عافیت بخشے۔ حضور نے فرمایا۔ کہ اگر تو چاہے۔ میں دعا کر دیتا ہوں۔ اور اگر چاہے۔ تو صبر کر۔ صبر تیرے واسطے اچھا ہے۔ اُس نے عرض کیا۔ کہ خدا سے دعا فرمائیے۔ آپ نے اُس سے ارشاد فرمایا۔ کہ اچھی طرح وضو کر کے یوں دعا کرنا:۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ تَوَجَّھْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ ھٰذِہٖ لِتُقْضٰی لِیْ اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْہُ فِیَّ۔

یا اللہ میں تیری بارگاہ میں سوال کرتا ہوں۔ اور تیرے نبی نبی الرحمۃ کا وسیلہ پیش کرتا ہوں۔ یا محمد! میں نے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں آپ کا وسیلہ پیش کیا ہے اپنی اس ضرورت میں تاکہ وہ پوری ہو۔ یا اللہ! تو میرے حق میں حضور کی شفاعت قبول فرما۔

اس حدیث کو ترمذی ونسائی نے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے کہا۔ ھٰذا حدیث حسن صحیح غریب۔ امام بیہقی وطبرانی نے بھی اِس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ مگر امام بیہقی نے اتنا اور کہا ہے۔ کہ اُس نابینا نے ایسا ہی کیا اور بینا ہو گیا۔[1]

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے بعد بھی آپ سے توسّل واستغاثہ جاری رہا۔ چنانچہ ایک شخص کسی حاجت کے لئے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس آیا کرتا تھا۔ مگر وہ اُس کی طرف متوجہ نہ ہوتے اور اُس کی حاجت پر غور نہ فرماتے۔ وہ ایک روز حضرت عثمان بن حنیف سے ملا اور ان سے شکایت کی۔ حضرت ابن حنیف نے اُس سے کہا کہ وضو کر کے مسجد میں جاؤ۔ اور دو رکعت پڑھ کر یوں دعا کرو۔ اَللّٰھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ یا محمد انی اتوجہ بک الیٰ ربک ان تقضی حاجتی (یہاں اپنی حاجت کا نام لینا)۔ اُس نے ایسا ہی کیا۔ پھر وہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے دروازے پر حاضر ہوا۔ دربان آیا اور اُس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گیا۔ حضرت عثمان غنی نے اُسے اپنے برابر فرش پر بٹھایا۔ اور دریافت حال کر کے اُس کی حاجت پوری کر دی۔ وہ وہاں سے رخصت ہو کر ابن حنیف سے ملا۔ اور ان کا شکریہ ادا کیا کہ آپ نے

[1] وفاء الوفا۔ جزو ثانی۔ صفحہ ۴۲۰

ایسی اچھی دعا بتائی۔ ابن حنیف نے کہا۔ کہ میں نے اپنی طرف سے نہیں بتائی۔ ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک نابینا نے اپنی بینائی کے جاتا رہنے کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا۔ اگر تم چاہو۔ میں دعا کر دیتا ہوں۔ یا صبر کرو۔ اُس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ مجھے بہت دشواری ہے۔ کوئی میرا عصا پکڑنے والا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ دوگانہ ادا کر کے یہ دعا پڑھنا۔ اللّٰھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبیک محمد۔ الخ۔ ابن حنیف کا بیان ہے کہ ہم ابھی بیٹھے ہوئے تھے کہ وہ شخص آیا۔ گویا اُس کو کوئی تکلیف ہی نہ ہوئی تھی[1]۔

عالم برزخ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل سے مراد بعض وقت یہ ہوتی ہے۔ کہ آپ اللہ تعالٰے سے دعا فرمائیں جیسا کہ حیات دنیویہ میں فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ مالک الدار راوی ہیں کہ حضرت عمر فاروق کے زمانے میں قحط پڑا۔ ایک شخص (بلال بن حارث صحابی) نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر حاضر ہو کر یوں عرض کیا۔ یا رسول اللہ اپنی امت کے لئے بارش کی دعا فرمائیں۔ وہ ہلاک ہو رہی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں اُس شخص سے فرمایا۔ کہ حضرت عمرؓ کے پاس جا کر میرا اسلام کہو اور بشارت دو کہ بارش ہو گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (وفاء الوفا بحوالہ بیہقی و ابن ابی شیبہ)۔

ایک سال مدینہ منورہ میں سخت قحط پڑا۔ لوگوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالٰے عنہا سے فریاد کی۔ حضرت ممدوحہ نے فرمایا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر حاضر ہو کر اُس میں ایک روشندان آسمان کی طرف کھول دو۔ تاکہ قبر شریف اور آسمان کے درمیان چھت نہ رہے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ خوب بارش ہوئی اور گھاس اُگی۔ اور اونٹ ایسے فربہ ہو گئے کہ چربی سے پھٹنے لگے۔ اس سال کو عام الفتق کہتے تھے[2]۔

علامہ زین مراغی فرماتے ہیں۔ کہ قحط کے وقت روشندان کا کھولنا اس وقت تک اہل مدینہ کا طریقہ ہے۔ وہ قبہ خضراء مقدسہ کے اسفل میں بجانب قبلہ کھول دیتے ہیں اگرچہ قبر شریف اور

---

[1] وفاء الوفا۔ جزو ثانی۔ صفحہ ۴۲۰۔

[2] سنن دارمی۔ باب ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد موتہ۔

آسمان کے درمیان چھت حائل رہتی ہے[1]۔ علامہ سمہودی (متوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں۔ کہ آج کل اہل مدینہ کا طریقہ یہ ہے۔ کہ حجرہ شریف کے گرد جو مقصورہ ہے اُس کا وہ دروازہ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرہ مبارک کے سامنے ہے کھول دیتے ہیں اور وہاں جمع ہوتے ہیں[2]۔

بعض وقت توسل بالنبی صلے اللہ علیہ وسلم یوں ہوتا ہے۔ کہ آپ سے کوئی امر طلب کیا جاتا ہے بدیں معنے کہ آپ اُس میں تسبب پر قادر ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں یا شفاعت فرمائیں اس کا مطلب بھی حضور سے طلب دعا ہے۔ اگرچہ عبارت مختلف ہے۔ از انجملہ ایک صحابی کی درخواست حضور سے یوں ہے:۔

میں آپ سے جنت میں آپ کی مرافقت کا سوال کرتا ہوں۔	اسئلك مرافقتك فی الجنة۔ الحدیث

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفہ منصور عباسی کو جو طریق دعاء بتایا اُس میں بھی توسل بالنبی صلے اللہ علیہ وسلم ہے جیسا کہ پہلے مذکور ہوا۔ اعرابی کا قصہ جس کو ائمہ نے عتبی سے نقل کیا ہے چاروں مذہب کے علماء نے مناسک میں ذکر کیا ہے اور اُسے آداب زیارت میں شمار کیا ہے۔ ابن عساکر نے اُسے اپنی تاریخ میں اور ابن جوزی نے مثیر الغرام الساکن الی اشرف الاماکن میں بروایت محمد بن حرب ہلالی اس طرح لکھا ہے۔ کہ عتبی[3] نے کہا کہ میں مدینہ میں داخل ہوا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت کر کے حضور کے سامنے بیٹھ گیا۔ ایک اعرابی نے آکر زیارت کی۔ اور یوں عرض کیا۔ "یا خیر الرسل! اللہ نے آپ پر ایک سچی کتاب نازل کی۔ جس میں یوں ارشاد فرمایا:۔

اور اگر یہ لوگ جس وقت کہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں آپ کے پاس آتے اور خدا سے بخشش مانگتے اور پیغمبر ان کے لئے بخشش مانگتا۔ تو اللہ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔	وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ؏

[1] قاضی زین الدین ابوبکر بن حسین بن عمر عثمانی مراغی نزیل مدینہ منورہ (متوفی ۸۱۶ھ) نے مدینہ منورہ کے حالات میں اپنی کتاب تحقیق النصرۃ بتلخیص معالم دار الہجرۃ لکھی ہے۔ جس کے مبیضہ سے وہ ۷۶۶ھ میں فارغ ہوئے۔ کشف الظنون۔

[2] وفاء الوفا۔ جزء اول۔ ص ۲۹۹۔

[3] محمد بن عبید اللہ بن عمرو بن معاویہ بن عمرو بن عتبہ بن ابی سفیان صخر بن حرب (متوفی ۲۲۸ھ)۔

میں آپ کی خدمت میں آپ کے پروردگار سے گناہوں کی مغفرت کا طالب اور آپ کی شفاعت کا امیدوار بن کر حاضر ہوا ہوں۔" پھر اُس نے رو کر یہ اشعار پڑھے:۔

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمہ	اے سب سے بہتر جس کی ہڈیاں میدان میں مدفون ہیں
فطاب من طیبہن القاع والاکم	پس ان کی خوشبو سے پست اور اونچی زمینیں جھک گئیں۔
نفسی الفداء لقبر انت ساکنہ	میری جان اُس قبر پر فدا جس میں آپ ساکن ہیں۔
فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم	اُس میں پاکیزگی اور اُس میں جودوکرم ہے۔

بعد ازاں اس اعرابی نے توبہ کی اور چلا گیا۔ میں سو گیا۔ تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں۔" تم اُس شخص سے ملو اور اُسے بشارت دو کہ اللہ نے میری شفاعت سے اُس کے گناہ معاف کر دئے۔" میری آنکھ کھلی۔ تو میں اُس کی تلاش میں نکلا۔ مگر نہ ملا۔[1]

قصہ اعرابی میں جو آیت قرآن مذکور ہے وہ باتفاق مفسرین مثبتِ توسّل ہے۔ اِسی طرح قرآن کریم کی آیہ ذیل سے بھی توسّل ثابت ہے:۔

یَٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (مائدہ۔ ع ۶)	اے ایمان والو خدا سے ڈرو۔ اور اُس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اُس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

اِس آیت میں خدا کی طرف وسیلہ ڈھونڈنے کا حکم ہے۔ وسیلہ سے مراد خواہ خاص شخص یا عمل صالح ہو۔ بہر صورت توسل بہ سید الرسل ثابت ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افضل الوسائل اور اقرب الوسائل الی اللہ ہیں۔

کبیر و اوسط میں بروایت انس بن مالک منقول ہے۔ کہ جب حضرت علی مرتضیٰ کی والدہ فاطمہ بنت اسد کا انتقال ہو گیا۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اُس کے سرہانے آ بیٹھے۔ اس کی تعریف اور اُسے اپنی چادر میں کفنانے کے بعد حضور نے حضرت اسامہ بن زید۔ ابو ایوب انصاری۔ عمر بن خطاب اور ایک سیاہ فام غلام کو بلایا۔ انہوں نے قبر کھودی۔ جب لحد تک پہنچے۔ تو

[1] وفاء الوفا۔ جزو ثانی۔ صفحہ ۴۱۲

خود حضور نے لحد اپنے دست مبارک سے کھودی اور آپ اس میں لیٹ گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کی:۔

اغفر لامی فاطمۃ بنت اسد ووسع علیہا مدخلہا بحق نبیک والانبیاء الذین من قبلی فانک ارحم الراحمین	میری ماں فاطمہ بنت اسد کو بخش دے۔ اور اُس پر اس کی قبر کو کشادہ کر دے بوسیلہ اپنے نبی کے اور ان نبیوں کے جو مجھ سے پہلے ہوئے ہیں۔ کیونکہ تو ارحم الراحمین ہے۔[1]

مختصر یہ کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیائے عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے توسل و استغاثہ مستحسن ہے۔ اور یہی مذہب اہل سنت وجماعت ہے۔ ہم یہاں صرف علامہ ابن حاج مالکی (متوفی ۷۳۷ھ) کا قول نقل کرتے ہیں۔ جو مشدّدین میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب مدخل میں زیارۃ قبور میں یوں تحریر فرماتے ہیں۔

ثم یتوسل باھل تلک المقابر اعنی بالصالحین منہم فی قضاء حوائجہ ومغفرۃ ذنوبہ ثم یدعو لنفسہ ولوالدیہ ولمشائخہ ولاقاربہ ولاھل تلک المقابر ولاموات المسلمین واحیائھم وذریتھم الی یوم الدین ولمن غاب عنہ من اخوانہ ویجأر الی اللہ تعالیٰ بالدعاء عندھم ویکثر التوسل بھم الی اللہ تعالیٰ لانہ سبحانہ وتعالیٰ اجتباھم وشرفھم وکرمھم فکما نفع بھم فی الدنیا ففی الاخرۃ اکثر۔ فمن اراد حاجۃ فلیذھب الیھم ویتوسل	پھر زائر قضائے حاجات اور اپنے گناہوں کی بخشش کے لئے ان قبروں والوں یعنی ان میں سے صالحین سے توسّل کرے۔ پھر اپنی ذات کے لئے اور اپنے والدین ومشائخ واقارب واہل مقابر کے لئے اور مسلمان مُردوں اور زندوں کے لئے اور قیامت تک ان کی اولاد کے لئے اور اپنے غائب بھائیوں کے لئے دعا کرے۔ اور ان اہل قبور کے پاس اللہ تعالیٰ سے عاجزی وزاری سے دعا کرے۔ اور بار بار ان کو اللہ تعالیٰ کے تقرب کا وسیلہ بنائے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کو برگزیدہ بنایا اور بزرگ بنایا اور گرامی بنایا۔ پس جس طرح اُس نے دنیا میں ان کے ذریعہ سے فائدہ پہنچایا۔ آخرت میں اس سے زیادہ نفع پہنچائے گا۔ جو شخص کوئی حاجت چاہے۔ اُسے چاہئے کہ ان کے پاس جائے اور ان سے توسّل کرے۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہیں۔ اور شرع

[1] وفاء الوفا۔ جزء اول ص ۸۹۔

بهم فانهم الواسطة بين الله تعالیٰ وخلقه۔ وقد تقرر فی الشرع وعلم ما الله تعالیٰ بهم من الاعتناء وذٰلك كثير مشهور وما زال الناس من العلماء والاكابر كابرا عن كابر مشرقاً ومغرباً يتبركون بزيارة قبورهم ويجدون بركة ذٰلك حسًا ومعنی وقد ذكر الشيخ الامام ابوعبد الله بن النعمان رحمه الله فی كتابه المسمی بسفينة النجاء لاهل الالتجاء فی كرامات الشيخ ابی النجاء فی اثناء كلامه علیٰ ذٰلك ما هذا لفظه۔ تحقق لذوی البصائر والاعتبار ان زيارة قبور الصالحين محبوبة لاجل التبرك مع الاعتبار فان بركة الصالحين جارية بعد مماتهم كما كانت فی حياتهم۔ والدعاء عند قبور الصالحين والتشفع بهم معمول به عند علمائنا المحققين من ائمة الدين۔ انتهیٰ۔

واما عظيم جناب الانبياء والرسل صلوات الله وسلامه عليهم اجمعين فيأتی اليهم الزائر ويتعين عليه

میں ثابت و معلوم ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی کتنی توجہ و مہربانی ہے اور وہ کثیر و مشہور ہے۔ اور مشرق و مغرب میں علماء و اکابر قدیم سے اُن کی قبروں کی زیارت کو مبارک سمجھتے رہے ہیں اور ظاہر و باطن میں اس کی برکت محسوس کرتے رہے ہیں۔ امام ابو عبداللہ بن نعمان رحمہ اللہ اپنی کتاب سفینۃ النجاء میں یوں لکھتے ہیں:۔

"اصحاب بصائر و اعتبار کے نزدیک یہ امر ثابت ہے۔ کہ صالحین کی قبروں کی زیارت بغرض تبرک و اعتبار پسندیدہ ہے۔ کیونکہ صالحین کی برکت ان کی موت کے بعد اُسی طرح جاری ہے جیسا کہ ان کی زندگی میں تھی۔ اور ائمہ دین میں سے ہمارے علمائے محققین کے نزدیک صالحین کی قبروں پر دعا کرنا اور ان سے طلب شفاعت کرنا معمول بہ ہے۔"

رہا انبیاء و مرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین کی بارگاہ عالی۔ سو زائر ان کے پاس جائے۔ اور اسے چاہئے کہ دور دراز مقامات سے ان کا قصد کرے۔ جب ان کے پاس پہنچے۔ تو ذلّ و انکسار و مسکنت و فقر و فاقہ و حاجت و اضطرار و خشوع ظاہر کرے۔ اور اپنے دل کو ان کی طرف متوجہ کرے۔ اور چشم دل سے (نہ کہ چشم بصر سے) ان کے مشاہدے میں مشغول ہو جائے۔ کیونکہ وہ بوسیدہ و متغیر نہیں ہوتے پھر اللہ تعالیٰ کی مناسب ثناء کے بعد اُن پر درود بھیجے۔ اور ان کے اصحاب کے لئے رضائے خدا

قصد هم من الاماكن البعيدة۔ فاذا جاء
اليهم۔ فليتصف بالذل والانكسار والمسكنة
والفقر والفاقة والحاجة والاضطرار و
الخضوع ويحضر قلبه وخاطره اليهم والى
مشاهدتهم بعين قلبه لا بعين بصره لانهم
لا يبلون ولا يتغيرون۔ ثم يثني على الله تعالى
بما هو اهله ثم يصلي عليهم ويترضى عن اصحابهم
ثم يترحم على التابعين لهم باحسان الى يوم الدين
ثم يتوسل الى الله تعالى بهم في قضاء مآربه و
مغفرة ذنوبه ويستغيث بهم ويطلب حوائجه
منهم ويجزم بالاجابة ببركتهم ويقوي حسن ظنه
في ذلك فانهم باب الله المفتوح۔ وجرت سنته
سبحانه وتعالى في قضاء الحوائج على ايديهم
وبسببهم۔ ومن عجز الوصول اليهم فليرسل
بالسلام عليهم ويذكر ما يحتاج اليه من حوائجه
ومغفرة ذنوبه وستر عيوبه الى غير ذلك
فانهم السادة الكرام والكرام لا يردون من
سألهم ولا من توسل بهم ولا من قصدهم و
لا من لجأ اليهم۔ هذا الكلام في زيارة الانبياء
والمرسلين عليهم الصلوة والسلام عموما۔

واما في زيارة سيد الاولين والآخرين
صلوات الله عليه وسلامه۔ فكل ما ذكر
يزيد عليه اضعافه اعني في الانكسار

طلب کرے۔ اور ان کے تابعین تا قیامت
کے لئے رحمت طلب کرے۔ پھر قضائے
حاجات اور اپنے گناہوں کی بخشش کے لئے
ان کو بارگاہ الٰہی میں وسیلہ بنائے۔ اور
ان سے استغاثہ کرے اور اپنی حاجتیں
ان سے مانگے۔ اور ان کی برکت سے
اجابت کا یقین کرے اور اس بارے میں
اپنے حسن ظن کو قوی کرے۔ کیونکہ وہ خدا
کا کھلا دروازہ ہیں۔ خدا کی یہ سنت جاریہ
ہے کہ وہ ان کے ہاتھوں پر اور ان کے
سبب سے قضائے حاجات فرماتا ہے۔ جو
شخص ان کی خدمت میں پہنچنے سے عاجز ہو۔
اُسے چاہئے کہ کسی دوسرے کے ہاتھ اپنا
سلام پہنچائے۔ اور اپنی حوائج و مغفرت ذنوب
و ستر عیوب وغیرہ کا ذکر کرے۔ کیونکہ وہ سادات
کرام ہیں۔ اور کرام رد نہیں کرتے اُس کو جو ان سے
سوال کرے۔ اور نہ اُس کو جو ان سے توسل
کرے۔ اور نہ اُس کو جو ان کا قصد کرے اور
نہ اُس کو جو ان کی پناہ لے۔ یہ کلام عام انبیاء
و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے
بارے میں ہے۔

رہا زیارت سید الاولین والآخرین صلوات
اللہ علیہ وسلامہ۔ سو انکسار و ذلّ و مسکنت

والذل والمسكنة لانه الشافع المشفع
الذي لا ترد شفاعته ولا يخيب من
قصده ولا من نزل بساحته ولا من
استعان او استغاث به اذ انه عليه
الصلوٰة والسلام قطب دائرة الكمال و
عروس المملكة - قال الله تعالىٰ في كتابه
العزيز (لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ
الْكُبْرٰى) قال علماؤنا رحمة الله
تعالىٰ عليهم رأى صورته عليه
الصلوٰة والسلام فاذا هو عروس
المملكة - فمن توسّل به او استغاث
به او طلب حوائجه منه فلا يرد
ولا يخيب لما شهدت به المعاينة
والآثار و يحتاج الى الادب الكلي
في زيارته عليه الصلوٰة
والسلام - وقد قال علماؤنا رحمة
الله عليهم ان الزائر يشعر نفسه
بانه واقف بين يديه عليه الصلوٰة
والسلام كما هو في حياته اذ لا فرق
بين موته وحياته اعني في مشاهدته

جن کا ذکر اوپر ہوا ان کا اظہار اِس بارگاہ عالی میں
کئی گنا زیادہ کرے۔ کیونکہ حضور شافع مشفع ہیں۔
کہ جن کی شفاعت رد نہیں ہوتی۔ اور وہ محروم نہیں
رہتا جو آپ کا قصد کرے یا آپ کے آنگن میں
اُترے یا آپ سے مدد مانگے یا آپ سے استغاثہ کرے
کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قطب دائرہ
کمال اور عروس[1] مملکت ہیں۔ اللہ تعالےٰ قرآن مجید
میں فرماتا ہے:-

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى	البتہ تحقیق دیکھا حضرت نے اپنے رب کی نشانیوں سے بڑی کو

ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالےٰ نے اس کی تاویل میں کہا۔
کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شب معراج میں اپنی
ذات شریف کی صورت کو ملکوت میں دیکھا۔ تو ناگاہ
آپ عروس مملکت تھے۔ پس جس نے حضور سے توسّل
یا استغاثہ کیا۔ یا حضور سے اپنی حاجتیں مانگیں اس کی
دعا رد نہیں ہوتی اور وہ محروم نہیں رہتا جیسا کہ
معاینہ و آثار اس پر شاہد ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت میں پورے
ادب کی ضرورت ہے۔ ہمارے علماء رحمہم اللہ تعالےٰ
نے فرمایا ہے۔ کہ زائر یہ سمجھے کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ

[1] عروس کے لئے سب چیزیں آراستہ کی جاتی ہیں سب اُس کی خدمت کرتے ہیں۔ اور اس کا حکم مانتے ہیں۔ اور اُس کو خوش کرنے کے اسباب مہیا کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ملک و ملکوت میں اللہ تعالےٰ کے خلیفہ مطلق ہیں۔ بسائط و مرکبات میں آپ کا تصرف ہے۔ اور یہ عالم آپ ہی کے لئے بنا ہے۔ پس آپ عروس مملکت ہیں۔ کذا فی مطالع المسرات۔

لامته ومعرفته باحوالهم دنیاتهم
وعزائمهم وخواطرهم وذلك عنده
جلی لاخفاء فیه۔ فان قال القائل هذه
الصفات مختصة بالمولیٰ سبحانه و
تعالیٰ فالجواب ان کل من انتقل الی
الاٰخرة من المؤمنین فهم یعلمون
احوال الاحیاء غالبًا وقد وقع ذلك
فی الکثرة بحیث المنتهی من حکایات
وقعت منهم۔ ویحتمل ان یکون علمهم
بذلك حین عرض اعمال الاحیاء
علیهم ویحتمل غیر ذلك وهذه
الاشیاء مغیبة عنا وقد اخبر
الصادق علیه الصلوٰة والسلام
بعرض الاعمال علیهم فلابد من
وقوع ذلك والکیفیة فیه غیر معلومة
والله اعلم بها۔ وکفی فی هذا بیانًا
قوله علیه الصلوٰة والسلام (المؤمن
ینظر بنور الله) انتهی۔ ونور الله
لا یحجبه شئ۔ هذا فی حق الاحیاء
من المؤمنین فکیف من کان منهم فی
الدار الاخرة۔ وقد قال الامام
ابو عبد الله القرطبی فی تذکرته
ماهذا لفظه۔ ابن المبارك اخبرنا

والسلام کے سامنے کھڑا ہوں جیسا کہ حضور حیات
شریف میں تھے۔ کیونکہ اپنی امت کے مشاہدے اور ان کے
احوال و نیات و عزائم و خواطر کی معرفت میں حضور کی موت
و حیات یکساں ہے۔ اور یہ آپ کے نزدیک ظاہر ہے۔
اس میں کوئی پوشیدگی نہیں۔ اگر کوئی اعتراض کرے
کہ یہ صفات تو اللہ تعالےٰ سے مختص ہیں تو اس کا جواب
یہ ہے۔ کہ مومنوں میں سے جو عالم برزخ میں چلے جاتے ہیں
وہ زندوں کے حالات اکثر جانتے ہیں۔ چنانچہ حکایتوں
میں بہایت کثرت سے ایسے واقعات مذکور ہیں۔ اور
احتمال ہے کہ مُردوں کو زندوں کے حالات کا علم اُس
وقت ہو جاتا ہو جب کہ اُن پر زندوں کے اعمال پیش
کئے جاتے ہیں۔ اس کے سوا اور بھی احتمال ہے۔
یہ چیزیں ہم سے پوشیدہ ہیں۔ حالانکہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے خبر دی ہے کہ زندوں کے اعمال مُردوں
پر پیش ہوتے ہیں۔ پس اس کے وقوع میں شک نہیں
مگر ہمیں اس کی کیفیت معلوم نہیں۔ خدا کو خوب معلوم
ہے۔ اس کے بیان میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا
یہ قول کافی ہے "مومن خدا کے نور سے دیکھتا ہے"۔
اور خدا کے نور کے لئے کوئی چیز حاجب نہیں۔ یہ تو
زندہ مومنوں کے حق میں ہے۔ ان میں سے جو دار آخرت
میں چلا جاتا ہے اُس کا کیا حال ہو گا۔ امام ابو عبداللہ
قرطبی نے اپنی کتاب تذکرہ میں یوں فرمایا ہے۔
"عبداللہ بن مبارک راوی ہیں کہ انصار میں سے

رجل من الانصار عن المنهال بن عمرو حدثنا انه سمع سعید بن المسیب یقول لیس من یوم الا وتعرض علی النبی صلے اللہ علیہ وسلم اعمال امتہ غدوۃ وعشیۃ فیعرفہم بسیماھم واعمالھم فلذلک یشھد علیہم قال اللہ تعالیٰ (فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنابک علی ھؤلاء شھیدا) قال وقد تقدم ان الاعمال تعرض علی اللہ تبارک وتعالیٰ یوم الخمیس ویوم الاثنین وعلی الانبیاء والاباء والامھات یوم الجمعۃ ولا تعارض فانہ یحتمل ان یختص نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام بعرض کل یوم ویوم الجمعۃ مع الانبیاء۔ انتہیٰ فالتوسل بہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ھو محل حط احمال الاوزار واثقال الذنوب والخطایا لان برکۃ شفاعتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام وعظمھا عند ربہ لا یتعاظمھا ذنب اذ انھا اعظم من الجمیع فلیستبشر من زارہ و یلجأ الی اللہ تعالیٰ بشفاعۃ نبیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام من لم یزرہ۔

ایک شخص نے ہمیں خبر دی کہ منہال بن عمرو نے سعید بن مسیب کو سنا کہ فرماتے تھے کہ کوئی دن ایسا نہیں کہ امت کے اعمال صبح وشام نبی صلے اللہ علیہ وسلم پر پیش نہ کئے جاتے ہوں۔ پس حضور ان کو ان کے چہروں سے اور ان کے اعمال کو پہچانتے ہیں۔ اسی واسطے آپ اپنی امت پر شہادت دیں گے۔ باری تعالے کا ارشاد ہے

فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَہِیْدٍ وَّجِئْنَا بِکَ عَلٰی ھٰٓؤُلَآءِ شَہِیْدًا۝	پس کیونکر ہوگا جس وقت ہم لائیں گے ہر امت سے گواہی دینے والا۔ اور لائیں گے ہم تجھ کو ان پر گواہ

اور پہلے آچکا ہے کہ اعمال اللہ تعالے پر پنجشنبہ اور دوشنبہ کو اور پیغمبروں اور باپوں اور ماؤں پر جمعہ کے دن پیش ہوتے ہیں۔ اس میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ احتمال ہے کہ اعمال کا ہر روز پیش ہونا ہمارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مختص ہو اور جمعہ کے دن پیش ہونا حضور سے اور دوسرے پیغمبروں سے مخصوص ہو۔

پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے توسل کرنا گناہوں اور خطاؤں کے بوجھوں کے ساقط ہونے کا محل ہے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت کی برکت اور اللہ کے نزدیک آپ کی شفاعت کی عظمت کے سامنے کوئی گناہ بڑا نہیں۔ اس لئے کہ آپ کی شفاعت سب سے بڑھ کر ہے۔ پس چاہئے کہ خوش ہووے وہ شخص جس نے حضور کی زیارت کی۔ جو شخص زیارت کے لئے حاضر نہ ہو سکا۔ وہ حضور کو شفیع بنا کر خدا کی پناہ لے۔

اللھم لا تحرمنا من شفاعته بحرمته عندك امین یارب العالمین۔ ومن اعتقد خلاف ھذا فھو المحروم۔	اللھم لا تحرمنا من شفاعته بحرمته عندك امین یارب العلمین۔ جو شخص اس کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے وہ محروم ہے۔

امام محمد بن موسیٰ بن نعمان مراکشی فاسی مالکی (متوفی ۶۸۳ھ) نے ۶۳۹ھ میں حج سے واپس آکر اپنی کتاب مصباح الظلام فی المستغیثین بخیر الانام فی الیقظة والمقام تصنیف کی۔ علامہ سمہودی نے اس میں سے چند مثالیں ایسے اشخاص کی نقل کی ہیں۔ کہ جنہوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا یا حضور کی قبر شریف کے پاس آپ سے کچھ مانگا۔ اور ان کو ان کا مطلوب حاصل ہو گیا۔ ہم ذیل میں وفاء الوفا کے علاوہ دیگر کتب سے بھی توسل و استغاثہ کی مثالیں نقل کرتے ہیں۔

(۱) حافظ محمد بن منکدر (متوفی ۲۰۵ھ) کا بیان ہے۔ کہ ایک شخص نے میرے والد کے پاس اسّی دینار بطور امانت رکھے۔ اور وہ یہ کہہ کر جہاد پر چلا گیا۔ کہ میری واپسی تک اگر تمہیں ضرورت پیش آئے۔ تو خرچ کر لینا۔ والد نے قحط سالی کے سبب سے وہ دینار خرچ کر لئے۔ اس شخص نے واپس آکر اپنی امانت طلب کی۔ والد نے جواب دیا کہ کل میرے پاس آنا۔ اور رات مسجد نبوی میں گذاری۔ کبھی قبر شریف سے لپٹتے۔ اور کبھی منبر منیف سے۔ یہانتک کہ قبر شریف سے استغاثہ کرتے کرتے صبح ہونے کو آئی۔ ناگاہ تاریکی میں ایک شخص نمودار ہوا۔ وہ یہ کہہ رہا تھا۔ "اے ابو محمد! یہ لو"۔ والد نے ہاتھ بڑھایا۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ایک تھیلی ہے جس میں اسّی دینار ہیں۔ صبح کو والد نے وہی دینار اس شخص کو دے دئے۔

(۲) امام ابو بکر مقری کا قول ہے۔ کہ میں اور طبرانی اور ابو الشیخ حرم نبوی میں فاقہ سے تھے۔ جب عشاء کا وقت آیا۔ تو میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر حاضر ہو کر عرض کیا "یا رسول اللہ! ہم بھوکے ہیں"۔ یہ عرض کر کے میں لوٹا۔ ابو القاسم (طبرانی) نے مجھ سے کہا کہ بیٹھو۔ رزق آئے گا یا موت۔ ابو بکر کا بیان ہے کہ میں اور ابو الشیخ سو گئے۔ اور طبرانی بیٹھے ہوئے کچھ دیکھ رہے تھے۔ ایک علوی نے آکر دروازہ کھٹکھٹایا۔ ہم نے کھولا۔ تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے ساتھ دو غلام ہیں۔ جن میں سے ہر ایک کے پاس ایک زنبیل بھری ہوئی ہے۔ ہم نے بیٹھ کر

کھایا اور خیال کیا کہ بقیہ کو غلام لے لے گا۔ مگر وہ باقی کو ہمارے پاس چھوڑ گئے۔ جب ہم کھانے سے فارغ ہوئے۔ تو علوی نے ہم سے کہا۔ کیا تم نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے فریاد کی تھی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں مجھے حکم دیا کہ میں تمہارے پاس کچھ لے جاؤں۔

(۳) ابن جلاد کا بیان ہے کہ میں مدینہ منورہ میں داخل ہوا اور فاقہ سے تھا۔ میں نے قبر شریف پر حاضر ہو کر عرض کیا۔ "میں آپ کا مہمان ہوں"۔ اتنا عرض کر کے میں سو گیا۔ خواب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک روٹی عنایت فرمائی۔ آدھی میں نے کھالی۔ آنکھ کھلی۔ تو آدھی میرے ہاتھ میں تھی۔

(۴) ابو الخیر اقطع ذکر کرتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں داخل ہوا اور فاقہ سے تھا۔ پانچ دن اسی طرح رہا۔ پھر قبر شریف پر حاضر ہوا۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین پر سلام عرض کیا اور یوں گویا ہوا۔ "یا رسول اللہ! میں آپ کا مہمان ہوں"۔ یہ عرض کر کے میں قبر شریف کے پیچھے سو گیا۔ میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ حضرت ابو بکر آپ کے دائیں طرف اور حضرت عمر بائیں طرف اور حضرت علی سامنے ہیں۔ مجھے حضرت علی نے بلایا۔ اور کہا کہ اُٹھو!۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں۔ میں نے اُٹھ کر حضور کی پیشانی کو بوسہ دیا۔ حضور نے مجھے ایک روٹی عنایت فرمائی۔ آدھی میں نے کھالی۔ آنکھ کھلی تو آدھی میرے ہاتھ میں تھی۔

(۵) ابو عبد اللہ محمد بن زرعہ صوفی ذکر کرتے ہیں۔ کہ میں اور میرا باپ اور ابو عبد اللہ بن خفیف مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ ہم رات کو بھوکے رہے۔ میں ابھی بالغ نہ ہوا تھا اور اپنے والد سے بار بار کہتا تھا کہ میں بھوکا ہوں۔ میرے والد نے قبر شریف پر حاضر ہو کر عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! آج رات میں آپ کا مہمان ہوں"۔ یہ عرض کر کے والد مراقب ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد انہوں نے سر اُٹھایا۔ تو کبھی روتے اور کبھی ہنستے۔ ان سے سبب دریافت کیا گیا۔ تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے کچھ درہم میرے ہاتھ میں رکھ دئے۔ ہاتھ جو کھولا۔ تو اس میں دہ درہم موجود تھے۔ اللہ تعالے نے ان درہموں میں برکت دی کہ ہم شیراز آ گئے۔ اور اُن میں سے خرچ کرتے رہے۔

(۶) احمد بن محمد صوفی کا بیان ہے کہ میں تین مہینے بیابان میں پھرتا رہا۔ پھر مدینہ منورہ میں

داخل ہوا۔ اور روضہ شریف پر حاضر ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اور حضرات شیخین پر سلام عرض کیا۔ پھر سو گیا۔ خواب میں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " اے احمد! تم آگئے ہو؟" میں نے عرض کیا کہ ہاں۔ میں بھوکا ہوں اور آپ کا مہمان ہوں۔ حضور نے فرمایا کہ اپنے ہاتھ کھولو۔ میں نے کھول دئے۔ حضور نے درہموں سے بھر دئے۔ میری آنکھ کھلی۔ تو دونوں ہاتھ درہموں سے بھرے ہوئے تھے۔ میں نے نان میدہ اور فالودہ خریدا اور کھایا۔ پھر اُسی وقت صحرا کی راہ لی۔

(۷) حافظ ابو القاسم بن عساکر نے اپنی تاریخ میں بالاسناد نقل کیا ہے۔ کہ ابو القاسم ثابت بن احمد بغدادی ذکر کرتے ہیں۔ کہ ایک شخص نے مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کے پاس نماز صبح کے لئے آذان دی۔ اور اُس میں الصلوٰۃ خیر مّن النّوم کہا۔ خدام مسجد میں سے ایک نے یہ سُن کر اُس پر تھپڑ مارا۔ اُس شخص نے رو کر عرض کیا " آپ کے حضور میں میرے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا ہے۔" اُسی وقت اُس خادم پر فالج گرا۔ اُسے وہاں سے اُٹھا کر گھر لے گئے۔ اور وہ تین دن کے بعد مرگیا۔[1]

(۸) منجملہ روایات ابن نعمان یہ ہے۔ کہ میں نے ابو اسحاق ابراہیم بن سعید سے سُنا کہ فرماتے تھے۔ کہ میں مدینہ منورہ میں تھا۔ میرے ساتھ تین فقیر تھے۔ ہم فاقہ میں مبتلا ہوئے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت شریف میں حاضر ہو کر عرض کیا " یا رسول اللہ! ہمارے پاس کچھ نہیں۔ ہمیں تین مُدّ کافی ہیں خواہ کسی چیز کے ہوں۔" اس کے بعد ایک شخص مجھ سے ملا۔ اُس نے مجھے تین مدّ عمدہ کھجوریں عطا کیں۔

(۹) امام ابن نعمان ہی بروایت ابو العباس بن نفیس مقری ضریر نقل کرتے ہیں۔ کہ اُس نے کہا کہ میں مدینہ منورہ میں تین دن بھوکا رہا۔ میں نے قبر شریف پر حاضر ہو کر عرض کیا " یا رسول اللہ میں بھوکا ہوں۔" یہ عرض کر کے میں سو گیا۔ ایک کنیز نے پاؤں مار کر مجھے جگا دیا۔ وہ مجھے اپنے گھر لے گئی۔ اور گیہوں کی روٹی اور گھی اور کھجوریں پیش کیں۔ اور کہا " ابو العباس! کھاؤ۔ میرے جد بزرگوار صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ کھانا تیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ تمہیں جب بھوک لگے۔ تو

---

[1] علامہ سمہودی اس کے بعد لکھتے ہیں۔ کہ ابو بکر مقری کا واقعہ وفاء لابن جوزی میں ہے۔ باقی واقعات مذکورہ بالا کو ابن جوزی کے علاوہ اوروں نے بھی ذکر کیا ہے۔

ہمارے پاس آجایا کرو۔

(۱۰ تا ۱۳) علامہ سمہودی اپنے مسموعات یوں بیان کرتے ہیں۔ میں نے شریف ابو محمد عبد السلام بن عبد الرحمٰن حسینی فاسی کو سنا کہ فرماتے تھے۔ میں مدینہ منورہ میں تین دن رہا۔ مجھے کھانے کو کچھ نہ ملا۔ میں نے منبر شریف کے پاس دوگانہ ادا کر کے یوں عرض کیا" اے میرے جد بزرگوار! میں بھوکا ہوں۔ اور آپ سے ثرید مانگتا ہوں" یہ عرض کر کے میں سوگیا۔ ناگاہ ایک شخص نے مجھے جگادیا۔ میں نے دیکھا کہ اُس کے پاس ایک پیالہ چوبیں ہے جس میں ثرید۔ گھی اور مصالح وگوشت ہے۔ اُس نے مجھ سے کہا کہ کھالو۔ میں نے پوچھا کہ تم یہ کہاں سے لائے ہو۔ اُس نے جواب دیا کہ میرے بچے تین دن سے اِسی کھانے کی تمنا کرتے تھے۔ آج اللہ تعالےٰ نے کچھ کشایش کردی۔ تو میں نے یہ کھانا تیار کیا۔ پھر میں سوگیا۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ فرما رہے ہیں۔ کہ تمہارا ایک بھائی مجھ سے اسی کھانے کی آرزو کرتا ہے۔ تم اس میں سے اُس کو بھی کھلاؤ۔

میں نے شیخ ابو عبد اللہ محمد بن ابی الامان کو سنا کہ فرماتے تھے۔ کہ میں مدینہ منورہ میں محراب فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے عقب میں تھا۔ شریف مکثر قاسمی محراب مذکور کے پیچھے سوئے ہوئے تھے۔ وہ اُٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ہمارے پاس مسکراتے ہوئے آئے۔ شمس الدین صواب خادم روضہ شریف نے ان سے مسکرانے کا سبب دریافت کیا۔ اُنہوں نے بیان کیا کہ میں فاقہ سے تھا۔ اپنے گھر سے نکل کر بیت فاطمہ رضی اللہ عنہا میں آیا۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ وعرض کیا کہ میں بھوکا ہوں۔ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دود کا پیالہ عطا فرمایا۔ میں نے پی لیا اور سیراب ہوگیا۔ دیکھ لو یہ موجود ہے۔ اور اپنے منہ میں سے اپنے ہاتھ پر دود تھوک کر دکھلادیا۔ ہم نے مشاہدہ کیا کہ ان کے منہ میں دود تھا۔

میں نے عبد اللہ بن حسن دمیاطی کو سُنا کہ بیان کرتے تھے کہ مجھ سے عبد القادر تنیسی نے حکایت کی کہ میں فقیروں کی طرح سفر کر رہا تھا۔ میں نے مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا اور بھوک کی شکایت کی۔ میں وہیں سوگیا۔ ایک نوجوان نے مجھے جگادیا۔ اور اپنے ساتھ لے گیا۔ اُس نے ثرید کا ایک پیالہ اور کئی قسم کی کھجوریں اور بہت سی روٹیاں

پیش کیں۔ میں نے کھانا کھایا۔ اُس نے گوشت و نان و تمر سے میرا توشہ دان بھر دیا اور بیان کیا۔ کہ میں نماز چاشت کے بعد سویا ہوا تھا۔ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں یہ کھانا پہنچا دوں۔ حضور نے مجھے تمہاری جگہ بھی بتا دی اور فرمادیا کہ تم نے حضور سے یہی تمنا کی تھی۔

میں نے اپنے دوست علی بن ابراہیم بوصیری کو سنا کہ فرماتے تھے۔ کہ عبدالسلام بن ابی القاسم صقلی ذکر کرتے تھے۔ کہ ایک ثقہ شخص نے جس کا نام مجھے یاد نہیں رہا مجھ سے بیان کیا کہ میں مدینہ منورہ میں تھا۔ میرے پاس کچھ نہ تھا۔ میں کمزور ہو گیا تھا۔ ایک روز حجرہ شریف کے پاس آکر میں نے عرض کیا "یا سید الاولین والآخرین! میں مصر کا رہنے والا ہوں۔ پانچ ماہ سے آپ کی خدمت میں ہوں۔ کمزور ہو گیا ہوں۔ یا رسول اللہ! خدا سے دعا فرمائیے کہ میرے پاس کوئی بندہ ایسا بھیج دے جو مجھے پیٹ بھر کھانا کھلائے یا مجھے اپنے ساتھ لے جائے" میں یہ عرض کر کے منبر شریف کے پاس بیٹھ گیا۔ ناگاہ ایک شخص حجرہ میں داخل ہوا۔ اُس نے کچھ کلام کیا اور کہا۔ اے جد بزرگوار! اے جد بزرگوار! پھر وہ میری طرف آیا۔ اور میرا ہاتھ پکڑ کر باب جبریلؑ سے نکلا۔ اور بقیع میں سے ہوتا ہوا ایک خیمہ میں پہنچا۔ وہاں اُس نے غلام و کنیز سے کہا۔ کہ اپنے مہمان کے لئے کھانا تیار کرو۔ چنانچہ غلام لکڑیاں چن لایا۔ اور کنیز نے اناج پیس کر روٹی پکائی۔ روٹی کے ساتھ گھی اور کھجوریں تھیں۔ میں آدھی روٹی سے سیر ہو گیا۔ اس نے باقی آدھی اور دو صاع کھجوریں میرے توشہ دان میں ڈال دیں۔ جب میں فارغ ہوا۔ تو اُس نے میرا نام پوچھا۔ میں نے بتلا دیا۔ پھر مجھ سے کہا۔ کہ تجھے خدا کی قسم! میرے جد بزرگوار کے پاس پھر شکایت نہ کرنا۔ کیونکہ اُنہیں ناگوار گزرتا ہے۔ آج سے بھوک کے وقت تیرا رزق تیرے پاس آجایا کرے گا یہاں تک کہ سفر کے لئے تجھے کوئی ساتھی مل جائے۔ پھر اُس نے اپنے غلام سے کہا کہ ان کو حجرہ شریف میں پہنچا دو۔ جب میں غلام کے ساتھ بقیع میں آیا۔ تو میں نے اس سے کہا کہ اب تم لوٹ جاؤ۔ میں پہنچ جاؤں گا۔ اُس نے کہا۔ یا سیدی! میں تو آپ کو حجرہ شریف میں پہنچا کر ہی آؤں گا مبادا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے آقا کو بتا دیں۔ غرض وہ مجھے حجرہ شریف میں پہنچا کر چلا گیا۔ میں چار روز توشہ دان میں سے کھاتا رہا۔ پھر مجھے بھوک لگی۔ تو وہی غلام مجھے کھانا دے گیا۔ بعد ازاں ایسا ہی ہوتا رہا کہ

جب مجھے بھوک لگتی۔ کھانا پہنچ جاتا یہانتک کہ ایک جماعت کے ساتھ میں ینبع کی طرف نکلا۔

(۱۴) علامہ سمہودی اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ کہ میں مسجد نبوی میں تھا۔ مصر کے حاجیوں کا قافلہ زیارت کو آیا۔ میرے ہاتھ میں خلوت کی کنجی تھی جس میں میری کتابیں تھیں۔ ایک مصری عالم نے کہا۔ کہ میرے ساتھ روضہ شریف میں چلو۔ جب میں واپس آیا۔ تو مجھے کنجی نہ ملی۔ میں نے ہر چند مختلف جگہوں میں تلاش کی۔ مگر نہ ملی۔ یہ مجھ پر بہت ناگوار گزرا۔ کیونکہ اُس وقت مجھے کنجی کی سخت ضرورت تھی۔ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ "یا سیدی! یا رسول اللہ! میری خلوت کی کنجی گم ہو گئی ہے۔ مجھے اُس کی ضرورت ہے۔ میں آپ کے دروازے سے مانگتا ہوں" یہ عرض کر کے میں واپس آیا۔ تو ایک لڑکے کو جسے میں نہ پہچانتا تھا خلوت کے قریب دیکھا۔ اُس کے ہاتھ میں وہ کنجی تھی۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ تمہیں یہ کہاں سے ملی ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وجہ شریف کے پاس تھی۔ میں نے وہاں سے اُٹھالی[1]۔

(۱۵) علامہ قسطلانی مواہب لدنیہ میں اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ کہ کئی سال مجھے ایک بیماری لاحق رہی۔ جس کے علاج سے اطباء عاجز آ گئے۔ میں نے ۲۸ جمادی الاولےٰ ۸۹۳ھ کی رات کو مکہ مشرفہ میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا۔ خواب میں میں نے ایک شخص کو دیکھا۔ جس کے پاس ایک کاغذ ہے۔ اس میں لکھا ہوا ہے۔ کہ اذن شریف نبوی کے بعد حضرت شریفہ سے یہ احمد بن قسطلانی کی بیماری کی دوا ہے۔ جب میری آنکھ کھلی۔ تو واللہ میں نے اُس بیماری کا کوئی نشان نہ پایا۔ اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی برکت سے شفا حاصل ہو گئی۔

(۱۶) علامہ قسطلانی اپنا دوسرا واقعہ یوں ذکر کرتے ہیں۔ کہ ۸۸۵ھ میں زیارت شریف کے بعد میں مصر کو آ رہا تھا۔ کہ مکہ کے راستے میں ہماری خادمہ غزال حبشیہ پر کئی روز آسیب کا اثر رہا۔ اس بارے میں میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا۔ خواب میں ایک شخص نظر آیا جس کے ساتھ وہ جن تھا۔ اُس نے کہا کہ اِس جن کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ میں نے اُس جن کو ملامت کی اور اُس سے حلف لیا کہ آیندہ اُس خادمہ کے پاس نہ آئے گا۔ میری

---

[1] وفاء الوفا۔ جزء ثانی، صفحہ ۴۲۴۔

آنکھ کھلی۔ تو خادمہ پر آسیب کا کچھ اثر نہ تھا گویا اُس کو قید سے رہا کر دیا گیا ہے۔ وہ عافیت میں رہی یہاں تک کہ میں نے ۸۹۴ھ میں اُس کو علیحدہ کر دیا۔

(۱۷) علامہ یوسف نبہانی نقل فرماتے ہیں۔ کہ کثیر بن محمد بن کثیر بن رفاعہ نے بیان کیا کہ ایک شخص عبد الملک بن سعید بن خیار بن جبر کے پاس آیا۔ اُس نے اُس شخص کا پیٹ ٹٹولا اور کہا کہ تجھے لاعلاج بیماری ہے۔ اُس نے پوچھا کہ کیا بیماری ہے؟۔ ابن جبر نے کہا کہ دُبیلہ[۱]۔ یہ سُن کر وہ لوٹ آیا اور اُس نے تین بار یوں دعا مانگی:۔

اللہ اللہ ربی لا اشرك به شیئًا اللهم انی اتوجه الیك بنبیك محمد صلے الله علیه وسلم نبی الرحمة یا محمد انی اتوجه بك الی ربك وربی ان یرحمنی مما بی رحمة یغنینی بها عن رحمة من سواه۔	اللہ اللہ میرا پروردگار ہے۔ میں اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔ یا اللہ! میں تیری بارگاہ میں تیرے نبی محمد صلے اللہ علیہ وسلم نبی الرحمۃ کا وسیلہ پیش کرتا ہوں۔ یا محمد! میں آپ کے اور اپنے رب کی بارگاہ میں آپ کا وسیلہ پیش کرتا ہوں۔ کہ وہ اس بیماری میں مجھ پر ایسی رحمت کرے کہ جس سے کسی غیر کی رحمت سے مجھے بے نیاز کردے

اِس دعا کے بعد وہ پھر ابن جبر کے پاس گیا۔ اُس نے اُس کا پیٹ ٹٹولا۔ تو کہا کہ تو تندرست ہو گیا ہے۔ تجھے کوئی بیماری نہیں ہے[۲]۔

(۱۸) ابو عبد اللہ سالم معروف بہ خواجہ نے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ گویا میں دریائے نیل کے ایک جزیرہ میں ہوں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نگرمچھ مجھ پر حملہ کرنا چاہتا ہے میں اُس سے ڈر گیا۔ ناگاہ ایک شخص نے جو میرے ذہن میں آیا کہ وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم ہیں مجھ سے فرمایا۔ کہ جب تو کسی سختی میں ہو۔ تو یوں پکارا کر:۔

اَنَا مُسْتَجِیْرٌ بِكَ یَا رَسُوْلَ اللهِ	یا رسول اللہ! میں آپ سے پناہ مانگنے والا ہوں۔

اتفاق سے اُن ہی ایام میں ایک نابینا نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا ارادہ کیا میں نے اس سے اپنا خواب بیان کر دیا اور کہہ دیا کہ جب تو کسی سختی میں مبتلا ہو۔ تو یوں

---

[۱] ایک پیٹ کی بیماری کا نام ہے۔

[۲] حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین۔ صفحہ ۷۹۰۔

پکار اکر۔ انا مستجیر بک یارسول اللہ۔ وہ روانہ ہو کر رابغ میں پہنچا۔ وہاں پانی کی قلت تھی۔ اُس کا خدمتگار پانی کی تلاش میں نکلا۔ راوی کا قول ہے کہ اُس نابینا نے مجھ سے ذکر کیا۔ کہ میرے ہاتھ میں مشک خالی رہ گئی۔ میں پانی کی تلاش سے تنگ آگیا۔ اِسی اثنا میں مجھے تمہارا قول یاد آگیا۔ میں نے کہا۔ انا مستجیر بک یارسول اللہ۔ اسی حال میں ناگاہ ایک شخص کی آواز میرے کان میں پڑی۔ کہ تو اپنی مشک بھرلے۔ میں نے مشک میں پانی کے گرنے کی آواز سُنی یہانتک کہ وہ بھر گئی۔ میں نہیں جانتا کہ وہ شخص کہاں سے آگیا۔[1]

(۱۹) ابوالحسن علی بن مصطفےٰ عسقلانی ذکر کرتے ہیں۔ کہ ہم بحر عیذاب میں کشتی میں جدہ کو روانہ ہوئے۔ سمندر میں طغیانی آگئی۔ ہم نے اپنا اسباب سمندر میں پھینک دیا۔ جب ہم ڈوبنے لگے۔ تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کرنے لگے اور یوں پکارنے لگے۔ یا محمداہ یا محمداہ۔ ہمارے ساتھ مغرب کا ایک نیک شخص تھا۔ وہ بولا۔ حاجیو! گھبراؤ مت۔ تم بچ جاؤ گے۔ کیونکہ ابھی میں خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا ہوں۔ میں نے حضور سے عرض کیا۔ یارسول اللہ! آپ کی اُمت آپ سے استغاثہ کر رہی ہے۔ حضور نے حضرت ابو بکر صدیق کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ مدد کرو۔ مغربی کا قول ہے۔ کہ میں اپنی آنکھ سے دیکھ رہا تھا کہ حضرت صدیق اکبر سمندر میں گھس گئے۔ انہوں نے کشتی کے پتوار پر اپنا ہاتھ ڈالا۔ اور اُسے کھینچتے رہے یہانتک کہ خشکی سے جا لگے۔ چنانچہ ہم صحیح وسالم رہے۔ اور اس کے بعد بجز خیر ہم نے کچھ نہ دیکھا۔ اور صحیح وسالم خشکی پر پہنچ گئے۔[2]

(۲۰) علامہ نبہانی شواہد الحق میں عبدالرحمٰن جزولی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں۔ کہ وہ فرماتے تھے۔ کہ میری آنکھ ہر سال خراب ہو جایا کرتی تھی۔ ایک سال مدینہ منورہ میں میری آنکھ دُکھنے لگی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر فریاد کی:۔ "یارسول اللہ! میں حضور کی حمایت میں ہوں اور میری آنکھ دکھ رہی ہے۔" پس مجھے آرام ہو گیا۔ اور حضور کی برکت سے ابتک مجھے آنکھ کی تکلیف نہیں ہوئی۔

---

[1] حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین۔ ص ۸۰۶۔

[2] حجۃ اللہ علی العالمین۔ ص ۸۰۷۔

(۲۱) علامہ نبہانی شواہد الحق میں کتاب الاشارات الیٰ معرفۃ الزیارات سے نقل کرتے ہیں کہ اس کے مصنف شیخ ابوالحسن علی بن ابی بکر السائح الہروی (متوفی بحلب ۶۱۱ھ) کہتے ہیں۔ کہ جزیرہ میں ایک شہر تونہ ہے۔ وہاں مشہد نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور مشہد علی رضی اللہ تعالےٰ عنہ موجود ہیں۔ میں نے جزیرہ والوں سے ان مشاہد کی نسبت دریافت کیا کہ کیا یہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم اور علی مرتضےٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے نام پر بنائے گئے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ قصہ طلب ہے۔ پھر ایک خوبصورت شیخ کو بلاکر بتلایا۔ کہ یہ شخص جذام میں بتلا ہو گیا تھا۔ لوگوں نے اس کی بیماری سے ڈر کر اُسے جزیرہ کے ایک طرف نکال دیا تھا۔ ایک رات اُس نے ایسا غُل مچایا کہ لوگ وہاں پہنچ گئے اور اُسے تندرست کھڑا دیکھا۔ جب اُس کا حال دریافت کیا گیا۔ تو اُس نے بیان کیا۔ کہ اس جگہ میں نے خواب میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ فرماتے ہیں "یہاں مسجد بنواؤ" میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں بیمار ہوں۔ لوگ میری بات کا یقین نہ کریں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا۔ اے علی! اس کا ہاتھ پکڑ لو۔ حضرت علی نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ میں تندرست ہو کر کھڑا ہو گیا جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو۔

امام ابن نعمان مصنف مصباح الظلام فرماتے ہیں۔ کہ میں نے اس مسجد کو دیکھا ہے۔ ہمارے استاد حافظ دمیاطی اور دیگر شیوخ اس قصہ کا ذکر کرتے تھے اور اُس کو صحیح بتاتے تھے۔ یہ قصہ وہاں مشہور ہے۔ اور اس مسجد کو مسجد النبیؐ کہتے ہیں۔

(۲۲) علامہ نبہانی اپنی کتاب سعادۃ الدارین میں خود اپنے استغاثہ کا قصہ یوں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ کسی ناخدا ترس دشمن نے میرے اوپر ایسا افتراء باندھا۔ کہ سلطان عبدالحمید خان نے حکم دیا کہ مجھے معزول کر کے کسی دور علاقہ میں بھیج دیا جائے۔ یہ سُن کر مجھے بیقراری ہوئی۔ جمعرات کا دن تھا۔ جمعہ کی رات میں نے ایک ہزار دفعہ استغفار پڑھا۔ اور تین سو پچاس بار یہ درود شریف پڑھا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ۔ قَدْ ضَاقَتْ حِیْلَتِیْ اَدْرِکْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ مجھے نیند آگئی۔ آخر رات پھر جاگا اور ہزار دفعہ درود شریف پڑھ کر حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کیا۔ جمعہ کی شام ہی کو سلطان کی طرف سے تار آگیا کہ مجھے بحال رکھا جائے۔ اللہ تعالےٰ سلطان کو نصرت دے اور مفتری کو رسوا کرے۔ والحمد للہ

رب العٰلمین [۱]۔

(۲۳) امام شرف الدین بوصیری (متوفی ۶۹۴ھ) اپنے قصیدہ بردہ کا سبب تصنیف یوں بیان فرماتے ہیں:۔

"میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح میں بہت سے قصیدے لکھے۔ جن میں سے بعضے وزیر زین الدین یعقوب بن زبیر کی درخواست پر تصنیف ہوئے۔ بعدازاں ایسا اتفاق ہوا۔ کہ میں مرض فالج میں مبتلا ہوگیا۔ اور اُس سے میرا نصف بدن بیکار ہوگیا۔ میرے جی میں آئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح میں ایک اور قصیدہ لکھوں۔ چنانچہ میں نے یہ قصیدہ بردہ تیار کیا۔ اور بتوسّل حضور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بارگاہ باریتعالےٰ میں اپنی عافیت کے لئے دعاء کی۔ میں نے اس قصیدے کو بار بار پڑھا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے توسّل سے دعاء کی اور سو گیا۔ (اب دیکھئے احمد مختار کی مسیحائی اور محمد عربی کی چارہ فرمائی)۔ خواب میں زیارت ہوئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا دستِ شفا میرے مفلوج حصہ پر پھیرا۔ اور اپنی چادر (بُردہ) مبارک مجھ پر ڈال دی۔ آنکھ کھُلی۔ تو میں نے اپنے تئیں تندرست وقوی پایا۔ میں نے اس قصیدے کا ذکر کسی سے نہ کیا تھا۔ مگر جب میں صبح کو اُٹھ کر گھر سے نکلا۔ تو راستے میں ایک درویش نے مجھ سے کہا۔ کہ وہ قصیدہ مجھے عنایت فرمائیے جو تم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح میں لکھا ہے۔ میں نے کہا۔ آپ کونسا قصیدہ طلب فرماتے ہیں؟ وہ بولے کہ جو تم نے بحالت مرض لکھا ہے۔ اور اُس کا مطلع بھی بتا دیا اور یہ بھی فرمایا۔ کہ خدا کی قسم! رات کو یہی قصیدہ میں نے دربار نبوی میں سُنا ہے۔ جب یہ پڑھا جا رہا تھا۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کو سُن سُن کر یوں جھوم رہے تھے جیسا کہ باد نسیم کے جھونکے سے میوہ دار درخت کی شاخیں جھومتی ہیں۔ حضور انور نے اُس کو پسند فرمایا اور پڑھنے والے پر ایک چادر ڈال دی۔ یہ سُن کر میں نے یہ قصیدہ اُس درویش کو دے دیا۔ اُس نے لوگوں سے ذکر کر دیا۔ اور یہ خواب مشہور ہوگیا [۲]۔"

---

[۱] العجالۃ الجیلہ فی اثبات الوسیلہ للفاضل الجلیل مولانا المولوی مشتاق احمد صاحب انبہٹوی، صفحہ ۹۸

[۲] فوات الوفیات للعلامۃ محمد بن شاکر بن احمد کتبی متوفی ۷۶۴ھ۔ ترجمہ محمد بن سعید بوصیری۔

(۲۴) شیخ شمس الدین محمد بن محمد بن محمد جزری شافعی (متوفی ۸۳۳ھ) اپنی مشہور کتاب حصن حصین من کلام سید المرسلین کے دیباچہ میں اپنے استغاثہ کا ذکر یوں کرتے ہیں:۔
"جب میں اس کی ترتیب و تہذیب پوری کر چکا۔ تو مجھے ایسے دشمن (امیر تیمور) نے طلب کیا۔ کہ اللہ کے سوا کوئی اُس کو دفع نہیں کر سکتا تھا۔ میں اُس دشمن سے چھُپ کر بھاگ گیا۔ اور اِس کتاب کو میں نے اپنا حصن بنایا۔ میں نے حضور سید المرسلین کو خواب میں دیکھا۔ میں حضور کے بائیں جانب بیٹھا ہوا ہوں۔ حضور گویا فرما رہے ہیں۔ کہ تو کیا چاہتا ہے؟ میں نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! میرے لئے اور مسلمانوں کے لئے اللہ سے دعا کیجئے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں دست مبارک اُٹھائے۔ میں دیکھ رہا تھا۔ آپ نے دعا مانگی۔ پھر دست مبارک چہرے مبارک پر ملے۔ یہ زیارت شب پنجشنبہ کو ہوئی۔ اور شب یکشنبہ کو دشمن بھاگ گیا۔ اللہ تعالےٰ نے اُن احادیث کی برکت سے جو اس کتاب میں ہیں مجھے اور مسلمانوں کو دشمن سے نجات دی۔"

(۲۵) فقیہ ابو محمد اشبیلی نے اپنی کتاب فضیلت حج میں لکھا ہے۔ کہ اہل غرناطہ میں سے ایک شخص کو ایسا مرض لاحق ہوگیا۔ کہ اُس کے علاج سے اطباء عاجز آگئے اور شفا سے مایوس ہو گئے۔ وزیر ابو عبد اللہ محمد بن ابی الخصال نے ایک نامہ بحضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم لکھا۔ اور اُس مریض کی شفا کے لئے اشعار میں حضور سے توسّل کیا۔ یہ نامہ کسی کے ہاتھ مدینہ منورہ کو بھیج دیا گیا۔ جب وہ اشعار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضہ شریف پر پڑھے گئے۔ تو بیمار اپنے وطن میں اُسی وقت تندرست ہوگیا۔ نامہ لے جانے والے نے واپس آکر اُسے دیکھا۔ تو ایسا تندرست پایا کہ گویا وہ کبھی بیمار ہی نہ ہوا تھا۔[۱]

(۲۶) ابو محمد عبد اللہ بن محمد ازدی کحال جو اندلس میں ایک نیک شخص تھا بیان کرتا ہے۔ کہ اندلس میں ایک شخص کا بیٹا قید ہوگیا۔ وہ اپنے بیٹے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کرنے کے لئے اپنے شہر سے نکلا۔ راستے میں کوئی اُس کا واقف ملا۔ اُس نے کہا۔ کہاں جاتے ہو؟ اُس شخص نے جواب دیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

[۱] وفاء الوفا۔ جزء ثانی۔ صفحہ ۴۳

فریاد کرنے جاتا ہوں۔ کیونکہ رومیوں نے میرے بیٹے کو گرفتار کر لیا ہے۔ اور تین سو دینار زرِ فدیہ قرار دیا ہے۔ مجھ میں استطاعت نہیں۔ اُس واقف نے کہا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ ہر جگہ مفید ہے۔ مگر وہ نہ مانا۔ جب مدینہ میں پہنچا۔ تو روضہ شریف پر حاضر ہو کر اپنا حال عرض کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے توسّل کیا۔ اُس نے خواب میں دیکھا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ تم اپنے وطن کو لوٹ جاؤ۔ جب وہ اپنے شہر میں واپس آیا۔ تو اپنے بیٹے کو موجود پایا۔ اُس سے حال دریافت کیا۔ تو بیٹے نے کہا۔ کہ فلاں رات مجھ کو اور بہت سے قیدیوں کو خدا تعالےٰ نے رہائی دی۔ ناگاہ وہ رات وہی تھی کہ اُس کا باپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ (شواہد الحق)۔

(۲۷) ابراہیم بن مرزوق بیانی کا بیان ہے کہ جزیرہ شقر کا ایک شخص قید ہو گیا۔ اور بیڑیوں اور کاٹھ میں ٹھوک دیا گیا۔ وہ یا رسول اللہ پکار پکار کر فریاد کرتا تھا۔ اُس کے بڑے دشمن نے طنزاً کہا۔ کہ اُس سے کہو کہ تمہیں چھڑا دے۔ جب رات ہوئی۔ تو ایک شخص نے اُسے بلایا اور کہا کہ آذان کہو۔ وہ بولا کہ تم نہیں دیکھتے کہ میں کس حال میں ہوں؟ پھر اُس نے آذان کہی۔ جس وقت وہ اشھد ان محمداً رسول اللہ پر پہنچا۔ تو اُس کی بیڑیاں وغیرہ خود بخود ٹوٹ گئیں۔ اور اُس کے سامنے ایک باغ نمودار ہوا۔ وہ باغ میں پھر رہا تھا۔ کہ اُسے ایک رستہ مل گیا جس سے وہ جزیرہ شقر میں جا پہنچا۔ اور اُس کا قصہ اُس کے شہر میں مشہور ہو گیا۔ (شواہد الحق)۔

(۲۸) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی کے شاعر حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور کے وصال شریف کے بعد یوں عرض کرتے ہیں:۔

رَسُوْلَ اللّٰهِ ضَاقَ بِنَا الْفَضَاءُ	یا رسول اللہ ہم پر روئے زمین تنگ ہو گئی
وَجَلَّ الْخَطْبُ وَانْقَطَعَ الْإِخَاءُ	اور مصیبت بڑھ گئی اور اخوت جاتی رہی
وَجَاهُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ جَاهٌ	یا رسول اللہ! آپ کا مرتبہ اتنا بلند ہے
رَفِيْعٌ مَا لِرِفْعَتِهٖ اِنْتِهَاءُ	کہ اُس کی بلندی کی کوئی انتہاء نہیں
وَظَنِّيْ فِيْكَ يَا طٰهٰ جَمِيْلٌ	یا طٰہٰ! میرا گمان آپ کی نسبت نیک ہے۔
وَمِنْكَ الْجُوْدُ يَعْهَدُ وَالسَّخَاءُ	اور آپ کی بخشش وسخاوت معروف ہے

رَجَوْتُكَ يَا بْنَ اٰمِنَةَ لِاَنِّیْ
اے آمنہ کے لال! میں آپ کا امیدوار ہوں۔

مُحِبٌّ وَالْمُحِبُّ لَهُ الرَّجَاءُ
کیونکہ میں محب ہوں اور محب کو امید ہوا کرتی ہے۔

فَكَمْ لَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَضْلٌ
یارسول اللہ! آپ کی بزرگی اتنی وسیع ہے۔

تَضِيْقُ الْاَرْضُ عَنْهُ وَالسَّمَاءُ
کہ زمین و آسمان میں نہیں سما سکتی۔

وَكَمْ لَكَ مُعْجِزَاتٌ ظَاهِرَاتٌ
آپ کے بے شمار معجزے ظاہر ہیں۔

كَضَوْءِ الشَّمْسِ لَيْسَ لَهُ خَفَاءُ
مثل آفتاب کی روشنی کے جو پوشیدہ نہیں

رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ فِیْ عَنَاءٍ
یارسول اللہ! میں مصیبت میں ہوں

عَسٰى بِكَ يَنْجَلِیْ هٰذَا الْعَنَاءُ
امید ہے کہ یہ مصیبت آپ کی طفیل دور ہو جائے گی۔

وَخُذْ بِيَدِیْ فَاِنِّیْ عَبْدُ سُوْءٍ
آپ میرا ہاتھ پکڑئے کیونکہ میں بندۂ گنہگار ہوں۔

عَلٰى كَسْبِ الذُّنُوْبِ لِیَ اجْتِرَاءُ
مجھے گناہوں کے ارتکاب پر جرأت ہوئی ہے۔

وَحَاشَا اَنْ اَرٰى ضَيْمًا وَّذُلًّا
حاشَ للہ کہ میں ظلم و خواری دیکھوں

وَلِیْ نَسَبٌ بِمَدْحِكَ وَانْتِمَاءُ
حالانکہ میں آپ کا مداح ہوں۔

(۲۹) حضرت امام الائمہ سیدنا ابو حنیفہ نعمان بن ثابت تابعی کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا حال یوں عرض کرتے ہیں:۔

يَا سَيِّدَ السَّادَاتِ جِئْتُكَ قَاصِدًا
اے سید سادات! میں قصد کر کے آپ کے پاس آیا ہوں

اَرْجُوْ رِضَاكَ وَاَحْتَمِیْ بِحِمَاكَ
میں آپ کی خوشنودی کا امیدوار ہوں اور آپکے سبزہ زار میں پناہ گزین ہوں۔

اَنْتَ الَّذِیْ لَوْلَاكَ مَا خُلِقَ امْرُءٌ
آپ کی وہ مقدس ذات ہے کہ اگر آپ نہ ہوتے۔ تو کبھی

كَلَّا وَلَا خُلِقَ الْوَرٰى لَوْلَاكَ
کوئی آدمی پیدا نہ ہوتا اور نہ کوئی مخلوق پیدا ہوتا۔

اَنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْكَ وَلَمْ يَكُنْ
میں آپکے جود و کرم کا امیدوار ہوں۔ آپ کے سوا

لِاَبِیْ حَنِيْفَةَ فِی الْاَنَامِ سِوَاكَ
خلقت میں ابو حنیفہ کا کوئی سہارا نہیں۔

(قصیدہ نعمانیہ)

(۳۰) امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے قصیدہ ہمزیہ میں یوں فریاد کرتے ہیں:۔

واتینا الیك انضاء نقر	اور ہم گناہوں کے بوجھ سے ناتوان و نحیف ہوکر آپ کے پاس آئے ہیں
حملتنا الی الغنی انضاء	دُبلی اونٹنیاں ہمیں بارگاہ غنا میں لائی ہیں۔
وانطوت فی الصدور حاجات نفس	اور ہمارے دلوں میں ذاتی حاجتیں ہیں۔
مالھاعن ندی یدیك انطواء	جن کے لئے آپ کے دست مبارک کی سخاوت سے چارہ نہیں
فاغثنا یا من ھوالغوث والغیہ	پس ہماری مدد کیجئے اے فریاد رس دباراں
ث اذا اجھد الوری اللأ داء	جبکہ خلقت قحط سے تنگ آجائے۔

(۳۱) شیخ الاسلام حافظ ابوالفتح تقی الدین بن دقیق العید (متوفی ۱۱ صفر ۷۱۲ھ) توسل واستغاثہ کے بارے میں یوں فرماتے ہیں:۔

اقول لرکب سائرین لیثرب	میں یثرب جانے والے شتر سواروں سے کہتا ہوں
ظفرتم بتقریب النبی المقرب	کہ تم کو نبی مقرب کی زیارت نصیب ہو۔
فبثوا الیہ کل شکوی ومتعب	تم حضور سے ہر ایک مرض و مشقت عرض کر دینا۔
وقصوا علیہ کل سؤل و مطلب	اور ہر ایک درخواست و مطلب بیان کر دینا۔
وانتم بمرأی للرسول ومسمع	حالانکہ رسول اللہ تمہیں دیکھتے اور تمہاری بات سنتے ہوں گے۔
ستحمون فی مغناہ خیر حمایۃ	حضور کے منزل میں تمہاری خوب حفاظت ہوگی۔
وتکفون ما تخشون ای کفایۃ	اور جس چیز سے تم ڈرتے ہو اس سے خوب بچاؤ ہوگا۔
وتبدو لکم من عندہ کل ایۃ	اور حضور کے ہاں سے تمہارے واسطے ہر ایک نشان ظاہر ہوگا۔
فحلوا من التعظیم البعد غایۃ	پس تم غایت درجہ کی تعظیم سے اُترنا۔
فحق رسول اللہ اکبر مارعی	کیونکہ رسول اللہ کا حق اُس سب سے بڑا ہے جس کی رعایت کی جائے۔

(طبقات الشافعیۃ الکبریٰ للتاج السبکی۔ ترجمہ ابن دقیق العید)

(۳۲) علامہ کمال الدین بن زملکانی انصاری (متوفی ۱۶ رمضان ۷۲۷ھ) جنہوں نے مسئلہ زیارت واستغاثہ میں اپنے ہمعصر ابن تیمیہ کی تردید میں ایک رسالہ لکھا ہے اپنے قصیدہ مدحیہ میں یوں فرماتے ہیں:۔

عربی	اردو ترجمہ
یا صاحب الجاه عند الله خالقه	اے خدائے خالق کے نزدیک قدر و منزلت والے!
ما ردّ جاهك الا كل افاك	سوائے دروغگو کے کسی نے آپ کے جاہ و منزلت کو رد نہیں کیا۔
انت الوجيه على رغم العدا ابدا	دشمنوں کی خواہش کے برعکس آپ ہمیشہ آبرو والے ہیں۔
انت الشفيع لفتاك ونساك	آپ دلیروں اور عابدوں کے شفیع ہیں۔
يا فرقة الزيغ لا لقيت صالحة	اے فرقۂ کج رو! تو کسی نیکی کو نہ پائے۔
ولا سقى الله يوماً قلب مرضاك	اور نہ خدا کسی روز تیرے مریضوں کے دل کو سیراب کرے۔
ولا حظيت بجاه المصطفىٰ ابداً	اور نہ تو جاہِ مصطفیٰؐ سے کبھی فائدہ اٹھائے۔
ومن اعانك فى الدنيا ووالاك	اور نہ دنیا میں تیرے مددگار اور دوست فائدہ اُٹھائیں۔
يا افضل الرسل يا مولى الانام ويا	اے افضل الرسل اے تمام مخلوقات کے آقا۔
خير الخلائق من انس واملاك	اے تمام انس و ملائک سے بہتر!
ها قد قصدتك اشكو بعض ما صنعت	لو میں آپ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میں آپ سے اپنے گناہوں کے
بى الذنوب وهذا ملجأ الشاكى	سلوک کی شکایت کروں۔ اور آپ کی بارگاہ ہی فریاد کرنے والا کا ملجا ہے
قد قيدتنى ذنوبى عن بلوغ مدى	میرے گناہوں نے مجھے میرے غایت قصد تک پہنچنے سے روک کر
قصدى الى الفوز منها فهى اشراكى	اپنے میں پھنسالیا۔ پس وہ میرا جال ہیں۔
فاستغفر الله لى واسأله عصمته	پس آپ خدا سے میرے لئے مغفرت طلب کیجئے اور
فيما بقى وغنى من غير امساك	آئندہ اُس کی حفاظت اور غنا بلا امساک کا سوال کیجئے۔
عليك من ربك الله الصلاة كما	آپ پر آپ کے پروردگار اللہ کی طرف سے درود ہو۔
منا عليك السلام الطيب الزاكى	جیسا کہ ہماری طرف سے آپ پر عمدہ پاک سلام ہو۔

(فوات الوفیات۔ جزء ثانی۔ صفحہ ۲۵۱)

(۳۳) مشہور مورخ قاضی عبدالرحمٰن معروف بہ ابن خلدون مالکی (متوفی ۸۰۸ھ) یوں استغاثہ کرتے ہیں:-

عربی	اردو ترجمہ
هب لى شفاعتك التى ارجو بها	مجھے اپنی شفاعت عطا فرمائیے جس سے میں
صفحا جميلا عن قبيح ذنوبى	اپنے بُرے گناہوں کی معافی کی امید کرسکوں

انّ النجاۃ وان اتیحت لامرئ	اگر نجات کسی مرد کے لئے مقدر ہے۔
فبفضل جاھك لیس بالتشبیب	تو وہ آپ کے جاہ کے طفیل سے ہے۔ تشبیب سے نہیں۔
انّی دعوتك واثقاً باجابتی	اے خیر مدعو اے خیر مجیب!
یاخیر مدعو وخیر مجیب	میں آپ کو پکارتا ہوں۔ مجھے قبولیت کا یقین ہے۔

(المقالات الوفیہ فی الرد علی الوہابیہ)

(۳۴) شیخ شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲ھ) یوں عرض کرتے ہیں:-

نبی اللہ یا خیر البرایا	اے اللہ کے نبی اے تمام مخلوق سے بہتر!
بجاھك اتقی فصل القضاء	حضور ہی کی قدر و منزلت کے طفیل قیامت میں میرا بچاؤ ہوگا۔
وارجو یا کریم العفو عما	اے کریم اے صاحب جود و عطار! میں ان گناہوں کی
جنتہ یدای یارب الحباء	جو مجھ سے ہوئے ہیں معافی کی امید کرتا ہوں
فقل یا احمد بن علی اذھب	حضور فرمادیں کہ اے احمد بن علی
الی دار النعیم بلا شقاء	جنت میں بغیر مشقت کے چلا جا۔ (المقالات الوفیہ)

(۳۵) امام عمر بن الوردی یوں عرض کرتے ہیں:-

یاربِّ بالھادی البشیر محمد	اے میرے پروردگار ہادی بشیر محمد کی طفیل سے
وبدینہ العالی علی الادیان	اور حضور کے دین کی برکت سے جو سب دینوں پر غالب ہے۔
ثبّت علی الاسلام قلبی واھدنی	میرے دل کو اسلام پر ثابت رکھ اور مجھے حق کی طرف
للحق وانصرنی علی الشیطان	رہنمائی کر اور مجھے شیطان پر غلبہ دے۔

(المقالات الوفیہ)

(۳۶) مولانا شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ قصیدہ ہمزیہ میں اس طرح استغاثہ فرماتے ہیں:-

رسول اللہ یاخیر البرایا	اے اللہ کے رسول اے تمام خلق سے بہتر
نوالك ابتغی یوم القضاء	قیامت کے دن میں آپ کی عطا و بخشش چاہتا ہوں۔
اذا ماحلّ خطب مدلھمّ	جب کوئی سخت مصیبت پیش آوے۔
فانت الحصن من کل البلاء	تو حضور ہی ہر بلا سے بچاؤ کے لئے قلعہ ہیں

الیك توجهی وبك استنادی	حضور ہی کی طرف میری توجہ اور حضور ہی میرا سہارا ہیں
وفیك مطامعی وبك ارتجائی	اور حضور ہی سے بھلائی کی طمع اور حضور ہی سے امید ہے۔

(۳۷) مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے قصیدہ اطیب النغم کی تضمین میں یوں فرماتے ہیں:۔

مدار وجود الکون فی کلّ لحظة	آپ ہر لحظہ وجود عالم کے دار مدار ہیں
ومفتاح باب الجود فی کلّ عسرة	اور ہر مشکل میں سخاوت کے دروازے کی کنجی ہیں۔
ومتمسك الملهوف فی کلّ شدّة	اور ہر شدت میں پریشان بیقرار کی پناہ ہیں۔
ومعتصم المکروب فی کلّ غمرة	اور ہر مصیبت میں آفت رسیدہ کا سہارا ہیں
ومنتجع الغفران من کلّ تائب	اور ہر ایک توبہ کرنے والے کی طرف سے بخشش کا وسیلہ ہیں
الیك تمدّ العین حین ضراعة	خشوع وخضوع کے وقت آپ ہی کی طرف آنکھ اُٹھتی ہے۔

(۳۸) استاد کبیر شیخ عبداللہ شبراوی مصری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے وقت یوں عرض کرتے ہیں:۔

یارسول الله انی مذنب	یارسول اللہ! میں گنہگار ہوں۔
ومن الجود قبول المذنب	گنہگار کی عرض کا قبول کرنا جود وکرم ہے
یانبی الله مالی حیلة	یا نبی اللہ یا سید الانبیاء!
غیر حبی لك یاخیر نبی	آپ کی محبت کے سوا میرا کوئی حیلہ نہیں
عظم الکرب ولی فیك رجا	میرا اندوہ وغم بڑا ہے۔ مجھے آپ سے امید ہے۔
فبه یارب فرّج کربی	اے میرے پروردگار! حضورؐ کے طفیل سے میرا غم دور کردے۔

(مقالات وفیہ)

(۳۹) حضرت حاجی حافظ شاہ محمد امداد اللہ رحمہ اللہ دربار نبویؐ میں یوں عرض کرتے ہیں ؎

کرم فرماؤ ہم پر اور کرو حق سے شفاعت تم	ہمارے جرم وعصیاں پر نہ جاؤ یارسول اللہ
پھنسا ہوں بے طرح گرداب غم میں ناخدا ہوکر	میری کشتی کنارے پر لگاؤ یارسول اللہ
جہاز امت کا حق نے کردیا ہے آپ کی ہاتھوں	بس اب چاہو تراؤ یا ڈباؤ یارسول اللہ

(رسالہ درد ناک غمناک)

(۴۰) مولانا مولوی محمد قاسم صاحب نانوتویؒ یوں عرض کرتے ہیں:-

مدد کر اے کرمِ احمدی کہ تیرے سوا — نہیں ہے قاسمِ بیکس کا کوئی حامی کار

یہ ہے اجابتِ حق کو تری دعا کا لحاظ — قضائے مبرم و مشروط کی نہیں ہے پکار

خدا ترا! تو جہاں کا ہے واجب الطاعۃ — جہاں کو تجھ سے تجھے اپنے حق سے ہے سرد کار

(قصائد قاسمی)

هٰذا اٰخر الكلام فی سيرة خير الانام. عليه الف الف تحية وسلام۔

رَبِّ تَقَبَّلْ مِنِّیْ هٰذِهِ الْهَدِيَّةَ الطَّفِيْفَةَ. لِجَنَابِ حَبِيْبِكَ الْخَصِيْبِ عَلَيْهِ اُلُوْفُ الصَّلٰوةِ وَالتَّحِيَّةِ. وَاجْعَلْهَا اِلٰى حُصُوْلِ رِضَاكَ وَنَيْلِ شَفَاعَتِهٖ وَسِيْلَةً. اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَّبِعِيْنَ لِشَرِيْعَتِهٖ الْمُتَّصِفِيْنَ بِمَحَبَّتِهٖ الْمُهْتَدِيْنَ بِهَدْيِهٖ وَسِيْرَتِهٖ. وَتَوَفَّنِیْ عَلٰى سُنَّتِهٖ وَمِلَّتِهٖ وَلَا تَحْرِمْنِیْ فَضْلَ شَفَاعَتِهٖ. وَاحْشُرْنِیْ فِیْ اَتْبَاعِهِ الْغُرِّ الْمُحَجَّلِيْنَ. وَاَشْيَاعِهِ السَّابِقِيْنَ وَاَصْحَابِ الْيَمِيْنِ. اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِشُيُوْخِیْ وَلِسَائِرِ الْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ. بِرَحْمَتِكَ يَا رَحْمٰنُ يَا رَحِيْمُ يَا غَفَّارُ يَا وَهَّابُ. هٰذَا وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ وَاَوْلِيَاءِ اُمَّتِهٖ وَاَتْبَاعِهٖ اَجْمَعِيْنَ

اللهم اغفر لكاتبه عبد الرحمن ازہری